اشاعتِ اسلام

یعنی

دُنیا میں اِسلام کیونکر پھیلا

تالیف

ادیبِ جلیل مُورّخ اسلام حضرت مولانا حبیبُ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ برُہان اردو بازار جامع مسجد دہلی

سنہ ۱۳۶۹ھ سنہ ۱۹۵۰ء

قیمت مجلد ساتھ روپے
قیمت غیر مجلد چھ روپے

مطبوعہ دلّی پرنٹنگ ورکس دہلی

فہرست مضامین اشاعت اسلام

تقریظ

شیخ الاسلام حضرت مولانا السید حسین احمد صاحب دامت برکاتہم

مذہب اسلام کی صداقت اور اسکے اصول کی حقانیت کچھ ایسی تھی کہ قلوب عالم اور ارواح عام انسانیہ میں مثل غذا صالح خود بخود منجذب ہو کر نہ پہنچتی اسکی تعلیمات صحیحہ کی چمکتی ہوئی روشنی بھی کچھ ایسی کمزور نہ تھی کہ کفر و بطلان کی آنکھوں کو خیرہ اور چکاچوند نہ کر دیتی، ہاں ہاں اسکے پختہ اصول اور محکم قواعد نے نہ صرف حکماء زمانہ کے دماغوں کو منور اور درخشندہ کیا بلکہ اقوام عالم کے دور افتادہ اور گوشہ نشین عناصر کے عقول و اذہان کو بھی اپنی تیز و تند شعاعوں سے جگمگا دیا۔ اسکی روحانی تربیت و اخلاقی اصلاحات نے بھی نہ صرف حلقہ بگوشانِ ادیانِ سابقہ کو اپنا گرویدہ بنایا، بلکہ ریگستانوں میں بادیہ پیمائی کرنیوالوں اور پہاڑوں میں وحشیانہ زندگی بسر کرنیوالوں کو بھی اپنا رام کر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ نہایت تھوڑی سی مدت میں "بحر اٹلانٹک کے سواحل سے لیکر بحر بالٹک" کے کناروں تک اور بحر منجمد شمالی کے برفستان سے لیکر صحراء کبیر افریقہ کی انتہائی اور گرم حدود تک ہزارہا میل کی مسافت میں لا الہ الا اللہ کا ڈنکا بجنے لگا۔ تلواروں میں یہ قوت کہاں ہے اور ہتھیاروں میں یہ عالمگیریت کس طرح آسکتی ہے کہاں ہیں شپرہ چشم اشخاص، حقیقی روشنی سے بے بہرہ ہونے والے۔ سچائی اور حقانیت سے بے فیض معاندین اور ہٹ دھرموں سے دھوکے کھانے والے آئیں اور دیدہ بصیرت کھولیں تاریخ اسلام کے سنہری اوراق کا مطالعہ کریں نور اور ظلمت میں تمیز کریں کھرے کھوٹے کو پرکھیں اسلام کی دلربائی اور اسکی محبوبیت کا نظارہ کریں اور علم حقیقی اور واقعی روشنی سے اپنے دل و دماغ کو منور کریں زیادہ توفیق نہ ہو تو حضرت مولانا الاستاذ العلامۃ المحقق مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس مضمون "دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا" کو جو کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے شیریں بحار تحقیق کا ایک قطرہ اور انکی سچی تاریخی واقفیت کا ایک نقطہ ہے بغور ملاحظہ کریں تاکہ متعصب پادریوں اور نادان ہٹ دھرم آریوں کی دروغگوئی و ابلہ فریبی کا پول کھلے اور اسلام کی جہانگیر صداقت کا پتہ چلے فجزاہم اللہ تعالیٰ فی الدارین احسن الجزاء، آمین

کتبہ احقر الطلبہ

حسین احمد غفرلہ

(الفیض آبادی ثم المدنی الدیوبندی)

موقع الحسام من اشاعۃ الاسلام

از حکیم الامت حضرت مولانا الشاہ محمد اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بعد الحمد والصلوٰۃ: مخالفین اسلام کے اس شبہ کا کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے اصولی جواب تو خود اسلام کے قانون سے ظاہر ہے جس کے بعض ضروری دفعات یہ ہیں (۱) قتال میں عورت اور اپاہج اور شیخ فانی اور اندھے کا قتل باوجود اُن کے بقا علی الکفر کے جائز نہیں اگر سیف اکراہ علی الاسلام کے لیے ہوتی تو ان کو اُنکی حالت پر کیسے چھوڑا جاتا (۲) جزیہ مشروع کیا گیا اگر سیف جزاء کفر ہوتی تو باوجود بقاء علی الکفر کے جزیہ کیسے مشروع ہوتا (۳) پھر جزیہ بھی سب کفار پر نہیں چنانچہ عورت پر نہیں اپاہج اور نابینا پر نہیں رہبان پر نہیں اس سے معلوم ہوا کہ شل سیف کے جزیہ جزائے کفر نہیں ورنہ سب کفار کو عام ہوتا جب جزیہ کہ سیف سے اخف ہے جزائے کفر نہیں تو سیف جو کہ اشد ہے کیسے جزائے کفر ہوگی (۴) اگر کسی وقت مسلمانوں کی مصلحت ہو تو کفار سے صلح بلاشرط مالی بھی جائز ہے (۵) اگر حالات وقتیہ مقتضی ہوں تو خود مال دیکر بھی صلح جائز ہے۔ ان اجزاء کی دونوں دفعات سے معلوم ہوا کہ جزیہ جس طرح جزائے کفر نہیں جیسا دفعہ ۳ سے معلوم ہوا اسی طرح وہ مقصود بالذات بھی نہیں ورنہ صلح بلا مال یا بہ بدل مال جائز نہ ہوتی پس جب سیف یا جزیہ جزائے کفر نہیں نہ مقصود بالذات ورنہ دفعات مذکور مشروع نہ ہوتے تو ضرور اسکی کوئی ایسی علت ہے جو ان دفعات کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے اور وہ حسب تصریح حکمائے اُمت (کما فی الہدایۃ وغیرہا) سیف کی غرض اعزاز دین و دفع فساد ہے اور جزیہ کی غرض یہ ہے کہ جب ہم ہر طرح اُنکی حفاظت کرتے ہیں اور اس حفاظت میں اپنی جان و مال صرف کرتے ہیں تو اس کا صلہ یہ تھا کہ وہ بھی حاجت کے وقت ہماری نصرت بالنفس ہی کرتے مگر ہم نے انکو قانوناً اس سے بھی سبکدوش کر دیا اسلئے کم از کم اُنکو کچھ مختصر ٹیکس مالی ادا کرنا چاہیے تا کہ یہ نصرت بالمال اس نصرت بالنفس کا من وجہ بدل ہو جائے یہ اغراض ہیں سیف اور جزیہ کے اور یہی وجہ ہے کہ جب اعدائے دین سے احتمال فساد کا نہیں رہتا تو سیف مرتفع ہو جاتی ہے جس کے تحقق کی ایک صورت قبول جزیہ ہے ایک صورت صلح ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو لوگ نصرت بالنفس پر جو کہ ان پر عقلاً واجب تھی قادر نہیں اُن سے نصرت بالمال بھی معاف کر دی گئی ہے البتہ چونکہ احتمال فساد کا موثوق بانتفاء عادۃً موقوف ہے حکومت و سلطنت پر چنانچہ تمام ملوک و سلاطین کا گو وہ اہل ملل بھی نہ ہوں یہ اجماعی مسئلہ ہے اس لیے کسی ایسی صورت کو بحالت اختیار گوارا نہیں کیا گیا جس میں اسلام کی قوت و شوکت کو صدمہ پہنچے اس مختصر تقریر سے اصولی طور پر شبہ مذکورہ کا بالکلیہ قلع قمع ہو جاتا ہے اس کا وسوسہ بھی باقی نہیں رہتا کہ شمشیر اشاعت اسلام کے لیے وضع کی گئی ہے الحمد للہ کہ اس اعتراض کا بالکلیہ استیصال ہو گیا۔ رہا مرتد کا قتل اسلام کی طرف عود نہ کرنے کی حالت میں سو اسکی حقیقت اکراہ علی قبول اسلام نہیں ہے بلکہ اکراہ علی البقاء علی الاسلام بعد قبولہ ہے سو وہ ایک مستقل مسئلہ ہے جو مسئلہ مبحوث عنہا سے بالکل مغائر ہے اور اس کی بنا بھی وہی دفع فساد ہے جو اصل

مسئلہ سیف کی بنا رہے اتنا فرق ہے کہ کفر قبل الاسلام کا شر اور ضرر اخف ہے اسلیئے اس کا تدارک جزیہ یا صلح سے جائز رکھا گیا ہے اور کفر بعد الاسلام یعنی ارتداد کا شر اور ضرر اغلظ ہے کہ ایسا شخص طبعاً بھی زیادہ مخالف و محارب ہوتا ہے اور دوسروں کو اسکی حالت دیکھکر اسی تو ہیں تردد و تذبذب بھی ہو جاتا ہے نیز اس میں ملت کی ہتک حرمت بھی ہو اس لیے اس کا تدارک صرف سیف سے تجویز کیا گیا اور مرتدہ چونکہ عادتاً محارب نہیں ہوتی صرف تذبذب و ہتک اس کے حبس کی دائم سے دفع کر دیا گیا ہے کہ عقوبت میں فطرتاً خاصہ رجز کا ہے۔

بہر حال قانون اسلام کا رفع رفع تمامی شبہات کے (اعتراض اشاعت اسلام بالسیف کے لئے دافع ہونا ظاہر ہو گیا جو کہ حقیقت شناسان اہل انصاف کی شفاء کے لیے کافی ہے مگر چونکہ اس وقت عام طور سے مادیت، اعتباریت کا اکثر طبائع پر رنگ غالب ہے اس لیے اس شبہ کے جواب میں سخت ضرورت اس کی بھی تھی کہ خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپکے نائبان ذوی الاحترام یعنی ذمہ داران اسلام کے واقعات جزئیہ بھی اس اصول مذکورہ کی تائید و موافقت میں دکھلائے جاویں چنانچہ اس ضرورت کو محسوس کر کے متعدد حضرات نے اس موضوع پر توجہ کی ہے لیکن علوم دینیہ میں مہارت نہ ہونے کے سبب اکثر کے کلام میں خود وہ اصول و حدود جس کی تائید مقصود تھی متروک و فائت ہو گئے ہیں جس سے وہ تائید بالکل اس مثل کے مصداق ہو گئی ہے کہ "برسر شاخ و بن می برید" تو اس طرح سے وہ ضرورت پھر باقی کی باقی رہی۔ حق تعالےٰ جزائے خیر عطا فرمائے مکرمی معظمی نبراس العلماء راس الفضلاء تاج الادباء سراج البلغاء حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب ناظم مدرسہ دار العلوم دیوبند دام ودامت بالفیوض والبرکات والمواہب کو جنہوں نے اپنے رسالے اشاعت اسلام ملقب بہ "دنیا میں اسلام کیوں کر پھیلا" میں جس کے چند اجزاء اس وقت میرے سامنے ہیں اس ضرورت کا حق بوجہ اکمل ادا فرمایا جس میں اولاً تمہید میں بقدر ضرورت اصول کی طرف بھی ارشاد فرمایا ہے اور ثانیاً واقعات صحیحہ کو ایسی خوبی کے ساتھ ذکر فرمایا ہے کہ دلالت علی المقصود کے ساتھ انطباق علی الاصول کا پورا لحاظ رکھا ہے جس سے شائقان فروع، عاشقان اصول دونوں کو مستفید کرتا ہوا اس شعر کا مصداق ہو گیا ہے

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد	برنگ اصحاب صورت را بو ارباب معنی را

یہ تو اس کے معنوں اور معنی کی کیفیت ہے پھر عنوان اور الفاظ میں سادگی اور حسن کو ایسے طور پر جمع کیا ہے کہ عبارت میں نہ فرسودہ قدامت ہے نہ تکلف آمیز جدت، جس سے وہ اس شعر کا مصداق ہو گیا ہے

دل فریبان نباتی ہمہ زیور بستند	دلبر ماست کہ با حسن خداداد آمد

چونکہ میں ثنا سے زیادہ دعاء کو اپنا وظیفہ سمجھتا ہوں اس لیے بجائے ثناء کے اس دعاء پر ختم کرتا ہوں کہ

لہ من قول تعالیٰ۔ آمنوا بالذی انزل علی للذین آمنوا وجہ النہار واکفروا آخرہ لعلہم یرجعون ۱۲ امنہ من حجۃ اللہ البالغہ ۱۲

اے اللہ اس رسالہ کو نافع فرما اور شبہات کے لیے دافع فرما۔ اسی وقت ختم پر مجھ کو یاد آیا کہ القاسم دور جدید کے کسی پرچہ پر مولانا اعزاز علی صاحب مدرس مدرسہ موصوفہ نے ایک مضمون شروع کیا تھا جس کا عنوان ہے اسلام سے لوگوں کو کس طرح روکا گیا مناسبتِ تقابل کے سبب (جسکی مسلمہ خاصیت ہے وہ بضدہا تتبیین الاشیاء) اس مقام پر اس کا ذکر کرنے کو بھی دل چاہا اس کو تلاش کر رہا تھا کہ القاسم بابت رمضان المبارک ۱۳۴۵ھ میں وہ بھی مل گیا اور اسی دوران میں القاسم ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ میں ایک اور مضمون مولانا ہی کا بعنوان اشاعۃ الاسلام کا تاریخی سلسلہ "جس میں مضمون بالا یعنی مانعیت عن الاسلام کی تکمیل کا وعدہ اور ساتھ ہی دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا" کی تتمیم کا وعدہ ذکر فرمایا ہے اس کو دیکھنے سے میرے سامنے تین نور جمع ہو گئے یعنی (۱) مولانا الممدوح سابقہ کا اصل مضمون (۲) مولانا الممدوح لاحقہ کا مضمون اشاعۃ جس کا اصل مضمون کا تتمہ کہنا مناسب ہے (۳) انہی مولانا کا مضمون مانعیت جسکو اصل مضمون کا ضمیمہ کہنا مناسب ہے ہر نور نے ایک سرور پیدا کر کے یہ شعر صادق کر دیا

سرور فی سرور و نور فوق نور فوق نور

اور در حقیقت یہ مضمون مانعیت کا اصل مضمون کی شوکت و صولت کا جلی اور قوی کرنے والا ہے جسکی تعبیر یہ ہے کہ اسلام میں وہ دلکشی ہے کہ باوجود مخالفین کے اتنے مکائد و شدائد کے اس کے اثر میں کمی نہیں ہوئی پس اصل مضمون سے اسلام کی شان جبیبی (یعنی محبوبیت) نمایاں ہے اور عجیب اتفاق ہے کہ وہ اسی شان کے مظہر یعنی حبیب العلماء کے قلم سے شروع ہوا، اور مضمون مانعیت سے اسلام کی شان اعزازی (یعنی عظمت) کہ اتنے مخالفین کو مغلوب کرتا رہا روشن ہے اور عجیب اتفاق ہے کہ وہ اسی شان کے مظہر یعنی اعزاز الفضلاء کے قلم سے شروع ہوا۔ اگر یہ مضمون بھی مثل اصل مضمون کے ایک معتدبہ مقدار میں مدون ہو جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس موضوع میں کوئی حالت منتظرہ باقی نہ رہے اب مولانا المدرس دام فیضہم کی خدمت میں دونوں وعدوں کے ایفاء کی سفارش اور اللہ تعالیٰ سے ان کی تکمیل میں اعانت کی دعا کر کے دوبارہ مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ والسلام

کتبہ

اشرف علی التھانوی

۲۷ ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشاعت اسلام

ملقب بہ

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

حصہ اول

مذہب اسلام نے وجود میں قدم رکھتے ہی جس سرعت اور تیزی کے ساتھ عالم میں اپنی صداقت کا سکہ بٹھلایا اُس کی نظیر دوسرا کوئی مذہب پیش نہیں کر سکتا۔ ہمارے سامنے دو سلسلے موجود ہیں۔ ایک ملکی فتوحات کا۔ دوسرا مذہب کی اشاعت کا۔ دونوں پر نظر ڈالتے ہیں تو حقانیت اسلام کے اعتراف کے سوا چارہ نہیں ہوتا۔ فتوحات ملکی نے چند ہی سالوں میں سیلاب عظیم کی طرح قدیم اور زبردست سلسلوں کو تہ و بالا کر کے تہذیب و تمدن کا نیا دور دنیا میں پھیلا دیا شیوع مذہب کو خیال کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نور آفتاب کی طرح ایکدم اُس نے تمام عالم کو منور کر دیا۔ حقانیت اسلام کا اثر بجلی کی رو کی طرح سرایت کرتا چلا گیا اور سخت سے سخت معاندوں سے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اول درجہ کا بغض رکھتے تھے یہ کہلا دیا کہ " دنیا میں کوئی شخص آپ سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ مگر اب آپ سے زیادہ کوئی محبوب بھی نہیں ہے[ف۱]"

بہت سے ناواقف یا متعصب و معاند دونوں سلسلوں کو ایک سمجھکر اشاعت اسلام کو فتوحات ملکی و محاربات کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اسلام دنیا میں بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے

ف۱ عن ابی ہریرہ قال بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم خیلاً قبل نجد فجاءت برجل من بنی حنیفۃ یقال لہ ثمامۃ بن اثال فربطوہ بساریۃ من سواری المسجد فخرج الیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ماعندک یا ثمامۃ قال خیر یا محمد ان تقتلنی تقتل ذادم وان تنعم تنعم علی شاکر وان کنت ترید المال فسل منہ ماشئت فترکہ حتی کان الغد فقال لہ ماعندک یا ثمامۃ فقال عندی ما قلت لک فقال اطلقوا ثمامۃ فانطلق الی نخل قریب من المسجد فاغتسل ثم دخل المسجد فقال اشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا محمد اما کان علی وجہ الارض وجہ ابغض الی من وجہک فقد اصبح وجہک احب الوجوہ الی ۱۲ فیض الباری ص ۸۶/۴۱۔

اُن کا دعویٰ ہے کہ اسلام نے اپنی خوبیوں اور ذاتی محاسن سے لوگوں کو مطیع نہیں بنایا بلکہ ایک جابرانہ قوّت نے جبر و اکراہ سے منوایا ہے اور اسی جبر و اکراہ نے امتداد زمانہ کے ساتھ رضا و رغبت کا لباس پہن لیا ہے۔

لیکن یہ دعویٰ سچائی اور راستبازی سے خالی۔ انصاف و حق پرستی سے بالکل بعید ہے اس دعویٰ کے مدعیوں نے دیدہ و دانستہ واقعیت پر پردہ ڈالنا چاہا ہے۔

ہم جو کچھ لکھنا چاہتے ہیں اس سے انشاء اللہ تعالیٰ اس خیال کا بالکل قلع قمع ہو جائے گا ساتھ ہی اسلامی جماعتوں کو جو اشاعت و حفاظت اسلام کی کوششوں میں سرگرم ہیں یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ اسلام کی خدمت و اعانت کرنے کے واسطے مسلمانوں کو کن اوصاف سے متصف ہونیکی ضرورت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کو طویل معرکہ آرائیوں سے سابقہ پڑا ہے اُن کے یہ محاربات جنگ جارحانہ ہوں یا مدافعانہ۔ فتوحات ملکی کے لئے ہوں یا اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے اس جگہ ہم کو اس کی تحقیق کرنا مد نظر نہیں ہے۔ موقع ہوا تو دوسرے وقت اس کی بھی تحقیق کر دیجائیگی اس وقت ہمکو صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ ان محاربات و فتوحات کا مقصد اور حاصل یہ نہ تھا کہ کسی کو بزور مسلمان بنایا جائے۔

میں بہت زور کے ساتھ دعویٰ کرنیکو تیار ہوں کہ اسلام نے محض اپنے ذاتی محاسن سے عالم میں رسوخ و مقبولیت حاصل کی ہے۔ اور جس سرعت کے ساتھ قلوب کو مسخر کیا ہے اسکی نظیر کسی مذہب میں نہیں ملسکتی۔ میرے اس دعوے کی تائید کیلئے شریعت اسلام کے اصول۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و حالات۔ اخلاق و طریقہ تعلیم مسلمانوں کا طرز عمل اور اسلام کی حقیقی خوبیوں سے آراستہ ہونا۔ کتب سابقہ کی پیشین گوئیاں علمائے اہل کتاب کی تصدیقیں موجود ہیں۔

شریعت اسلام نے بزور و تخویف کسی کو مسلمان بنانے کی سخت ممانعت کی ہے۔ کلام اللہ میں صاف ارشاد ہے لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (یعنی دین میں کسی پر جبر نہیں) اور ایک اور جگہ یہ ارشاد ہے اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (اے محمد کیا تم لوگوں پر جبر کرتے ہو کہ وہ ایمان لے آویں) قبیلہ نجران کے نصاریٰ سب مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے اور مصالحت کر کے جزیہ دینا قبول کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عہد نامہ لکھکر اُن کو دیا اُس میں مسلمانوں کی جانب سے یہ اقرار تھا کہ نصاریٰ نجران

کسی طرح تبدیل مذہب پر مجبور نہ کیا جائیگا اور نہ اُن سے عشر لیا جائیگا۔ عہد نامے کے یہ الفاظ تھے
وَجَعَلَ لَهُمْ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَعَهْدَهٗ اَنْ لَا يُفْتَنُوْا عَنْ دِيْنِهِمْ وَلَا يُعْشَرُوْا۔

یہ ہے شریعت کا حکم اور یہ ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل کیا ان اُصول مقررہ و مسلمہ کے بعد بھی کسی مسلمان کو یہ گنجائش رہتی ہے کہ جبراً مسلمان بنانیکا مرتکب ہوتا۔ اگر کوئی ایسا کرتا تو کیا اُس کا یہ فعل شریعت اسلام کے مطابق ہوتا۔ یا ایسا ہی سمجھا جائے جیسے دوسرے احکام شریعت کی خلاف ورزی۔

اس میں کچھ تردد نہیں ہے کہ مسلمانوں نے اس حکم کی پوری پابندی کی۔ یہی وجہ ہے کہ گو اسلام نے سرزمین عرب سے باہر قدم رکھتے ہی جلد جلد ممالک روم و شام و مصر و عراق کی کایا پلٹ دی اور اُن کو تہذیب و تمدن کے اصولوں کی تعلیم دے کر اسلام کے محاسن کا گرویدہ بنا دیا مگر کسی ایک جگہ کیواسطے اس کا ثبوت ملنا مشکل ہو کہ وہاں کے باشندوں کو اسلام لانے پر مجبور کیا گیا یا اُس کے لئے طمع دلانے کے ایسے سامان کئے گئے ہوں جن سے وہ لوگ اپنے مذہب کو چھوڑ کر دین اسلام قبول کریں اسلام اور سلاطین اسلام نے اس بارہ میں جس استغنا سے کام لیا ہے اُس کے ثبوت کیواسطے یہی کافی ہے کہ اشاعت اسلام کیلئے مشن قائم نہیں کئے گئے۔ نہ مناد و واعظ مقرر کئے گئے سلطنت نے کبھی اس طرف توجہ نہیں کی۔ یہود و نصاریٰ اسی آزادی کیساتھ مذہبی رسوم ادا کرتے تھے جیسے مسلمان اُن کو ممالک اسلامیہ میں وہی حقوق حاصل تھے جو خود مسلمانوں کو اُن کی جان و مال کی وہی قدر و قیمت تھی جو مسلمانوں کی۔ ایک معاہد و ذمی کے بدلے میں مسلمان کو قتل کر دینا اسلام کا خاص مسئلہ ہے۔ اس میں شک کرنے کی گنجائش نہیں ہے کہ اشاعت اسلام کے لئے اگر اس قسم کی تدبیریں کیجاتیں جو عیسائیت کے لئے ہوئیں یا ہو رہی ہیں تو بلاد اسلامیہ میں کسی غیر مذہب کا وجود بھی باقی نہ رہتا اسلام کی ذاتی خوبیوں اور سادہ تعلیم کے ساتھ اگر سلطان رغبت بھی جمع کر دیا جاتا تو کیا ایک متنفس بھی ایسا رہتا جو اسلام کو قبول نہ کر لیتا۔ اور کیا جس طرح اندلس جیسا وسیع ملک جہاں کروڑوں مسلمان آباد تھے۔ جہاں سات آٹھ صدیوں تک اسلامی جھنڈا لہراتا رہا ایک دم اسلام کے نام لینے والوں سے خالی ہو گیا۔ روم و شام۔ مصر و عراق۔ ہند و سندھ وغیرہ اور خود اندلس کا بھی حال نہ ہوتا۔ کہ سوائے اسلام کے دوسرے مذاہب کا نام و نشان مٹ چکا

ہوتا لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ اسلام نے مساوات اور آزادی کے وہ اصول قائم کیے جن کی وجہ سے سلطنت کے شباب اور زور کے زمانہ میں یہود۔ نصاریٰ۔ مجوس پہلو بہ پہلو رہتے اور بڑے بڑے عہدے حاصل کرنے میں مسلمانوں سے مزاحمت کرتے تھے۔

خلفاء عباسیہ کے زمانہ میں تیسری اور چوتھی صدی کے اندر ابراہیم بن ہلال صابی بہت بڑا ادیب و عالم گذرا ہے۔ ابراہیم پہلے خلیفہ کا میر منشی رہا۔ اُس کے بعد عزالدولہ ابن بویہ دیلمی کا میر منشی ہوا اور پھر ترقی کر کے درجہ وزارت تک پہنچ گیا عزالدولہ کی جانب سے جو خطوط اُس کے بھائی عزالدولہ کے نام لکھا کرتا تھا اُن میں عضدالدولہ کی نسبت تہتک آمیز اور رنج دہ الفاظ استعمال کرتا تھا عزالدولہ کے بعد جب عضدالدولہ بادشاہ ہوا تو اس نے ابراہیم کو قید کر کے ارادہ قتل کیا مگر ابراہیم کے فضل و کمال کی قدردانی اس درجہ تھی کہ عضدالدولہ جیسے زبردست اور بارعب بادشاہ کے دربار میں بڑے بڑے درجہ کے مسلمان سفارشی کھڑے ہو گئے۔ عضدالدولہ نے قصور معاف کر کے سلطنت دیلمیہ کی تاریخ لکھنے کا عظیم الشان اور مہتم بالشان کام اُسکے سپرد کیا۔ ابراہیم کا انتقال ہوا تو مقبرہ[1] شونیزی میں مدفون ہوا اور شریف رضی جیسے شخص نے اُسکے مرثیہ میں پر زور قصیدہ لکھا۔ جس کا پہلا شعر یہ ہے

ارأیت من حملوا علی الاعواد		ارایت این خبا ضیاء النادی
تجھکو خبر بھی ہے کہ لوگ جنازے پر کس کو اٹھائے لیے جاتے ہیں		تجھکو معلوم بھی ہے کہ مجلس کی روشنی کہاں چھپ گئی

ابراہیم قرآن مجید کا حافظ تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ رمضان شریف کے روزے برابر رکھتا تھا مگر مرتے دم تک اپنے قدیم مذہب پر قائم رہا۔ اور باوجود عزالدولہ بادشاہ کی رغبت و خواہش کے جو محض ہمدردانہ تھی اسلام نہ لایا۔

ابراہیم کا پوتا ہلال بن محسن بھی بڑا فاضل و عالم ادیب و کاتب تھا۔ ابو علی فارسی جیسے امام فن کا شاگرد تھا۔ خطیب بغدادی جیسے حافظ و محدث نے اُس کی شاگردی کی تھی۔

ہلال کی بھی ساری عمر قدیم مذہب کی پابندی میں گذری۔ کسی قسم کا دباؤ یا رغبت اُس کو اسلام لانے کا باعث نہوئی۔ البتہ آخر عمر میں توفیق الٰہی شامل حال ہوئی تو خود بخود مسلمان ہو گیا

[1] بغداد کا مشہور و معروف مقبرہ ۱۲

ابن التلمیذ نصرانی جس درجہ کا عالم و فاضل تھا اُس کا اندازہ صرف اس ایک بات سے ہو سکتا ہے کہ عماد اصبہانی جیسے زبردست عالم اس کو سلطان الحکما کے لقب سے یاد کر کے اپنی کتاب خریدہ میں جن الفاظ سے اُس کی تعریف کرتے ہیں اُس کے اندازہ کے لئے ذیل کی فقرات ملاحظہ کرلئے جائیں

هو مقصد العالم فی علم الطب بقراط عصره وجالینوس زمانه ختم به هذا العلم ولم یکن فی الماضیین من بلغ مداه فی الطب عُمّر طویلا وعاش نبیلا جلیلا رأیته وهو شیخ بهی المنظر حسن الرواء عذب المجتنی لطیف الروح ظریف الشخص بعید الهم عالی الهمة ذکی الخاطر مصیب الفکر حازم الرای شیخ النصاری قسیسهم ورأسهم ورئیسهم

ترجمہ: وہ علم طب میں عالم کا مقصود ہے۔ اپنے زمانہ کا بقراط و جالینوس ہے گذشتہ لوگوں میں بھی کوئی علم طب کے اندر اس درجہ کو نہیں پہنچا۔ بڑی عمر پائی اور جلالت و اقتدار کے ساتھ عمر بسر کی میں نے اُس کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ ایک بوڑھا روشن چہرہ والا۔ تازہ اور شیریں ہیئت و صورت والا۔ میٹھی گفتگو والا۔ روح اسکی لطیف۔ اور جسم اس کا ظریف۔ ارادہ اور ہمت بلند طبیعت ذکی فکر صائب رائے عمدہ تھی۔ نصاریٰ کا شیخ اور عالم تھا۔ اور ان کا سردار اور افسر تھا۔

انصاف سے عماد اصبہانی کے ان الفاظ کو دیکھنا چاہئے کہ ایک مسلمان عالم کیسے کھلے دل سے ایک عیسائی کے فضل و کمال کا اعتراف کرتا ہے۔

ابن تلمیذ مذکور باوجودیکہ ایوان خلافت میں دخیل اور کامل رسوخ یافتہ تھا۔ خلیفہ کی ہمنشینی اور منادمت کا فخر اُس کو حاصل تھا۔ ذمہ داریوں کے عہدوں پر فائز تھا۔ مگر اپنے مذہب پر برابر قائم رہا۔ کوئی امر اُس کو ترک مذہب کے لئے داعی نہوا۔ عماد اصبہانی فرماتے ہیں کہ مجھکو ابن تلمیذ کا حال دیکھکر سخت تعجب ہوتا تھا کہ باوجود کمال علم و فہم کے اسلام جیسی دولت سے کیونکر محروم رہا۔ ہدایت و ضلالت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

شریعت اسلام کے مقررہ اصول کیساتھ اہل اسلام اور سلاطین اسلام کا برتاؤ دوسرے مذاہب کے متبعین سے یہ ہے جس کا نمونہ ہم نے ان دو مثالوں میں دکھلایا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام کی اشاعت میں جبر و زبردستی یا کسی قسم کی نا ملائم و مبتذل تدبیروں کو ہرگز دخل نہ تھا پھر باایں ہمہ ایسی سرعت کیساتھ اسلام کا دنیا میں پھیل جانا اور بڑے بڑے منکروں کا اسلام کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہو جانا اس کی وجہ صرف وہی ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے کہ اسلام کے اُصول فطرت اور عقل کیموافق۔ صداقت اور راستبازی کو ساتھ لئے ہوئے شرک فی العقیدہ

والحسل سے بالکل پاک تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی اوصاف اخلاق حمیدہ اور خالق و مخلوق کے ساتھ کمال رابطہ خالق کی درگاہ میں کامل عجز و نیاز کے ساتھ مخلوق کی بے انتہا ہمدردی و دلسوزی۔ طریقۂ تعلیم وحدانیت نہایت دلفریب و مؤثر۔ یہ امور تھے کہ بسا اوقات زبانی تعلیم کی نوبت بھی نہ آتی تھی۔ آپ کے چہرۂ مبارک پر نظر ڈالتے ہی اسلام کی حقانیت کا یقین ہو جاتا تھا۔ مسلمانوں کا اسلامی اصول اور احکام پر مضبوطی سے قائم ہونا صدق و یقین و اخلاص کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہونا۔ عبادات و معاملات میں بے انتہا صفائی کے ساتھ جیست و چالاک ہونا۔ حق کے مقابلہ میں مخلوق کی پروا نہ کرنا۔ یہ وہ باتیں تھیں جو بہ حیثیت مجموعی خود بخود ہدایت و ارشاد کا کام دیتی تھیں۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں اور ان کے شبانہ روز کے طرزِ عمل کو دیکھ لینا کافی اور اشاعت اسلام کے دوسرے طریقوں سے مستغنی کرنے والا تھا اہل کتاب علماء کو پہلے سے طلوع آفتاب اسلام کا علم تھا اور وہ اس کے منتظر بیٹھے ہوئے تھے؛

مگر ہم اپنے دعوے کو دلائل مذکورہ سے ثابت کرنے پر قناعت کرنا نہیں چاہتے بلکہ اس کو واقعات اور حالات کی زبردست شہادت سے مضبوط اور دلنشین کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اسلام کی تیرہ صدیوں کے واقعات میں سے چند منتخب حالات کا بیان کر دینا ضروری سمجھتے ہیں جس سے ہمارا یہ دعویٰ اس طرح دلنشین ہو جائے گا کہ کسی کو گنجائش انکار باقی نہ رہے۔

ہم اسلام کی تیرہ صدیوں کو چار حصوں پر منقسم کر کے ہر ایک حصے کے متعلق سیر و تواریخ کے ہزارہا حالات میں سے چند ایک کو بیان کرتے ہیں جس سے ثابت ہو جائے کہ اشاعتِ اسلام کے لئے جو من گھڑت اسباب پیدا کئے گئے ہیں وہ واقعیت سے بالکل دور ہٹ دھرمی۔ تعصب اور عناد کا نتیجہ ہیں۔ پہلا حصہ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل از ہجرت۔ دوسرا زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد از ہجرت۔ تیسرا حصہ قرون صحابہ رضی اللہ عنہم۔ چوتھا حصہ زمانہ مابعد صحابہ رضی اللہ عنہم

زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از بعثت تا ہجرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی نازل ہونے کے بعد تیرہ سال مکہ معظمہ میں مقیم رہے۔ اس زمانہ میں آپ کو کسی سے جھگڑے منازعت کرنے کی قطعاً اجازت نہ تھی۔ بلکہ صبر کرنے اور تکالیف جھیلنے

کا حکم تھا۔ کفار مکہ طرح طرح کی اذیت پہنچاتے تھے کوئی دقیقہ تکلیف دہی کا اٹھا نہ رکھتے تھے مگر آپ کی طرف سے بجز صبرؓ و تحمل یا دعائے ہدایت کچھ جواب نہ ہوتا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ کوئی شخص اسلام لانے کی جرأت نہ کر سکتا تھا اور جو چند آدمی مسلمان ہو گئے تھے تو ظاہر نہ ہو سکتے تھے اور اگر ظاہر ہوتے تو ان پر وہ عذاب۱۴ اور مصیبتیں نازل ہوتی تھیں جن کو جھیلنا تو درکنار دیکھنا بھی دشوار تھا۔ لیکن اس سخت اندیشہ اور مصیبت کے وقت بھی اسلام کی جلوہ افروزی بڑھتی جاتی تھی۔ اسلام اندر ہی اندر ترقی کر رہا تھا۔ اس کی جڑیں مضبوط ہو رہی تھیں۔ تھوڑے سے غور و تامل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی ترقی اور اشاعت کی بنیاد ایسے وقت مستحکم ہوئی جبکہ مسلمانوں پر طرح طرح سے جور و ستم کئے جاتے تھے اور ان کو دین سے ہٹا دینے کی کوئی ممکن تدبیر اٹھا نہ رکھی جاتی تھی۔ اسلام اپنے سچے اور سادہ اصول کا سکہ بٹھلا رہا تھا اور قریش مکہ کے بڑے بڑے گھروں میں اسلام کی شعاعیں پہنچ رہی تھیں اسلام کی قوت و شوکت کا جن پر زیادہ مدار ہے اور جو لوگ خلافت راشدہ کے درجہ پر پہنچے جن کے علم و عمل سے اسلام کو رونق ہوئی وہ اسی سخت خوف و روپوشی کے زمانہ میں مسلمان ہوئے۔

حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے کا واقعہ کتب سیر و تواریخ میں مذکور ہے۔ گھر سے تلوار لے کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کر کے چلے تھے۔ راستہ میں ایک شخص نے پوچھا کہ اس طرح تلوار لئے کہاں جاتے ہو کہا اس شخص کے قتل کے لئے جاتا ہوں جس نے قریش میں تفرقہ ڈال دیا۔ ان کے دین کی علی الاعلان مذمت کی۔ اس شخص نے کہا کہ اپنے گھر کی تو خبر لو۔ تمہارے بہنوئی اور بہن دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر غصہ میں بھرے بہن کے گھر پہنچے دروازہ بند تھا اور حضرت خبابؓ دونوں کو کلام الٰہی کی تعلیم دے رہے تھے حضرت عمرؓ نے خبابؓ کی آواز سُن لی۔ دروازہ کھلوایا اور پوچھا تم دونوں کیا پڑھتے تھے۔ دونوں نے انکار کیا کچھ نہیں کہا نہیں میں نے سُنا ہے کہ تم مسلمان ہو گئے ہو۔ یہ کہکر بہنوئی کو مارنے کو کھڑے ہو گئے بہن نے چھڑانا چاہا تو ان کو بھی زخمی کر دیا۔ بہن نے کہا بیشک ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ تم جو چاہو کرو حضرت عمرؓ بہن کو خون آلودہ دیکھکر نرم ہوئے اور کہا یہ کاغذ جو تم پڑھتے تھے مجھے دو۔ انھوں نے کہا تم مشرک نجس ہو اور نجس کلام الٰہی کو ہاتھ نہیں لگا سکتے حضرت عمرؓ نے غسل کیا اور سورۂ طٰہٰ کہ جو اس میں لکھی ہوئی تھی پڑھ کر

۱۴ امید و تکالیف کا پہاڑ ڈھایا جاتا کہ دیکھنا تو درکنار تصور سے روح کانپ اٹھے اس ستم ظریفی کی بھی حد ہو گئی کہ آپ کو تپتی ہوئی زمین پر لٹا کر پتھر رکھ دیا جاتا تھا ایک بڑا پتھر آپ کے سینہ پر رکھ دیا جاتے [illegible] آپ سے کہا کہ اے بلال [illegible] ۱۲۰

کہا کہ یہ کیسا اچھا کلام ہے۔ خبابؓ جو اندر چھپے ہوئے بیٹھے تھے۔ حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ سنکر باہر نکلے اور کہا کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تمہارے بارے میں قبول فرمائی آپ نے کل دعا کی تھی کہ" الٰہی دین اسلام کو دو شخصوں میں سے ایک کے مسلمان ہونے سے تقویت پہنچا۔ ابوجہل بن ہشام یا عمر بن خطاب ان میں سے ایک مسلمان ہوجائے"۔ حضرت عمرؓ نے خبابؓ سے کہا کہ مجھے آپ کی خدمت میں لے چلو کہ مسلمان ہوجاؤں وہاں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔

جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے کفار کی تکلیف دہی سے جب بالکل تنگ آگئے اور کوئی صورت یہاں رہنے۔ زندگی بسر کرنے۔ ارکان اسلام ادا کرنے کی نہ رہی۔ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اجازت دی مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے جائیں اور نجاشی بادشاہ کی امن وحفاظت میں رہیں۔ نجاشی نصرانی تھا اور وہاں کے باشندوں کا مذہب عیسائی تھا۔ نجاشی کو غائبانہ بیٹھے ہوئے آپ کے حالات سنکر اور مہاجرین کے طریق و انداز سے اسلام کی سچائی کا یقین ہوگیا۔

قریش مکہ یہ دیکھکر کہ مسلمان تو حبشہ میں جاکر مطمئن ہو گئے اور آزادی سے ارکان اسلام ادا کرنے لگے۔ نجاشی نے اُن کی بہت مدارات کی۔ بہت گھبرائے اور مشورہ کر کے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو نجاشی اور اُس کے درباری لوگوں کے واسطے قیمتی ہدایا دیکر بھیجا حبشہ کے بڑے بڑے سرداروں سے ملکر کہا کہ ہمارے یہاں کے چند نادان قدیمی مذہب کو چھوڑ کر ایک جدید مذہب کے تابع ہو گئے ہیں۔ ہم اس لئے آئے ہیں کہ بادشاہ سے کہہ کر اُن کو ہمارے سپرد کرادو بادشاہ کو اُن سے بلا واسطہ گفتگو کرنے کی نوبت نہ آئے ورنہ ہمارے سپرد نہ کئے جائیں گے۔ سرداروں نے وعدہ کر لیا کہ ہم اِس بارہ میں پوری تائید کریں گے۔ ان لوگوں نے نجاشی سے ملکر اپنا مدعا بیان کیا۔ اعیان دربار نے اس کی تائید کی کہ بیشک اُن لوگوں کو اُن کے سپرد کر دینا چاہیئے۔ نجاشی نے غصہ ہو کر کہا کہ جو میری امن میں آ کر رہے ہیں۔ ہرگز ان کو سپرد نہ کروں گا۔ تاوقتیکہ گفتگو نہ کرلوں۔ نجاشی نے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا۔

مسلمانوں کو اندیشہ تھا کہ آخر نجاشی عیسائی ہے۔ اگر ہم نے اسلام کے عقائد توحید وغیرہ کو صاف بیان کیا تو وہ بھی برہم ہوگا۔ مگر مشورے کے بعد یہ طے ہوا کہ بات سچی اور صاف کہیں گے کسی کو بری معلوم ہو یا بھلی۔

یہ تھا کمال ایمانی کہ جان بچانے کے واسطے وطن کو چھوڑ کر یہاں آئے تھے مگر اس کی پرواہ نہ کی کہ نجاشی ہمکو یہاں رہنے دیگا یا ان لوگوں کو جو لینے آئے ہیں سپرد کردیگا اور سچ اور صاف کہنے پر آمادہ ہوگئے۔ سب میں سے حضرت جعفرؓ گفتگو کرنے کے لئے منتخب ہوئے۔ نجاشی نے پوچھا کہ وہ دین کونسا ہے جس کی وجہ سے تم نے اپنے آبائی مذہب کو ترک کر دیا اور ہمارے مذہب (عیسائیت) میں بھی داخل نہوئے اور نہ کسی اور مذہب میں حضرت جعفرؓ نے بیان کرنا شروع کیا کہ "ہم بُت پرست لوگ تھے اور ہر قسم کی بُرائیوں کے مرتکب ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضل فرمایا ہماری طرف ایک رسول کو بھیجا جن کے نسب وحسب صدق و دیانت امانت و پاکدامنی کو ہم خوب جانتے ہیں۔ اُنھوں نے ہم کو توحید کی تعلیم دی شرک سے بچایا۔ بتوں کی عبادت کو چھڑایا سچ بولنے۔ ادائے امانت صلہ رحم۔ ہمسایوں کے ساتھ سلوک۔ حرام باتوں سے بچنے۔ لوگوں کی جان کی حفاظت اور بدکاری کے ترک کا حکم دیا۔ نماز روزے کی تعلیم دی۔" اسی طرح جملہ احکام اسلام بیان کردیے ہم اُس رسول پر ایمان لائے۔ اُن کا اتباع کیا۔ ہماری قوم نے ہم کو طرح طرح کے عذاب دے کر یہ چاہا۔ کہ ہم کو اس دین سے پھیر دیں۔ جب ہم پر بے انتہا ظلم ہوئے تو ہم مجبور ہو کر بادشاہ کی پناہ میں آئے اور بادشاہ کی ہمسائگی کو سب پر ترجیح دی اور یہ امید کر کے آئے کہ یہاں ہم پر ظلم نہ ہوگا؛ نجاشی نے کہا کہ "تم کو اُس کلام میں سے کچھ یاد ہے جو تمہارے نبی لائے ہیں" حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی چند آیتیں پڑھیں جن کو سُن کر نجاشی اور سب اہل دربار رونے لگے۔ نجاشی نے کہا کہ یہ کلام اور جس کو حضرت عیسیٰؑ لائے تھے ایک ہی جگہ سے نازل ہوئے ہیں۔ اور قریش سے کہا کہ تم جاؤ میں ہرگز مسلمانوں کو تمہارے سپرد نہ کروں گا۔ دربار سے نکل کر عمرو بن العاص نے کہا کہ میں کل کو ایسی بات نجاشی سے کہوں گا جس سے وہ ان کو بالکل نیست و نابود کردے گا۔ اگلے روز عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا کہ یہ لوگ (یعنی مسلمان

حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں سخت بات کہتے ہیں۔ نجاشی نے مسلمانوں سے پوچھا حضرت جعفرؓ نے کہا کہ ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبیؐ نے فرمایا ہے "حضرت عیسیٰؑ اللہ کے بندے اور اس کی روح اور کلمہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کی طرف ڈالا ہے نجاشی نے سُن کر کہا کہ حضرت عیسیٰؑ نے بھی یہی کہا ہے جو تم کہتے ہو۔ یہ سُن کر درباری لوگوں نے ناک بھوں چڑھائی اور کچھ بڑبڑائے نجاشی نے کہا کہ اگرچہ تم کو ناگوار ہو مگر بات یہی ہے۔ اور مسلمانوں سے کہا کہ تم امن سے رہو میں ایک سونے کے پہاڑ کی عوض میں بھی تم میں سے کسی ایک کو ستانا پسند نہیں کرتا۔ قریش کے ہدایا واپس کردیئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھکو یہ ملک بغیر رشوت کے دیا ہے میں تم سے رشوت لیکر کس طرح ان لوگوں کو نکال دوں۔

نجاشی کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ملک مجھکو بغیر رشوت کے دیا ہے ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر ہم اس جگہ مناسب سمجھتے ہیں نجاشی اپنے باپ کا تنہا ایک ہی بیٹا تھا کوئی بھائی نہ تھا۔ اور اس کے چچا کے بارہ بیٹے تھے۔ اہل حبشہ نے مشورہ کیا کہ نجاشی کے باپ کو قتل کرکے اس کے بھائی کو بادشاہ بنانا چاہئے کیونکہ اس کی اولاد بہت ہے۔ چنانچہ اُس کو قتل کرکے اُس کے بھائی یعنی نجاشی کے چچا کو بادشاہ بنادیا۔ نجاشی اپنے چچا کی تربیت میں آگیا۔ چونکہ عاقل اور مدبر تھا چچا کے یہاں اُس کی بات بہت بڑھ گئی۔

اہل حبشہ کو خوف ہوا کہ اگر نجاشی کا یہی اقتدار رہا تو ہم سے اپنے باپ کا بدلہ ضرور لیگا۔ انھوں نے مشورہ کرکے بادشاہ سے کہا کہ نجاشی کو قتل کردو یا جلاوطن۔ بادشاہ نے مجبوراً جلاوطن کرنے کو منظور کیا۔ یہ لوگ نجاشی کو بازار میں لے گئے اور ایک تاجر کے ہاتھ چھ سو درہم کے بدلے فروخت کردیا۔

تاجر نجاشی کو لیکر کشتی میں سوار ہوگیا رات کو بادشاہ پر بجلی گری اور وہ مرگیا۔ اولاد میں کوئی کسی قابل نہ تھا اُس وقت لوگوں کی یہ رائے ہوئی کہ اگر ملک کی بھلائی منظور ہے تو نجاشی کو لاکر تخت پر بٹھلاؤ لوگ گئے اور نجاشی کو تاجر کے پاس سے واپس لاکر تخت نشین کیا۔ نجاشی نے اس قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے مجھکو تخت سلطنت عطا فرمایا تو کیا میں رشوت لیکر ناحق کا ارتکاب کروں۔

الحاصل کفار قریش بے نیلِ مرام واپس ہوئے مسلمان نہایت آرام کیساتھ حبشہ میں رہے اور جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لے آئے اُس وقت یہ لوگ بھی حبشہ سے مدینہ واپس آئے۔ آخر کار نجاشی بھی مسلمان ہو گیا۔ یہ اسلام کی پُر زور تاثیر تھی اُس وقت جبکہ مسلمانوں کو دنیا میں امن سے رہنا بھی دشوار تھا۔ چہ جائیکہ کسی سے مقابلہ کرتے۔ اسلام کی ترقی اور اشاعت۔ شوکت و قوت کا اصلی زمانہ ہجرت کے بعد کا ہے انصار مدینہ نے اپنے جان و مال آپ پر فدا کئے۔ مہاجرین کو اپنے گھروں میں ٹھیرایا۔ اپنی جائداد میں گھر بار میں اُن کو حصہ دیا۔ اسلام کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیں اور جو کچھ ہوا تاریخیں ان کے حالات سے بھری پڑی ہیں۔ لیکن انصار میں اسلام کب اور کیونکر شائع ہوا؟ یہ بھی اُسی وقت جبکہ اسلام کا لفظ زبان پر آنا اوّل درجہ کا جرم تھا۔ ان کے جان و مال مبلح سمجھے جاتے تھے۔

موسم حج میں آپ کی عادت شریفہ تھی کہ جو قبائل حج کو آتے تھے اُن سے مِل کر اسلام کی حقیقت اور اُس کی خوبیاں بیان فرماتے تھے۔ ایک سال مدینہ کے چند لوگوں کو دعوتِ اسلام دی۔ یہ لوگ یہود سے سنا کرتے تھے کہ عنقریب ایک نبیؐ عرب میں مبعوث ہونے والے ہیں اُنھوں نے سن کر آپس میں کہا کہ یہی نبیؐ مبعوث ہیں۔ مدینہ لوٹ کر گئے اور وہاں جا کر ذکر کیا تو گھر گھر آپ کا ذکر پھیل گیا۔ اگلے سال بارہ آدمی مدینے سے اور آئے اور عقبہ پر آپ سے ملے اور اسلام لے آئے۔ آپ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو اُن کے ساتھ کیا کہ اُن کو تعلیم قرآن دیں اُس دین کے احکام سکھلائیں۔ مصعب بن عمیرؓ مدینے میں پہنچکر اسعد بن زرارہؓ کے یہاں ٹھہرے وہاں مسلمان اُن کے پاس جمع ہو گئے۔ سعد بن معاذؓ اور اُسید بن حضیرؓ دونوں سردار تھے اُن کو خبر ہوئی تو سعدؓ نے اُسیدؓ سے کہا کہ تم جا کر ان لوگوں کو روکو۔ اُسیدؓ گئے اور غصہ سے حضرت مصعبؓ کو خطاب کر کے کہا کہ تم کیوں ہمارے نوجوانوں کو بہکانے آئے ہو یہاں سے چلے جاؤ۔ مصعبؓ نے کہا کہ بھلا ایسا ہو کہ آپ بیٹھکر ہماری بات سُن لیں۔ اگر پسند ہو تو آپ بھی قبول کر لیں۔ اُسیدؓ نے کہا۔ اچھا۔ مصعبؓ نے اسلام کے احکام بیان کئے۔ اُسیدؓ نے سنکر کہا کہ یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے اور اسی وقت مسلمان ہو گئے اور کہا کہ ایک شخص اور ہیں یعنی سعد بن معاذؓ اگر وہ مسلمان ہو گئے تو پھر کوئی باقی نہ رہے گا یہ کہکر اُسیدؓ لوٹے

سعدؓ نے دور سے دیکھ کر کہا کہ اُسیدؓ اس حال پر نہیں آئے جس پر گئے تھے۔ یعنی مسلمان ہو گئے ہیں اُسیدؓ نے آکر کہا کہ اُن کی بات میں تو کچھ حرج نہیں ہے۔ سعدؓ خود وہاں گئے اُن کو بھی یہی پیش آیا کہ مصعب نے اُن کے سامنے احکام اسلام بیان کئے اور وہ بھی مسلمان ہو گئے۔

سعدؓ مسلمان ہو کر لوٹے تو اُسید کو اپنے ہمراہ لیکر اپنی قوم کے پاس گئے اور کہا کہ تم مجھکو کیسا سمجھتے ہو؟ سب نے کہا کہ تم ہمارے سردار اور سب سے افضل ہو۔ سعدؓ نے کہا کہ تو مجھ پر اُس وقت تک تمہارے مرد اور عورت سے گفتگو کرنا حرام ہے جبتک کہ تم سب مسلمان نہو جاؤ شام تک سعدؓ کی قوم یعنی بنی عبد الاشہل میں ایک بھی باقی نہ رہا جو کہ مسلمان نہ ہو گیا ہو اس کے بعد مصعبؓ تلقین اسلام میں مصروف رہے اور انصار کے اکثر قبائل میں اسلام پھیل گیا۔

دوسرے سال مدینے سے ستتر مسلمان کفار کے ساتھ ملے جلے ہوئے آئے اور اپنے ارادے کو مخفی رکھا مکے میں آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقبہ میں ملاقات کی اور سب نے آپ کے ہاتھ پر بدیں مضمون بیعت کی کہ ہم آپ کی ایسی حفاظت کریں گے جیسی اپنے بچوں اور عورتوں کی کرتے ہیں۔ یہ بیعت ذی الحجہ میں ہوئی اس کے دو ماہ بعد ربیع الاول میں آپ نے مدینہ کو ہجرت فرمائی۔

کفارِ مکہ کو جب یہ خبر ہوئی کہ مدینے کے لوگ مسلمان ہو گئے اور آپ وہاں جانیوالے ہیں تو انھوں نے مسلمانوں پر بہت ہی سختی شروع کردی۔ آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ مدینے کو ہجرت کریں۔ چنانچہ مسلمان رفتہ رفتہ ہجرت کرنے لگے۔

یہ صورت ہے انصار کے مسلمان ہونے اور مدینے میں اسلام پھیلنے کی۔ انصار ہی کے اسلام لانے سے اسلام کی ترقی واشاعت۔ شوکت وحشمت کا دور شروع ہوا ہے۔

یہ چند واقعات اسلام کی اشاعت کے ہجرت سے پہلے کے ہیں جس وقت جبر واکراہ تو بجائے خود رہا۔ قتل وقتال۔ لڑائی جھگڑے تک کی اجازت نہ تھی لیکن اسلام اصولی طور پر پورا مستحکم ہو چکا تھا۔ ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اس زمانہ میں اسلام لانا نہ جان بچانے کی وجہ سے تھا نہ طمع جاہ ومال کی وجہ سے۔ بلکہ اسلام لاکر اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا تھا ان ہی خطرات اور مصائب کے مقابلے کی وجہ سے مہاجرین فضیلت میں اول درجہ پر ہیں۔

انصار بھی اسی درجہ میں ہوتے لیکن اس وجہ سے کہ انصار کو وہ تکالیف جھیلنی نہیں پڑیں جو مہاجرین کو پڑی تھیں اس لئے دوسرے درجے میں آ گئے۔ ورنہ اسلام لانے کی شان دونوں کی مساوی ہے۔ اور پھر اسلام کی حقیقی ترقی اور استحکام اسی وقت ہوا۔ اور اُس کے تمام آیندہ عروج کی بنیاد اسی وقت پڑی تو صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام کے ذاتی محاسن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تسخیر اخلاق۔ مسلمانوں کا طرز عمل۔ اسلام کی اشاعت کے اصلی اسباب ہیں۔ ہجرت سے اسلام کی اصلی شوکت وعظمت کا زمانہ سمجھا جاتا ہے اور حقیقت میں اسلام کی ترقی کا زمانہ اسی وقت سے شروع ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ کی ابتداء ہجرت سے کی گئی۔ لیکن ہمارے سابق بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ ہجرت سے پہلے ہی اسلام اصولاً مستحکم ومضبوط ہو چکا تھا۔ مکہ معظمہ کے سب بڑے بڑے خاندانوں میں باوجود سخت سے سخت مزاحمتوں کے اسلام اپنا رنگ جما چکا تھا۔ یہاں تک کہ مکہ معظمہ سے متجاوز ہو کر حبشہ تک اور ادھر مدینہ منورہ تک اسلام کا اثر پہنچ گیا تھا۔ مدینہ کے قبیلہ اوس وخزرج کے لوگ (جو بعد میں انصار کے معزز اور قابل فخر خطاب سے ملقب ہوئے) اس وقت مسلمان ہوئے جبکہ اہل مکہ کے نزدیک اسلام سے بڑھ کر کوئی جرم نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلان کے ساتھ کسی کو تلقین نہ فرما سکتے تھے۔ اہل مدینہ نے عقبہ پر بیعت ضرور کی لیکن اس طرح اخفا اور رازداری کے ساتھ کہ نہ اہل مکہ کو خبر ہوئی اور نہ ان کے رفقا کو جو مدینے سے بقصد حج ان کے ساتھ مکہ میں آئے تھے۔ مدینے کے دونوں قبیلے جو صدیوں سے باہمی جنگ وجدل میں مبتلا تھے آپ کی زبان مبارک سے اسلام کے احکام اور محاسن سُن کر اس فریفتگی کے ساتھ مسلمان ہوئے کہ قبل از ہجرت ہی گویا عملاً تمام مدینہ مسلمان ہو چکا تھا مدینے کے چند ہی لوگوں نے جمال مبارک کی زیارت کی تھی اور ان میں بھی کسی کو آپ کی خدمت میں رہنے اور فیض صحبت اٹھانے کی نوبت نہ آئی تھی لیکن وہ کیسا قوی اور دیرپا اثر تھا کہ چند منٹ میں ایسے رنگے گئے کہ سارے مدینے کو اسی رنگ میں رنگدیا۔ مدینے کے گھر گھر میں اسلام پھیل گیا اور وہاں کے مرد وعورت بچے بوڑھے اسلام پر فریفتہ۔ محبت خدا ورسول میں سرشار ہو گئے اور نہایت اشتیاق کے ساتھ آپ کی تشریف آوری کے دن گننے لگے۔

اور جس وقت مدینے میں یہ اطلاع پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے بقصد مدینہ روانہ ہو چکے ہیں تو مدینہ میں عجب طرح کی خوشی پھیلی ہوئی تھی۔ روزمرہ انصار مدینہ آپ کے استقبال کے لئے حرّہ تک نکلتے تھے اور جب ٹھیک دوپہر ہو جاتا تھا لوٹ آتے تھے جس روز آپ مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے اس روز بھی ایسا ہی ہوا کہ انصار صبح سے دوپہر تک منتظر بیٹھے رہے۔ اور جب ٹھیک دوپہر ہو گیا واپس ہو گئے۔ سب سے اول ایک یہودی نے آپ کو دیکھا اور انصار کو با آواز بلند پکار کر اطلاع دی۔ انصار آواز سنتے ہی نکلے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہلِ مدینہ کبھی کسی چیز سے اسقدر خوش نہ ہوئے جس قدر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے خوش ہوئے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں داخل ہوئے اُس کی ہر چیز روشن ہو گئی۔ پردہ نشین عورتیں۔ کنواری لڑکیاں خوشی کی وجہ سے جمالِ مبارک کی زیارت کیلئے چھتوں پر چڑھ گئیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں داخل ہوئے عورتیں اور بچے یہ شعر پڑھتے تھے ؎

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا	مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ
چودھویں رات کے چاند نے	ثنیاتؔ وداع کی طرف سے ہم پر طلوع کیا
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا	مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاعٍ
ہم پر شکر واجب ہے۔ جبتک اللہ تعالیٰ کو کوئی پکارنیوالا پکارے (قیامت تک)	
اَیُّھَا الْمَبْعُوْثُ فِیْنَا	جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ
اے ہم میں بھیجے گئے نبیؐ	تم ایسے امر کو لیکر آئے ہو جسکی اطاعت واجب ہے

انصار کے قبیلہ بنی نجار کی چند لڑکیاں یہ شعر گاتی تھیں۔

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِی النَّجَّارِ	یَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارٍ
ہم چند لڑکیاں ہیں بنی نجار کی	محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیسے اچھے پڑوسی ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لڑکیوں سے فرمایا کہ اللہ جانتا ہے کہ میرے دل میں بھی تمہاری محبت ہے۔

؎ ثنیۃ الوداع مدینہ منورہ کے قریب ایک گھاٹی کو کہتے ہیں۔ جہانتک اہلِ مدینہ مسافروں کو رخصت کرنے جا

اہلِ مدینہ میں یہ جوش - یہ ولولہ - یہ محبت - یہ عقیدت - یہ فریفتگی - یہ شیفتگی - یہ جان نثاری یہ غمخواری - کب اور کیونکر پیدا ہوئی - یہ باتیں اُس وقت پیدا ہو چکی تھیں جبکہ کسی پر جبر و اکراہ تو کیا مکہ معظمہ میں مسلمانوں کو اپنی جان بچانی بھی بھاری ہو رہی تھی - اہلِ مدینہ کا مکہ معظمہ میں جانا اور مسلمان ہونا نہ کسی دباؤ کی وجہ سے ہوا اور نہ کسی دنیاوی غرض اور فائدے کے لئے بلکہ اسلام قبول کر کے تمام دنیا کو اپنا مقابل و مخالف بنا لیا اور اپنی جان و مال و عزت و آبرو کو خطرہ و ہلاکی میں ڈالا ۔

دوسری مرتبہ بیعت عقبہ کے لئے جب انصار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں جمع ہوئے تو عباسؓ بن نضلہ انصاری نے پختہ کرنے کی غرض سے انصار کو خطاب کر کے کہا کہ اے جماعت انصار دیکھو تو تم کس بات پر اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہو - تم دنیا کی مخالفت اور اسود و احمر کے مقابلہ کیلئے بیعت کرتے ہو اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ جب تمہارے اشراف قتل ہو جائیں تمہارے مال ہلاک ہو جائیں تو تم اُن کو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کفار مکہ کے سپرد کر دو گے تو ابھی سے اس قصہ کو چھوڑ بیٹھو کیونکہ اس صورت میں دنیا و آخرت کی رسوائی ہے - اور اگر تم نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ پوری طرح وفاداری کرو گے تو اس میں شک نہیں کہ یہ دنیا و آخرت کی بھلائی ہے - سب نے کہا کہ ہم اس بات پر بیعت کرتے ہیں کہ مال ہلاک ہو جائیں - ہمارے سردار قتل ہو جائیں مگر ہم آپ کے ساتھ رہیں گے -

مدینہ منورہ میں اسلام کا جمنا گویا تمام عالم میں اسلام کے پھیلنے کا پیش خیمہ تھا جس کی بنیاد مکہ معظمہ میں عقبہ اولیٰ و ثانیہ کی بیعت سے پڑی اور ہجرت سے اس کی عملی کارروائی شروع ہوئی - اس وقت اگرچہ کفار کی ایذا رسانی حد سے گذر جانے اور مسلمانوں کی مظلومیت ناقابل برداشت درجہ پر پہنچ جانے کی وجہ سے آپ کو محاربات کی اجازت مل چکی تھی اور یہ آیت جس سے اجازت محاربات کی ابتدا ہوتی ہے نازل ہو چکی تھی :-

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا
لڑائی کی اجازت دی گئی اُن لوگوں کو جن سے کفار جنگ کرتے ہیں اس وجہ سے کہ وہ مظلوم ہیں

اور ہجرت کے بعد اہلِ اسلام اور کفار میں متعدد مقابلہ بھی ہوئے جن میں سے بہت سی جگہ آپکو

[1] فكان العباس اول من تكلم - يا معشر الخزرج وكان العرب تسمي خزرجا اوسها وخزرجها ان محمدا منا حيث قد علمتم في عز ومنعة وانه قد ابى الا الانقطاع

[illegible]

بہ نفس نفیس تشریف لیجانا ہوا۔ مگر جن واقعات کو ہم یہاں بیان کرنا چاہتے ہیں اُن سے بخوبی ثابت ہوگا کہ اسلام کی اشاعت کی چال اب بھی ویسی ہی تھی جو قبل از ہجرت نہایت مظلومی اور بے بسی کے زمانے میں تھی۔ اسلام جس قدر پھیلا اپنی خوبیوں اور آپ کے حسن اخلاق اور برگزیدہ تعلیم کی وجہ سے پھیلا۔ جس نے اسلام قبول کیا بطوع و رغبت قبول کیا غالباً کوئی مخالف بھی کسی ایک تاریخی صحیح واقعہ کے حوالہ سے ثابت نہ کرسکیگا کہ کسی ایک شخص کو بھی بزور مسلمان بنایا گیا۔

حضرت عبد اللہ بن سلام کا مسلمان ہونا تاریخ مشاہد ہے اور غالباً کسی کو بھی اس میں انکار نہ ہوگا کہ جس عداوت اور دشمنی کا اظہار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہود کی طرف سے ہوا مشرکین کے بعد کسی قوم کی طرف سے نہیں ہوا۔ کلام اللہ میں بھی صاف لفظوں میں یہ ارشاد ہے:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا[۱]

بلاشبہ مسلمانوں کا سب سے زیادہ دشمن تم یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے۔

یہود کو یقینی طور پر آپ کی نبوت و رسالت کا علم تھا اور وہ آپ کے منتظر تھے۔ قبیلۂ اوس و خزرج کو اسی بنا پر دھمکایا کرتے تھے کہ نبی آخر الزماں مبعوث ہونے والے ہیں۔ اُس وقت ہم اُن کے ساتھ ہو کر تم کو قتل کریں گے۔ مگر حب ریاست۔ نفسانیت و عناد اُن کو ایمان لانے اور اتباع کرنے سے مانع آئے۔ یہیں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جاہل سمجھانے کے بعد راہ راست پر آجاتے ہیں مگر جان بوجھ کر خلاف کرنے والوں سے کبھی توقع نہیں ہوسکتی۔

عبد اللہ بن سلامؓ بھی انہیں یہود مدینہ میں سے تھے اور توریت کے بڑے عالم تھے عبد اللہ بن سلام اُسی وقت مسلمان ہوگئے تھے جبکہ آپ قبا میں فروکش ہوئے ہیں اور خاص مدینہ میں ابھی تک داخل بھی نہیں ہوئے تھے۔ انھوں نے خود اپنے اسلام لانے کا قصہ اس طرح بیان کیا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور صفت سے واقف تھا اور اُس زمانے کو بھی جانتا تھا۔ جس میں آپ کے ظہور کا انتظار کیا جاتا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قبا میں فروکش ہوئے تو میں ایک کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا کچھ کام کر رہا تھا۔ ایک شخص نے آپ کے تشریف لانے کی خبر دی میں نے سُن کر درخت کے اوپر ہی سے مارے خوشی کے زور سے اللہ اکبر کہا۔ میری پھوپی نیچے بیٹھی تھیں۔ انھوں نے کہا کہ خدا تجھکو کھودے

[۱] قرآن کریم سورۃ المائدہ رکوع ۱۱ پارہ ۶

تو اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تشریف لانے کی خبر بھی سنتا تو اس سے زیادہ اظہار مسرت نہ کرتا۔ میں نے کہا اے پھوپی خدا کی قسم یہ موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں اور وہی طریقہ لائے ہیں۔ پھوپی نے کہا کیا یہ وہی نبی ہیں جن کے مبعوث ہونے کی خبر ہم کو دی گئی تھی انھوں نے سُن کر کہا کہ تو خیر۔ عبد اللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان ہوگیا۔ سب گھر والوں کو اطلاع کی وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ لیکن میں نے اپنے اسلام کو مخفی رکھا اور ایک روز آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ یہود بہتان لگانے والی قوم ہے میں چاہتا ہوں کہ مجھکو کسی مکان میں بٹھلا کر قبل اس کے کہ میرے اسلام لانے کا اُن کو علم ہو یہود سے میرا حال دریافت فرمایئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ یہود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے مجھکو علیحدہ مکان میں بٹھلا کر ان سے دریافت فرمایا کہ حصین بن سلام (اصل نام حصین تھا بعد میں عبد اللہ ہو گیا) تم میں کیسا شخص ہے۔ سب نے کہا کہ ہمارا سردار اور سردار کا بیٹا بڑا عالم اور دانا ہے۔ جب وہ کہہ چکے تو میں نے باہر نکل کر کہا کہ اے جماعت یہود تم جانتے ہو کہ آپ رسول اللہ ہیں۔ تمہارے یہاں تورات میں آپ کا نام اور صفت درج ہے خدا سے ڈرو اور ایمان لے آؤ۔ میں تو شہادت دیتا ہوں اور آپ پر ایمان لاتا ہوں۔ یہود یہ سنتے ہی بدل گئے اور مجھپر بہتان لگانے لگے اور میری عیب جوئی شروع کر دی میں نے کہا یا رسول اللہ میں اوّل ہی کہتا تھا کہ یہود جھوٹے اور کذاب ہیں۔ اس لئے میں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ میری پھوپی بھی اچھی اور پکی مسلمان ہو گئیں

حضرت سلمان فارسی کا مسلمان ہونا عبد اللہ بن سلامؓ کے اسلام سے زیادہ دلچسپ واقعہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اسلام کا ہے۔ حضرت سلمانؓ فارس کے ایک شہر رامہرمز کے رہنے والے تھے۔ بادشاہان فارس کی اولاد میں سے تھے۔ اصل نام اُن کا اسلام سے پہلے مآبہ تھا۔ باپ کا نام بودخشان تھا۔ باپ اپنی جگہ کا چودھری سردار اور زمیندار تھا۔ حضرت سلمان کی عمر بہت زیادہ ہوئی ہے۔ بعض کا قول ہے کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا اور بعض کا قول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی وصی کو دیکھا ہے۔ بعض کے نزدیک اُن کی عمر ساڑھے تین سو برس کی ہوئی ہے۔ لیکن اس پر تو گویا اتفاق اور اجماع ہے کہ

دو سو پچاس برس کی عمر ہوئی۔ مذہباً مجوس تھے اور یہ اور اُن کا باپ آتش کدہ کے محافظ اور خازن تھے۔ لیکن مسلمان ہونے کی شرافت اور بزرگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض صحبت سے مستفیض اور جمال مبارک کی زیارت سے مشرف ہونے کی سعادت فیاض ازل نے اُن کی قسمت میں لکھی تھی۔ مشیت ازلی نے غلامی کی ذلت میں پھنسا کر لازوال سلطنت تک پہنچا دیا۔ دس سے اوپر مالکوں کی غلامی میں رہنے کے بعد مدینہ کے ایک یہودی کی غلامی میں پہنچے اور وہاں اُس شقی ازلی۔ اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن کے گھر اور زیر اثر رہ کر اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔

حضرت سلمان نے اپنے مسلمان ہونے کا حال اس طرح بیان فرمایا ہے کہ میرا باپ اپنے شہر کا سردار تھا۔ میں سب سے زیادہ اُس کو محبوب تھا۔ مجھکو باہر نہ جانے دیتا تھا۔ لڑکیوں کی طرح میری حفاظت کرتا تھا۔ میں ہمیشہ آتشکدہ میں رہتا تھا۔ اور مذہب مجوس کو خوب کوشش کر کے حاصل کیا تھا۔ اتفاق سے میرا باپ ایک مکان بنوانے میں مصروف ہو گیا مجھ سے کہا کہ تو جا کر زمین کو دیکھ آ مجھ کو فرصت نہیں مگر دیر نہ کرنا ورنہ تیری جدائی کا فکر سب کاموں سے بڑھ جائے گا۔ میں گھر سے نکل کر راستہ میں نصاریٰ کے کنیسہ پر گذرا وہ لوگ نماز پڑھ رہے تھے میں بھی وہاں چلا گیا اور مجھ کو اُن کی حالت نہایت پسند آئی میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔ شام تک انھیں کے پاس رہا۔ نہ زمین تک گیا نہ گھر لوٹا۔ دیر ہوگئی تو باپ نے تلاش میں آدمی بھیجے میں نے نصاریٰ سے پوچھا کہ اس دین نصرانیت کی اصل کہاں ہے اُن لوگوں نے جواب دیا کہ ملک شام میں آخر کار رات ہونے پر گھر لوٹا باپ سخت انتظار میں تھا میں نے باپ سے کنیسہ میں جانے کا قصہ بیان کر کے کہا کہ اُن کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔ باپ نے کہا بیٹے! تیرا اور تیرے باپ دادا کا دین بہتر ہے۔ میں نے کہا ہرگز نہیں۔ باپ نے مجھکو قید میں ڈالدیا۔ بیڑیاں پیروں میں ڈالدیں۔ میں نے نصاریٰ سے کہلا کر بھیجا کہ جب کوئی قافلہ شام کو جائے تو مجھکو مطلع کرنا۔ انھوں نے مجھے مطلع کیا۔ میں نے بیڑیاں پیروں سے نکال کر پھینک دیں اور قافلے کے ساتھ ملک شام میں پہنچا۔ وہاں جا کر اُن لوگوں سے پوچھا کہ بڑا عالم کون ہے۔ انھوں نے بڑے پادری کا نام بتلایا۔

میں نے اس کے پاس جا کر کہا کہ میں تمہارے پاس رہنا خدمت کرنا اور تمہارے ساتھ عبادت
کرنا چاہتا ہوں۔ اُس نے کہا بہتر ہے۔ میں اُس کے پاس رہا۔ مگر وہ بڑا بددین آدمی تھا۔
لوگوں کو صدقے کے واسطے حکم کرتا تھا اور صدقے لیکر خود جمع کرلیتا تھا۔ یہاں تک کہ
سونے چاندی کے سات مٹکے اُس کے پاس جمع ہوگئے تھے۔ وہ مرگیا تو نصاریٰ سے میں نے
اُس کے حال کی اطلاع کی۔ اُن لوگوں نے بوجہ حسن عقیدت مجھکو جھڑک دیا۔ میں نے اُنکو
وہ مٹکے دکھلائے تب تو انھوں نے اُس کی لاش کو دفن بھی نہ کیا۔ بلکہ لٹکا کر سنگسار کر دیا۔
اُس کی جگہ ایک نہایت اچھا عالم فاضل زاہد بٹھلایا گیا۔ مجھکو اُس سے بہت محبت ہوگئی
جب اس کی وفات کا وقت آیا تو میں نے کہا کہ مجھ کو کچھ وصیت کرو کہا موصل[1] میں ایک
شخص ہے تم وہاں چلے جاؤ میں وہاں گیا اور اُن کی خدمت میں رہا۔ یہ بھی ایسے ہی عالم زاہد
صالح تھے۔ ان کی وفات کا وقت آیا تو میں نے کہا کہ مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ کہا کہ اس
طریقہ پر اب کوئی شخص نہیں ہے البتہ عمودیہ میں ایک شخص ہے وہاں چلے جاؤ۔ میں نے
وہاں جاکر اپنا سب حال بیان کیا انھوں نے مجھکو ٹھیرنے کا حکم دیا میرے پاس وہاں کچھ
بکریاں اور گائیں جمع ہوگئیں۔ جب اُن کی وفات کا وقت آیا تو میں نے عرض کیا کہ اب
کس کے پاس جاؤں۔ فرمایا کہ اب دنیا میں کوئی شخص اس برگزیدہ طریقے پر معلوم نہیں
ہوتا۔ البتہ ایک نبی کا زمانہ قریب آگیا ہے جو دین ابراہیمی لیکر آئیں گے۔ وہ ایسی جگہ
ہجرت کر کے جائینگے جہاں کھجور کے درخت ہیں۔ ان کی خاص علامتیں ہیں۔ مونڈھوں کے
درمیان میں خاتم نبوت ہے۔ صدقے کی چیز نہ کھائیں گے۔ ہدیہ کو قبول کریں گے۔ اگر
تم سے ممکن ہو تو اُن کے پاس چلے جانا۔ اتفاق سے عرب کا ایک قافلہ وہاں کو گذرا میں نے اُن
لوگوں سے کہا کہ مجھکو اپنے ساتھ لے چلو۔ میں اپنی بکریاں اور گائیں تمکو دیدوں گا۔ وہ وادی القریٰ
تک مجھکو لے گئے۔ مگر وہاں ایک یہودی کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ وہاں میں کھجور کے درخت دیکھ کر سمجھا
کہ یہی وہ جگہ ہے۔ میرے مالک کے یہاں بنی قریظہ کا ایک یہودی مہمان ہوا وہ مجھکو خرید کر
اپنے ساتھ مدینے میں لے آیا میں نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی جگہ ہے۔ میں اپنے مالک کے

[1] موصل ملک شام میں ایک بڑا شہر ہے ۱۲

یہاں درختوں کا کام کرتا رہا اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے قصے کو بھول گیا۔ اسی اثنا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینے منورہ میں تشریف لاکر قبا میں قیام پذیر ہوئے۔ میں ایک روز اپنے مالک کے درختوں میں کام کر رہا تھا کہ اس کے چچا کے بیٹے نے آکر کہا کہ خدا تعالیٰ بنی قبیلہ (یعنی انصار) کو قتل کرے ایک شخص کے گرد جمع ہو رہے ہیں جو مکہ سے آیا ہے اور کہتا ہے کہ میں نبی ہوں۔ یہ سنتے ہی میرے بدن میں لرزہ پیدا ہو گیا قریب تھا کہ درخت پر سے گر پڑوں جلدی سے اتر آیا اور پوچھا کیا بات ہے آقا نے زور سے ایک مکا مارا اور کہا تو اپنا کام کر تجھکو اس قصے سے کیا تعلق مجبور میں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ لیکن شام کو کچھ کھانے کی چیز اپنے ساتھ لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ صدقہ ہے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور ساتھیوں سے فرمایا کہ تم کھاؤ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ اُن علامتوں میں سے ایک ہے۔ دوسرے روز پھر کچھ لے گیا اور عرض کیا یہ ہدیہ ہے۔ آپ نے خود بھی اس میں سے کچھ کھایا۔ میں نے کہا یہ دوسری علامت ہے۔ ایک روز خدمت میں حاضر ہوا تو آپ جنازے کے ساتھ تشریف لئے جاتے تھے۔ میں نے سلام کیا اور آپ کے پیچھے اس غرض سے ہو لیا کہ خاتم نبوت کو دیکھوں۔ آپ کو میرے اس قصد کی اطلاع ہو گئی۔ آپ نے چادر مبارک کو مونڈھوں سے نیچے گرا دیا۔ میں نے خاتم نبوت کو دیکھا اُس پر بوسہ دیا اور رو پڑا۔ آپنے مجھکو اپنے سامنے بٹھلایا۔ میں نے اپنا سارا قصہ ابتدا سے بیان کیا۔ مگر بوجہ خدمت آقا آپ کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک نہ ہو سکا۔ آپ نے فرمایا تم اپنے آقا سے کتابت[1] کر لو۔ میں نے اصرار کر کے آقا سے اس بات پر کتابت کر لی کہ تین سو پودے کھجور کے لگا دوں جنپر پھل آجائے اور چالیس اوقیہ سونا ادا کر دوں۔ آپ نے لوگوں کو ترغیب دی۔ سب نے دو دو چار چار پودے جمع کر دئے۔ اور آپ نے دستِ مبارک سے اُن کو لگا دیا جو اُسی سال پھل لے آئے اور اُسی طرح مال کتابت آپ نے ادا کر دیا۔ اور میں آزاد ہو کر غزوہ خندق واحزاب میں شریک ہوا غزوہ خندق واحزاب اُس واقعہ کا نام ہے جس میں کفار مکہ بسرداری ابوسفیان دس ہزار

---

[1] کتابت اسکو کہتے ہیں کہ غلام اپنے آقا سے ٹھہرا لے کہ اس قدر معاوضہ ادا کر دوں تو آزاد ہو جاؤں گا ۱۲

لشکر کے ساتھ اور تین ہزار دوسرے قبائل کے لوگوں کے ساتھ مدینۂ منورہ پر چڑھ کر آئے تھے اور مدینے کا محاصرہ کیا تھا۔ اس وقت حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے گرداگرد خندق کھودنے کی رائے دی تھی۔ حضرت سلمانؓ بہت قوت وجفاکشی سے خندق کھودنے میں شریک ہوئے تھے۔ ان کی مستعدی جفاکشی اور اخلاص کو دیکھ کر مہاجرینؓ وانصار میں جھگڑا ہوا۔ مہاجرینؓ کہتے تھے سلمانؓ ہم میں سے ہیں۔ انصار کہتے تھے ہم میں سے ہیں دونوں کا فرمانا بجائے خود صحیح تھا[لہ]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اختلاف کو سنکر فرمایا کہ سلمان اہل بیت میں سے ... ہیں۔ اس لئے سلمانؓ مولےٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہلائے جاتے ہیں۔ حضرت سلمانؓ کو سلمان الخیر بھی کہتے ہیں اور وہ خود اپنے آپ کو سلمان ابن الاسلام فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہما جس طرح مسلمان ہوئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کو دعوت اسلام دینے کی نوبت بھی نہیں آئی بلکہ یہ پہلے ہی سے منتظر تھے۔ خبر سنتے ہی آکر مسلمان ہو گئے۔ حضرت عبداللہؓ خود عالم تھے۔ کتب سابقہ کے دیکھنے سے اُن کو ذاتی طور پر علم تھا۔ اور حضرت سلمانؓ کو بڑے مقدس اور عالم نصرانی نے ہدایت کی تھی۔

مدینۂ منورہ میں منافقین مدینۂ منورہ کے دو قبیلے اوس وخزرج اگرچہ اکثر مسلمان ہو گئے تھے مگر ان میں ایک جماعت منافقین کی بھی تھی جو ظاہر میں اسلام قبول کر چکے تھے۔ مسلمانوں کے ساتھ ارکان اسلام ادا کرنے میں شریک رہتے تھے۔ مگر فی الحقیقت اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے۔ یہ جماعت مسلمانوں کے ساتھ لڑائیوں میں بھی شریک ہوتی تھی۔ لیکن ہر ممکن طریقہ سے مسلمانوں کو ستانے اور تکلیف پہنچانے میں درگذر نہ کرتی تھی۔ مسلمانوں کی عیب جوئی۔ ہر ہر بات پر اعتراض مسلمانوں میں تفریق ڈالنا اُن کا کام تھا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی ایذا دہی اور دشمن اسلام کے ٹھیرانے اور چھپانے کے واسطے ایک مسجد بھی بنائی تھی جس کا

[لہ] کیونکہ ہجرت کر کے اور اپنا وطن چھوڑ کر آئے تھے اور عرصۂ دراز سے مدینۂ منورہ میں قیام تھا۔ جہاں کے مسلمان انصار کہلاتے ہیں ۱۲ منہ آزاد کردہ ۱۲

ذکر کلام اللہ میں مسجد ضرار کے نام سے کیا گیا ہے۔ ایسے مار آستین اور چھپے دشمن سے جیسے نقصانات پہنچتے ہیں اُس سے غالباً دنیا کا کوئی مدبر اور ذی عقل بیخبر نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی نام بنام اُن کا علم تھا۔ مسلمان خود بھی اُن کو خوب جانتے تھے۔ خصوصاً انصار کیونکہ یہ لوگ اُنھیں کی قوم میں سے تھے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے بارہ میں جائز تشدد اور سختی کو بھی اختیار نہیں فرمایا۔ بلکہ اسلام کی اشاعت کو اُس کی حقانیت اور صداقت کے سپرد کر کے منافقین کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ اور جس قدر نرمی درگذر و ملاطفت ممکن تھی کی گئی۔

ایک دفعہ سفر میں دو شخصوں کے درمیان جن میں ایک مہاجرین کے ساتھ تھا۔ دوسرا انصار کے ساتھ۔ کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ پہلے شخص نے مہاجرین کو دوسرے نے انصار کو اپنی اعانت کے لئے پکارا۔ منافقوں کا سردار عبد اللہ بن اُبی اپنی قوم کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے یہ آواز سن کر کہا کہ کیا یہاں تک نوبت آگئی۔ مہاجرین ایسا کرنے لگے۔ اب کی دفعہ مدینے لوٹ کر جاویں گے تو ہم میں جو عزت والا ہے ذلیلوں کو نکال دیگا۔ اور جو لوگ اُس کے پاس بیٹھے تھے اُن سے کہا یہ تم نے اپنے ہاتھ سے ایسا کیا ہے اگر تم لوگ اب بھی اُن کی امداد نہ کرو تو یہ لوگ مدینے کو چھوڑ کر کہیں اور چلے جاویں۔ زیدؓ بن ارقم نے یہ گفتگو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ عباد بن بشر کو حکم دیجئے وہ اس منافق کو قتل کر دیں گے ارشاد فرمایا۔ یہ کسی طرح مناسب نہیں۔ لوگ کہیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔ لیکن آپ نے اس قصہ کو فرو کرنے کے لئے اُسی وقت قافلے کو کوچ کا حکم دیدیا۔ اسید بن حضیرؓ نے جو سرداران انصار میں سے تھے حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج بے وقت کوچ کا حکم کیوں دیا گیا۔ ارشاد فرمایا کیا تمنے عبد اللہ بن اُبی کا مقولہ نہیں سُنا وہ کہتا ہے کہ مدینے پہنچکر عزت والے ذلیلوں کو نکال دیں گے۔ اُسید بن حضیرؓ نے عرض کیا کہ بس تو یا رسول اللہ آپ اُن کو نکال دیں گے۔ عبد اللہ بن اُبی کو معلوم ہوا کہ یہ قصہ رسول اللہ

فارسل رسول اللہ صلعم الی عبد اللہ بن ابی بن سلول ... فحلفوا انہم ما قالوا فکذبنی رسول اللہ صلعم وصدقہ فاصابنی ہم لم یصبنی مثلہ قط فجلست ...

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گیا تو اُس نے آکر جھوٹی قسمیں کھائیں کہ میں نے ہرگز نہیں کہا حاضرین نے بھی کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زید بن ارقم لڑکے ہیں۔ شاید اُن سے غلطی ہوگئی ہو۔ لیکن اس کے بعد ہی سورۂ منافقون نازل ہوگئی اور آپؐ نے زید بن ارقم کے کان کو پکڑ کر فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے کان کی تصدیق فرمائی ہے۔

عبداللہ بن اُبی کے بیٹے جن کا نام بھی عبداللہ تھا۔ سچے مسلمان تھے اُن کو یہ سارا واقعہ معلوم ہوا تو حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کا قصد میرے باپ کو قتل کرنے کا ہے اگر ایسا ہے تو آپ مجھے اجازت دیجئے میں خود اس کا سر اُتار کر حاضر خدمت کردوں گا۔ فرمایا نہیں ہم اُس کے ساتھ نرمی کریں گے۔ اور جب تک وہ ہمارے ساتھ رہے گا۔ حق صحبت ادا کریں گے اس قصہ کے بعد یہ حال ہوگیا کہ جب عبداللہ بن اُبی کوئی ایسا ویسا کلمہ زبان سے نکالتا تھا۔ خود اُس کی قوم کے لوگ اُس کو ڈانٹ دیتے اور دھمکا دیتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی صداقت اور دنیا کے تمام مذاہب پر غالب آجانے اور دنیا کے اس کونہ سے اُس کونہ تک پھیل جانے کا کامل یقین اور وعدہ ہائے خداوند جل وعلا پر اس قدر بھروسہ تھا کہ ان سخت مخالفوں اور اندرونی دشمنوں کی عداوت کو جو ہر وقت مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی فکر میں لگے رہتے تھے سدراہ نہ سمجھا اور ایسے مجرموں کے ساتھ نرمی کا معاملہ فرمایا جن کے ساتھ نرمی کرنے کو کسی سلطنت دنیوی کا قانون بھی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن انجام وہی ہوا۔ اسلام پوری قوت کے ساتھ پھیلا اور مدینہ منورہ منافقوں کے وجود سے خود بخود پاک وصاف ہوگیا۔

صلح حدیبیہ ہجرت سے تیسرے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا قصد فرمایا ایک ہزار چار سو مسلمان ہمرکاب تھے۔ راستہ میں چلتے چلتے[1] آپؐ کی ناقہ جس کا نام قصوا تھا بیٹھ گئی لوگوں نے کہا کہ قصوا تھک گئی۔ آپؐ نے فرمایا کہ تھکی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے رُکی ہے۔ اور پھر فرمایا کہ اہل مکہ جو بات مجھ سے ایسی طلب کریں گے جس میں بیت اللہ کی حرمت ثابت ہوتی ہو قبول کروں گا۔ پھر ناقہ کو اشارہ فرمایا وہ کھڑی ہو کر چلنے لگی اور آپ مکہ معظمہ کے قریب

[1] فلما رأت خیل قریش قترة الجیش الحق رسول اللہ صلعم قد خالفهم عن طریقهم رکضوا راجعین الی قریش وخرج رسول اللہ صلعم حتی اذا سلک فی ثنیة المرار

حدیبیہ میں مقیم ہوئے۔ کفار مکہ نے آپؐ کو مکہ میں داخل ہونے سے روکا۔ اس میں نامہ و پیام شروع ہوا۔ کفار نے سخت سے سخت شرطیں پیش کیں آپؐ نے سب کو مانا اور نہایت دب کر مصالحت کر لی گئی۔ عہد نامہ میں یہ شرائط تھیں۔ دس سال تک باہم فریقین میں کوئی لڑائی نہ ہو۔ جو شخص آپ کے پاس مسلمان ہو کر بغیر اجازت اپنے وارثوں کے آئے آپ اُس کو واپس کر دیں۔ جو شخص مسلمانوں میں سے قریش کے پاس آئیگا اُس کو نہ لوٹائیں گے اس سال آپ اسی طرح بغیر عمرہ کئے واپس جائیں۔ سال آئندہ آکر عمرہ کریں۔ صرف تین دن مکہ میں ٹھہریں۔ ہتیار میانوں میں بندھے ہوئے ہوں۔ عہد نامہ مرتب ہونے کے بعد آپؐ نے قربانیوں کو وہیں ذبح کر کے احرام کھول دیئے۔ مسلمان بر بنا اس خواب کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا اس توقع میں تھے کہ فتح عظیم نصیب ہوگی مگر معاملہ برعکس ظاہر ہوا تو اُن کے صدمہ کی انتہا باقی نہ رہی۔ قریب تھا کہ رنج و کوفت کی وجہ سے ہلاک ہو جاتے۔ حضرت عمرؓ بے انتہا صدمہ میں قابو سے باہر تھے۔ مضطرب پھرتے تھے۔ آپ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم حق پر ہیں تو کیوں اس ذلت کو گوارا کریں۔ مگر جواب ملا کہ اے عمرؓ میں اللہ کا رسول ہوں وہ کبھی مجھے ضائع اور ذلیل نہ کریگا۔ اسی اضطراب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس گئے۔ وہاں سے بھی یہی جواب ملا تو خاموش ہو کر بیٹھ رہے۔ حدیبیہ سے واپس ہو کر راستہ میں سورۂ فتح نازل ہوئی جس میں ارشاد ہے۔

انا فتحنا لک فتحاً مبیناً (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تمکو کھلی ہوئی فتح عطا فرمائی)

اس طرح دب کر صلح کر لینے کو فتح مبین سمجھ لینا انسانی عقل سے بالاتر بات تھی صحابہؓ بہت ہی زیادہ متعجب ہوئے کہ یہ فتح کیسی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس آیت شریفہ کو زبان مبارک سے سُن کر عرض کیا اَوَ فَتحٌ هُوَ (یا رسول اللہ کیا یہ فتح ہے) فرمایا کہ ہاں فتح ہے۔

در حقیقت یہ بڑی فتح تھی۔ اس سے قبل اسلام میں ایسی بڑی فتح نہیں ہوئی تھی۔ قبائل عرب کے لوگ لڑائی سے مامون و مطمئن ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صرف دو برس کے عرصے میں اسقدر مسلمان ہوئے جتنے کہ ابتدائے اسلام سے سولہ برس کے عرصہ میں ہوئے تھے۔ قبائل عرب میں اسلام کا چرچا ہو گیا۔

لہ حدیبیہ مکہ کے قریب ایک جگہ ہے جس کا کچھ حصہ حرم میں داخل ہے۔

لہ فما فتح فی الاسلام قبلہ فتح کان اعظم منہ حیث امن الناس کلھم فدخل تینک السنتین مثل ما دخل فیہ قبل ذالک او اکثر (الشفا صفحہ ۴۶ ج ۲)

صلح حدیبیہ کے واقع سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑنا جھگڑنا تو درکنار اپنے خیال سے زیادہ اپنی بات کو نیچا کرنا قبول فرمایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں اسلام کی عظمت وشوکت کو قیاس وگمان سے بڑھ کر ترقی عطا فرمائی۔ یہ تھا اسلام کی صداقت کا سکہ جس نے عالم کو اپنا مسخر بنایا۔ کوئی بڑا ہی نادان اس بات کے کہنے کی جرارت کر سکتا ہے کہ اسلام کی اشاعت میں کسی قسم کے زور وجبر کو دخل تھا۔

بادشاہانِ عالم کو دعوتِ اسلام کے خطوط

تیسرے ہی سال آپ نے دنیا کے بڑے اور چھوٹے بادشاہوں کو اپنے قاصدوں کے ہاتھ اسلام کی دعوت دی۔ یہ وقت تھا کہ اسلام کی قوت خاص قبائل عرب میں بھی مستحکم نہ ہوئی تھی۔ اندرونی اور بیرونی دشمن پیچھے لگے ہوئے تھے۔ قریش مکہ برسر مقابلہ تھے۔ یہود پہلو میں اور منافق گھر کے اندر موجود تھے۔ اسلام میں یہ قوت نہ تھی کہ ان پر بھی اس کا کچھ اثر پڑتا۔ ایسی حالت میں زبردست بادشاہوں پر کیا اثر پڑ سکتا تھا۔ کونسا عقل کا دشمن ہے جو یہ کہے کہ آپ نے بادشاہانِ دنیا سے قوت اور شوکت کی بنا پر مراسلت کی تھی۔ یا آپ کے پاس ایسا ظاہری ساز و سامان تھا جس کو دیکھکر کسی بادشاہ پر رُعب پڑتا۔ نہیں بلکہ آپ کو حکم تھا کہ حق کا پیام سب کو پہنچا دو آپ نے اس حکم کی تعمیل کی۔ اور سب کے پاس قریب قریب ایک ہی مضمون کے خط بھیجدیے۔ خطوط کا مضمون گو بالکل سادہ اور نہایت مختصر تھا۔ مگر اس کے اندر ایسی روحانی قوت مضمر تھی۔ جس کی وجہ سے وہ قلوب جن کو حق ناحق کی تمیز۔ اور صادق وکاذب کے ادراک کا مادہ تھا بغیر مرعوب ومتاثر ہوئے نہ رہ سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جن سلاطین پر اس مضمر قوت کا اثر پہنچا انھوں نے گردن جھکا دی۔ اور جنھوں نے ظاہری قوت وشوکت کو صدق وکذب کا معیار ٹھیرایا تمرد ومقابلے سے پیش آئے خطوط اور قاصد دونوں کی توہین پر آمادہ ہو گئے۔

قیصر کے نام نامۂ مبارک

قیصر روم کے نام کا خط حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ لیکر گئے[1] تھے قیصر نے نامۂ مبارک کی بہت تعظیم کی اور ایک شخص سے جو کتب سابقہ کا علم رکھتا تھا۔ اس خط کا حال کہکر اصل حقیقت کو دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ یہ نبی سچے ہیں۔ ہم سب اُن کے منتظر تھے۔ تم ضرور اتباع کرو۔ قیصر نے سرداروں کو جمع کیا۔ اور خود بالاخانہ میں بیٹھکر نامۂ مبارک کا حال بیان کیا اور کہا یہ وہی نبی ہیں جن کا ذکر ہماری کتابوں میں ہے آؤ ہم سب ان کا اتباع کریں۔ ہماری دین ودنیا درست ہو جائیں گے۔ سب سُنکر وحشیانہ انداز سے دروازے کی طرف بھاگے۔ دروازے بند تھے

[1] فلما قدم کتاب رسول اللہ صلعم مع دحیۃ بن خلیفۃ اخذہ ہرقل فجعلہ بین فخذیہ وخاصرتیہ ثم کتب الی رجل برومیۃ کان یقرء من العبرانیۃ ما یقرئہ فجعلتم خبر انہ قد آتانی کتاب ہذا الرجل یدعونی الی دینہ وانہ واللہ النبی الذی کنا ننتظر ونجدہ فی کتابنا فہلموا فلنتبعہ ونصدقہ فتسلم لنا دنیانا وآخرتنا قال

قیصر نے کہا میں تم کو آزماتا تھا کہ تم اپنے دین پر کس قدر مضبوط ہو۔ سو میں بہت خوش ہوا کہ تم میں خامی نہیں ہے۔ ان لوگوں کو رخصت کرنے کے بعد حضرت دحیہؓ سے کہا بیشک یہ نبی سچے ہیں۔ مگر میں ان لوگوں سے ڈرتا ہوں اگر خوف نہ ہوتا تو ضرور مسلمان ہو جاتا۔ لیکن تم روم کے اسقف اعظم (بڑے پادری) کے پاس جن کا نام صفاطر ہے جاؤ اور رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حال ان کو سناؤ۔ حضرت دحیہؓ تشریف لے گئے اور اسقف اعظم سے سب حال بیان کیا۔ اُس نے سُن کر کہا قسم اللہ کی یہ شخص نبی ہیں ہم اپنی کتابوں میں اُن کا حال اور صفت لکھی ہوئی دیکھتے ہیں۔ اور یہ کہکر اپنی لاٹھی ہاتھ میں لے کر گرجا میں گیا۔ اور لوگوں سے کہا ہمارے پاس احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خط آیا ہے۔ اور وہ ہم کو اسلام کی طرف بلاتے ہیں میں تو کلمہ پڑھتا ہوں انی اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً عبدہٗ ورسولہ عیسائیوں نے یہ سنتے ہی فوراً اُن کو قتل کر دیا۔ حضرت دحیہؓ نے یہ سارا حال آکر قیصر سے بیان کیا۔ قیصر نے کہا مجھکو بھی ان لوگوں سے یہی اندیشہ ہے۔

قیصر اور ابو سفیان کا مکالمہ

اس کے بعد قیصر نے ابو سفیان کو جو ایک قافلہ کے ساتھ بغرض تجارت آئے ہوئے تھے بلایا۔ وہ مع قریش کے چند لوگوں کے حاضر ہوئے۔ قیصر نے اُن کو عزت کے ساتھ اپنے سامنے اور ساتھیوں کو ان کے پیچھے بٹھلا کر کہا کہ میں ابو سفیان سے چند باتیں دریافت کروں گا اگر یہ جھوٹ بولیں تو تم سب ان کو جھٹلا دینا۔ عرب میں جھوٹ بولنا بہت مذموم سمجھا جاتا تھا ابو سفیان کہتے ہیں کہ اگر مجھکو اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میں جھوٹا مشہور ہو جاؤں گا تو اس موقعہ پر ضرور جھوٹ بولتا۔ مگر اتنا تو ضرور ہوا کہ قیصر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پوچھا تو میں نے بہت گھٹا کر بیان کیا۔ لیکن قیصر نے اُس کی طرف التفات نہیں کیا قیصر اور ابو سفیان کے سوال وجواب کا خلاصہ یہ ہے۔

قیصر۔ اس شخص کا نسب تمہارے درمیان کیسا ہے۔

ابو سفیان۔ نسب کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کے ہیں۔

قیصر۔ اُن کے خاندان میں اُن سے پہلے بھی کوئی شخص ایسا گذرا ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہو۔

ابو سفیان۔ کوئی نہیں۔

قیصر۔ کیا ان کے خاندان میں کوئی ریاست یا بادشاہت تھی جس کو تم لوگوں نے چھین لیا ہو۔

الحدیث لتردہ علیہ فقلت۔ لا۔ قال اخبرنی عن اتباعہ من ہم فقلت احداث وضعفاء والمساکین فاما اشرافہم وذوو انسابہ منہم فلا۔ قال اخبرنی عمن صحبکم نبلوکذالک یا ہذا اللہ یعنی لا یا ہذہ الا من اوسط قومہ وما شک بل کان من اہل بیتہ احد یقول مثل قولہ فہو یتشبہ به فقلت لا ای آخرہ فقال

ابوسفیان۔ نہیں تھی۔

قیصر۔ ان کا اتباع کون لوگ کرتے ہیں۔

ابوسفیان۔ ضعیف اور مسکین اور نوعمر لوگ اتباع کرتے ہیں۔

قیصر۔ جو لوگ اتباع کرتے ہیں وہ اُن سے محبت رکھتے ہیں یا اُن سے بغض رکھتے ہیں اور جدا ہو جاتے ہیں۔

ابوسفیان۔ اس وقت تک کوئی ایک شخص بھی اتباع کر کے اُن سے علیحدہ نہیں ہوا۔

قیصر۔ تمہارے اور اُن کے درمیان جو لڑائیاں ہوتی ہیں اُس میں فتح کس کو ہوتی ہے۔

ابوسفیان۔ کبھی ان کو کبھی ہم کو فتح ہوتی ہے۔

قیصر۔ وہ کبھی عذر اور خلاف عہد کرتے ہیں۔

ابوسفیان۔ غدر کبھی نہیں کیا مگر آجکل ہمارے اُن کے درمیان معاہدہ ہو رہا ہے اس میں ہم مامون نہیں ہیں کہ وہ کیا کریں گے۔

ابوسفیان کہتے ہیں کہ مجھے کسی سوال کے جواب میں جھوٹ بولنے کا موقع نہ ملا۔ البتہ اس سوال کے جواب میں ذرا موقع ملا اس لئے میں نے ایسی بات کہی۔

قیصر نے سب جوابات سُن کر کہا کہ میرے سوالوں کے جو جواب تم نے دئے اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ بیشک یہ نبی ہیں۔ انبیا ہمیشہ اعلیٰ و اشرف خاندان کے ہوتے ہیں۔ اگر کسی نے پہلے اُن کی خاندان میں نبوت کا دعویٰ کیا ہوتا تو میں سمجھتا کہ انھوں نے بھی خاندانی بات کا اتباع کر کے دعویٰ کر دیا۔ اگر ان کا خاندانی ملک چھینا گیا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اپنا ملک واپس لینے کے واسطے دعوےٰ کیا ہے۔ انبیاء کے پیرو ہمیشہ ضعفاء و مساکین ہوتے ہیں۔ جس شخص کے دل میں حلاوت ایمان اثر کر جاتی ہے کبھی برگشتہ نہیں ہوتا۔ انبیاء کبھی عذر اور خلاف عہد نہیں کرتے۔

آخر میں ابوسفیان کو خطاب کر کے کہا اگر تم نے یہ باتیں سچ کہی ہیں تو اُن کے ملک و دین کا غلبہ اس جگہ تک جہاں میں بیٹھا ہوں ضرور ہو جائے گا۔ کیا اچھا ہوتا کہ میں اُن کے پاس ہوتا اور اُن کے قدم دھو کر پیتا۔ قیصر روم جیسے عظیم الشان بادشاہ سے جو سلاطین دنیا میں اول درجہ اور ایشیا و یورپ کا حکمران تھا۔ ابوسفیان یہ گفتگو سُن کر حیران رہ گئے اور وہاں سے افسوس

و تعجب سے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارتے اور یہ کہتے ہوئے نکلے۔ اے لوگو! ابن ابی کبشہ[1] (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا کام تو نہایت مضبوط اور مستحکم ہو گیا۔

ایک تھوڑی سی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ قیصر کو نامۂ مبارک سے اندیشہ ناک اور خوفزدہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد حضرت دحیہ کوئی جرار لشکر ساتھ لیکر آئے تھے نہ آپ کا ملک وسیع تھا۔ نہ آپ کے پاس لشکر اور ساز و سامان موجود تھا جس سے بادشاہانِ دنیا مغلوب ہوتے اور اگر ہوتا بھی تو بادشاہ کب بغیر زور آزمائی کسی کے سامنے گردن جھکاتے ہیں نہ نامۂ مبارک میں فوج کشی کی دھمکی تھی۔ نامۂ مبارک کے نہایت سادہ الفاظ جن میں فوج کشی کا اشارہ تک نہ تھا یہ تھے۔ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰہِ اِلٰی ہِرَقْلَ عَظِیْمِ الرُّوْمِ اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْہُدٰی اَسْلِمْ تَسْلَمْ یُؤْتِکَ اللّٰہُ اَجْرَکَ مَرَّتَیْنِ۔ فَاِنْ تَوَلَّیْتَ فَاِنَّ اِثْمَ الْاَکَّارِیْنَ عَلَیْکَ۔

(ترجمہ) یہ خط محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے ہرقل بادشاہِ روم کی طرف ہے جو شخص ہدایت کا اتباع کرے اس پر سلام۔ اسلام لے آ تو سلامت رہیگا۔ اور تجھکو خدا تعالیٰ دوچند اجر دے گا (اپنے اسلام لانے اور رعیت کے مسلمان ہونے کا) اور اگر تم نے اعراض کیا تو رعیت کا گناہ بھی تمہارے اوپر ہے۔

پھر کیا وجہ تھی کہ قیصر روم دل سے متبع ہو گیا۔ صرف یہی کہ قیصر کو کتب سابقہ سے آپ کی بعثت کا علم تھا اور جو علامتیں کتابوں میں لکھی ہوئی تھی وہ سب آپ پر منطبق ہوتی تھیں نامۂ مبارک کے سادہ الفاظ نے دل پر ایسا گہرا اثر ڈالا کہ اس کو تصدیق میں تامل نہ رہا۔ مگر افسوس سلطنت کی طمع اور جان کے خوف نے اتباع کی دولت سے محروم رکھا۔

نجاشی کے نام نامۂ مبارک حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے نام جس وقت نامۂ مبارک پہنچا پڑھ کر حضرت جعفر بن ابی طالب کے ہاتھ پر ایمان لے آئے اور اپنے بیٹے کو اہل حبشہ کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھیجدیا۔ لیکن یہ سب لوگ دریا میں ڈوب گئے اور آپ کی خدمت میں نہ پہنچ سکے۔

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت پہلے ابو کبشہ قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص تھا جو قریش کو بت پرستی سے منع کرتا تھا چونکہ حضور سرورِ عالم بھی بت پرستی سے روکتے تھے اسی علاقہ سے آپ کو ابو کبشہ کا بیٹا کہدیا۔ یا اس لئے کہا کہ آپ کے نانا صاحب ابو کبشہ مشہور تھے۔ ایک یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے کہ آپ کی دایہ حلیمہ سعدیہ کے شوہر کو بھی ابو کبشہ کہتے تھے اسی رضاعت کے علاقے سے آپ کو اُن کا بیٹا کہدیا۔

کسریٰ بادشاہ فارس کے نام نامۂ مبارک دنیا میں دو ہی زبردست بادشاہ تھے۔ قیصر اور کسریٰ۔ قیصر کا حال ہم بیان کر چکے ہیں۔ کسریٰ کی سلطنت بہت وسیع تھی۔ خود ملکِ عرب کے اکثر حصے کسریٰ کے زیر نگیں تھے۔ یمن وغیرہ بڑے بڑے صوبوں میں کسریٰ کے گورنر تھے۔ اس اعتبار سے تقریباً کل عرب پر کسریٰ کی حکومت تھی۔ حضرت عبد اللہ بن حذافہ نامۂ مبارک کسریٰ کے پاس لیکر گئے۔ نامۂ مبارک کا مضمون تقریباً اسی قسم کا تھا جو قیصر کے خط کا تھا۔ البتہ الفاظ کچھ کم و بیش تھے۔ کسریٰ نے خط کو پھاڑ ڈالا اور کہا۔

یکتب الیّ بھٰذا وھو عبدی ۔ مجھکو وہ ایسا خط لکھتے ہیں حالانکہ وہ میرے زیر اثر اور محکوم ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ کسریٰ کا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ کسریٰ نے گورنر یمن کو جس کا نام باذان تھا لکھا کہ دو مضبوط اور بہادر آدمیوں کو اس شخص (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بھیجو کہ وہ اُن کو میرے پاس پکڑ لائیں۔ باذان نے دو شخصوں کو جن میں سے ایک کا نام نابوہ اور دوسرے کا نام خرخسرہ تھا آپ کی خدمت میں بھیجا۔ اور لکھا کہ آپ کسریٰ کے یہاں تشریف لے جائیں۔ اور نابوہ سے یہ کہدیا کہ صحیح خبریں اور حالات لیکر آئیں۔ قریش کو جب یہ معلوم ہوا کہ کسریٰ نے باذان کو ایسا حکم بھیجا ہے تو اُن کے یہاں عید آ گئی۔ خوش ہو کر کہتے تھے لو بھائیو تمھیں مبارک ہو بادشاہوں کا بادشاہ کسریٰ مسلمانوں کو تباہ کرنے کے واسطے آمادہ ہو گیا ہے۔ جس کا مقابلہ وہ کسی طرح نہیں کر سکتے۔ اب اس قصہ کا بالکل خاتمہ ہو جائیگا ہم لوگ امن چین میں ہو جائیں گے۔

باذان کے بھیجے ہوئے دونوں شخص خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور پیام پہنچا کر عرض کیا کہ اگر آپ تعمیل حکم کریں گے تو باذان آپ کی سفارش کسریٰ کو لکھے گا۔ اور اگر آپ نے تعمیل نہ کی تو کسریٰ آپکو اور آپ کی قوم کو ہلاک کر دے گا۔ آپ نے فرمایا کہ کل کو جواب دیا جائے گا۔ آپ کو بذریعہ وحی اطلاع دی گئی کہ کسریٰ کو اس کے بیٹے شرویہ نے قتل کر دیا۔ اگلے روز یہ دونوں شخص حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے کسریٰ کے مقتول ہونے کی خبر دے کر فرمایا کہ میرا دین اور ملک کسریٰ کے ملک تک پہنچ جائے گا۔ دونوں نے واپس ہو کر باذان سے سب حال بیان کیا۔ باذان نے کہا کہ یہ گفتگو بادشاہ کی سی نہیں ہے وہ یقیناً نبی ہیں۔ ہم انتظار کریں گے۔ اگر یہ خبر صحیح ہے تو اُن کے نبی مرسل ہونے میں

---

[۱] ثم کتب کسریٰ الی باذان وھو علی الیمن ان ابعث الی ھذا الرجل الذی بالحجاز رجلین من عندک جلدین فلیأتیانی بہ فبعث باذان قہرمانہ وھو بابویہ وکان ... وانفذ ... لکسریٰ ملک الملوک ... نحو حاجتی قدما علی رسول اللہ صلعم فکلمہ بابویہ فقال ان شاہنشاہ کسریٰ قد کتب الی الملک باذان یامرہ ان یبعث الیک

شک نہیں۔ چند ہی روز کے بعد کسریٰ کے قتل کی خبر باذان کو باضابطہ پہنچ گئی۔ باذان خود معہ سرداران فارس کے بصدق دل ایمان لے آیا۔

غسان کے بادشاہ کے نام نامۂ مبارک

حارث ابن ابی شمر غسانی کے پاس نامۂ مبارک پہنچا تو اُس نے دیکھکر کہا۔ ہم خود مدینے پر چڑھائی کریں گے۔ آپ نے اُس کے کلمات کو سُن کر ارشاد فرمایا کہ اس کا ملک تباہ و برباد ہوا۔

بحرین کے حاکم کے نام نامۂ مبارک اور اُس کا مسلمان ہونا

بحرین کا حاکم منذر بن ساوی تھا۔ حضرت عمرو بن عبیہ ضمیری نامۂ مبارک لیکر اس کے پاس پہنچے تو وہ اور بحرین کے سب عرب بلا تامل مسلمان ہو گئے۔

باغی اور عادی مجرموں کا سزا دینا تمام دنیا کے قانون میں عین انصاف ہے بلکہ بسا اوقات ایسے لوگوں سے درگذر کرنا جو بوجہ عداوت وکینہ دوزی یا خباثتِ نفس قتل وغارت ونقض عہد اور اسی قسم کے جرائم کا ارتکاب کر چکے ہوں درگذر کرنا دُور اندیشی اور مصالح ملکی کے خلاف سمجھا جاتا ہے لیکن ہم چند واقعات کے ذریعے سے یہ بھی دکھلانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ دنیا میں کوئی شخص حلیم وکریم بُردبار وخوش خلق نرم خو سخت سے سخت مُجرم سے درگذر کرنے والا اور خونریزی سے بچنے والا نہ تھا۔ آپ نے اُن لوگوں سے درگذر فرمایا جن کی ساری عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذا دہی۔ آبروریزی۔ اسلام کی بربادی مسلمانوں کی تباہی میں کوشش کرتے گذری۔ جن کے طفیل مسلمانوں کو ہزارہا جانوں کا نقصان اٹھانا پڑا۔ اگرچہ بقاعدۂ سلطنت و مصالحہ ملکی ایسے لوگوں کو امن دیکر مارِ آستین پالنا جن کے لئے عداوت بمنزلۂ طبیعت ثانیہ کے بن گئی تھی۔ جن کا نشوونما بچپن سے آپ کی عداوت پر ہوا تھا کسی قدر دور اندیشی سے بعید معلوم ہوتا ہے۔ مگر آپ کو اسلام کی صداقت اور روحانی قوّت اور تمام عالم میں پھیل جانے کا اس قدر کامل یقین اور خداوند تعالیٰ کے وعدوں پر ایسا بھروسہ تھا کہ ہرگز ان احتمالات سے اندیشہ ناک نہیں ہوتے تھے۔

فتح مکہ اور معافی کا اعلان

مکہ معظمہ بوجہ بیت اللہ کے اسلام کا اصلی منبع اور سرچشمہ اور مرکز تھا اور کفار قریش کا موطن اور دارالسلطنت بھی وہی تھا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں مسلمانوں کو قریش کے

الیہ قال رسول اللہ "بادیملکہ" طبری ص ۱۵۷۳ -

ہاتھ سے قسم قسم کی تکلیفیں پہنچی تھیں۔ ہر حیثیت سے مکہ معظمہ کا فتح ہونا خدا تعالیٰ کی بڑی نعمت اور مسلمانوں کے لئے انتہا سے زیادہ خوشی اور فرحت و تبختر کا موقع تھا۔ کفار مکہ کی دولت و قوت کی خاتمے اور مسلمانوں کے عرب پر انتہائے عروج کا یہی وقت تھا۔ فتح مکہ نے اسلام اور مسلمانوں کی حالت میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ مسلمانوں کے تعلقات فتح مکہ سے پہلے بہت ہی محدود تھے۔ اہل عرب قریش کے انجام کو دیکھتے تھے اکثر قبائل توقف و تردد کی حالت میں تھے۔ مکہ معظمہ فتح ہونے اور قریش کے مسلمان ہو جانے کے بعد یکلخت قبائل عرب مسلمان ہو گئے۔ اس حالت کے بدلنے سے مسلمانوں کی ایک دوسری حالت میں بھی انقلاب ہو گیا۔ ایمان لانے راہ خدا میں خرچ کرنیکا اجر و ثواب جو فتح مکہ سے پہلے تھا بعد میں کم ہو گیا۔ لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ط اُولٰئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ (ترجمہ) "تم میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا ہے اور خدا کی راہ میں جہاد کیا ہے وہ اور فتح مکہ کے بعد خرچ کرنیوالے اور کوشش کرنیوالے برابر نہیں بلکہ فتح مکہ سے پہلے خرچ کرنے والے بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں بہ نسبت پیچھے خرچ کرنے اور کوشش کرنے والوں سے"۔

مکہ ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک مامون و محفوظ رکھا گیا تھا۔ کسی کو اہل مکہ سے لڑائی اور حرم محترم پر چڑھائی کی کسی حال میں اجازت نہ تھی اور نہ سلاطین دنیا میں سے کسی کا یہ حوصلہ ہوا تھا۔ عرب جیسے جنگ جو ملک میں جہاں قافلے لٹتے تھے۔ راستے غیر محفوظ تھے اور ہر شخص بجائے خود خائف اور غیر مطمئن رہتا تھا۔ حرم مکہ معظمہ ہی ایسی جگہ تھی جہاں آکر سب محفوظ ہو جاتے تھے اور وہ قبائل جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے حج کے ایام میں جمع ہو کر شیر و شکر بن جاتے تھے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبد المطلب کے زمانہ میں البتہ بادشاہ حبشہ کا نائب ابرہہ یمن سے لشکر لیکر مع بہت سے ہاتھیوں کے اس غرض سے چڑھ کر آیا تھا کہ بیت اللہ کو گرا دے قریش مکہ میں یہ طاقت کہاں تھی کہ مقابلہ کرتے۔ ابرھہ نے اول ایک سردار جس کا نام اسود بن مقصود تھا۔ مکہ معظمہ کو بھیجا وہ سب اہل مکہ کے اونٹ بکریاں پکڑ لایا۔ اِن میں دو سو اونٹ عبد المطلب کے بھی تھے۔ اس کے بعد ابرہہ نے دوسرے سردار کو بھیجا اور کہا کہ سردار قریش سے ملکر کہدینا کہ ہم کو تم سے لڑنا مقصود نہیں صرف بیت اللہ کا گرانا ہے اگر تم نے مقابلہ نہ کیا تو ہم بھی تم سے نہ لڑیں گے ✦

اس وقت عبدالمطلب تمام قریش کے سردار مانے جاتے تھے اس شخص نے یہ پیام اُن کو پہنچا دیا۔ عبدالمطلب نے سنکر کہا کہ ہم بھی ابرہہ سے لڑنا نہیں چاہتے یہ اللہ کا گھر ہے اور ابراہیم خلیل اللہ کا بنایا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے وہ اپنے گھر کی حفاظت کرے گا۔ اگر وہ اپنے گھر کی حفاظت نہ کرے گا تو ہم میں طاقت مقابلہ نہیں۔ عبدالمطلب اُس سردار کے ساتھ ابرہہ کے پاس گئے چونکہ عبدالمطلب نہایت شاندار اور خوبصورت و باوقعت شخص تھے ابرہہ اُن کو دیکھتے ہی تخت سے نیچے اُتر کر فرش پر اُن کی برابر بیٹھ گیا۔ عبدالمطلب نے کہا میرے دو سو اونٹ لوٹا دیے جائیں۔ ابرھہ نے کہا میں تم کو بڑے درجے کا شخص سمجھتا تھا مگر تم نے مجھ سے اونٹوں کے بارے میں سوال کیا اور بیت اللہ کی نسبت جو تمہارا اور تمھارے اجداد کا قبلہ ہے کچھ نہ کہا۔

عبدالمطلب نے کہا میں اونٹوں کا مالک ہوں اس لئے میں نے اُن کے بارے میں کہا ہے اور بیت اللہ کا مالک اللہ ہے وہ اُس کی حفاظت خود کرے گا۔ عبدالمطلب نے ابرہہ کے پاس سے واپس آکر قریش سے سب حال بیان کیا اور تمام قبائل مکہ کو لیکر پہاڑوں میں جا چھپے اور چلتے وقت بیت اللہ کے دروازے کا حلقہ پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور یہ شعر پڑھے ؎

يَا رَبِّ لَا أَرْجُو لَهُمْ سِوَاكَا	يَا رَبِّ فَامْنَعْ مِنْهُمْ حِمَاكَا
اے رب تیرے سوا ان کے مقابلہ کے لئے کسی کو امید نہیں رکھتا	اے رب اُن سے اپنے حرم کو محفوظ رکھ
إِنَّ عَدُوَّ الْبَيْتِ مَنْ عَادَاكَا	اِمْنَعْهُمْ أَنْ يُخَرِّبُوا فِنَاكَا
تحقیق بیت اللہ کے دشمن وہی ہیں جو تیرے دشمن ہیں	اُن کو باز رکھ اس بات سے کہ تیرے گھر کو ویران کریں

ابرہہ نے میدان خالی دیکھ کر مکہ میں داخل ہونا چاہا۔ اور سب سے بڑے ہاتھی کو جس کا نام محمود تھا آگے بڑھایا۔ مگر وہ زمین پر گر گیا اور ایک قدم بھی آگے نہ بڑھایا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے لشکر پر طیر اًابابیل کو مسلط فرمایا جس سے تقریباً سب ہلاک ہوئے۔ اور جو بچے وہ بھاگ گئے خود ابرہہ کا یہ حال ہوا کہ اُس کے بدن کا ایک ایک عضو گل گر گر گیا اور مثل کبوتر کے بچے کے مضغہ گوشت رہ گیا۔ اسی طرح اُس کو اٹھا کر صنعا لیگئے وہاں جا کر وہ بھی مر گیا۔ اس واقعہ نے عرب کے دلوں میں حرم محترم کی عظمت و محبت و عقیدت و ارادت اور اضعاف مضاعف بڑھا دی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی کہ مکہ معظمہ پر لشکر کشی اور قتل و قتال کی

تھوڑی دیر کے لئے اجازت مل گئی تھی۔ آپ نے خود ارشاد فرمایا۔

انہا لم تحل لاحدٍ من قبلی ولا بعدی احلت لی ساعۃ من النہار — ترجمہ۔ مکہ معظمہ آجتک کسی کے لئے حلال نہیں ہوا۔ نہ مجھ سے پہلے نہ میرے بعد صرف میرے لئے کچھ دیر کیلئے حلال ہوا ہے

لیکن بایں ہمہ آپ عزم مصمم فرما کر روانہ ہوئے تھے کہ جہاں تک ہوگا اہل مکہ کو معافی دی جاویگی۔ اُن کے جان و مال عزت و آبرو کی حفاظت کی جاوے گی۔ حرمت بیت اللہ کو ملحوظ رکھا جایگا اور اپنی طرف سے لڑائی میں پیش قدمی نہ کی جائے گی۔ فتح مکہ کے متعلق چند واقعات بیان کردینا چاہتے ہیں جن سے ہر ذی عقل کو اعیاناً ہمارے تمام دعاوی کی تصدیق ہو جاوے۔

ہم صلح حدیبیہ کا ذکر کر چکے ہیں کہ قریش سے دس سال کے لئے صلح ہو چکی تھی۔ اس صلح کے بعد مسلمانوں کی طرف سے ایک فعل بھی ایسا نہیں ہوا جو عہد نامہ کے خلاف سمجھا جاتا مگر اس عہد نامہ کو توڑنے کی ابتدا قریش کی طرف سے ہوئی اس بنا پر آپ نے فتح مکہ کا قصد فرمایا اور یہ دعا کی کہ الٰہی کسی ذریعے سے بھی اُن کو ہمارے ارادے اور روانگی کی اطلاع نہ ہو۔ حق تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی اور آپ مکہ کے قریب پہنچ گئے۔ مگر اہل مکہ بالکل غافل تھے۔ اس دعا کا منشا بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر اُن کو اول ہی اطلاع ہو جاتی تو وہ ضرور پورے سامان کے ساتھ مقابلہ کے لئے آمادہ ہوتے اور پھر خواہ مخواہ خونریزی ہوتی جس سے آپ بالکل بچنا چاہتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ ہجرت کر کے مدینہ منورہ کو جاتے تھے۔ راستہ میں آپ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم مہاجرین میں سب سے آخر ہو اور میں انبیاء میں سب سے آخر ہوں اور یہ حکم دیا کہ سامان کو مدینہ منورہ بھیجدو اور تم ہمارے ساتھ رہو آپ کے چچا حارث بن عبد المطلب کے بیٹے ابو سفیان[۵] اُن لوگوں میں تھے جنھوں نے اسلام کی سخت مخالفت کی تھی۔ مسلمانوں کی ایذا دہی میں کوئی کسر نہ رکھی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذمت و ہجو کرنا ان کا روزمرہ کا کام تھا۔ بارہا مقابلے پر آچکے تھے۔ ابو سفیان بھی معہ اپنی بیوی کے راستہ میں ملے اور خدمت مبارک میں حاضر ہونا چاہا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے

[۵] حضرت معاویہ کے والد دوسرے صحابی ہیں چنانچہ ان کے مشرف باسلام ہونیکا حال عنقریب بیان ہوگا ۱۲

[۱] فلما تظاہرت قریش علی خزاعۃ واصابوا منہم ما اصابوا ونقضوا ما کان بینہم وبین رسول اللہ صلعم بعہد المیثاق بما استحلوا من خزاعۃ وکانوا فی عقدہ وعہدہ فہو الذی قال لی بمکۃ ما قال فلما خرج التجا الیہا بذالک مع ابو سفیان فتبسم لہ فقال واللہ لیاذنن لی اولا اخذن بید بنی ہذا ثم لنذہبن فی الارض حتی نموت

بھی سفارش فرمائی مگر اجازت نہ ملی۔ ابو سفیان نے کہا اگر ہم کو اجازت حاضری نہ ملی تو بیوی بچوں کو لیکر کہیں نکل جاؤں گا۔ اور بھوکا پیاسا مر جاؤں گا۔ یہ سُن کر دریائے رحمت جوش میں آیا۔ حاضری کی اجازت مل گئی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ مگر شدت حیا سے آپ کے سامنے گردن نہ اٹھا سکتے تھے اپنے سابق جرائم اور نا ملائم حرکات کی معذرت میں یہ اشعار پڑھتے تھے۔ ؎

لَعَمْرُکَ اِنِّی یَوْمَ اَحْمِلُ رَایَۃً ‏ ‏ ‏ ‏ لِتَغْلِبَ خَیْلُ اللَّاتِ خَیْلَ مُحَمَّدٍ

قسم ہے تیری جان کی جس دن کہ میں اس غرض سے جھنڈا اٹھاتا تھا کہ لات کا لشکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر پر غالب آجائے

لَکَالْمُدْلِجِ الْحَیْرَانِ اَظْلَمَ لَیْلُہٗ ‏ ‏ ‏ ‏ فَھٰذَا اَوَانِیْ حِیْنَ اُھْدٰی وَاَھْتَدِیْ

تو میری مثال اُس شخص کی تھی جو رات کے اندھیرے میں حیران بھٹکتا پھرتا ہو۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ میں ہدایت کیا جاؤں اور ہدایت پاؤں

ابو سفیان مسلمان ہو گئے اور نہایت پختہ مسلمان۔ حُنینؓ کی لڑائی میں کفار کے اچانک حملے سے طلقاء[1] مکہ کے قدم اُکھڑ گئے تو ابو سفیان اُن جان نثار لوگوں میں تھے جو برابر آپ کے ساتھ قدم جمائے رہے۔

ابو سفیان ابن حرب کو جس قدر عداوت اور بغض اسلام اور مسلمانوں اور ذاتِ مقدس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تھی ظاہر ہے۔ کفار مکہ کے افسرِ اعلیٰ اُن کے حل وعقد کے مالک یہی تھے۔ اکثر لڑائیاں جو قریش نے مسلمانوں سے ہیں اُن کے باعث و محرک یہی ہوتے تھے۔ جنگ اُحد میں قریش کی کمان انھیں کے ہاتھ میں تھی۔ اُنھوں ہی نے جنگ اُحد میں قریش مکہ کے عارضی غلبہ اور مسلمانوں کے قدم اُکھڑ جانے کو فتح سمجھ کر بآواز بلند کہا تھا اُعْلُ ھُبَلُ (اے ہبل[2] تو سربلند رہ) اور یَوْمٌ بِیَوْمِ بَدْرٍ[3] کہکر دل کو تسلی دی تھی اور پندرہ سولہ ہزار کی جمعیت سے مدینہ منورہ پر چڑھ کر آئے تھے اور عرصہ تک مدینہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اس وقت مدینہ منورہ کے گرد خندق کھودی گئی تھی اور یہ لڑائی غزوہ خندق و غزوہ احزاب کے نام سے موسوم ہوئی تھی۔

لیکن ان تمام حالات کے بعد جس سہولت سے بلا کسی سرزنش کے معافی دی گئی اور اُن کا

---

[1] طلقاء وہ نو مسلم جن کو فتح مکہ کے دن معافی دیکر آزادی دی گئی ۱۲ [2] ہبل ایک مشہور بت کا نام ہے ۱۲

[3] یعنی جیسے بدر میں مسلمانوں کو غلبہ ہوا تھا آج ہم لوگوں کو غلبہ ہے ۱۲

وراک فغفلت ہذا رسول اللہ ورائی قد دلف الیکم بما لا قبل لکم بہ بعشرۃ آلاف من المسلمین قال فما تامرنی فقلت ترکب عجز ہذہ البغلۃ فاستامن لک ۲
بغیر عقد للعہد طبری صفحہ ۱۱۶ ج ۳

اسلام قبول کر لیا گیا۔ اس کا اندازہ اس واقعے سے ہو سکتا ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسلمانوں کے لشکر اور اُن کی حالت کو دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ اگر آپ نے لڑائی کے ساتھ مکہ کو فتح کیا تو قریش کی خیر نہیں۔ اگر کسی ذریعے سے اہل مکہ کو اطلاع ہو جائے اور وہ آکر امن میں داخل ہو جائیں تو اچھا ہے۔ اِسی فکر میں نکلا تھا کہ چند آدمیوں کی آواز سُنی جن میں سے ابوسفیان کو پہچانا۔ یہ لوگ بغرض تجسس نکلے تھے۔ ابوسفیان نے مجھ سے لشکر کا حال پوچھا۔ میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔ کہا پھر مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ میں نے کہا حاضر دربار مبارک ہو کر امن حاصل کرو۔ میں اُن کو اپنی سواری پر بٹھلا کر لے چلا۔ راستے میں حضرت عمرؓ مل گئے۔ انھوں نے دیکھتے ہی کہا الحمد للہ آج ابوسفیان بلا کسی معاہدے کے قابو میں آگئے۔ مگر میں نے بہت جلدی کے ساتھ اُن کو خدمت اقدس میں پہنچایا۔ پیچھے پیچھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہنچے اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) اجازت دیجئے ابوسفیان کی گردن ماروں مگر آپ نے اُن کو امن عطا فرمایا۔ دوسرے روز وہ پھر حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام قبول فرمانے ہی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس ارشاد سے ان کی عزت افزائی بھی فرمائی مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِی سُفْیَانَ فَھُوَ آمِنٌ (جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ امن میں آگیا)

مسلمانوں کے دل میں فتح مکہ کی اُمنگیں بھری ہوئی تھیں وہ اس دن کے منتظر بیٹھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ بن عبادۃ انصاری کو جھنڈا عنایت فرما کر حکم دیا کہ کُدی کی جانب سے لشکر کو لیکر داخل مکہ ہوں تو وہ خوشی کے ساتھ یہ شعر پڑھتے ہوئے آگے بڑھے ؎

الیوم یوم الملحمہ	الیوم تستحل الحرمہ
آج کا دن لڑائی کا دن ہے	آج بیت اللہ کی حرمت اٹھا دیجائیگی

مگر آپ کو ان کلمات کی اطلاع پہنچی تو اُسی وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھیجکر جھنڈا اُن سے واپس لیلیا اور فرمایا سعدؓ غلط کہتے ہیں۔ اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْمَرْحَمَۃِ۔ (آج کا دن رحمت اور معافی کا دن ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لشکر کے سرداروں کو ارشاد فرمایا کہ سوا اُس شخص کے جو اُن پر حملہ کرے کسی کو قتل نہ کریں۔ اِسی وجہ سے مسلمان بلا کسی لڑائی کے داخل مکہ ہو گئے۔ البتہ خالد بن ولید جس جانب سے لشکر کو لیکر داخل ہوئے تھے وہاں عکرمہ بن ابی جہل اور اُن کے ہمراہیوں نے مقابلہ

لہ لما شکی ابوسفیان قول سعد بن عبادۃ حین مر بہ قال یا اباسفیان الیوم یوم الملحمۃ الیوم تستحل الحرمۃ " الکعبۃ " فقال النبی صلعم بل ہذا یوم تعظم فیہ الکعبۃ وامر بالرایۃ ان توخذ من سعد بن عبادۃ کالتادیب لہ ویقال انہا دفعت الی ابنہ قیس بن سعد۔ البدایۃ والنہایۃ ص ۲۹۵ ج ۴

کیا اور خفیف سی لڑائی ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اور لشکر اسلام کے داخل ہونے سے پہلے مکہ میں اعلان معافی کی منادی کرادی تھی اور امن حاصل کرنے کی ایسی مختلف اور سہل صورتیں تجویز فرمادی تھیں جن سے کوئی بھی محروم نہ رہے۔ اعلان معافی کے الفاظ یہ تھے، مَنْ کَفَّ یَدَہٗ وَاَغْلَقَ بَابَہٗ فَھُوَ اٰمِنٌ، مَنْ دَخَلَ دَارَابی سفیان فَھُوَ اٰمِنٌ، مَنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَھُوَ اٰمِنٌ، مَنْ اَلْقٰی سِلَاحَہٗ فَھُوَ اٰمِنٌ، مَنْ اَغْلَقَ بَابَہٗ فَھُوَ اٰمِنٌ، مَنْ دَخَلَ دَارَ حَکِیْمِ بن حزام فَھُوَ اٰمِنٌ، مَنْ دَخَلَ تَحْتَ لِوَاءِ اَبِیْ رُوَیْحَۃَ فَھُوَ اٰمِنٌ۔ (ترجمہ) جو شخص مقابلے سے ہاتھ روکے اور اپنا گھر بند کرلے امن میں ہے جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے امن میں ہے، جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے امن میں ہے۔ جو شخص ہتھیار ڈال دے امن میں ہے۔ جو شخص گھر میں گھس کر دروازہ بند کرلے امن میں ہے، جو شخص حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے امن میں ہے، جو شخص ابورویحہ کے جھنڈے کے نیچے آجائے امن میں ہے۔

امن حاصل کرنے کی یہ اتنی صورتیں تھیں کہ کوئی ہی بدقسمت ہوگا جو ان سے نفع نہ اٹھا سکے آپ نے اہل مکہ کی اصلی حالت اور قلبی ولولوں اور مسلمانوں سے نفرت اور علیحدگی یا بیخبری یا نادانی کو خیال فرماکر امن دینے کی انتہائی صورتیں ظاہر فرمادیں۔ یعنی اگر کوئی نادانی و بیخبری کی وجہ سے سامنے ہی آجائے تو ہتھیار ڈال دینے سے امن میں داخل ہو جائے گا۔ مسلمان کئی سمت سے داخل مکہ معظمہ ہو چکے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داخلے کا وقت آیا۔ ممکن تھا کہ اس عظیم الشان فتح کے وقت شکریہ حق تعالیٰ کے ساتھ مسرت اور نشاط کے آثار چہرۂ مبارک پر ظاہر ہوتے اور یہ امر بقاعدہ اَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ محمود اور پسندیدہ ہوتا۔ مگر نہیں حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا سماں آپ کے پیش نظر تھا۔ ہیبت وجلال خداوندی سے قلب مبارک معمور تھا۔ حق تعالےٰ شکر کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی تواضع وانکسار کے آثار نمایاں تھے آپ اس وقت مجسم تواضع بنے ہوئے تھے۔ داخل مکہ ہونے کے وقت ناقہ پر سوار تھے اور تواضع کی وجہ سے گردن مبارک اس قدر جھکی ہوئی تھی کہ ریش مبارک کجاوہ کی لکڑی سے مس کرتی تھی۔

ایک وہ وقت تھا کہ عمرۃ القضا میں جبکہ قریش مکہ کا یہ خیال تھا کہ مسلمان مدینہ منورہ کی آب وہوا۔ تنگی ومفلسی کی وجہ سے بہت ضعیف وناتوان ہو گئے ہیں آپ نے حکم دیا تھا کہ قریش کو

اپنی بہادری اور قوت وچستی دکھلاؤ۔ چنانچہ طواف کی حالت میں مسلمانوں کا رمل (اکڑ کر چلنا) دیکھکر قریش کو اپنے خیال کی غلطی معلوم ہوگئی۔ اور ایک آج کا دن ہے کہ مسلمانوں کو غایت نرمی وتواضع کا حکم ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر حال میں خدا تعالیٰ کی رضا اور اسلام کے برکات ومحاسن کا اظہار پیش نظر رہتا تھا۔

آپ مسلمانوں کی کثرت وشوکت اور عزت کو دیکھکر خوش ہوتے تھے مگر ساتھ ہی یہ بھی فرماتے جاتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ (اے اللہ عیش وآرام تو آخرت ہی کا کار آمد ہے)

عامؓ اہل مکہ کو معافی دیدی گئی۔ البتہ آٹھ مرد اور چار عورتیں اس معافی سے مستثنیٰ رکھے گئے، اُن کے بارے میں حکم تھا کہ جس جگہ مل جائیں قتل کردیئے جائیں۔ مگر اُن میں سوائے چند کے بالآخر سبکو معافی مل گئی اور وہ بھی مسلمان ہوگئے۔ منجملہ آٹھ مردوں کے ابوجہل کے بیٹے عکرمہؓ بھی تھے۔ عکرمہ ذاتِ مقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عداوت رکھنے تکلیف پہنچانے میں اپنے باپ ابوجہل کے مشابہ تھے۔ اس وقت بھی وہ مقابلے پر آئے تھے۔ اسی وجہ سے روپوش ہوکر بھاگ گئے مگر اُن کی بیوی اُم حکیم مسلمان ہوگئیں اور اپنے خاوند کے لئے امن حاصل کرکے ان کی تلاش میں نکلیں اور ایسے وقت جاکر ملیں کہ وہ جہاز میں سوار ہوئے کو تھے ام حکیم نے اُن سے کہا۔

جِئْتُكَ مِنْ عِنْدِ اَحْلَمِ النَّاسِ وَاَوْصَلِھِمْ وَاَكْرَمِھِمْ (میں ایسے شخص کے پاس سے آئی ہوں جو دنیا بھر سے زیادہ حلیم اور کریم اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ اور انھوں نے تمکو امن دیا ہے) عکرمہ حاضر خدمت ہوئے اور اسلام لے آئے۔ آپ بھی اُن کے اسلام سے نہایت مسرور ہوئے۔

انھیں میں صفوان ابن امیہ تھے یہ بھی بہت سخت دشمن ذات مقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تھے۔ فتح مکہ کے وقت خوف کی وجہ سے جدہ بھاگ گئے۔ عمیر بن وہبؓ نے اُنکے بارے میں عرض کیا آپنے اُن کو امن عطا فرمایا اور علامت امن کے لئے وہ عمامہ مبارک جو فتح مکہ کے روز آپ باندھے ہوئے تھے۔ عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ عمیرؓ نے جدہ جاکر صفوان سے امن دئے جانے کی اطلاع دی اور کہا اِنَّهٗ اَحْلَمُ النَّاسِ وَاَوْصَلُھُمْ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا بھر سے زیادہ حلیم اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں) صفوان خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ مجھے دو مہینے کا اختیار عطا فرمائے میں اپنے بارے میں غور کرلوں۔ ارشاد فرمایا تم کو چار ماہ تک اختیار ہے۔ وہ اپنی اسی حالت کفر میں آپکے

۱؎ وکان رسول اللہ صلعم قد عہد الی امرائہ من المسلمین حین امرہم ان یدخلوا مکۃ ان لا یقتلوا احدا الا من قاتلہم الا انہ قد عہد فی نفر سماہم امر بقتلہم وان وجدوا تحت استار الکعبۃ ۱۲ طبری صفحہ ۱۱۹ ۔ ۲؎ فاما عکرمۃ بن ابی جہل فھرب الی الیمن واسلمت امرأتہ ام حکیم بنت حارث بن ہشام فاستأمنت لہ رسول اللہ فامنہ فخرجت فی طلبہ حتی اتت بہ رسول اللہ صلعم ۱۲ طبری صفحہ ۱۲۰ ۔

ساتھ حنین وطائف کے غزوات میں موجود رہے۔ بالآخر مسلمان ہوئے اور بہت پختہ مسلمان ہوئے

جس کے دل میں انصاف اور سر میں عقل ہے ایک ہی واقعہ کو دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ اشاعت اسلام میں کس قدر نرمی اور درگذر اختیار کیا گیا ہے۔ ایک ایسا شخص جس کی ساری عمر اسلام کی مخالفت میں گزری جس کا شعار یہ تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر حملہ کرے۔ اشعار کے ذریعے سے آپ کی مذمت پھیلائے اور انھیں عادات وافعال شنیعہ کی وجہ سے اعلان معافی کی رحمت عامہ سے محروم رہکر واجب القتل ہو چکا ہو ایسے شخص کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امن کی علامت کے واسطے اپنا خاص عمامہ بھیجتے ہیں۔ اور وہ حاضر خدمت ہو کر غور وفکر کے لئے دو ماہ کی مہلت مانگتا ہے اور آپ بجائے دو ماہ کے چار ماہ کی مہلت عطا فرماتے ہیں اور اس مہلت عطا فرمانے کا یہ مطلب نہ تھا کہ چار ماہ بعد ایمان نہ لایا تو قتل کر دیا جائے گا بلکہ اُس کو امن کے ساتھ جس جگہ سے آیا تھا وہاں جانے کی اجازت دی جائے گی۔ ایسے کھلے اور روشن واقعات کے بعد بھی یہ الزام لگانا کہ اشاعت اسلام کے بارے میں کسی قسم کے جبر کو دخل دیا گیا ہے کسی ذی عقل اور سمجھ دار کا کام نہیں ہے۔ ہاں تعصب اور ہٹ دھرمی نے جس کو مسلوب الحواس بنا دیا ہو۔ نیک وبد کی تمیز اُس کو باقی نہ رہی ہو اب جو چاہے کہے۔ اسی واقعہ سے یہ بھی بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کی سچی تعلیم میں عہد میثاق کا پورا کرنا ایسا لازمی اور ضروری ہے کہ کسی وقت اس کو نہیں چھوڑ سکتے۔

جو لوگ معافی سے مستثنیٰ تھے اُنھیں میں عبداللہ بن ابی سرح بھی تھے۔ جن کا جرم کسی طرح قابل معافی نہ تھا۔ اسلام لائے آپ کی خدمت میں حاضر رہے۔ کتابت وحی کی خدمت سپرد تھی مگر خباثت نفس سے الفاظ میں تغیر وتبدل کر دیتے تھے۔ پھر مرتد ہو گئے اور کفار مکہ سے کہا کہ تمہارا دین بہتر ہے۔ مگر باوجود ان جرائم کے اور باوجود اس کے کہ فتح مکہ کے دن اُن کے قتل کا حکم دیا گیا تھا۔ حضرت عثمان اُن کو لیکر حاضر ہوئے اور امن طلب کیا۔ آپ نے امن عطا فرمایا اور وہ دوبارہ مسلمان ہو گئے۔

انھیں میں عبداللہ بن زبعری بھی تھے۔ یہ شخص بہت زیادہ ہجو ومذمت کرنے والا تھا۔ یہ بھاگ کر نجران چلے گئے لیکن وہاں سے لوٹ کر حاضر خدمت ہوئے اسلام لے آئے اور معذرت میں بہت سے اشعار پڑھے جن میں سے دو شعر یہ ہیں۔[۵]

یَا رَسُولَ الْمَلِیْکِ اِنَّ لِسَانِیْ ۔ رَاتِقٌ مَا فَتَقْتُ اِذْ اَنَا بُوْرٌ

[۱] خرج صفوان بن امیۃ یرید جدۃ یرکب منہا الی الیمن فقال عمیر بن وہب یا نبی اللہ ان صفوان بن امیۃ سید قومہ وقد خرج ہاربًا منک لیقذف نفسہ فی البحر فامنہ صلعم علیک قال ہو آمن قال یا رسول اللہ اعطنی شیئا یعرف بہ امانک فاعطاہ عمامۃ الخ

[۵] لما دخل رسول اللہ صلعم مکۃ ہرب ہبیرۃ بن ابی وہب المخزومی وعبداللہ بن الزبعری الی نجران وذال حین اسلم یا رسول الملیک ان لسانی + راتق ما فتقت اذ انا بور + آمن لحم والعظام لربی + ثم نفسی الشہید انت النذیر۔ ج ۲ ص ۱۴۲ ۔ فقتل فیہا کہ ۱۲ طبری مع الاختصار ص ۱۲۱ ج ۳

اے رسول خدا میری زبان - اس نقصان کو جبر کرنے والی ہے جو میں نے اپنی تباہی کے زمانہ میں پہنچایا تھا

اٰمَنَ اللَّحْمُ وَالْعِظَامُ بِرَبِّیْ ثُمَّ نَفْسِیَ الشَّہِیْدُ اَنْتَ النَّذِیْرُ

میرا گوشت اور ہڈیاں اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں - اور میرا نفس گواہی دیتا ہے کہ آپ نذیر ہیں

انھیں آٹھ میں وحشی بن حرب ہیں - یہ شخص وہ ہیں کہ جنھوں نے احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا - فتح مکہ کے دن یہ بھی خوف کی وجہ سے طائف بھاگ گئے تھے - مگر بعد میں کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے حاضر خدمت ہوئے - آپ نے اُن کا اسلام قبول فرمایا اور اُن سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کی کیفیت دریافت فرمائی جس کو سُن کر آپ پر گریہ غالب ہوگیا اور وحشی سے فرمایا کہ تم میرے سامنے نہ آیا کرو - وحشی نے حضرت حمزہؓ کے قتل کی مکافات اس طرح کی کہ مسیلمہ کذاب کو اُسی آلہ سے اُسی طرح قتل کیا جس طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا

ابوسفیان کی زوجہ ہندہ بنت عتبہ کی عداوت اور بغض کا یہ حال تھا کہ جنگ احد میں جب حضرت حمزہؓ شہید ہوگئے تھے تو اُن کا جگر نکال کر چبایا - فتح مکہ تک اُن کی یہی کیفیت تھی - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان کو حکم دیا کہ ہمارے داخلے سے پہلے قریش کو لشکر اسلام کی خبر کردو - اور معافی کا اعلان سنادو - تو ابوسفیان نے بیت اللہ میں کھڑے ہوکر للکارا اور کہا کہ "لشکر اسلام آگیا جس کا تم مقابلہ نہیں کرسکتے" قریش نے کہا پھر کیا کریں - انھوں نے معافی کا اعلان سنادیا - تو ہندہ نے آکر ابوسفیان کی ڈاڑھی پکڑلی اور کہا - لوگو! اس احمق بوڑھے کو قتل کردو - یہ کیا کہتا ہے - ابوسفیان نے کہا گھر میں جاکر بیٹھ رہ ورنہ گردن اُڑادی جائے گی - ہندہ بھی اُن چار عورتوں میں تھیں جنکے قتل کا حکم تھا مگر ہندہ نے اوّل اپنے گھر کے سب بتوں کو توڑا - اور کہا کہ ہم تمہاری وجہ سے بڑے دھوکہ میں تھے اور چند عورتوں میں ملکر پوشیدہ طور سے حاضر خدمت ہوئیں اور اسلام لائیں اور دو بکری کے بچے نذر کیے اور عذر کیا کہ میری بکریاں بچے کم دیتی ہیں - آپنے برکت کی دعا فرمائی - اس کے بعد بکریاں بہت ہوگئیں وہ کہا کرتی تھیں کہ یہ آپ کی دعا کی برکت ہے - خدا تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمکو اسلام کی ہدایت کی

یہ حالات آپکی رحمدلی - درگزر - عفو اور چشم پوشی اور حسن اخلاق اور غایت نرمی کے ہیں - جن کا ظہور فتح مکہ معظمہ کے موقعہ پر ہوا ہے - اب ہم یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد قبائل عرب میں اسلام کی اشاعت کیونکر ہوئی -

سنۃ الوفود | قریش کا ادب و احترام عرب میں مسلّم تھا۔ تمام عرب قریش کو اپنا امام جانتے اور اُن کے افعال کو قابلِ اقتدا مانتے تھے۔ قبائل عرب اس وقت بھی قریش کے انجام کو دیکھ رہے تھے۔ جب مکہ فتح ہو گیا اور قریش سب کے سب مسلمان ہو گئے تو اب قبائل عرب کے لئے اسلام لانے کا راستہ صاف ہو گیا۔ بڑی بڑی قوموں نے وفد کی صورت میں اپنے قائم مقام خدمتِ مبارک میں بھیجے اور مسلمان ہو گئے۔ فتح مکہ کے بعد ایک سال کے اندر اندر قریب قریب کل عرب کے وفد حاضرِ خدمت ہو کر مع اپنی قوم کے اصالتاً و وکالتاً مسلمان ہو گئے۔ اسی وجہ سے یہ سال سنۃ الوفود کہلاتا ہے۔ یہ وہ وقت تھا کہ عرب پر اسلام کا سکہ بیٹھ چکا تھا۔ اور گویا مقابلہ سرکشی اور لڑائی کا سلسلہ اہلِ عرب کی طرف سے منقطع ہو چکا۔ کسی شخص میں یہ طاقت نہ تھی کہ برسرِ مقابلہ آئے۔ اکثر قبائل برضا و رغبت مسلمان ہو چکے تھے۔ مگر بایں ہمہ بہت سے اکھڑ اور سخت مزاج قبائل جن کے اندر بدویت کے ساتھ ریاست اور حکومت کا نشہ بھی موجود تھا۔ خدمتِ مبارک میں حاضر ہو کر بھی اصلِ فطرت سے باز نہ آئے اور اپنے اکھڑپنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچائی۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے باوجود اس شوکت و قوت کے اُن کی سختیاں برداشت کیں۔ اُن پر کسی قسم کا تشدد یا جبر جائز نہ رکھا۔ بلکہ جس پہلو پر اسلام کی حقانیت کو سمجھنا چاہتے تھے سمجھایا۔

قبیلہ تمیم کا وفد بڑی جمعیت کے ساتھ حاضرِ خدمت ہوا۔ اُن میں منتخب سردار شاعر اور خطیب موجود تھے۔ ان لوگوں نے مسجد نبوی میں آکر بآوازِ بلند للکارا "اے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) باہر آؤ"۔ آپ کو اُن کے للکارنے اور غیر مہذب طریق سے سخت تکلیف پہنچی مگر کچھ نہیں فرمایا۔ بلکہ باہر تشریف لے آئے۔ ان لوگوں نے کہا ہم آپ سے مفاخرہ یعنی فخر میں مقابلہ کرنے آئے ہیں۔ آپ ہمارے خطیب یعنی لیکچرار کو اجازت دیجئے۔ اللہ اکبر کس قدر نرمی اور حسنِ اخلاق و درگزر تھا۔ بجائے اسکے کہ آپ اُنکو فرماتے کہ اسلام کی حقانیت واضح ہو چکی ہے اسلام لے آؤ۔ اُن کو اس امر کا موقع عطا فرمایا کہ جس اصطلاح میں حقانیت اسلام سمجھنا چاہتے ہیں سمجھ لیں۔ آپ نے اُن کے خطیب کو اجازت دی اُس نے نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ اپنی قوم کی خوبیاں اور فضائل بیان کئے۔ وہ بیان کر چکا تو آپ نے ثابت بن قیس کو ارشاد فرمایا کہ تم جواب دو۔ ثابت رضی اللہ عنہ نے

ایک زور کی تقریر میں خدا تعالیٰ کے احسانات اسلام کی خوبیاں اور احکام و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کئے۔ اس کے بعد اُن کا شاعر کھڑا ہوا اور اُس نے اپنی قوم کی فضیلت میں بہت سے اشعار پڑھے جن میں کا ایک شعر بطور نمونہ ذکر کیا جاتا ہے۔ ۵

نحن الکرام فلا حی یعادلنا	منا الملوک وفینا تنصب البیع

اُن کا شاعر بیٹھ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا حضرت حسانؓ پہلے سے تیار نہ تھے مگر فی البدیہہ ایسے زوردار اشعار پڑھے کہ سب حیران رہ گئے۔ سرداران تمیم نے سن کر کہا کہ بیشک آپ نبیؐ اور مؤید من اللہ ہیں۔ آپ کا خطیب ہمارے خطیب سے بڑھا ہوا ہے اور شاعر ہمارے شاعر سے اور پھر سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ انہیں لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ

(ترجمہ) جو لوگ حجروں سے باہر کھڑے ہو کر آپ کو پکارتے ہیں اُن میں سے اکثر ناواقف ہیں)

بنی اسد کا وفد اسلام لانے کی غرض سے حاضر خدمت مبارک ہوا اور اپنی اس سادگی اور بدویت کی وجہ سے بے تکلف اپنے آنے کا احسان جتلانے لگے اور کہا۔ جِئْنَاكَ قَبْلَ اَنْ تُرْسِلَ اِلَیْنَا (ہم قبل اس کے کہ آپ کوئی قاصد بھیجتے۔۔ خود ہی آگئے) اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غایت حلم و کرم کی وجہ سے کچھ بھی نہیں فرمایا۔ البتہ اُن کی فہمائش کے واسطے کلام اللہ میں یہ آیت نازل ہوئی

یمنون علیك ان اسلموا قل لا تمنوا علیّ اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھداکم للایمان

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یہ لوگ بنو اسلام کا تم پر احسان جتلاتے ہیں۔ کہہ دیجئے ایسا نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا کہ تم کو ایمان کی ہدایت

یہاں سے یہ بات بخوبی معلوم ہو گئی کہ ایمان ایسی دولت نہیں جو زبردستی کسی کو دی جائے۔

اسی سال حمیر کے بادشاہوں کے خطوط اور قاصد خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ سب لوگ بہ طیب خاطر اسلام لا چکے ہیں۔ نجران کے عرب جو بت پرست تھے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔ اور حضرت خالدؓ نے اُن کو احکام اسلام کی پوری تلقین کر دی۔ نجران میں اسلام نے مضبوطی کے ساتھ قدم جمائے۔ مگر نجران کے نصاریٰ باوجود اسلامی قوت و شوکت کے اپنے مذہب پر قائم رہے۔ کوئی خوف و اندیشہ اُن کو نہ ترک مذہب کے لئے محرک ہوا نہ ترک وطن کے لئے۔ بلکہ برعکس اس کے کیا تو یہ کیا کہ اپنے وفد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

۵ فلما دخل وفد بنی تمیم المسجد نادوا رسول اللہ صلعم من وراء الحجرات ان اخرج الینا یا محمد فاذی ذالک رسول اللہ من صیاحہم فخرج الیہم وقالوا یا محمد ۔۔۔ قم یا حسان فاجب الرجل فیما قال فقال حسان ان الذوائب من فہر واخوتہم۔ قد بینوا سنۃ للناس تتبع یرضی بہا کل من کانت سریرتہ۔ تقویٰ

وآلہ وسلم کی خدمت میں اس غرض سے بھیجا کہ آپ سے مباہلہ کرلے ۔

مباہلہ اس کو کہتے ہیں کہ دو فریق جو کسی ایک معاملہ میں جھگڑتے اور باہم مخالفت کرتے ہوں اپنی اولاد اور اہل و عیال سمیت ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں اور خدا تعالیٰ کی درگاہ میں نہایت عجز و الحاح کے ساتھ دعا کریں کہ جو ناحق پر ہے وہ ہلاک اور تباہ ہو جائے۔

نصاریٰ نجران نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مباہلہ کرنا چاہا اور آپ نے اُن پر کسی سختی و سرزنش کو روا نہ رکھا۔ بلکہ حق واضح کرنے اور دنیا پر حقیقت الامر منکشف کرنے کیواسطے مباہلہ پر آمادہ ہو گئے اور حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ رضی اللہ عنہم کو ہمراہ لے کر مباہلہ کی غرض سے تشریف لائے۔ نصاریٰ نجران آخر اہل کتاب تھے وہ علم کے درجے میں سب کچھ جانتے تھے۔ آپؐ کو اور اس مقدس اور پاک جماعت کو دیکھ کر سمجھ گئے کہ اگر ہم نے مباہلہ کیا تو نہ صرف ہمارا بلکہ دنیا کے نصرانیوں کا استیصال ہو جائے گا۔ آپ کی بددعا ایسی نہیں ہے کہ پھر دنیا میں کوئی نصرانی باقی رہ جائے۔ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یہ چہرے ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ پر پہاڑوں کو اُن کی جگہ سے ہلا دینے کی قسم کھا بیٹھیں تو وہ ضرور پورا کرے۔ اس طرح وضوحِ حق اور سب کچھ سمجھ لینے اور جاننے کے بعد بھی ایمان نہ لائے۔ بلکہ مصالحت کی درخواست کی اور آپ نے بطیب خاطر اُن سے مصالحت کرلی اور مصالحت بھی اس شرط کیساتھ جس کو ہم اس مضمون کی تمہید میں بیان کر چکے ہیں۔ یعنی نہ اُن کو مذہب بدلنے پر مجبور کیا جائے گا۔ نہ اُس کی کوئی تدبیر کی جائے گی۔

ایک تھوڑی سی عقل والا بھی انصاف کرے کہ کیا اس سے زیادہ نرمی ممکن ہے اور کیا کوئی عقل کا دشمن اب بھی یہ کہے گا کہ اسلام کی اشاعت میں کسی قسم کے جبر و زبردستی کو دخل دیا گیا ہے۔

فتح مکہ کے بعد بعض قبائل کی طرف آپ نے اپنے صحابہ کو دعوت اسلام کے لئے بھیجا۔ اور اُن کو ہدایت فرما دی کہ کسی سے مقاتلہ و مقابلہ نہ کریں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو بنی جذیمہ کی طرف بھیجا اور انھوں نے غلط فہمی سے کچھ لوگوں کو قتل کر دیا۔ جس کی خبر پہنچتے ہی آپ نے ارشاد فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَبْرَءُ اِلَیْکَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ (اے اللہ میں خالد کے اس فعل سے بری ہوں)

حضرت خالد کو یمن وغیرہ کی طرف بھیجا تھا۔ لیکن وہ لوگ اسلام نہ لائے۔ اور حضرت خالد نے

بعض لوگوں کے ساتھ کچھ سختی کی۔ اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھیجا اور ارشاد فرمایا کہ خالد رضی اللہ عنہ کی وجہ سے جو نقصان پہنچا اُس کا تاوان دیں اور نرمی کی ہدایت کریں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لے گئے اور اہل یمن کو نامۂ مبارک سنایا۔ قبیلۂ ہمدان جو بہت بڑا قبیلہ تھا ایک ہی روز میں سب کا سب مسلمان ہو گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کی اطلاع خدمت مبارک میں بھیجی تو آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔ اَلسَّلَامُ عَلٰی ھَمْدَانِ (ہمدانیوں پر سلام ہو) اس کے بعد یمن کے قبائل یکے بعد دیگرے مسلمان ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یمن کے مسلمان ہونے کی اطلاع پہنچی تو سجدۂ شکر ادا کیا۵۔

قبیلۂ ہمدان کو اُسی وقت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ خاص تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ بعد کے اختلافات و محاربات میں قبیلۂ ہمدان برابر حضرت علیؓ کا جاں نثار رہا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اُن کے بارے میں فرمایا کرتے تھے ؂

لقلت لہمدان ادخلوا بسلام	فلو کنت بوابا علی باب جنۃ

اگر میں جنت کے دروازے کا دربان ہوں – تو قبیلۂ ہمدان سے کہوں کہ سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ

سخاوت میں ضرب المثل حاتم طائی کے بیٹے عدی قبیلۂ طے کے سردار اور بادشاہ تھے۔ نصرانی ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس غرض سے بھیجا کہ قبیلۂ طے کے بُت کو جس کا نام فلس تھا گرا دیں۔ اُس وقت عدی تو شام کی طرف بھاگ گئے البتہ اُن کی بہن کو حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا۔ اُن کی بہن نے خدمت میں حاضر ہو کر اپنے بھائی کے واسطے امن حاصل کر کے بھائی کو لینے کے لئے ملک شام میں پہنچیں۔ حضرت عدی فرماتے ہیں میں نے خدمت مبارک میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ آپ مجھ کو اپنے ہمراہ مکان میں لے چلے۔ راستہ میں ایک بوڑھی عورت مل گئیں اور دیر تک راستے میں کھڑا کر کے اپنے متعلق کچھ کہتی رہیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا بیشک یہ نبی ہیں بادشاہ نہیں ہیں۔ مکان میں تشریف لے گئے تو فرش پر مجھے بٹھلایا اور خود زمین پر تشریف فرما ہوئے۔ میں نے دل میں کہا بیشک آپ نبی ہیں بادشاہ نہیں ہیں۔ اس کے بعد مجھے خطاب کر کے ارشاد فرمایا۔ اے عدی شاید تم مسلمانوں کی تنگدستی اور مفلسی اور ان کے دشمنوں کی کثرت دیکھ کر اسلام لانے سے رکتے ہو

۵؎ عن البراء بن عازب ان رسول اللہ صلعم بعث خالد بن الولید الی الیمن فکنت فیمن خرج مع خالد فاقمنا ستۃ اشہر یدعوہم الی الاسلام فلم یجیبوہ ثم … وقرء رسول اللہ الکتاب خر ساجدا ثم رفع راسہ فقال السلام علی ہمدان السلام علی ہمدان البدایۃ والنہایۃ صفحہ ۱۰۵ ج ۵ … قال فخرجت حتی اقدم علی

قسم ہے اللہ پاک کی مسلمانوں کے پاس اس کثرت سے مال آئیگا کہ اس کو کوئی قبول بھی نہ کرے گا اور ایسا امن وامان قائم ہو جائے گا کہ ایک تنہا عورت قادسیہ سے بیت اللہ کی زیارت کو آئیگی اور اُس کو سوائے اللہ کے کسی سے بھی خوف نہ ہوگا۔ اور تم سُن لوگے کہ بابل کے سفید محل فتح ہو گئے ہیں۔ حضرت عدی فرماتے ہیں کہ میں مسلمان ہوگیا اور میں نے دیکھ لیا کہ بابل کے قصور ابیض فتح ہو گئے میں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ تنہا عورت حج کو چلی آتی ہے۔ اور قسم ہے اللہ پاک کی تیسری بات بھی ہوکر رہے گی۔ یعنی مال کی اتنی کثرت ہوگی کہ اُس کو کوئی قبول کرنے والا نہ ہوگا۔

یہ واقعہ بھی سنۃ الوفود کا ہے۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد دین حق کو پھیلانے کے ساتھ امن وامان قائم کرنا تھا جس کو آپؐ نے پورا فرمایا اور یہ کہ آپؐ کو اسلام کی اشاعت اور خداوند تعالیٰ کے وعدوں کے پورا ہونیکا ایسا وثوق تھا کہ ظاہری بے سروسامانی اور دنیا بھر کی مخالفت بھی اس میں تردد پیدا نہ کرسکتی تھی۔ اور یہ کہ وثوق ظاہری سازوسامان پر نہ تھا۔ ورنہ اس موقعہ پر حضرت عدی کے سامنے اسلام کی شوکت وقوت کو ظاہر فرماتے نہ کہ ضعف وحاجت کو اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مال ودولت ترقی کے اسباب نہیں ہیں مسلمانوں نے اس وقت ترقی کی جبکہ وہ روزمرہ کی ضروریات کو بھی بآسانی پورا نہ کرسکتے تھے۔ اور جبکہ مال کی کثرت ہوئی اور دولت کے آثار نمایاں ہوگئے مسلمانوں کے اخلاص اور جوشِ ایمانی میں کمی آتی گئی اپنی حالت سے گرتے گئے۔

اسی سال وفد عامر بھی حاضر خدمت ہوا۔ اس وفد میں عامر بن طفیل اور اربد بن قیس بھی تھے عامر سے اُن کی قوم نے کہا کہ قبائلِ عرب مسلمان ہوگئے تم بھی مسلمان ہو جاؤ۔ عامر نے کہا میں اس شخص کا اتباع نہ کروں گا۔ عامر کی غرض بھی اس وقت آنے سے یہ تھی کہ کسی قسم کی تدبیر اور دھوکہ سے آپؐ پر حملہ کرے۔ چنانچہ اربد سے کہا کہ میں اُن کو باتوں میں لگاؤں گا تم پیچھے کھڑے ہوکر تلوار سے حملہ کرنا۔ ایسا ہی ہوا۔ عامر نے آپ کو باتوں میں مشغول کیا اور اس کا متوقع رہا کہ اربد حسبِ وعدہ تلوار چلائیگا مگر اربد نے کچھ بھی نہ کیا۔ اثناءِ گفتگو میں عامر نے دھمکانے کے طور پر یہ بھی کہا کہ میں اس قدر پیادے اور سوار لیکر چڑھائی کروں گا کہ مدینے کو بھر دوں گا۔

خیال کرنے کی بات ہے کہ سنۃ الوفود جس میں تمام عرب کے قبائل خود بخود برضا ورغبت آکر

مسلمان ہو گئے۔ ملوک حمیر وغیرہ نے خطوط کے ذریعہ سے اسلام اور اطاعت کا اظہار کر دیا جبکہ قبیلہ طے کے سردار اور بادشاہ عدی بن طائی مسلمان ہو گئے اور ملکِ عرب میں سوا رشاذ و نادر اسلام کا کوئی مخالف باقی نہ رہا۔ عامر بن طفیل دس آدمیوں کے ساتھ مدینہ میں آتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح بے باکی اور جرأت سے گفتگو کرنے پر کفایت نہیں کرتا بلکہ دھمکی بھی دیتا ہے۔ یہاں یہ غایت حلم و کرم عفو اور درگذر نہ تھا۔ کہ آپ نے عامر کی گفتگو سُن کر اس کو کچھ بھی سخت جواب نہ دیا بلکہ فرمایا اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ عَامِراً (یعنی اے اللہ عامر کے شر سے محفوظ رکھ) عامر یہ گفتگو کر کے واپس ہوا تو اربد کو سرزنش کی کہ ایسا موقع ملنے پر بھی تو نے کچھ نہ کیا آج سب قصّہ طے ہی ہو جاتا۔ اربد نے جواب دیا کہ میں نے تو چند بار تلوار سے حملہ کرنا چاہا مگر ہر دفعہ تو میرے سامنے آجاتا تھا کیا میں تجھ کو قتل کر دیتا۔

ایک عاقل منصف کو سمجھنے کا موقع ہے کہ جب آپ کو ہر چھوٹے بڑے معاملہ کی بذریعے وحی اطلاع دی جاتی تھی تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عامر کے بدارادہ کی اطلاع نہ ہوتی مگر سبحان اللہ کیسی حکمت تھی کہ حقانیت اسلام اور اپنے مرسل من اللہ ہونے کو ہر ہر پہلو سے ظاہر فرما دیا۔ آپ نے عامر اور اربد کو یہ موقع دیا کہ دل کی ہوس پوری کر لیں اور دیکھ لیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے سچے نبی کی کیسی تائید فرماتا ہے۔

اگر عامر اور اس کے رفقا ر کو جمال مبارک دیکھنے اور سچی اور مؤثر گفتگو کو سننے سے اثر نہ ہوا تھا۔ تو ایسی کھلی اور روشن دلیل صداقت کو دیکھنے کے بعد تو دل میں اسلام راسخ ہو جاتا مگر افسوس شقاوت ازلی نے فہم و ادراک و عقل و تمیز۔ سب کو مسخ کر دیا تھا۔ وہ دولتِ ایمان سے مشرف نہ ہوا اور آپ کی تیر بہدف دعا کا نشانہ بن کر رہا۔ عامر کو راستہ ہی میں موت آئی اور کس بیکسی کے ساتھ کہ بے یار و مددگار اہلِ وطن سے دور طاعون کی گلٹی نمودار ہوئی اور قبیلۂ سلول کی ایک عورت کے گھر میں پڑ کر جان دیدی۔ عامر جیسے متکبر اور با نخوت شخص کے لئے جس نے تمام عرب کے خلاف دربار رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی گردن نہ جھکائی تھی اور اپنی سرداری اور قوت کے گھمنڈ میں تہدید آمیز گفتگو کی تھی۔ یہ بہت ننگ و عار کی بات تھی کہ مسافرانہ حالت کے اندر ایک غریب عورت کے گھر مرنے کے لئے

۵۱ وقدم عامر بن طفیل علی رسول اللہ وھو یرید الغدر بہ وقد قال لہ قومہ یا ابا عامر ان الناس قد اسلموا فاسلم قال واللہ لقد آلیت الا انتھی حتی تتبع العرب ... و اربد ما کان امرہ فجعل اربد لا یحیر شیئا فلما رای عامر ما یصنع اربد قال یا محمد خالنی قال لا حتی تؤمن باللہ وحدہ لا شریک لہ فلما ابی علیہ رسول اللہ صلعم

پڑا تھا وہ نہایت حسرت کے ساتھ یہ کہتا ہوا مر گیا۔ اغدّۃ کغدّۃ البعیر وموت فی بیت سلولیۃ (کیا میری قسمت میں یہ لکھا تھا کہ اونٹ کی طرح طاعونی غدود نکلے اور سلولی عورت کے گھر میں پڑے پڑے کر مروں) اربد پر بھی راستہ ہی میں بجلی گری اور وہ بھی ہلاک ہو گیا۔

یہ وہ روشن واقعات ہیں جن سے ایک طرف اسلام کی کامل حقانیت کا ثبوت ملتا ہے اور دوسری جانب یہ ثابت ہوتا ہے کہ اشاعت اسلام کے لئے نرم سے نرم صورتیں اختیار کی گئیں۔ اور اُس میں جائز اور واجبی تشدد کو بھی دخل دینے سے احتراز کیا گیا۔

فروہ بن عمرو جذامی روم کے نصرانی بادشاہ کی طرف سے عرب کے بعض قبائل پر عامل تھے سنۃ الوفود میں انھوں نے بھی ایک قاصد خدمت مبارک میں بھیجکر اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دی۔ روم کے بادشاہ کو اطلاع ہوئی تو اُس نے اُن کو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈالدیا۔ اور اس کے بعد سولی پر چڑھا کر گردن ماردی لیکن فروہ میں ایمان ایسا سرایت کر چکا تھا کہ انھوں نے جان کی کچھ پروا نہ کی خوشی سے راہ خدا میں جان دی۔ اور یہ کہتے ہوئے قفس عنصری کو الوداع کہا۔

بلّغ سراۃ المسلمین باننی	سلمٌ لربی اعظمی ومقامی
مسلمانوں کے سرداروں کو پہنچا دو -	کہ میری ہڈیاں اور میری جگہ سب پروردگار کے مطیع ہیں

خیال کرنے کی بات ہے کہ فروہ نہ خود حاضر خدمت مبارک ہوئے۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کسی کو بھیجا بلکہ غائبانہ مسلمان ہوئے اور مسلمان بھی کیسے پکے کہ جان تک قربان کر دی اور یہ بھی خیال کر لینا چاہئے کہ نصاریٰ کی طرف سے ایک شخص کے ساتھ جو برغبت وشوق مسلمان ہوا تھا کیسا معاملہ کیا گیا۔

اسی سال قبیلہ سعد بن بکر نے اپنی طرف سے ضمام بن ثعلبہ کو امیر وفد بنا کر بھیجا۔ ضمام نے حاضر ہو کر اسلام کے احکام دریافت کئے اور مسلمان ہو گئے۔ ضمام اپنے قبیلہ میں واپس گئے تو سب لوگ گرداگرد جمع ہو کر پوچھنے لگے۔ ضمام نے سب سے پہلی گفتگو یہ کی کہ لات وعزیٰ بہت بُرے ہیں۔ لوگوں نے کہا ایسی برائی نہ کرو۔ برص اور جذام میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ ضمام نے کہا تم پر افسوس ہے۔ یہ دونوں تو نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ضرر اللہ نے اپنے رسول کو بھیجا اُن پر کتاب نازل فرمائی ہے اور ان کے ذریعہ سے تم کو اس خرافات سے

[illegible marginal notes]

[illegible footnotes]

اور دل نشین تھی کہ جو لوگ ابھی ابھی لات و عزیٰ کو نافع و ضار سمجھتے اور اُس کی گستاخی پر مبروص و مجذوم اور مجنوں ہو جانے کی دھمکی دیتے تھے بصدق دل مسلمان ہو گئے اور اُس بستی بھر میں ایک مرد و عورت بھی شرک کی حالت میں باقی نہ رہا۔

ضمام ابن ثعلبہ کو خدمت مبارک میں حاضر رہنے کا بہت تھوڑا سا وقت ملا تھا یعنی ایک دو یوم۔ آپ نے اُن کے ہمراہ کوئی فوجی دستہ نہیں بھیجا تھا جس کے خوف سے قبیلہ کا قبیلہ مسلمان ہو جاتا۔ ضمام کے اندر اس تھوڑے سے فیض صحبت سے وہ قوت جاذبہ پیدا ہو گئی جس نے تمام قبیلہ کو جن کے رگ و ریشہ میں مشرکانہ عقاید سمائے ہوئے تھے اپنی طرف کھینچ لیا۔ یہ تھی اسلام کی اصلی قوت اور کرامت جس کے طفیل سے اسلام پھیلا اور جس نے جسموں سے پہلے دلوں کو مسخر کر لیا جس نے دلوں پر محبوبانہ قبضہ کیا نہ کہ قیدیوں کی طرح پیروں کو جبر کی زنجیروں میں باندھا اور دل متنفر و آبیٰ[1] رہے۔ اور یہ تھا اسلام کا حقیقی جلوہ کہ جس کے اندر ایک ذرہ بھی سرایت کر گیا وہ دوسروں کو اپنی قوت قلبی اور مؤثر بیان سے اپنی طرف کھینچ لیتا تھا یہ ایسے لوگوں کا حال ہے جن کو بہت قلیل مدت یعنی ساعت و ساعت کا فیض صحبت یا دیدار جمال مبارک حاصل ہوا تھا۔ جن حضرات کی عمریں جان نثاری میں گذریں سفر و حضر میں ہمرکاب حضور اقدس رہے۔ جن کو ایک گھڑی کی جدائی شاق تھی۔ اُن کے رسوخ ایمانی تاثیر قلبی اور قوت جاذبہ کا اسی سے قیاس ہو سکتا ہے۔

فتح مکہ ہجرت سے آٹھویں سال رمضان المبارک کے مہینے میں ہوئی اور اس کے بعد سوا سال کے اندر عرب کے وفود حاضر ہوئے۔ جوق جوق لوگ مسلمان ہو گئے۔ اور حق تعالیٰ نے اپنے سچے نبی کو سورہ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ نازل فرما کر جتلا دیا کہ تمہاری بعثت کی غرض پوری ہو چکی اور اسلام کی حقانیت کا سکہ جو عالم کے قلوب میں بیٹھ چکا ہے مٹ نہیں سکتا اور نہ اس کی اشاعت کسی طرح رُک سکتی ہے۔

حجۃ الوداع | نویں سال آپ نے حج کیا۔ اس حج کو اس وجہ سے کہ عالم حیات میں آپ ہمیشہ کیلئے بیت اللہ سے رخصت ہو گئے حجۃ الوداع کہتے ہیں اور اس وجہ سے کہ آپ نے تمام مسلمانوں کو

---

[1] انکار کرنے والے ۱۲

احکام حج خصوصاً اور احکام اسلام عموماً پہنچا دیئے اس لئے حجۃ البلاغ بھی کہتے ہیں۔ چونکہ لاکھوں مسلمان جمع تھے اس لئے ضرورت اس کی ہوئی کہ جو کچھ آپ ارشاد فرمائیں وہ سب کچھ پہنچا دیا جائے اس کام کے لئے اُمیہ بن خلف کے بیٹے حضرت ربیعہؓ منتخب ہوئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ای لوگو تم میری بات سُن لو شاید اس کے بعد میں تم کو اس جگہ کبھی نہ دیکھوں۔ اس طویل خطبہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا

ان دماءکم واموالکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا فی شھرکم فی بلدکم ھذا	تمہارے جان و مال ایک دوسرے پر حرام ہیں جیسے آج کے دن کی بے حرمتی اس مہینے اور اس جگہ کے اندر تم پر حرام ہے

اہل عرب برابر سود لیتے اور دیتے تھے اور ربوٰ (یعنی سود) کی حرمت قرآن مجید میں نازل ہو چکی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو بکرات و مرات بیان فرما چکے تھے۔ لیکن اس موقع پر حرمت دماء کے ساتھ حرمت ربوٰ کو بھی ارشاد فرمایا اور ان دونوں کے متعلق اس قدر وضاحت اور فرمادی کہ زمانہ جاہلیت میں جس نے کسی کا خون کیا اب اس کا بدلہ لینا حرام ہے۔ اور سب سے پہلے میں اپنے چچا کے بیٹے ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون چھوڑتا ہوں علی ہذا زمانہ جاہلیت میں جس کا سود کسی کے ذمہ تھا وہ اب سب موقوف ہے۔ کسی کو دینا لینا نہ چاہیے۔ البتہ ان کا راس المال ملے گا اور میں اپنے چچا عباسؓ کا اصل اور سود دونوں چھوڑتا ہوں۔

اس خطبہ میں یہ بھی فرمایا کہ "اے لوگو شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ عرب کی سرزمین میں اسکی پرستش کی جائے۔ یعنی اب ملک عرب میں بت پرستی بالکل نہ ہوگی۔ البتہ سوائے بت پرستی اور گناہوں کے ارتکاب میں شیطان کا اتباع کیا جائیگا۔ یہ آپ کا ارشاد کس قدر صحیح تھا کہ ملک عرب سے بت پرستی کا نام و نشان مٹ گیا اور اگرچہ اعمال کے درجہ میں بہت سی خرابیاں پیدا ہوئیں مگر سارا ملک عرب اس وقت تک شرک و بت پرستی سے بالکل پاک و صاف ہے۔

ان ارشادات سے ہر ذی عقل سمجھ سکتا ہے کہ آپ دنیا میں ہدایت پھیلانے امن و امان قائم فرمانے اور جان و مال کی حفاظت کی غرض سے تشریف لائے تھے۔ اسی وجہ سے حج کے آخری خطبہ میں نہایت اہتمام سے ان امور کو بیان کیا کہ اسلام کی اشاعت کو ایسے ذرائع سے بالکل علیحدہ رکھا گیا جن کی وجہ سے کوئی شخص بلا رضا مجبور ہو کر اسلام کو قبول کرے۔

ہم نے بعد ہجرت کے ہزارہا طول و طویل حالات میں سے چند واقعات کو یہاں بیان کیا ہے

جن کے مطالعہ سے ایک فہیم منصف بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ اسلام کی اشاعت کس طرح ہوئی اور یہ کہ اس کے اصلی اسباب کیا تھے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے تھوڑے سے حالات بیان کرنے کے بعد ہم چاہتے ہیں کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے ہزارہا حالات و واقعات میں سے بھی چند ایک کا ذکر کیا جائے جس سے ثابت ہو جائے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اسی نقش قدم پر چلے اور یہ کہ اُن کے اندر اسلام کے اصلی محاسن اور اُس کے جذبات پوری قوت کے ساتھ موجود تھے۔ جن کو دیکھ کر بے اختیار اسلام کی طرف رغبت ہوتی تھی اور صحابہ کرام کے ان ہی حالات و معاملات کے ذریعہ سے اسلام نے دنیا پر اپنا تسلط جمایا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دُنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

حصۂ دوم

زمانہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

بعض قبائل کا مرتد ہو جانا

فتح مکہ اور وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تقریباً ڈیڑھ سال کا زمانہ ہے۔ اس عرصہ میں جیسا کہ ہم پچھلے حصہ میں بیان کر چکے ہیں۔ سارے ملک عرب میں اسلام پھیل گیا اور غالباً قبائل عرب میں کوئی قبیلہ بھی ظاہراً اسلام سے منحرف نہ رہا۔ لیکن ان نومسلموں میں بہت سے ایسے تھے جو فی الواقع مسلمان نہ ہوئے تھے۔ بلکہ اپنی قوم کی دیکھا دیکھی احکام اسلام ادا کرنے لگے اور زمرۂ مسلمانان میں داخل ہو گئے تھے۔

عئیینہ بن حصن نے اپنی زبان سے اقرار کیا کہ میں ایک منٹ کے لئے بھی مسلمان نہ ہوا تھا

انھوں نے طلیحہ اسدی کا ساتھ دیا تھا۔ جنکے مرتد ہونے اور مسلمان ہونے کا ذکر ابھی آتا ہے بعد میں عینیہ گرفتار ہو کر جب مدینہ منورہ لائے گئے تو وہاں کے لڑکے بھی اُن کی حالت دیکھ کر سخت متعجب ہوتے تھے وہ جانتے تھے کہ ایمان لاکر تو کوئی پھر نہیں سکتا۔ ایمان ایسی چیز نہیں کہ ایک دفعہ اس کی لذت سے آشنا ہونے کے بعد کوئی اس سے منحرف ہو جائے۔ وہ تعجب اور حیرت کے ساتھ عینیہ سے کہتے تھے کہ اے خدا کے دشمن کیا ایمان لانے کے بعد تو کافر ہو گیا مگر عینیہ نے یہی جواب دیا کہ میں ایک آن کے لئے بھی مسلمان نہوا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سنکر اسکی تصدیق فرمائی اور سزائے مرتدین سے معافی دیکر اُن کو امن دیا اس کے بعد عینیہ صدق دل سے مسلمان ہوئے تو ویسے ہی ہو گئے جیسے کہ دوسرے پختہ مسلمان تھے اور بہت سے ایسے بھی تھے کہ گو اس وقت اپنے ارادہ اور اختیار سے اسلام لائے مگر ایمان ان کے اندر راسخ اور متمکن نہ ہوا تھا۔ ایسے ہی لوگوں کی نسبت کلام مجید میں ارشاد ہے۔

قالت الاعراب امنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم

اعرابی کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے۔ کہدو کہ تم ابھی ایمان نہیں لائے۔ بلکہ یوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے۔ ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا

ان لوگوں کے اندر ایمان راسخ نہونے پایا تھا۔ وہ اسلام کی برکات کا ذائقہ چکھنے نہ پائے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات کا سانحہ پیش آگیا۔ گروہ اول تو اسلام سے محض کورا تھا اور گروہ ثانی راسخ الایمان نہ ہوئے تھے۔ اُن میں حبّ ریاست وخودسری موجود تھی۔ اس لئے دونوں گروہوں میں فوراً ایک تحریک پیدا ہوگئی اور ارتداد کی ایسی تند و تیز ہوا چلی کہ اکثر قبائل اُس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ اس کے ساتھ ہی دعویٔ نبوت نے جلتی آگ پر تیل ڈالدیا۔ جگہ جگہ مدعیانِ نبوت کھڑے ہو گئے اور اُن کے حامی کار اور طرفدار وں نے ہلچل ڈالدی اور جیسا کہ ابن الاثیر نے کہا ہے تضرمت الارض نارا عرب کی زمین میں آگ لگ گئی مسیلمہ کذاب۔ اسود عنسی۔ طلیحہ اسدی نے مردوں میں سے اور سجاح نے عورتوں میں سے دعویٔ نبوت کیا اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ متعدد قبائل عرب ہو گئے تھے جن میں اکثر وہ تھے جو حقیقۃً مسلمان ہوئے تھے اور بہت سے ایسے تھے جو مسلمان ہوئے تھے مگر ایمان راسخ نہوا تھا۔ حبّ جاہ و ریاست ونخوت اُن میں موجود تھی۔ دوسروں کے بہکانے سے ساتھ ہو لئے۔ عینیہ بن حصن نے جنکے گرفتار

(فرجلا) امسکوا الصدقۃ الا مکان من ثقیف ولفہا فانہم اقتدی بہم عوام جدیلۃ والاعجاز وارتدت خواص من بنی سلیم وکذ الک سائر الناس بکل مکان طبری جلد ۳

ہو کر مدینہ میں آنے اور مسلمان نہ ہونے کے اقرار کا ذکر ہم ابھی اوپر کر چکے ہیں۔ قبیلۂ اسد و غطفان کو طلیحہ کا ساتھ دینے اور اس کی نبوت کو تسلیم کرنے کے واسطے بایں الفاظ سمجھایا

نبی من الحلیفین (یعنی اسد او غطفان) اسد و غطفان کا نبی ہمارے نزدیک قریش کے نبی سے

احب الینا من نبی من قریش (زیادہ محبوب ہے)

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بالکل صحیح تھا کہ ملک عرب میں بت پرستی سے شیطان بالکل مایوس ہو چکا ہے۔ مرتدین نے ایک دفعہ تو ملک بھر میں ہلچل ڈالدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر فرمودہ عامل جہاں جہاں تھے اُن کو سخت دقت کا سامنا ہوا۔ مگر ارتداد کی جڑ مضبوط نہ تھی بعض باطنی اور حقیقی دشمنانِ اسلام کے ساتھ بہت سے ناواقف اور سادہ مزاج بھی شریک ہوگئے تھے۔ مگر صحابہؓ کی حسن تدبیر اور بروقت مستعدی اور پورے تدارک نے اس فتنہ کا اسی سرعت کیساتھ انسداد فرمایا جس صورت سے پھیلا تھا۔ مدعیانِ نبوت میں سے اسود عنسی کا خاتمہ تو آپ کی حیات ہی میں ہو گیا جس روز آپکی وفات ہوئی اس سے پہلے اس کی خبر مدینہ منورہ میں پہنچگئی تھی۔ مسیلمہ کذاب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اور اس نے بذریعہ خط کے آپ سے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ مجھے اپنا شریک حال بنالیا جائے اور نصف ملک کی حکومت میرے سپرد ہو اور نصف کی قریش کے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے جواب میں تحریر فرما دیا تھا۔

ترجمہ

ان الارض للہ یورثہا من یشاء من عبادہٖ (تمام زمین کا مالک خدا تعالیٰ ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے

والعاقبۃ للمتقین دے اور مبارک انجام متقیوں کے لئے ہے)

مسیلمہ جس غرض اور مطلب کے واسطے مدعی نبوت بنا تھا اس کا حال اسی خواہش سے ظاہر ہوتا ہے مسیلمہ کا فتنہ زیادہ بڑھا۔ اس کے ساتھ گو مجمع کثیر تھا بہت سے قبائل اس کے پیرو تھے۔ مگر اس کی نبوت کا یقین کرنیوالے بہت کم تھے۔ خود اس کا موذن اذان میں یہ الفاظ کہتا تھا۔

ترجمہ

اشھد ان مسیلمۃ یزعم انہ رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ مسیلمہ اپنے آپ کو خدا کا رسول سمجھتا ہے)

یہ اشارہ مسیلمہ سے بھی مخفی نہ رہا۔ ایک روز اذان سنکر کہنے لگا۔

ترجمہ

افصح یا حجیر فما فی المجمجۃ خیر (اے حجیر صاف صاف اقرار کر کیونکہ ایسی گول مول بات سے کچھ نفع نہیں)

بہت لوگ مسیلمہ کی حقیقت سے واقف تھے مگر اسکو بنائے تھے۔ ایک شخص نہار الرجال نام مرتد ہو کر

لہ واللہ لان نتبع نبیا من الحلیفین احب الینا من ان نتبع نبیا من قریش و قدمات محمد و بقی طلیحۃ طبری صفحہ ۲۳۰ ج ۳

اس کے یہاں پہنچا اور لوگوں سے یہ کہدیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرے سامنے کہا کہ مسیلمہ کو میرا شریک رسالت میں بنایا گیا ہے۔

ایک دفعہ اسی شخص نے مسیلمہ سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بچوں کے سروں پر برکت کیلئے ہاتھ پھیرتے تھے اور تحنیک (یعنی خرما چبا کر تالو میں لگادینا) کرتے تھے۔ تم بھی ایسا کرو۔ کذاب کی برکت دیکھئے اُس نے ایسا کیا تو جس بچہ کے سر پر ہاتھ پھیرا وہ گنجا ہوگیا۔ اور جس کے تحنیک کی اُس کی زبان میں لکنت پیدا ہوگئی۔

ایک عورت نے آکر کہا کہ ہمارے باغوں کنوؤں کے لئے دعا کرو کہ خوب پھل لانے لگیں اور اچھی طرح پانی دینے لگیں۔ مسیلمہ نے نہار سے بلا کر پوچھا اُس نے کہا بیشک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دعا کی تھی اور کنوؤں میں پانی کی کلی بھی کی تھی جس سے درخت اچھی طرح پھل لانے لگے تھے اور کنوؤں میں بکثرت پانی ہوگیا تھا۔ مسیلمہ نے ایسا کیا تو درخت سُوکھ گئے اور رہا سہا پانی بھی خشک ہوگیا۔

اُس کے اکثر متبعین بھی خوب جانتے تھے کہ کذاب ہے مگر تعصب قومی نے اُن کو ساتھ دینے پر مجبور کیا چنانچہ طلحہ نمری نے مسیلمہ سے پوچھا تو اس نے اپنے اوپر وحی آنیکا حال بیان کیا کہ اندھیرے میں ایک شخص آکر مجھکو تلقین کرتا ہے طلحہ نے کہا کہ اشهد انك كاذب وان محمداً صادق ولكن كذاب ربيعة احب الينا من صادق مضر[۵۲] میں گواہی دیتا ہوں کہ تو جھوٹا ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صادق ہیں مگر قوم ربیعہ کے جھوٹے کو ہم مضر کے صادق سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔ ایسے مدعی نبوت کا جو انجام ہونا چاہئے تھا وہی ہوا۔

یمامہ پر مسیلمہ سے مسلمانوں کا ایک سخت مقابلہ ہوا جس میں مسلمان بھی بہت زیادہ شہید ہوئے اور اس کا اختتام مسیلمہ کے قتل پر ہوا۔ یمامہ کے معرکہ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے لشکر میں ایک شخص براء بن مالک تھے اُن کو لڑائی کے موقعہ پر کبھی یہ بات پیش آتی تھی کہ تمام بدن میں اس قدر لرزہ پیدا ہوتا تھا کہ لوگ اُن کو دبا کر بیٹھتے تھے اس کے بعد اُن کو پیشاب آتا تھا۔ پیشاب آنے کے بعد شیر کی طرح جوش میں بھر جاتے تھے۔ جب مسیلمہ مسلمانوں کے مقابلہ سے بھاگ کر مع اپنے لشکر کے قلعہ حدیقہ میں پناہ گزیں ہوا تو براء کو یہ کیفیت پیش آئی پیشاب کرنے کے بعد جوش میں بھرے تو مسلمانوں سے کہا کہ مجھے دیوار پر چڑھا کر قلعہ کے اندر ڈالدو۔ لوگوں نے کہا کہ ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ انھوں نے اصرار کیا اور قسم کھا بیٹھے تب مجبور ہو کر سب نے اُن کو دیوار پر چڑھا دیا اور وہ تن تنہا قلعہ کے اندر کود پڑے اور بہت دیر لڑائی کے بعد قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ مسلمان مظفر و منصور قلعہ میں داخل ہوگئے

(۵۱) ... طبری ج۳ ص۲۳۵ (۵۲) عن عمير بن طلحة النمري عن ابيه انه جاء اليمامة فقال اين مسيلمة؟ فقالوا مه رسول الله فقال لا حتى اراه فلما جاءه قال انت ... يا معشر المسلمين؟ وانا البراء بن مالك هلم الي وفارت فئة من الناس فقاتلوا القوم حتى قتلهم الله ثم زحف المسلمون حتى الجؤهم الى الحديقة حديقة الموت ... وحشي مولى جبير بن مطعم ورجل من الانصار كلاهما قد اصابه اما وحشي فدفع عليه حربته واما الانصاري فضربه بسيفه فكان وحشي يقول ربك اعلم اينا قتله. طبری ج۳ ص۲۴۳

اور قلعہ کے اندر مسیلمہ مقتول ہوا۔ بجز اُن مرتدین کے جو کسی معرکہ میں قتل ہو گئے تھے اکثر دل کو اسلام کی کشش نے دوبارہ اپنی طرف کھینچ لیا اور وہ بصدق دل مسلمان ہو کر آخر وقت تک اسلام اور مسلمانوں کے سچے جان نثار رہے۔

سجاح کا دعویٰ نبوت اور پھر مسلمان ہو جانا

خود سری اور ہوس خام کا مرض اتنا بڑھا کہ عورتیں بھی دعویٰ نبوت کر بیٹھیں۔ سجاح قبیلہ تمیم کی عورت تھی اپنی ننہال یعنی بنی تغلب میں رہتی تھی۔ دعویٰ نبوت کے بعد بڑی شان و شوکت اور آن بان کے ساتھ بہت سا لشکر لئے ہوئے اپنی قوم یعنی بنی تمیم کی طرف آئی بنی تغلب عیسائی تھے اُن کا سردار ہذیل بن عمران اپنا مذہب چھوڑ کر بنی تغلب کو ساتھ لیکر سجاح کے ساتھ ہو گیا۔ بنی تمیم کی حالت خود بخود مخدوش تھی بہت سے اسلام پر پختگی سے قائم تھے اور بعض بعض تذبذب میں تھے۔ وہ آپس کے قصہ میں مشغول تھے کہ سجاح مدعی نبوت بن کر آئی۔ بنی تمیم کو سخت آفت کا سامنا ہو گیا۔ بعض نے تو سجاح کا ساتھ دیا اور بہت سے علیحدہ رہے۔ سجاح کا قصد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لڑنے کا تھا۔ لیکن اس نے پہلے مسیلمہ سے نبٹ لینے کو مقدم سمجھکر یمامہ کا قصد کیا۔ مسیلمہ کو سخت فکر ہوا کہ اگر سجاح کے ساتھ لڑائی میں مشغول ہوا تو مسلمان یمامہ پر قبضہ کر لیں گے۔ اس لئے اُس نے ایک تدبیر سے سجاح کے ساتھ مصالحت کی ٹھہرائی۔ اس سے یہ کہا کہ نصف زمین ہمارے لئے تھی اور نصف قریش کیلئے۔ لیکن قریش نے بوجہ ناانصافی نصف پر قناعت نہ کی اب وہ نصف تجکو دیجاتی ہے اور اس کے بعد نکاح کا پیام دیدیا۔ سجاح رضامند ہو گئی۔ نکاح ہو گیا۔ سجاح کے متبعین کو معلوم ہوا تو انھوں نے کہا کہ مسیلمہ نے تجھکو مہر میں کچھ نہیں دیا اُس سے مہر کا مطالبہ کر۔ سجاح نے مطالبہ کیا تو مسیلمہ نے کہا کہ میں تمہارے مہر میں منجملہ پانچ نمازوں کے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض کی تھیں دو نمازیں صبح اور عشا کی معاف کرتا ہوں۔

یہ ان جھوٹے مدعیان نبوت کی حقیقت تھی سجاح کے ساتھی بھی خوب سمجھ گئے وہ سخت پشیمان تھے اُن کا بڑا سردار عطارد بن حاجب نہایت پشیمانی میں کہتا ہے۔ شعر

اَمست نبیتنا انثیٰ نطوف بھا	واصبحت انبیاء الناس ذکرانا

اور لوگوں کے نبی تو مرد ہیں مگر ہمارا نبی ایک عورت ہے جس کو ہم لئے پھرتے ہیں۔

لیکن یہ ایک فوری جوش تھا جس کے اندر ناداںستگی سے لوگ سجاح کے ساتھ ہو گئے تھے تھوڑی

دلوں میں سب منتشر ہو گئے اور سجاح اپنی ننہال بنی تغلب میں جا کر مقیم ہو گئی اور ایک عرصہ کے بعد سچی اور پکی مسلمان ہو گئی۔

طلیحہ اسدی کا دعویٰ نبوت اور پھر مسلمان ہونا

طلیحہ اسدی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں دعویٰ نبوت کیا تھا۔ آپ نے ضرار بن الازور کو بنی اسد پر عامل مقرر فرما کر بھیجا اور مرتدین کی فہمائش و مقابلہ کا کام بھی اُن کے سپرد فرمایا۔ حضرت ضرارؓ کے وہاں پہنچتے ہی مرتدین کا قصہ درہم برہم ہو گیا۔ طلیحہ تنہا رہ گیا۔ اس کو پکڑ کر قتل کرنا چاہا مگر اتفاقاً تلوار کارگر نہ ہوئی۔ لوگوں میں شہرت ہو گئی کہ اس پر کوئی ہتھیار اثر نہیں کرتا۔ اس خیال کی شہرت ہونے پر طلیحہ کے متبعین کی جمعیت پھر زیادہ بڑھ گئی۔ اسی اثنار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا واقعہ پیش آیا بہت سے عرب قومی عصبیت میں اس کے ساتھی ہو گئے۔ طلیحہ مقفیٰ عبارتیں بنا کر لوگوں کو سناتا اور کہتا تھا کہ جبرئیل (علیہ السلام) میرے پاس وحی لاتے ہیں۔ اس نے منجملہ احکام کے نماز کے اندر سے سجدہ موقوف کر دیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اللہ کو تمہارے چہروں کے خاک آلودہ ہونے اوندھے گرنے سے کیا فائدہ۔ طلیحہ کو اپنی قوت پر یہاں تک بھروسہ ہوا کہ اپنے لشکر کے دو حصہ کر کے ایک حصہ پر اپنے بھائی کو جس کا نام حبال تھا سردار بنایا اور مدینہ منورہ پر چڑھائی کا حکم دیا۔ حبال نے مدینہ منورہ کا قصد کیا اور اپنے قاصدوں کو پیام دے کر حضرت ابو بکر صدیق کی خدمت میں بھیجا۔ قاصدوں نے آکر بیان کیا کہ مدینہ میں مسلمانوں کی جمعیت کم ہے۔ اس پر اُن کی ہمت بڑھ گئی۔ رات کو ڈاکہ مارا مگر ہٹا دئے گئے اور دوسرے روز حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بنفس نفیس لشکر کو باقاعدہ میمنہ و میسرہ وساقہ سے مرتب کر کے تشریف لے گئے اور اچانک اُن پر حملہ کر کے شکست دی اور اس کے بعد طلیحہ کے مقابلہ کیلئے حضرت خالد بن الولید کو مامور فرمایا مقام بزاخہ پر سخت مقابلہ ہوا۔ عیینہ بن حصن بھی سات سو سواروں سمیت طلیحہ کے ساتھ تھا۔ اس سخت معرکہ کے وقت عیینہ بار بار طلیحہ کے پاس آکر پوچھتا تھا کہ آیا لڑائی یا فتح و شکست کے بارے میں کوئی وحی آئی۔ وہ ہر دفعہ کہتا تھا کہ کچھ نہیں۔ آخر ایک دفعہ آکر پوچھا تو اُس نے کہا کہ ہاں آئی ہے اور ایک مقفیٰ فقرہ جس کا مطلب و مقصود کچھ واضح نہ تھا سنا دیا۔ عیینہ سمجھ گیا۔ اُس نے اپنی قوم کو خطاب کر کے کہا۔

انصرفوا یا بنی فزارہ فانہ کذاب	اے بنی فزارہ لوٹ چلو۔ یہ بالکل جھوٹا ہے۔

حتی ہم جنود بالسرائی طلیحۃ فلم یبق الا اخذہ سلما۔ طبری صفحہ ۲۳ ج ۳ ۔ ۵ فلما ہزت عیینۃ الحرب و ضرس القتال کر علی طلیحۃ فقال ہل جاءک جبرئیل ؟ قال لا ... فانصرفوا۔ طبری صفحہ ۲۵ ج ۳

ان کا لوٹنا تھا کہ لوگوں میں بھگی پڑ گئی اور مدعی نبوت تنہا رہ گئے۔ اُس نے بھی پہلے سے اس وقت کے واسطے سواری تیار کر رکھی تھی۔ سوار ہوتے ہی شام کی طرف بھاگ گیا۔ اور اس کی نبوت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

لیکن ان سب حالات کے بعد طلیحہ مسلمان ہو گئے۔ مسلمان ہونیکے بعد عمرہ کرنیکے لئے مکہ معظمہ آئے اور مدینہ منورہ کے قریب گذر ہوا تو لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ طلیحہ مدینے کے قریب جا رہے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ پھر کیا کروں وہ تو مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی۔ حضرت عمر نے فرمایا تم عکاشہ اور ثابت کے قاتل ہو (یہ دونوں جلیل القدر صحابی طلیحہ کے مقابلہ میں شہید ہوئے تھے) تم مجھے محبوب نہیں ہو سکتے۔ طلیحہ نے جواب دیا کہ امیر المومنین آپ کو ایسے دو شخصوں کا کیا رنج ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ سے درجۂ شہادت تک پہنچایا اور مجھے ان کے ہاتھ سے ذلیل نہیں کیا کہ میں حالتِ کفر پر مرتا۔

عمرو بن معدی کرب بھی عرب کے مشہور بہادروں اور شہسواروں میں تھے یہ بھی مرتد ہو کر پھر مسلمان ہو گئے۔ طلیحہ اور عمرو بن معدی کرب نے مرتد ہو کر مسلمان ہونے کے بعد اسلام میں جو نمایاں خدمتیں کی ہیں تاریخیں ان سے معمور ہیں۔ عراق کی فتوحات میں یہ دونوں صاحب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے۔

قادسیہ[1] کا معرکہ جو اہل اسلام اور فارس میں ہوا منجملہ ان واقعات کے ہے جس نے تاریخ کے صفحات پر مسلمانوں کے اوصافِ حمیدہ اور اسلامی اخلاق کو جلی حرفوں میں لکھ دیا اس معرکہ میں طلیحہ اور عمرو بن معدی کرب نے بہت زیادہ حصہ لیا۔ معرکہ قادسیہ میں تین دن متواتر نہایت سخت مقابلہ ہوا۔ یہ تین دن یوم ارماث، یوم اغواث، یوم عماس کے نام سے موسوم ہیں۔ ان تینوں دنوں میں دونوں نے بڑے شاندار کام کیے۔ لیکن ان تین دن کی لڑائی کے بعد جو بہت زیادہ سخت رات آئی جس کو لیلۃ الہریر[2] کہتے ہیں

[1] قادسیہ کوفہ کے قریب ایک شہر ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کا وہاں گذر ہوا تو ایک بڑھیا نے اُن کا سر اور پیر دھو کر صاف کئے جو سفر کی وجہ سے میلے ہو گئے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ قدست من ارض (خدا اس زمین کو پاک کرے) اسی وقت سے قادسیہ نام مشہور ہو گیا۔ ۱۲

[2] چونکہ سردی اور تکلیف کی وجہ سے لوگوں کو بات کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس لئے اس رات کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں ۱۲

جس کی صبح کو فارس کا سپہ سالار اعظم رستم مقتول ہوا اور مسلمانوں کو کامل فتح نصیب ہوئی۔ اس رات میں ان دونوں کو حضرت سعدؓ نے خاص موقع پر بھیجا تھا کہ ادھر سے دشمن مسلمانوں پر حملہ نہ کر سکیں، لیکن انھوں نے حفاظت ہی پر قناعت نہ کی بلکہ تنہا تنہا ہر ایک نے ایک ایک جانب سے اہل فارس پر حملہ کیا۔ جس کو مسلمان تعجب کی نظر سے دیکھتے تھے۔

طلیحہ اور عمرو کی دونوں حالتوں کا موازنہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دل سے مسلمان نہوئے تھے (جیسا کہ ہم عینیہ بن حصن کا سقولہ اوپر نقل کر چکے ہیں)، یا اسلام کے ذائقے سے واقف نہوئے تھے۔ اور اسلام اُن کے اندر راسخ نہ ہوا تھا۔ لیکن جب ایمان راسخ ہو گیا تو صدق و اخلاص کے وہی آثار اُن سے ظاہر ہوئے جو پختہ اور سچے مسلمانوں سے ہونے چاہئیں۔

قادسیہ کے مشہور معرکہ کا ذکر آگیا تو ایک ایسے واقعہ کا ذکر کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے مسلمانوں کی اخلاقی جرأت، صدق نیت، اخلاص اور کمال ایمانی کا ثبوت ملتا ہے۔

اس سخت معرکہ کے وقت اتفاق سے سپہ سالار اعظم حضرت سعد بن ابی وقاص کو ایسی سخت تکلیف تھی کہ سیدھے بیٹھ بھی نہ سکتے تھے۔ بلکہ پیٹ کے نیچے تکیہ رکھ کر اُس کے اوپر بیٹھے رہتے تھے۔ اس معذوری کی وجہ سے نہ گھوڑے پر سوار ہو سکے نہ میدانِ کارزار میں تشریف لیجا سکے افسران فوج کو لڑائی کے متعلق یہیں سے ہدایتیں فرماتے تھے۔ کسی کو اس معذوری کا حال تو معلوم نہ تھا لشکر میں اس کا چرچا ہوا اور حضرت سعدؓ کی جانب سے ایک قسم کی بدظنی پھیل گئی۔ یہاں تک کہ زبانوں پر آگیا۔ معرکہ کے پہلے دن یوم ارماث میں واپس ہونے کے وقت ایک مسلمان نے نہایت جرأت کے ساتھ اس خیال کو اس طرح ظاہر کیا ؎

نقاتل حتی انزل اللہ نصرہ	وسعدٌ بباب القادسیہ معصم

ہم لڑتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ امداد نازل فرماتا ہے۔ مگر سعد قادسیہ کے دروازہ پر پناہ میں ہیں

فابنا وقد امت نساء کثیرۃ	ونسوۃ سعد لیس فیھن ایّمٌ

ہم تو اس حالت میں لوٹے کہ بہت سی عورتیں بیوہ ہو گئی تھیں۔ لیکن سعد کی عورتوں میں ایک بھی بیوہ نہ تھی

یہ اعلیٰ درجہ کی اخلاقی جرأت تھی جو اسلامی تعلیم کا نتیجہ تھا قائل کے مقبول اور با اخلاص ہونے میں کوئی کلام نہیں مگر اول تو اُن کا یہ کہنا بوجہ لاعلمی تھا۔ ادھر سپہ سالار اعظم کی نسبت حق گوئی

البدایۃ والنہایۃ ج۷ ص۴۲ وقد قال رجل من المسلمین فی سعدؓ۔ نقاتل حتی انزل اللہ نصرہ۔ وسعد بباب القادسیہ معصم۔ فابنا وقد امت نساء کثیرۃ۔ ونسوۃ سعد لیس فیھن ایم۔ البدایہ ج۷ ص۴۵

کرنے میں ایک قسم کے حظِ نفس کو بھی دخل ہونا ممکن تھا اور حسنات کوئی اعلیٰ درجہ کا مقبول ہوتا ہے اُس کی ادنیٰ لغزش بھی قابل گرفت ہوتی ہے۔

حضرت سعدؓ معمولی درجہ کے شخص نہ تھے آپ عشرہ مبشرہ میں کے ایک فرد اور اس پایہ کے افراد میں سے تھے جن پر مسلمانوں کا ناز کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ آپ کو ان اشعار کی اطلاع پہنچی۔ تو فرمایا۔ اللهم ان کان هذا کاذبا وقال الذی قاله ریاء و سمعة فاقطع عنی لسانه

(الٰہی اگر اس نے غلط کہا ہے اور نام آوری و شہرت کی غرض سے کہا ہے تو اس کی زبان بند کردے)

حضرت سعدؓ کی دعا مقبول ہوئی۔ یہ شخص صف میں کھڑے ہوئے تھے کہ ایک تیر سیدھا مُنہ میں آکر لگا جس سے زبان بھی بند ہو گئی اور شہید ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے بوجہ قبولیت اُن کو درجہ شہادت سے سرفراز فرمایا اور حضرت کی دعا حقیقت اور ظاہر صورت دونوں طور پر قبول فرمائی

اہل بحرین کا مرتد ہونا اور مسلمانوں کی غیبی تائید کا عجیب واقعہ

منذر بن ساوی جو کسریٰ کی طرف سے بحرین کے حاکم تھے اُن کے مسلمان ہو جانے کا حال ہم بیان کر چکے ہیں۔ جارود بن معلی بحرین کے ایک مقتدر رئیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور احکام اسلام خوب سیکھ کر واپس ہوئے اور اپنے قبیلہ عبد القیس کو تعلیم احکام اسلام دینے میں مشغول ہوئے اسی اثنا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا حادثہ درپیش آگیا۔ منذر بن ساوی بھی بیمار تھے اُن کا انتقال بھی کچھ ہی دنوں بعد ہو گیا۔ اور اہل بحرین میں مرتد ہونے کی سمی ہوا جو قبائل عرب میں چل رہی تھی اثر کر گئی۔ بحرین کے دو زبردست قبیلوں میں سے بنی بکر تو مرتد ہو گئے۔ اور انھوں نے نعمان بن المنذر کی قدیم سلطنت کو دوبارہ قائم کر کے منذر بن النعمان کو جس کا لقب غرور تھا۔ بادشاہ بنانا چاہا۔ قبیلہ عبد القیس تردد میں تھے۔ اُن کو یہ خیال تھا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی ہوتے تو اُن کی وفات نہ ہوتی۔ جارود بن معلی نے ان لوگوں کو جمع کر کے پوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے انبیاء بھیجے تھے۔ سب نے کہا بھیجے تھے۔ جارود نے کہا پھر وہ کہاں گئے؟ سب نے کہا وفات پا گئے۔ جارود نے کہا بس تو آپ کی بھی وفات ہو گئی۔ جس طرح اور انبیاء کی ہوئی تھی۔ وانا اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله

جارود کی اس تقریر کے بعد قبیلہ عبد القیس تو پختگی سے قائم رہے۔ اس واقعہ سے یہ بھی نتیجہ

سلہ فقال ان سعدا نزل الی الناس فاعتذر الیهم مما فیه من القروح فی فخذیه والیتیه فعذره الناس ویذکران سعدا دعا علی قابل هذین البیتین وقال اللهم ان کان ... کلهم فلم یلبث الا یسیرا حتی مات النبی صلعم فقالت عبد القیس لو کان محمدا نبیا لما مات وارتدوا و بلغه ذالک فبعث فیهم فجمعهم ثم قام فخطبهم فقال یا معشر ...

سکتا ہے کہ غلط فہمی کو رفع کر دینا آسان ہے۔ لیکن تعصب اور ہٹ دھرمی کا علاج زبان سے نہیں ہو سکتا۔

قبیلہ بنی بکر نے مرتد ہو کر سب مسلمانوں کو جو بحرین میں تھے محصور کر لیا۔ اس سخت محاصرے اور بھوک و پیاس کی تکلیف برداشت کرنے کی حالت میں عبداللہ بن حذف نے ان اشعار کے ذریعہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فریاد بھیجی۔

الا ابلغ ابابکر رسولا	وفتیان المدینۃ اجمعینا
ابوبکرؓ کو ہمارا پیام پہنچا دو	اور مدینہ کے تمام بہادر نوجوانوں کو
فہل لکم الی قوم کرام	قعود فی جواثا محصرین
کہ تمھیں ایسے شریف لوگوں کی امداد کا بھی خیال ہے	جو جواثا[1] میں محصور ہوئے بیٹھے ہیں
توکلنا علی الرحمٰن انا	وجدنا النصر للمتوکلینا
ہم تو اپنے خدا پر بھروسہ کئے بیٹھے ہیں	کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ امداد غیبی متوکلوں کیواسطے ہی ہے

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے علاء بن الحضرمی کو اہل بحرین کے مقابلہ اور مسلمانوں کے چھڑانے کے واسطے مامور فرمایا۔ اُن کو بہت سے قبائل جو مرتد ہو گئے تھے آکر ملے اور ساتھ ہو لئے۔ علاءؓ اس جمعیت کیساتھ رات کو ایک میدان میں اُترے قافلہ پوری طرح اُترنے بھی نہ پایا تھا۔ اونٹوں سے اسباب اور پانی کے مشکیزے اُتارے بھی نہ تھے کہ دفعۃً اونٹوں میں ایسی وحشت پیدا ہوئی کہ جس کی وجہ سے سب کے سب بھاگ گئے اور کچھ پتہ نہ چلا کہ کہاں گئے مسلمان پریشان رہگئے۔ کوئی سامان پاس نہ تھا دُور دُور تک پانی کا پتہ نہ تھا۔ سب کو بھوک پیاس سے اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ یہ اندیشہ علاوہ بریں تھا کہ ایسی حالت مجبوری میں دشمن آپہنچے تو کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔ مسلمانوں پر غم و فکر کا پہاڑ ٹوٹ پڑا انکو اپنی ہلاکت سے زیادہ اسلام کو ضعف پہنچنے کا اندیشہ اور رنج تھا۔ حضرت علاءؓ نے سب مسلمانوں کو اس غم و فکر کی حالت میں دیکھ کر فرمایا۔ تم لوگ اتنے پریشان اور تائید غیبی سے مایوس کیوں ہو لوگوں نے کہا کہ ہماری پریشانی کی وجہ ظاہر ہے۔ کل کو دھوپ تیز ہو گی کہ ہم ہلاک ہو جائیں گے حضرت علاءؓ نے فرمایا کہ قسم ہو خدا تعالیٰ کی تم ہلاک نہیں ہو سکتے۔ تم مسلمان ہو۔ خدا تعالیٰ کی راہ میں دین کی امداد کے لئے نکلے ہو تم بالکل مطمئن رہو۔ صبح کی نماز پڑھ کر حضرت علاءؓ نے سب کے ساتھ ملکر

[1] جواثا بحرین میں ایک شہر کا نام ہے ۱۲

دعا کی۔ دعا سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ قریب ہی پانی چمکتا ہوا نظر آیا۔ سب نے خوش خوش خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے خوب پانی پیا اور جو برتن پاس تھے سب کو بھر لیا۔ اور ابھی دن چڑھنے نہ پایا تھا کہ بھاگے ہوئے اونٹ بھی سب کے سب معہ اسباب آموجود ہوئے۔ خدا تعالیٰ نے یہ کرشمہ تائید آسمانی دکھلا کر مسلمانوں کو سمجھا دیا کہ اپنے دین کی اشاعت واستحکام ہم خود کرتے ہیں۔ تمہاری تدابیر وجفاکشی پر کوئی امر موقوف نہیں ہے تمکو تمہاری سعی واخلاص کا ثواب دینا منظور ہے اور یہ بھی اُن کو بتلا دیا گیا کہ اگر تم سچے دل سے اسلام کی خدمت گزاری کروگے تو تائید غیبی تمہارے ساتھ رہے گی ان تنصرالله ینصرکم ویثبت اقدامکم اگر تم اللہ کی تائید میں کھڑے ہوگئے تو اللہ تمہاری مدد کریگا اور تمکو ثابت قدمی عطا فرمائیگا۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ بھی اس لشکر میں تھے انھوں نے پانی کا برتن بھر کر اُس جگہ رکھدیا اور یہاں سے روانہ ہونے کے بعد منجاب بن راشد سے کہا کہ تم اُس جگہ کو جانتے ہو۔ جہاں پانی تھا انھوں نے کہا کہ خوب جانتا ہوں جاکر دیکھا تو وہ برتن پانی کا بھرا ہوا رکھا تھا۔ منجاب نے کہا آج سے پہلے اس موقع پر کبھی نہیں دیکھا گیا۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ نے فرمایا کہ میں نے اس وجہ سے برتن بھر کر رکھ دیا تھا کہ اس کو آکر دیکھوں گا۔ اگر یہ پانی کی جگہ ہے یا کوئی چشمہ ہے تو معلوم ہو جائیگا اور اگر خدا کی طرف سے تائید ہے اور جس طرح من وسلویٰ بنی اسرائیل پر آسمان سے نازل ہوئی تھی ہمارے لئے بھی من ہے تو معلوم ہو جائیگا اب معلوم ہو گیا کہ یہ من تھا اور خدا تعالیٰ نے غیب سے امداد فرمائی ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذلک۔

مالک بن نویرہ کا مرتد ہو کر مسلمان ہونا

مالک بن نویرہ نے بھی سجاح کی موافقت کی تھی مگر ساتھ ہی اس کو اس پر روکا تھا کہ مدینہ منورہ پر چڑھ کر جائے یا مسلمانوں سے مقابلہ کرے، جب سجاح کی نبوت کا خاتمہ ہو گیا اور وہ اپنی ننھال بنی تغلب میں بھاگ کر چلی گئی تو مالک بھی اپنی حرکت پر سخت پشیمان اور نادم تھے۔ وہ حیران تھے کہ کیا کریں۔ ادھر وکیع اور سماعہ جنھوں نے سجاح کا ساتھ دیا تھا اپنے فعل پر نادم تھے۔ یہ دونوں اپنی قوم کے صدقات جمع کر کے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئے اور اطاعت قبول کر لی۔ مالک بن نویرہ نے اپنی قوم بنی یربوع سے کہا کہ ہم کو پہلے ہی اطاعت کی طرف بلایا گیا تھا مگر ہمنے دیر کی جس کا نتیجہ ہمارے لئے اچھا نہوا۔ اب تم نے اور ہم نے دیکھ لیا ہے کہ مسلمانوں کے کام بغیر ظاہری تدابیر اور انتظام کے درست ہوتے جاتے ہیں اور تائید غیبی اُن کے شامل حال ہے۔ ایسی قوم سے عداوت ومقابلہ کرنا جن کے کام خدا تعالیٰ کی تائید سے چلتے ہیں عقل کا کام نہیں ہے

یہ بات سب کے ذہن نشین ہو گئی - لیکن ابھی ان لوگوں نے حضرت خالد کی خدمت میں اظہار اطاعت نہ کیا تھا کہ حضرت خالد رضؓ کا لشکر آ گیا اور مالک بن نویرہ اور ان کے ہمراہیوں کو پکڑ لائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے یہ حکم دیا تھا کہ جس جگہ لشکر اسلام پہنچے اذان دیں - اگر وہاں کے لوگوں نے اذان دی تو اُن سے درگزر کریں - مالک بن نویرہ پکڑے ہوئے آئے تو اس بارہ میں اختلاف ہوا کہ انھوں نے اذان دی اور نماز پڑھی یا نہیں - بعض نے انکار کیا - اور حضرت ابو قتادہ رضؓ نے شہادت دی کہ اُن لوگوں نے اذان دی اور نماز پڑھی - مگر چونکہ اختلاف تھا - حضرت خالد رضؓ نے حکم دیا کہ ان کو بالفعل نظر بند کر دیا جائے - رات کو سردی زیادہ تھی حضرت خالد رضؓ نے منادی کرا دی - ادفئوا اسراکم (اپنے قیدیوں کو سردی سے بچاؤ) بعض قبائل کی زبان میں اس لفظ کے معنی قتل کر دینے کے تھے - لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ قتل کا حکم دیا گیا - قیدیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا - مالک بن نویرہ بھی مقتول ہو گئے - حضرت خالد رضؓ آواز سن کر تشریف لائے - تو اُن کا کام تمام ہو چکا تھا دیکھ کر فرمایا - اذا اراد اللہ امرا اصابہ (جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ہو کر رہتا ہے)

مالک بن نویرہ بے شبہ مسلمان ہو چکے تھے مگر ایک غلط فہمی سے مقتول ہوئے - اسی بنا پر حضرت عمر رضؓ حضرت خالد رضؓ سے ناخوش ہوئے - اور گو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے حضرت خالد کی معذرت قبول فرمائی مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ بات ہمیشہ کھٹکتی رہی -

یہ چند واقعات بعض قبائل عرب کے مرتد ہونے اور مرتدین کے انجام کے متعلق ہم نے مختصر طور پر بیان کئے ہیں ہماری غرض ان واقعات اور اُن کے انجام کو اس موقع پر بیان کرنے سے یہ تھی کہ شاید کوتاہ عقل یا ہٹ دھرم نادان مرتد ہونے کے واقعات کو دیکھ کر یہ کہے کہ اگر قبائل عرب بزور مسلمان نہیں بنائے گئے تھے تو اُن کے بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرتد ہونے کی کیا وجہ تھی - ہم نے مرتد ہونے کے اسباب کو بالاجمال اوپر بیان کر دیا ہے - لیکن اب ہم پھر ذرا تفصیل سے اُن کو دُہرانا چاہتے ہیں -

اُن لوگوں کے مرتد ہونے کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ بزور مسلمان بنائے گئے تھے اور موقع پاکر اصلی حالت پر رجوع کر گئے - بلکہ اُس کے اصلی اسباب یہ تھے - عرب کی اصل فطرت میں اطاعت و انقیاد کا مادہ بہت کم تھا - اور پھر صدیوں کی آزادی اور خانہ جنگیوں نے اُن میں ریاست اور حکومت کا مضمون

ثم دعا خالد بمالک بن نویرة فی نفر من قومه بنی ثعلبة بن یربوع من عاصم و عبید و عرین و جعفر فاختلفت السریة فیهم وکان فیهم ابو قتادة فکان فیمن شهد انهم قد اذنوا واقاموا وصلوا فلما اختلفوا فیهم امر بهم فحبسوا فی لیلة باردة لا یقوم لها شیء وجعلت تزداد بردا فامر خالد منادیا فنادى ادفئوا اسراکم وکانت فی لغة کنانة اذا قالوا دثروا الرجل فادفئوه دفاه قتله وفی لغة غیرهم ادفه فاقتله فظن القوم وهی فی لغتهم القتل انه اراد القتل فقتلوهم فقتل ضرار بن الازور مالکا وسمع خالد الواعیة فخرج وقد فرغوا منهم فقال اذا اراد الله امرا اصابه - طبری ص ۲۲ ج ۴

اس قدر بڑھا دیا تھا کہ ہر قبیلہ کا امیر جس کو بجائے خود بادشاہ کہنا چاہئے علیحدہ ہوتا تھا یہی آزادی تھی جس نے ایسے بے سروسامان ملک کو کسریٰ جیسے عظیم الشان بادشاہ سے آمادہ کارزار بنا دیا اور کسریٰ باوجود اس سازوسامان کے عہدہ برآ نہو سکا۔ اس حُبِ ریاست اور خیال خام سلطنت کی وجہ سے بہتوں کو باوجود اس امر کے تیقن کے کہ آپ سچے نبی ہیں اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اور اسلام لانے سے روکا۔ جیسا کہ ہم مسیلمہ کا حال ابھی بیان کر چکے ہیں۔ بنی حنیفہ اتنی بڑی قوم تھی کہ اس میں لاکھوں بہادر جنگجو نبرد آزما موجود تھے۔ مسیلمہ کو سلطنت کا خبط سمایا اور اُس نے اول اپنی حماقت سے یہ سمجھ کر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی طالب ریاست و سلطنت ہوں گے اسی بات پر صلح کر لینی چاہئے کہ ہم اور آپ ملکر ساری دنیا کو فتح کریں اور نصف ملک قریش کے حصے میں آجائے اور نصف ہمارے۔ لیکن یہاں تو دین حق کی تبلیغ منظور تھی۔ اس کو صاف جواب دیدیا گیا

باذان عامل کسریٰ (جس کے مسلمان ہونے کا مفصل حال بیان ہو چکا ہے) اور اہل یمن کے مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باذان کو کل یمن کا امیر عامل مقرر فرما دیا اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو سب عاملوں کے اوپر نگراں مقرر فرما دیا۔ اسود عنسی جس کا حال ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اس کے دماغ میں حکومت کا خبط سمایا اور اس نے دعویٰ نبوت کر کے شعبدہ بازی کے ذریعہ سے لوگوں کو گرویدہ کر کے عاملان یمن کے مقابلہ کو تیار ہو گیا۔ مسیلمہ اور اسود دونوں کسی حال اور کسی طرز سے بھی دائرہ اسلام میں داخل نہوئے تھے۔ ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں دعویٰ کیا تھا۔

مدینہ منورہ منافقوں کے وجود سے بالکل پاک نہوا تھا۔ ان میں کے کچھ آدمی اور اُن کے خیالات باقی تھے۔ وہ ہر وقت مسلمانوں کی ایذادہی اور بیخکنی کے لئے آمادہ تھے۔ اسلام کے سب سے بڑے مخالف اور دشمن یہود تھے۔ اُن کی جڑ ابھی موجود تھی۔ عیسائیت کے رگ وریشے ملک عرب میں پھیلے ہوئے تھے۔ عیسائیت کو قیصر کی عظیم الشان سلطنت سے تقویت حاصل تھی اسلئے اِس کا اثر عرب اور اہلِ عرب پر زیادہ تھا۔ خود عرب کے بہت سے قبائل عیسائی بن چکے تھے۔

عرب کے بہت سے قبائل نے خوشی اور رضا سے اسلام قبول کیا تھا۔ مگر وہ اسلام کی خوبیوں

اور برکات سے واقف نہونے پائے تھے اور یہ وہ لوگ تھے جن کو حاضری دربار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فیض صحبت اٹھانے کی نوبت نہ آئی تھی جبکہ وہ ہی بیٹھے حلقہ انقیاد میں داخل ہوئے تھے بعض لوگ زمرۂ اہل اسلام میں کسی مصلحت سے داخل ہوئے تھے مگر حقیقۃً مسلمان نہ ہوئے تھے یہ بھی قاعدہ ہو کہ کوئی شخص کسی طریقہ کو پسند کرنے کے بعد چھوڑ دیتا ہے تو نا واقفوں پر اس شخص کا قول دربارہ عیب جوئی زیادہ باوقعت ہوتا ہی اور اکثر مواقع پر خیالات کو سست اور ضعیف کرنے اور موافقوں کو توڑنے کے واسطے یہ تدبیر کی جاتی ہے۔ یہی وہ زبردست چال تھی جو یہودنے سب طرف سے مایوس ہو کر مسلمانوں کو تذبذب کرنے کے واسطے اختیار کی تھی اپنے لوگوں میں سے بعض سے یہ کہا[1] کہ تم مسلمان ہو کر پھر جاؤ بعض خام مسلمان بھی تذبذب میں پڑ جاوینگے اس تدبیر کا کلام مجید کی ان آیات میں ذکر فرمایا ہے

وقالت طائفۃ من اھل الکتاب اٰمنوا بالذی انزل علی الذین اٰمنوا وجہ النہار واکفروا اٰخرہ لعلھم یرجعون۔	اہل کتاب کی ایک جماعت نے آپس میں کہا کہ تم مسلمانوں کے مذہب اور قرآن پر صبح کو ایمان لے آؤ اور شام کو اُس سے پھر جاؤ اس تدبیر سے شاید مسلمان بھی اپنے مذہب سے پھر جائیں۔

یہ بھی کھلی ہوئی بات ہے کہ حیلہ ساز اور ابلہ فریب دوست نما دشمنوں کے اغوا سے بہت سی بھولے بھالے بھی ڈگمگا جاتے ہیں۔ عرب میں عصبیت اور حمایت کا مادہ موجود تھا ان معیان ریاست اور دشمنان اسلام کا جادو چل گیا اور اسلام کی بڑھتی ہوئی ترقی میں ایک قسم کی رُکاوٹ پیدا ہونیکا سامان ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں چاروں طرف سے دشمنوں نے سر اُبھارا لیکن وفات کے بعد تو مسلمانوں کو سخت دقت پیش آ گئی اور مسلمان دشمنوں کی کثرت اور اپنی قلت کو دیکھ کر سخت پریشان تھے۔ لیکن فی الحقیقت اسلام کا قدم مضبوطی سے جم چکا تھا اُس نے لاکھوں دلوں پر اس طرح سکہ جمالیا تھا کہ وہ کسی حال میں متزلزل نہو سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ الیوم اکملت لکم دینکم (آج ہمنے تمہارے دین کو کامل کر دیا) سچا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ "شیطان ملک عرب میں بت پرستی سے بالکل مایوس ہو چکا ہے" صحیح تھا۔ مخالفت اور عداوت کی جڑ مضبوط نہ تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے استقلال حسن تدبیر۔ توکل اور اخلاص اور اعتماد علی اللہ نے سب کی ہمتوں کو بلند اور ارادوں کو چست کر دیا۔ بعض صحابہ کے قلوب میں

[1] قال الحسن والسدی تواطأ اثنا عشر حبرا من یہود خیبر وقری عرینۃ وقال بعضهم لبعض ادخلوا فی دین محمد اول النہار باللسان دون الاعتقاد واکفروا آخر النہار وقولوا انا نظرنا فی کتبنا وشاورنا علماءنا فوجدنا محمدا لیس بذلک وظہر لنا کذبہ وبطلان دینہ فاذا فعلتم ذلک شک اصحابہ فی دینہم وقالوا انہم اہل الکتاب وہم اعلم بہ فیرجعون عن دینہم الی دینکم۔ روح المعانی صفحہ ۱۷۶ ج ۳

جو پریشانی تھی اس کو زائل کر دیا۔

اکثر صحابہ کا یہ خیال تھا کہ اگر قبائل عرب مدعی اسلام ہو کر زکوۃ دینے سے اِنکار کریں تو ہم اُن سے لڑائی نہ کریں ہم اپنی جان کی حفاظت یا مخالفان اسلام کی مدافعت کے لئے لڑائی کے قصے میں مبتلا نہوں بلکہ صبر کئے ہوئے بیٹھے رہیں اور اللہ کی عبادت میں زندگی کے دن پورے کر دیں بیشک صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی قلبی کیفیت یہی تھی۔ اُن کا دل محبت خداوندی سے اِس قدر لبریز اور کسی کی محبت اور عداوت اور تمام اخلاق ذمیمہ سے ایسا پاک وصاف تھا کہ وہ ایک آن بھی کسی دوسرے مشغلہ میں پڑنا نہیں چاہتے تھے۔ مگر یہ وقت تھا جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا حق تعالیٰ کو اظہار منظور تھا۔ آپ سمجھ چکے تھے کہ اس وقت ہمارا مدافعت نکرنا اور سکوت کر کے اپنے حال پر بیٹھ رہنا اسلام کے نیست ونابود ہونے کا پیش خیمہ ہے۔ قانون عقل اور واقعات عام کی بنا پر یہ کھُلی ہوئی بات تھی کہ مسلمان اس فتنہ کے زمانہ میں خاموش بیٹھ کر ہرگز اپنی ہستی اور اسلام کے وجود کو قائم نہیں رکھ سکتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے فوراً اُس کے تدارک کی تدبیریں فرمائیں اور ارشاد فرمایا کہ جو لوگ زکوۃ دینے سے انکار کریں گے میں اُن سے بھی مقابلہ کروں گا۔ سب صحابہ نے نہایت ادب اپنے واجب التعظیم خلیفہ اور امیر المومنین کا حکم مانا اور جس سرعت سے یہ فتنہ پھیلا تھا اُسی سرعت سے دبا دیا گیا۔ اسلام کی اسی حالت اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی انھیں تدابیر کی طرف اشارہ کر کے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے

لقد قمنا بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاما کدنا نھلک فیہ لولا ان اللہ اعاننا بابی بکر ؏	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہم پر ایسا وقت آگیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ ابوبکر سے ہماری امداد نہ فرماتا تو ہم بالکل غارت ہو گئے تھے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ارشاد و عمل سے ہمکو اس نتیجہ پر پہنچنا دشوار نہیں ہے کہ دین کے معاملہ میں مداہنت کرنیسے اسلام کی جڑیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں اور یہ کہ اسلام کے کسی رکن کا انکار کرنیکا اثر بھی وہی ہوتا ہے جو کل ارکان کے انکار کا اور یہ کہ کوئی قوم متفق ہو کر کسی رکن کو چھوڑ بیٹھے تو امام وقت کو فہمائش کے لئے اُن سے مقابلہ کرنا چاہئے۔

اس واقعہ اور اسی قسم کے دوسرے واقعات سے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ

ملہ عن ابی ہریرۃ قال لما توفی النبی صلعم واستخلف ابوبکر بعدہ وکفر من کفر من العرب قال عمر بن الخطاب لابی بکر کیف تقاتل الناس وقد قال رسول اللہ صلعم امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ فمن قال لا الٰہ الا اللہ عصم منی مالہ ونفسہ الا بحقہ وحسابہ علی اللہ فقال ابوبکر واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ فان الزکوٰۃ حق المال واللہ لو منعونی عقالا کانوا یؤدونہا الی رسول اللہ صلعم لقاتلتھم علی منعہا م
... عمر فواللہ ما ہو الا رایت ان اللہ شرح الصدر ابی بکر لقتال فعرفت انہ الحق۔ مشکوٰۃ شریف کتاب الزکوٰۃ مطبوعہ صح المطابع دہلی ص۱۵۶ ج۱

خلافت ہیں وقتاً فوقتاً پیش آئے ایک نہایت اہم فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ رحمدلی اور نرمی استقلال رائے پختگی اور صلابت دینی کے منافی نہیں ہے۔ امور دینی کے بارہ میں سختی اور شدت جس کو ہم تصلب فی الدین سے تعبیر کرتے ہیں۔ نرمی۔ رحمدلی۔ فروتنی۔ خاکساری اور مصلحت اندیشی کی ضد نہیں۔ ایک کامل مکمل شخص میں دونوں قسم کے اوصاف بدرجۂ کمال جمع ہو سکتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے بارہ میں ارشاد ہے ارحم امتی بامتی ابو بکر (میری امت پر سب سے زیادہ مہربان ابو بکرؓ ہیں) لیکن باوجود اس قدر رحم دلی اور نرم خوئی کے وہ معاملات دینی میں ایسے سخت اور پختہ رائے ہیں کہ تمام صحابہ ایک جانب ملکر کوئی رائے قائم فرماتے ہیں اور خلیفہ اول تن تنہا سب کی مخالفت پر تلے ہوئے کسی قسم کی مداہنت اور ظاہری مصلحت اندیشی کو دخل دینا گوارا نہیں فرماتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے چند روز قبل حضرت اُسامہ بن زید کو ایک لشکر کا سردار بنا کر روانگی کا حکم دیا۔ انھوں نے تیار ہو کر شہر سے باہر ڈیرہ ڈالدیا۔ مگر آپ کی علالت شروع ہو جانیکی وجہ سے روانگی کو ملتوی رکھا اور اسی اثنا میں وفات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا حادثۂ عظیم پیش آگیا اور عموماً عرب میں چاروں طرف اختلاف کی آگ بھڑک اٹھی۔ تمام صحابہ کی رائے متفق تھی کہ ایسے وقت جبکہ مسلمان نہایت پریشان اور بے سروسامان ہیں چار طرف کی مخالفت کے اندر گھرے ہوئے ہیں۔ اس لشکر کا جس میں جلیل القدر صحابہ مہاجرین و انصار ہیں مدینہ منورہ سے دور چلے جانا دور اندیشی کے خلاف اور خاص اہل مدینہ کے لئے نہایت خوفناک صورت ہے۔ خود حضرت اسامہ رضؓ کی بھی رائے تھی کہ منتخب اور بڑے درجے کے مسلمان میرے ساتھ ہیں میں مطمئن نہیں ہوں کہ اس لشکر کی روانگی کے بعد خلیفہ اور امہات المومنین اور مسلمانوں کے اہل و عیال کو کن دقتوں کا سامنا ہو۔ بالآخر حضرت عمرؓ نے خود جاکر امیر لشکر اور مسلمانوں کے خیال کا اظہار کیا۔ مگر خلیفۂ اول نے ایک نہ سُنی اور فرمایا۔

لو خطفتنی الکلاب والذیاب لانفذتہ کما امر بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا ارد قضاءً قضی بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولو لم یبق فی ھذہ القری غیری لانفذتہ

اگر کتے اور بھیڑیئے بھی مجھکو اُچک لیجائیں تب بھی اس لشکر کو روانہ کروں گا۔ اور جو فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے ہیں اس کو رد نہ کروں گا اور اگر ان بستیوں میں میرے سوا کوئی بھی نہ رہے تب بھی اس لشکر کو روانہ کروں گا۔

حمل المسلمین العرب علی ما تری قد انتقصت بک ولیس ینبغی لک ان تفرق عنک جماعۃ المسلمین فقال والذی نفس ابی بکر بیدہ لو ظننت ان السباع تخطفنی لانفذت بعث اسامۃ کما امر بہ رسول اللہ صلم ولو لم یبق فی القری غیری لانفذتہ۔ البدایۃ والنہایۃ ص۳۰۵ ج۶

آخر حضرت اسامہ تشریف لے گئے اور خلیفۂ اوّل کا یہ عزم و استقلال تدبیر ظاہری کی صورت میں ظاہر ہو کر مخالفت کے بڑے حصے کو دبانے کے واسطے کافی ہو گیا۔ بہت سے لوگ یہ سمجھ کر کہ اگر مسلمانوں کے پاس کافی قوت اور بڑی جمعیت نہوتی تو ان کا اتنا بڑا لشکر دار الخلافت کو غیر محفوظ چھوڑ کر نہ نکلتا۔ مخالفت سے رُک گئے۔

بہت سے صحابہ حضرت اُسامہ کی نوعمری کو دیکھ کر یہ خیال کرتے تھے کہ ایسے بڑے لشکر کی سرداری جس میں خود حضرت عمرؓ کے درجہ کے صحابہ داخل تھے کسی معمر اور تجربہ کار کے سپرد کیجائے تو اچھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے انصار کا یہ خیال حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں ظاہر فرمایا جس کو سُن کر آپ غصہ میں کھڑے ہو گئے اور جھنجھلا کر فرمایا۔

ثکلتک امک یا ابن الخطاب استعملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتامرنی ان اعزلہ	اے خطاب کے بیٹے تمہاری ماں تمکو گم کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حاکم بنایا تھا اور تم کہتے ہو کہ میں معزول کر دوں

دوسری جانب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت ارشاد ہے وَاَشَدُّهُمْ فِي اَمْرِ اللّٰهِ عُمَرُؓ (احکام خداوندی کے معاملہ میں سب سے زیادہ سخت عمر ہیں) حضرت عمرؓ کے معاملات دینی میں تشدد و سخت گیری اور تصلب کی یہ کیفیت تھی کہ ادنیٰ بات خلاف شرع اور خلاف ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جائز نہ رکھتے تھے۔ اپنے صاحبزادے پر حد شرعی جاری کرنے میں کوئی خیال مانع نہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی تو چند عورتیں بطور نوحہ گری گریہ و زاری میں مشغول تھیں حضرت عمرؓ نے منع فرمایا مگر وہ نہ رُکیں۔ بالآخر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بہن کو بُلا کر درہ سے دھمکایا تب سب عورتیں متفرق ہو گئیں اور نوحہ کا سلسلہ منقطع ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب لوگوں کو کسی بات کی ممانعت کرتے تھے تو اپنے خاندان کے آدمیوں کو جمع کر کے فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو میں نے اس امر کی ممانعت کی ہے اگر تم میں سے کوئی اس کا مرتکب ہوا تو اس کو دوچند سزا دی جائے گی۔ مگر اس شدّت و صلابت دینی کے ساتھ رحمدلی بھی اعلیٰ درجہ کی تھی۔ حضرت عمرؓ کے خادم اسلم فرماتے ہیں کہ ایک دفع حسب معمول رات کے وقت حرہ واقم دجلہ کا نام ہی کی طرف تشریف لے گئے میں بھی ساتھ تھا۔ دور سے آگ جلتی دیکھی آپ نے وہاں جا کر سلام کیا اور دیکھا کہ ایک عورت نے ہنڈیا کو چولھے پر چڑھا رکھا ہے

ؐ فاتیناہم فاذا امرءۃ معہا صبیان لہا وقدر منصوبۃ علی النار وصبیانہا یتضاغون فقال عمر السلام علیکم یا اصحاب الضوء قالت وعلیک السلام قال ادنو

اور چند بچے اس کے پاس چلا رہے ہیں۔ آپ نے اُس عورت سے اُس جگہ اُترنے آگ جلانے اور بچوں کے رونے کا سبب دریافت فرمایا۔ عورت نے جواب دیا کہ رات ہو گئی تھی اس لئے یہاں اُتر پڑی اور سردی سے بچنے کے لئے آگ جلائی ہے۔ بچے بھوک کی وجہ سے رو رہے ہیں آپ نے پوچھا ہنڈیا میں کیا پکتا ہے۔ اس نے کہا کہ کچھ بھی نہیں ان کو بہلانے کے لئے خالی ہنڈیا چڑھا دی ہے۔ حضرت عمرؓ دوڑتے ہوئے واپس ہوئے اور ایک بورے میں بہت سا آٹا اور کچھ کھجوریں بھر کر خود اپنے کاندھے پر اُٹھا کر وہاں لائے اور اپنے ہاتھ سے اوّل ہنڈیا پکائی اور اُس عورت سے فرمایا کہ میں روٹی پکاتا ہوں تم ان کو کھلاتی رہو۔ اسلم کہتے ہیں کہ میں دیکھتا تھا کہ حضرت عمرؓ جب آگ میں پھونک مارتے تھے۔ تو دھواں ان کی ڈاڑھی میں کو نکلتا تھا۔ یہ غایت رحمدلی تھی کہ اپنے ہاتھ سے پکا کر کھلایا بچے یا تو رو رہے تھے یا ہنسنے کھیلنے لگے۔ حضرت عمرؓ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے واپس ہوئے۔

فتنۂ ارتداد کی نامعلوم حکمتیں

قبائل عرب کا یکلخت مرتد ہو جانا اور ملک عرب میں فتنہ کی آگ کا بھڑک اٹھنا بظاہر نہایت ہی ہولناک قصہ ہے جس سے ایک طرف تو ظاہر بینوں اور کوتاہ اندیشوں کو یہ خلجان پیش آتے تھے کہ اگر قبائل عرب بزور مسلمان نہ بنائے گئے تو اُن کے مرتد ہونے کی کیا وجہ تھی۔ اس خلجان کی تردید بحمد اللہ مذکورۂ بالا بیان سے بخوبی ہو چکی۔ دوسری جانب خود صحابہؓ کو اپنی حالت کو سنبھالنا اور حفاظت کرنا دشوار ہو رہا تھا صحابہؓ کی خطرناک حالت کا اندازہ ذیل کے الفاظ سے ہو سکتا ہے۔

وارتدت العرب اما عامة او خاصة من كل قبيلة و ظهر النفاق واشرأبت اليهودية والنصرانية وبقي المسلمون كالغنم في الليلة المطيرة لفقد نبيهم وقلتهم وكثرة عدوهم	عرب کے قبائل مرتد ہو گئے یا تو قبیلہ کا قبیلہ یا ہر ایک قبیلہ میں سے خاص لوگ اور منافق جن کا وجود ابھی باقی تھا ظاہر ہو گئے یہودیت اور نصرانیت نے سر ابھارا اور مسلمان اپنے نبی کی وفات پانے اور اپنی قلت اور دشمنوں کی کثرت کی وجہ سے بارش زدہ گلہ کی جیسی بکریوں کا ریوڑ اندھیری اور بارش کی رات میں بغیر چرواہے کے رہ جاتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضہ کے عزم و استقلال۔ دوربینی صحابہؓ کی بروقت مستعدی اور تندہی سے یہ فتنہ جیسی سُرعت کے ساتھ پھیلا تھا اُسی سُرعت کے ساتھ فرو ہو گیا۔

لیکن ارتداد عرب کا قضیہ جیسا کہ ناگوار رنجدہ اور نہایت مشوش تھا ویسے ہی اس میں بہت سی حکمتیں بھی مکنون تھیں۔

مسلمانوں کے اکثر کام تائیدِ غیبی سے بنتے اور درست ہوتے تھے ان کی ہر تدبیر اسی وجہ سے مفید ہوتی تھی کہ تائیدِ الٰہی اُن کے شاملِ حال تھی عرب کے جاہل اور بگڑے ہوئے بدو بھی جو فوری جوش میں برسرِ مقابلہ آگئے تھے آخرکار اس نکتہ کو سمجھ گئے اور زبان سے بول اٹھے کہ ایسے لوگوں سے کیونکر مقابلہ ہو سکتا ہے جن کے کام بغیر تدبیر کے بنتے ہیں۔

واقعہ ارتداد میں بھی فی الحقیقت بہت بڑی غیبی امداد اور تائید تھی ایک فہمیدہ اور غائر نظر ہوئے تامل سے معلوم کر سکتا ہے کہ مذہب اسلام فقط اہلِ عرب ہی کے واسطے مخصوص نہ تھا بلکہ دنیا بھر کا مذہب تھا اور مسلمان مامور تھے کہ ہر ایک ملک والوں کو دعوتِ اسلام پہنچائیں مسلمانوں کو سرزمینِ عرب سے قدم نکالکر سب اہلِ مذاہب کو مذہب کی خوبیوں سے واقف کرنا لازمی امر تھا اور اس صورت میں ضروری تھا کہ اپنی اندرونی حالت سے بےفکر اور مطمئن ہوکر پوری قوت کے ساتھ قدم نکالیں تاکہ معرکہ آرائی کے موقع پر اُس قوت سے کام لے سکیں۔

لیکن عرب کی یہ حالت تھی کہ اُن میں بہت سے گو بظاہر مسلمانوں میں داخل ہو گئے تھے مگر حقیقتاً مسلمان نہ تھے اور وہ کسی موقعہ کے منتظر تھے اور بہت سے لوگ گو مسلمان تو ہو گئے تھے مگر حقیقی اسلام کے ذائقہ سے واقف نہ ہوئے تھے فیضِ صحبت اٹھایا نہ تھا۔ حُبِ جاہ و ریاست دل میں موجود تھی آزادی اور مطلق العنانی کے لطف کو بھولے نہ تھے۔ احکامِ شرعیہ کی تقلید اور محاصلِ شرعی کی قیود کے خوگر نہ ہوئے تھے منافق موجود تھے یہود جو سب سے زیادہ مسلمانوں کے دشمن تھے اُن کی جڑیں قائم تھیں۔ اس حالت میں قبائلِ عرب کو بگڑنے اور مخالفت کرنے کے واسطے ایک بہانہ کی ضرورت تھی۔ اور جو مادہ خلاف اور عداوت یعنی حبِ جاہ و ریاست یا طلبِ آزادی و مطلق العنانی کا ان میں مخفی تھا اُس کا ظاہر ہونا ضروری تھا۔ ایسی مخدوش حالت میں کہ اہلِ عرب میں یہ فاسد مادہ اندر ہی اندر پکتا رہا مسلمان سرزمینِ عرب سے باہر قدم نکالتے تو اُن کیلئے چند وقتوں کا سامنا تھا۔ اوّل تو خود ان کی جماعت میں ایسی قلت ہوتی کہ کسی قوم کے سامنے اُن کے پیامِ اسلام کا کچھ بھی اثر نہ ہوتا اور در صورتِ مقابلہ اُن کو عہدہ برآ ہونے اور اپنی محافظت کی کوئی صورت نہ ہوتی دوسرے اُن کے باہر نکلتے ہی عرب کی اندرونی مخالفت ظہور پذیر ہوتی اور خلیفۂ وقت دار الخلافت اور مسلمانوں کے اہل و عیال سب دشمنوں کے نرغے میں آجاتے۔ اور وہ ایسی بے اطمینانی کی حالت میں کچھ بھی نہ کر سکتے بلکہ خود اندرونی اور بیرونی دشمنوں میں محصور ہو کر فنا ہو جاتے۔

ارتداد کے قصے نے ان سب خطروں کا قلع قمع کر دیا۔ عرب قبائل نے مخالفت کر کے دل کی ہوس نکال لی اور صحابہ کے ساتھ اختلاط ہونے اور ان کے احوال کے مشاہدے سے اُن کو محقق ہو گیا کہ دین اسلام حق ہے اُس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا اور جنھوں نے مقابلہ کیا وہ فنا ہو گئے۔ سرزمین عرب سارے موجودہ اور متوہم فتنوں سے پاک وصاف ہو گئی اور وہی لوگ جو مخالفت پر آمادہ اور مسلمانوں کی بیخکنی کو اپنا پہلا فرض سمجھتے تھے۔ اسلام کی حمایت کرنے اور داد شجاعت دینے کے واسطے وطن کو چھوڑ کر لشکر اسلام کے ساتھ ہوئے اور وہ کام کر دکھائے جس سے تاریخ عالم کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔

طلیحہ اسدی۔ عمرو بن معدی کرب اور ان جیسے ہزاروں شجاعان اسلام کے نام تاریخوں میں ملیں گے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو مرتد ہو کر مسلمانوں سے بر سر پیکار ہوئے تھے پھر ایسے اطمینان سے اشاعت اسلام میں مشغول ہوئے کہ اُن کی طویل غیبت میں ایک ناگوار واقعہ بھی کسی اندرونی مخالفت کا سارے ملک عرب میں پیش نہ آیا۔

ارتداد کی اس حکمت بالغہ کو سمجھنے کے بعد ہر شخص بجائے اس کے کہ اس میں کچھ شبہ یا خلجان پیدا کرے یہ سمجھ سکے گا کہ اس واقعہ کا پیش آنا سراسر مصلحت اور اشاعت اسلام کے لئے ضروری امر تھا۔

صحابہ کا اشاعت و تبلیغ اسلام میں مشغول ہونا

فتنہ ارتداد سے فارغ اور مطمئن ہو جانے کے بعد صحابہ تبلیغ اسلام میں مشغول ہوئے اور سرزمین عرب سے باہر قدم نکال کر بہت تھوڑے عرصہ میں اسلام کی برکات سے دنیا کو بھر دیا اس میں شک نہیں کہ اسلام ایک سچا اور صاف مذہب تھا۔ اس کی ذاتی خوبیوں پر زور تاثیر قوت جاذبہ ایسی تھیں جن کی بنا پر جب کوئی شخص صاف دلی سے اُس کی طرف متوجہ ہوتا بغیر متاثر ہوئے اور اس کی حقانیت کو تسلیم کئے نہ رہتا مگر اسلام کے اس قدر جلد پھیلنے اور اقلیموں کے ساتھ دلوں کو مسخر کر لینے میں زیادہ تر صحابہؓ کے اوصاف اور محاسن اخلاق کو دخل تھا۔ صحابہؓ اسلام کا نمونہ بنکر نکلے تھے انھوں نے دنیا کو دکھلا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے اُن میں وہ قوت پیدا ہو گئی ہے جس سے ایک عالم کو اپنا گرویدہ اور اسلام کا سچا فرمانبردار بنا سکتے ہیں اگر ان کے اندر یہ خوبیاں نہ ہوتیں یا کسی قسم کا نقص ہوتا تو اسلام کی واقعی خوبیاں بھی دل پر اثر نہ کرتیں اسلام کے سچے عقائد اور پاک تعلیمات کے بعد جب صحابہؓ کے حالات کو دیکھا جاتا تھا تو ہر شخص خود بخود اس کا حلقہ بگوش بنجاتا تھا۔

یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ زبانی تعلیم سے فیض صحبت کی تاثیر قوی اور مستحکم ہوتی ہے یہی وجہ ہے

کہ صحابہؓ ایک گھڑی کے فیضِ صحبت کی بدولت تمام دنیا اور ہر طبقہ کے مسلمانوں سے افضل و اعلیٰ ہو گئے اور بعد کے مسلمان گو علم و زہد۔ حالات و معاملات میں کسی مرتبہ کو پہنچ جائیں مگر صحابہؓ کی ہمسری نہیں کر سکتے۔

صحابہؓ کی کیفیت یہ تھی کہ اُن کے تمام اقوال و افعال احوال و معاملات کو دیکھنے سے اول نظر میں معلوم ہو جاتا تھا کہ اُن کو دُنیا سے کوئی لگاؤ اور اُس کی نعمتوں سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔ اُن کو سوائے رضاءِ خداوندی و اتباعِ احکام شریعت کوئی امر مطلوب نہیں۔ صحابہؓ دنیا کے تمام معاملات کرتے تھے۔ تجارت زراعت۔ صنعت و حرفت میں مشغول تھے۔ تعلقات خانہ داری اور معاشرتِ احباب و اخوان کے حقوق پوری طرح سے ادا کرتے تھے مگر اُن کے قلب میں سوا محبتِ خدا و رسول اور کوئی امر نہ تھا ان کی یہ حالت تھی کہ دن میں مثل دوسرے لوگوں کے کاروبار میں مشغول دیکھے جاتے تھے۔ مگر کسی کو دنیا طلبی کا گمان ان پر نہ ہوتا تھا۔ جنگ اُحد میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر اندازوں کی جماعت کو ایک معین جگہ پر مامور فرما کر ارشاد فرما دیا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ٹلنا۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی کفارِ مکہ شکست کھا کر بھاگے تو اسلامی لشکر مالِ غنیمت کی طرف متوجہ ہوا۔ اس جماعت نے یہ سمجھ کر کہ فتح تو ہو ہی چکی اب یہاں کھڑے رہنا کچھ ضروری نہیں ہے۔ جگہ چھوڑ دی اور مالِ غنیمت میں حصہ لینے کے واسطے چلے گئے مالِ غنیمت میں حصہ لینا شرعاً منع نہ تھا بلکہ اس کی اجازت تھی مگر اس جماعت پر محض اس وجہ سے کہ بلا اجازتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جگہ چھوڑ دی عتاب ہوا اور یہ آیات نازل ہوئیں۔

مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ	تم میں سے بعض ایسے ہیں جو دنیا کو طلب کرتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو آخرت کو طلب کرتے ہیں

اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

ما علمت ان احداً من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرید الدنیا حتی نزلت الآیۃ	اس آیت کے نزول سے پہلے مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے بھی کوئی دنیا کا طالب ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود بھی دنیا میں تھے ضروریاتِ زندگی کو پورا کرتے تھے اپنے سوا دوسرے صحابہ کو بیع و شرا اور ہر قسم کے دنیوی کاموں میں مشغول اور تمام معاشرتی و تمدنی ضروریات کی تدبیریں کرتے دیکھتے تھے۔ پھر باایں ہمہ ان میں سے کسی کی طرف طلبِ دنیا کا گمان نہ ہونے کی کیا وجہ تھی۔ صرف یہی کہ دل میں سوا اللہ اور رسولؐ کے کسی چیز کی محبت نہ تھی۔ اُن کے رگ و ریشہ میں خون کی طرح اطاعتِ خدا و رسول سرایت کئے ہوئے تھی، دنیا کے کاروبار جو کچھ بھی تھے ضروریات

ؐ وروی ان خالد بن الولید اقبل بخیل المشرکین ومعہ عکرمۃ بن ابی جہل فارسل رسول اللہ صلعم الی الزبیر ان احمل علیہ فحمل علیہ فہزمہ ومن معہ فلما رای الرماۃ النہب فارقوا المرکز لہ "ومنکم من یرید الآخرۃ" کعبد اللہ ابن جبیر امیر الرماۃ ومن ثبت معہ ممتثلاً امر رسول اللہ صلعم حتی استشہد۔ روح المعانی صـ ۷۹ ج ۴

زندگی پوراکرنے کی غرض سے تھے۔ یہی وہ بات ہے جو دیندار کو دنیادار سے جُدا کرتی ہے۔ صحابہ باوجود ہر قسم کے کاروبار دنیا میں مشغول اور بے انتہا ثروت وغنا حاصل ہونے کے طالب دنیا کیوں نہ کہلائے اور ایک معمولی حیثیت کا شخص جو پیٹ پالنے کی فکر میں لگا ہوا اور اُس کی تدبیر دنیا میں ہمہ تن ہے مگر اُس کو صحابہؓ کے غنا کا عشر عشیر بھی نہیں سگِ دنیا اور طالب دنیا کے خطاب سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ اسی مضمون کو عارف روم نے یوں ادا فرمایا ہے۔

چیست دنیا از خدا غافل بودن ٭ نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

رہی یہ بات کہ اس آیت میں بعض صحابہؓ کو طالب دنیا فرمایا گیا ہے۔ سو اس میں کوئی خلجان کی بات نہیں۔ لغزش اور زلۃ تو بڑوں سے بھی ہوئی۔ بعض صحابہ کا یہ فعل رائے کی غلطی سے صادر ہوا انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اب یہاں کھڑے رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر وہاں کھڑے رہنے کی ضرورت کو محسوس کرنے کے ساتھ مال غنیمت کیطرف متوجہ ہوتے تو بیشک دین کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دینا ہوتا لیکن فی الواقع ایسا نہ تھا۔ ہاں صورتاً طلب دنیا تھا اس لئے اُن کو اس زلۃ پر تنبیہ کے لئے آیت مذکورہ نازل ہوئی خواص کو تھوڑی سی غلطی پر بھی سخت تنبیہ کی جاتی ہے۔

یہ واقعہ اُساریٰ بدر کے واقعہ کے مشابہ ہے۔ بدر میں قریش کے بڑے بڑے سردار قید کر لئے گئے تو اُن کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ فرمایا کہ آیا اُن کو قتل کرنا چاہیے یا فدیہ یعنی مال لے کر چھوڑ دینا چاہیے۔ حضرت ابوبکر صدیق اور اکثر صحابہ کی رائے اس جانب تھی کہ فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے اِس لئے کہ شاید یہ لوگ جو قید ہوئے ہیں دوسرے وقت خود بخود مسلمان ہو جائیں اور سردست زر فدیہ کے حاصل ہونے سے مسلمانوں کو بمقابلہ کفار کے اپنی حالت درست کرنے کا موقع ملے اور اسلام کو تقویت پہنچے۔

مگر حضرت عمرؓ اس جانب تھے کہ ہم کو اُن کے بارہ میں نرمی نہ کرنی چاہیے ہر شخص اپنے عزیز کو قتل کرے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ہم لوگ اسلام پر کس قدر پختہ ہیں ہمکو خدا و رسول کے مقابلہ میں اپنے عزیزوں کی بھی پرواہ نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عمرؓ کی یہ سخت رائے پسند نہ آئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دیگر صحابہ کی رائے کے موافق قیدیوں کو فدیہ لیکر چھوڑ دیا گیا اور جن وجوہ پر یہ رائے اختیار کی گئی تھی اُس کے

عمدہ ثمرات ظاہر ہوئے مگر کلام الٰہی میں ایک خاص حیثیت سے حضرت عمرؓ کی تائید نازل ہوئی اور جس رائے پر عملدرآمد ہوا تھا اُس کی نسبت ارشاد ہوا۔ تریدون عرض الدنیا تم متاع دنیا کو طلب کرتی ہو ظاہر ہے کہ فدیہ لینا اور قیدیوں کا رہا کردینا اسلام ہی کے مصالح پر مبنی تھا مال کی طرف رغبت اور میلان ہوا بھی تو صرف اسلام کی تقویت کیلئے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو رہا بھی کیا تو اسلام ہی کی مصلحت سمجھ کر۔ دنیا کی طمع اور لالچ کو اس میں ذرا بھی دخل نہ تھا مگر چونکہ بصورت ظاہری مال کی طرف رغبت تھی اس لئے یہ رائے قابل عتاب ہوگئی اور ایک خاص وجہ سے یہ نرمی جو فی الحقیقت محمود تھی اور اس پر وہی ثمرات مرتب بھی ہوئے جن کی توقع کی گئی تھی بمقابلہ رائے حضرت عمرؓ کے پسند نہ کیگئی۔

الغرض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اسلام کے سچے اور مجسم نمونہ بنکر اشاعت اسلام کیلئے اٹھے صحابہؓ کے حالات و معاملات اسلام کے پاکیزہ عقائد کے لئے بمنزلہ دلیل کے تھے۔ اسلامی عقائد و احکام سننے کے بعد جب صحابہؓ کو دیکھا جاتا تھا تو دعویٰ حقانیت اسلام دلائل قویہ ظاہرہ سے ثابت و مستحکم ہوتا جاتا تھا اور ہر شخص اُس کو حق سمجھنے پر مجبور ہوتا تھا۔ قرن صحابہ میں اسلام کی حیرت انگیز ترقی اور سریع اشاعت کا اصلی راز یہی ہے۔ اگرچہ صحابہ کی معرکہ آرائیوں اور شجاعت و تدبیر حرب کے افسانے بھی ایسے ہیں کہ دنیا کی کوئی تاریخ اُس کی نظیر یا اس کے مشابہ حالات کو پیش نہیں کرسکی۔ مگر ہم اس موقع پر اُن حالات کو درج نہ کریں گے اور نہ فتوحات کے وسیع میدانوں کی سیر کراویں گے بلکہ یہ دکھاویں گے کہ قومیں کی قومیں اسلام کے دائرہ میں کیوں داخل ہوئیں۔ اُن کے واسطے وہ کون سے اسباب تھے جن کی وجہ سے برضا و رغبت اسلام قبول کرلینے پر مجبور ہوئے۔

ناظرین صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات اور تائید غیبی کے واقعات اس کثرت سے ہیں کہ اُن تمام کا جمع کرنا ایک ایسے مختصر رسالہ میں سخت دشوار ہی نہیں بلکہ غیر مناسب بھی ہے۔ مگر تاہم جس قدر چیدہ چیدہ حالات ہم لکھیں گے اُن سے ہمارا دعویٰ خوب محقق و مبرہن ہوجاوے گا۔

دارین کا فتح ہونا اور سمندر کا خشک ہوجانا

اہل بحرین کے مرتد ہونے اور حضرت علاء ابن الحضرمیؓ کا ان کے مقابلہ کے لئے مامور ہونے اور مسلمانوں کی غیبی تائید کا عجیب واقعہ پہلے مذکور ہوچکا ہے مرتدین کو اس جگہ کامل شکست ہوئی اکثر تو اُن میں سے مقتول ہوئے اور جو بچے کچھ تو دوسری جانب کو بھاگ گئے اور بہت سے خلیج دارین میں پناہ گزیں ہوئے۔ دارین ایک بستی ہے جو سمندر کے کنارہ سے جہاز پر سفر کرنے

والوں کے واسطے ایک رات دن کی مسافت پر واقع ہے وہاں پہلے سے بھی دشمنانِ اسلام کا اجتماع تھا اور اب شکست خوردہ مرتدین کی جماعت پہنچ گئی تو ایک خوفناک قوت کا اجتماع ہو گیا۔ حضرت علاءؓ صورت حال کو دیکھ کر متردد و متفکر تھے اگر دارین پر حملہ کرتے ہیں تو یہ اندیشہ ہے کہ دشمن عقب سے آکر اہل بحرین پر حملہ کر دیں اور اگر دارین کو اسی حال پر چھوڑتے ہیں تو یہ قوت دن بدن ترقی پاکر زیادہ خوفناک ہو جائے گی اس لئے آپ نے اول تو اُن قبائل کو جو فتنۂ ارتداد میں شریک نہوئے تھے لکھا کہ مرتدین اور منہزمین کے راستوں کو روک دیں اُن میں سے کوئی بحرین کی طرف آنے نہ پائے اُن لوگوں نے اس کا کامل بندوبست کر کے جواب لکھا اور حضرت علاءؓ کو اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو دارین کا قصد فرمایا۔

دارین پر حملہ کرنے کے واسطے جہازوں اور کشتیوں کی ضرورت تھی اور مسلمانوں کے پاس اس قسم کا سامان بالکل نہ تھا۔ مگر حضرت علاء ایسے شخص نہ تھے جن کو سمندر کی ہیبتناک صورت ڈرا دیتی آپ نے لشکرِ اسلام کو جمع کر کے خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ دشمنوں کی جماعتیں اور مفرورین کے گروہ اس خلیج دارین میں جمع ہو گئے ہیں تم لوگ خشک میدان میں خدا تعالیٰ کی تائید اور امداد کو ابھی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو تم کو اسی قسم کی امداد اور تائید کی توقع دریا میں بھی رکھنی چاہئے تم سب دریا میں داخل ہو جاؤ اور دشمن پر حملہ کرو۔ مسلمانوں نے جواب دیا کہ دہنا میں جو تائید غیبی کا کرشمہ ہم دیکھ چکے ہیں اُس کے بعد ہم کسی چیز سے نہ ڈریں گے۔ اس گفتگو کے بعد حضرت علاءؓ مع لشکر کے سمندر کے کنارے پر پہنچ گئے اور آپ مع لشکر کے یہ دعائیہ کلمات پڑھتے ہوئے سمندر میں داخل ہو گئے۔

یا ارحم الراحمین یا کریم یا حلیم۔ یا احد یا صمد یا حی یا محی الموتیٰ یا حی یا قیوم لا الٰہ الا انت یا ربنا۔ کوئی اونٹ پر سوار تھا اور کوئی گھوڑے پر کوئی خچر پر کوئی گدھے پر۔ اور بہت سے پیادہ پا۔ سمندر کا پانی خشک ہو کر اسقدر رہ گیا کہ اونٹ اور گھوڑے کے صرف پیر بھیگے تھے اسلامی لشکر ایسے راحت و آرام سے ہولناک دریا کو طے کر رہا تھا گویا بھیگے ہوئے ریتے پر چل رہا ہے جس پر چلنا نہایت ہی سہل ہوتا ہے۔

دارین میں کسی کو یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ مسلمان بغیر جہازوں اور کشتیوں کے اس طرح دریا کو پاپیادہ طے کر کے آپہنچیں گے۔ وہ غافل تھے مسلمان وہاں پہنچ گئے اور دارین مسخر ہو گیا۔

اَن تقبو لوا ذالک ولقیتموا فعلوا ذالک فاجازبہم الخلیج باذن اللہ یمشون علی مثل رملۃ دمثۃ فوقہا ماء لا یغمر اخفاف الابل ولا یصل الی رکب الخیل مسیرتہ للسفن یوم و احد ی الجلائل۔ دعونا الی شق البحار فجار نا۔ باعجب من فلق البحار الاوائل۔ البدایۃ والنہایۃ صفحہ ۲۲۷ ج ۶۔ دہنا وہی مقام ہے جہاں لشکر اسلام کیلئے غیب سے پانی موجود ہو گیا تھا ۱۲

خدا تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کی دعا کو قبول فرمایا اور دریا میں ان کے لئے سہل اور نہایت آرام دہ راستہ بنا دیا۔ ابھی بے آب وگیاہ میدانوں میں غیبی تائید کا کرشمہ دیکھ لیا تھا اس سے بڑھ کر سمندر کو پایاب کر کے دکھلا دیا کہ دین اسلام کے ساتھ تائید الٰہی شامل ہے اس کی اشاعت نہ ظاہری تدابیر پر موقوف ہے نہ کسی قسم کے جبر واکراہ کو اس میں دخل ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کو کیسا ہی سنگدل اور حق سے منحرف شخص بھی جب دیکھے گا ناممکن ہے کہ اسلام کی حقانیت اس کے قلب میں راسخ نہ ہو جائے اور گو وہ اپنے قدیم مذہب پر کتنا ہی ہٹ اور ضد کے ساتھ قائم رہنا چاہے لیکن دین اسلام کی کشش کبھی اس کو اپنے اصرار اور ہٹ دھرمی پر قائم رہنے نہیں دے سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ موضع ہجر کا ایک عیسائی راہب جو اسلامی لشکر کے ساتھ جس نے بر وبحر دونوں جگہ تائید آسمانی کی جلوہ گری دیکھی تھی اسلام قبول کر لینے[لہ] پر مجبور ہوا۔ کسی نے اس سے پوچھا کہ تیرے مسلمان ہونے کی کیا وجہ تھی۔ اس نے جواب میں کہا۔

ثلاثة اشیاء خشیت ان یمسخنی الله بعدها ان انا لم افعل۔ فیض فی الرمال وتمهید اثباج البحر ودعاء سمعته فی عسکرهم فی الهواء سحراً

تین چیزیں ایسی دیکھیں کہ ان کے بعد بھی مسلمان نہ ہوتا۔ تو مجھ کو مسخ ہونے کا اندیشہ تھا۔ اول تو بے آب وگیاہ میدان میں پانی کا ظاہر ہو جانا۔ دوسرے سمندر میں راستہ ہو جانا۔ تیسرے ایک دعا جو میں نے مسلمانوں کے لشکر میں صبح کے وقت آسمان کی طرف سے سنی۔

لوگوں نے کہا وہ دعا کیا تھی۔ کہا وہ دعا یہ ہے۔

اللهم انت الرحمن الرحیم۔ لا اله غیرك والبدیع لیس قبلك شیٔ والدائم غیر الغافل والحی الذی لا یموت وخالق ما یری وما لا یری وکل یوم انت فی شان وعلمت اللهم کل شیٔ بغیر تعلم

میں ان حالات کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ مسلمانوں کی اعانت وتائید میں ملائکہ کی شرکت اسی وجہ سے ہوتی کہ وہ حق پر ہیں۔

ہر شخص جس کے دل میں تھوڑا سا بھی انصاف اور سر میں عقل ہے سمجھ لیگا کہ مسلمانوں کی فتوحات اور معرکہ آرائی اور شجاعت ودلیری کے چشم دید واقعات نے ایسے عیسائی کو جو اپنے مذہب کا عالم اور راہب تھا مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کیا نہ مسلمانوں کی طرف سے اس کی تحریک ہوئی کہ وہ اسلام کو قبول کرے۔ وہ نہایت اطمینان قلب کے ساتھ اسلامی لشکر کے ہمراہ رہکر اپنے مذہب پر مضبوطی سے قائم رہا مسلمان ہوا تو صحابہ کے حالات اور تائید آسمانی کے واقعات دیکھکر کیا اس کے بعد بھی کسی

[لہ] وقد ذکر سیف بن عمر التمیمی انه کان مع المسلمین فی هذه المواقف المشاهد رجل من اهل ہجر راهب فاسلم حینئذ فقیل له ما دعاك الی الاسلام؟ فقال خشیت

کسی میں ہمت ہے جو یہ کہہ سکے کہ اشاعتِ اسلام بزور ہوئی ہے۔

مسلمانوں اور بالخصوص صحابہ کو اسلام کی حقانیت اور تائید آسمانی پر ایسا یقین تھا کہ اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہ تھی اُن کے دل میں یہ مضمون راسخ تھا کہ ہم حق پر ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی تائید ہمارے ساتھ ہی مگر تاہم یقین قلبی کیساتھ مشاہدہ عینی ملجاتا ہی تو اُسی یقین کو ترقی حاصل ہو کر اور بھی زیادہ قوت ہو جاتی ہی۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا حق تعالیٰ سے احیاء موتیٰ کی کیفیت دکھانیکی درخواست کرنا اور وہاں سے استفسار ہونے پر اَوَلَمْ تُؤْمِن (کیا تم احیاء موتی پر ایمان نہیں لائے) یہ عرض کرنا بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی (ایمان ضرور لایا ہوں لیکن میرا سوال اطمینان کے اس خاص درجہ کے حاصل ہونیکے واسطے ہی) ہمارے مدعا کا شاہد ہے۔

مسلمانوں پر اس چشم دید تائید آسمانی کا خاص اثر تھا۔ عفیف ابن المنذر خدا تعالیٰ کے اس احسان عظیم اور نعمت عظمیٰ کو اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

الم تران اللہ ذلل بحرہ	وانزل بالکفار احدی الجلائل
دعونا الذی شق البحار فجاءنا	باعجب من فلق البحار الاوائل

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے دریا کو مسخر کردیا اور کفار پر بڑی مصیبت نازل فرمائی ہم نے اس ذاتِ پاک سے دعا کی جس نے دریاؤں کو شق کیا تھا تو ہمارے لئے اُس سے بھی عجیب امر ظاہر ہوا جو پہلوں کے واسطے ظاہر ہوا تھا۔

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کے لئے دریا میں راستہ ہوگیا تھا ہمارے لئے اُس سے بھی عجیب امر ظہور پذیر ہوا۔

حضرت خالد کا ملک عراق میں داخل ہونا

مرتدین کے قصہ سے مطمئن ہوجانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خالد بن الولید اور عیاض بن غنمؓ کو ماموؔر فرمایا کہ عراق میں داخل ہوں خالد بن الولید عراق کی اسفل جانب سے اور عیاض اعلیٰ جانب سے اور دونوں حیرہ پر جاکر مل جاویں اور دونوں میں سے حیرہ پر جو پہلے پہنچیں وہی لشکر کے امیر ہوں گے۔ آپنے دونوں صاحبوں کو یہ بھی فرما دیا کہ تمہارے لشکر میں سے جو لوگ واپس ہونا چاہیں اُن کو اجازت دیدینا۔ اس اجازت کی بنا پر لشکر کا ایک حصہ واپس ہوگیا تو دونوں صاحبوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہماری امداد کیلئے کچھ لشکر بھیجا جائے آپ نے حضرت خالد کی امداد کے واسطے تنہا قعقاع بن عمرو تمیمی کو بھیجا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت خالد کے لشکر میں قلت ہے اور آپ تنہا ایک شخص کو اُن کی امداد کے واسطے بھیجتے ہیں۔ آپنے ارشاد

۵۱ کان ابوبکر قد عهد الی خالد بن الولید ان یاتی العراق من سفل منها والی عیاض ان یاتی العراق من فوقها وایکما سبق الی الحیرة فهو امیر علی الحیرة فاذا اجتمعتما بالحیرة انشاء الله وقد فضضتما مسالح ما بین العرب وفارس وامنتم ان یؤتی المسلمون من خلفهم فلیقم بالحیرة احد کما ولیقتحم الآخر علی القوم وجالدوهم عما فی ایدیهم واستعینوا بالله واتقوه وآثروا امر الآخرة علی الدنیا یجتمعا لکم ولا تؤثروا الدنیا فتسلبوهما واحذروا ما حذرکم الله بترک المعاصی ومعاجلة التوبة وایاکم والاصرار وتاخیر التوبة فاتی خالد علی ماکان امر به ونزل الحیرة - طبری صفحہ ۲۰۱ ج ۴

فرمایا کہ جس لشکر میں قعقاع جیسا ایک شخص بھی ہو وہ کبھی مغلوب نہیں ہو سکتا۔ اور عیاض بن غنم کی امداد کیلئے عبد بن غوث حمیری کو بھیجا۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فراست تھی اور یہ مسلمانوں کے افراد کا ایمان کامل تھا۔

حیرہ کا بطور صلح فتح ہونا

ملک عراق میں داخل ہونے کے لئے حیرہ بطور دروازہ کے تھا۔ بادشاہان فارس کی طرف سے حیرہ پر بڑا حاکم رہتا تھا اور حیرہ کے انجام پر تمام گردو نواح کے شہروں اور قصبات کا مدار تھا۔ اکثر اطراف کے چودھری اسی انتظار میں تھے کہ حیرہ کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے اہل حیرہ نے صلح کر لینی چاہی اور گفتگوئے مصالحت کیواسطے ایاس بن قبیصہ اور عمرو بن عبدالمسیح عیسائی حضرت خالد کی خدمت میں حاضر ہوئے عمرو بن عبدالمسیح کی عمر کئی سو سال کی تھی اور اُس کا لقب ابن بقیلہ تھا۔ (عربی میں سبزی اور ترکاری کو بقل کہتے ہیں بقیلہ اُس کی تصغیر ہے۔ عبدالمسیح ایک موقعہ پر سبز چادریں اوڑھے ہوئے آیا تھا لوگ اس کو ابن بقیلہ کہنے لگے۔

عمرو بن عبدالمسیح جب حضرت خالدؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا تمہاری عمر کتنی ہے کہا کئی سو سال کی۔ آپ نے فرمایا تم نے سب سے زیادہ عجیب بات کیا دیکھی۔ کہا حیرہ اور دمشق کے درمیان متصل آبادی تھی۔ ایک گاؤں دوسرے گاؤں سے ملا ہوا تھا۔ ایک تنہا عورت سفر کرتی تھی اور اسکو ایک روٹی کے سوا کسی قسم کے توشہ اور زاد راہ کی ضرورت ہوتی تھی۔ حضرت خالدؓ نے ہنس کر اُس کے ساتھیوں سے فرمایا کہ تم ایک ایسے شخص کے ذریعہ سے گفتگو کرنا چاہتے ہو جس کی عقل و حواس درست نہیں رہے وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ کہاں سے آیا ہے۔ ابن بقیلہ نے سنکر حضرت خالدؓ سے گفتگو کی اور اُن کے ہر سوال کا معقول جواب دیا۔ جس پر آپ کو یقین ہو گیا کہ اس کے حواس بالکل درست ہیں اور یہ جو کچھ اپنی عمر اور تجربہ کے متعلق کہتا ہے صحیح ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ القوم اعلم بما فیھم (قوم اپنے اندرونی حال کو زیادہ جانتی ہے)

عمرو بن عبدالمسیح کے خادم کے ساتھ ایک تھیلی میں زہر تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ کیا ہے اور کیوں ساتھ لیا ہے اُس نے جواب دیا کہ یہ سم ساعۃ (فی الفور ہلاک کرنیوالا زہر) ہے اور یہ اسلیئے ساتھ لایا تھا کہ اگر میں تم لوگوں کے حالات ایسے نہ دیکھتا جواب دیکھ رہا ہوں تو میں اپنی قوم کے واسطے کسی مکروہ بات کا واسطہ اور ذریعہ نہ بنتا بلکہ زہر کھا کر ہلاک ہو جاتا۔ حضرت خالدؓ نے زہر کو اپنی ہتھیلی پر

رکھ کر فرمایا کہ کوئی شخص اجل معین سے پہلے نہیں مرتا اور نہ کوئی چیز بلا حکم خدا اثر کرتی ہے اور یہ کہہ کر آپ نے یہ دعا پڑھی۔ باسم اللہ خیر الاسماء ورب الارض والسماء الذی لا یضر مع اسمہ داء الرحمن الرحیم اور زہر نگل لیا۔

ابن بقیلہ نے گو ایک حیرت انگیز اور تعجب خیز بات دیکھی تھی مگر وہ خود عالم اور تجربہ کار تھا اس نے حضرت خالدؓ سے کہا کہ واللہ لتبلغن ما اردتم ما دام احدٌ منکم ھکذا (قسم ہے خدا کی تم میں ایک بھی جبتک ایسا رہیگا تم اپنی مراد کو پہنچتے رہو گے)

اور پھر اس نے اہل حیرہ کو مخاطب کرکے کہا کہ میں نے آجتک کوئی ایسی واضح اور روشن بات نہیں دیکھی۔ اس کے بعد ابن بقیلہ نے حضرت خالد سے ایک سالانہ محصول معین کرکے صلح کرلی کہ اہل حیرہ کی جان و مال کی محافظت مثل مسلمانوں کے کی جاوے گی۔

اہل حیرہ کے ساتھ صلح ہونا تھا کہ تمام گرد و نواح کے چودھریوں اور نمبرداروں نے اپنے اپنے علاقہ کی طرف سے صلح کرلی۔

عمرو بن عبد المسیح خود اہل کتاب میں کا بڑا عالم تھا اور صدہا سال کے تجربہ نے اس کو کامل و مکمل بنا دیا تھا۔ اس کو حضرت خالد کی گفتگو سننے اور مسلمانوں کے حالات بچشم خود دیکھنے سے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ قوم حق پر ہے اُن کا غلبہ ضرور ہوگا اور حضرت خالد کے اس قوت ایمانی اور توکل نے کہ بلا اندیشہ ایسے سخت زہر کو نگل لیا اور اس کا اثر کچھ بھی ظاہر نہ ہوا اس کے علم کو درجۂ عین الیقین تک پہنچا دیا۔ اس نے بلا تامل صلح کرکے اپنے آپ کو اور اپنی قوم کو ہر قسم کی آفات اور مصیبتوں سے بچا لیا۔ لیکن باایںہمہ مسلمانوں کی طرف سے ادنیٰ تحریک بھی اس امر کی نہ ہوئی کہ جب تم کو ہماری حقانیت کا یقین ہے تو مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے۔ اس معاملہ میں انکو انکے اختیار پر چھوڑا۔ ہدایت و ضلالت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اہل حیرہ مسلمان نہ ہوئے بلکہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد اس صلح کو خود توڑا مگر حضرت مثنیٰ نے دوبارہ اُن سے صلح کرلی لیکن انھوں نے مکرر اس صلح کو توڑ دیا جبپر حضرت سعد بن ابی وقاص نے محصول کی مقدار بڑھا کر پھر صلح کرلی اور لشکر اسلام نے باوجود مکرر نقض عہد کے اپنی طرف سے کوئی زیادتی نہ کی۔

اجنادین کا عجیب واقعہ	اجنادین ملک شام میں بہت بڑا شہر ہے اس جگہ مسلمانوں اور رومیوں

الی المدینۃ من العراق وکان خالد صالح اہل الحیرۃ علی ان یکونوا عیونا ففعلوا۔ طبری صہ ج ۴

میں بڑا معرکہ ہوا۔ ہرقل کا حقیقی بھائی لشکر روم کا سپہ سالار تھا مسلمانوں کا لشکر یہاں جمع ہوگیا تو سپہ سالار روم نے ایک عربی شخص کو اس غرض کے لئے بھیجا کہ مسلمانوں کے لشکر میں رہکر انکی اصلی حالت کی خبر لاوے یہ شخص چونکہ خود عربی تھا مسلمانوں میں آملا۔ اور ایک رات دن رہ کر ان کے شب و روز کے حالات دیکھے۔ راتوں کو تہجد گزاری اور تلاوتِ کلام الٰہی کرتے دیکھا ہر شخص کو دیکھا کہ بلا تصنع و تکلف عبادت میں مشغول ہے۔ ایک دوسرے کا باہمی معاملات میں نہایت صفائی سے برتاؤ ہے۔ ہر شخص امیر کے حکم کا دل وجان سے مطیع و فرمانبردار ہے۔ یہ حالات دیکھکر واپس ہوا۔ سپہ سالار روم نے پوچھا کہو کیا دیکھا۔ اُسنے کہا،

بالليل رهبان و بالنهار فرسانٌ۔ ولو سرق ابنُ ملكهم قطعوه ولو زنى رُجِمَ لاقامة الحق فيهم۔

یہ لوگ رات کو راہب اور عابد ہیں۔ اور دن میں بہادر شہسوار اگر ان کے بادشاہ کا بیٹا بھی چوری کرے تو ہاتھ کاٹ ڈالیں اور اگر زنا کرے تو رجم کردیں۔ حق کے جاری کرنے میں کسی کی رعایت نہیں ہے۔

سپہ سالار نے سنکر کہا۔

ان كنت صدقتني لبطن الارض خير من لقاء هولاء۔

اگر تونے سچ بیان کیاہے تو زمین کے اندر اُترجانا اس سے بہتر ہے کہ اُن لوگوں سے مقابلہ کیا جائے۔

صحابہ کے یہی حالات تھے جن کو دیکھ کر ہر مخالف شخص بھی متاثر اور اسلام کی حقانیت کا قائل ہوجاتا تھا۔ ہزار عقلی دلائل کا یہ اثر نہیں ہوسکتا تھا نہ معرکہ آرائیوں میں دادِ شجاعت دینے سے صداقت اسلام کا ایسا سکہ بیٹھ سکتا تھا۔ اور یہی ہمارا دعویٰ تھا کہ اسلام کی اشاعت کا سبب صحابہ رضی اللہ عنہم کے فیض صحبت اور اُن کے اخلاق و عبادات و معاملات کا مشاہدہ تھا۔ مگر باوجود ان واضح دلائل کے دیکھنے اور اسلام کی صداقت کا یقین قلبی حاصل ہوئے کے سپہ سالار مسلمان نہ ہوا۔ کیونکہ توفیق الٰہی شاملِ حال نہ تھی۔

میدان یرموک میں جرجہ کا مسلمان ہونا

اور میدان یرموک میں عین معرکہ کے وقت جرجہ جو رومی لشکر کے مقدمۃ الجیش کا سپہ سالار تھا خود بخود آکر مسلمان ہوگیا۔ یرموک کے میدان میں جب فریقین کی جانب سے پوری طرح صف آرائی ہوچکی تو جرجہ اپنی صف سے نکل کر درمیان میں آیا اور حضرت خالد بن الولید سپہ سالار لشکر اسلام کو آواز دی۔ حضرت خالد تشریف لائے اور جرجہ کے

متصل اسی طرح کھڑے ہوگئے کہ دونوں کے گھوڑوں کی گردنیں مل گئیں۔ ایک نے دوسرے کو امن دیدیا۔ جرجہ نے گفتگو شروع کی اور کہا کہ میں آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں مجھ کو سچّا جواب بلا کسی قسم کے دھوکے کے عنایت فرمایئے کیونکہ شریف آدمی جھوٹ نہیں بولتا

حضرت خالدرضؓ نے فرمایا دریافت کرو میں جواب دونگا۔

جرجہ۔ کیا اللہ نے تمہارے نبیؐ پر کوئی تلوار نازل فرمائی ہے اور نبی نے وہ تلوار تم کو دی ہے کہ جب اُس سے دشمن پر حملہ کرتے ہو اُن کو ہزیمت ہوجاتی ہے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدرضؓ کو سیف اللہ (یعنی خدا کی تلوار) لقب عطا فرمایا تھا)۔

حضرت خالدؓ۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی تلوار نازل نہیں فرمائی۔

جرجہ۔ پھر آپ کا نام "سیف اللہ" کیوں ہوا۔

خالدؓ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے سچے نبیؐ کو ہماری طرف بھیجا اوّل تو ہم سب اُن سے علحدہ رہے اور پھر بعض نے اُن کی تصدیق کی اور بعض نے تکذیب کی۔ میں بھی اُنہیں جھٹلانے والوں اور مخالفوں میں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے دلوں کو پھیر دیا اور ہدایت کی۔ میں ایمان لے آیا۔ آپ نے مجھے سیف اللہ کا خطاب عطا فرمایا اور میرے لئے نصرت وکامیابی کی دعا فرمائی اُس روز سے میرا نام "سیف اللہ" ہوگیا۔

جرجہ۔ یہ تو آپ نے صحیح صحیح بتلادیا۔ اب یہ فرمایئے کہ تم ہمیں کس چیز کی طرف بلاتے ہو اور کس بات کی دعوت دیتے ہو۔

خالدؓ۔ ہم اس بات کی طرف بلاتے ہیں کہ کلمۂ شہادت پڑھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو احکام لائے ہیں اُن کو تسلیم کرو۔

جرجہ۔ لیکن اگر کوئی اس بات کو نہ مانے۔

خالدؓ۔ تو وہ محصول ادا کرے اور مسلمانوں کے امن میں آجائے مسلمان اُس کے جان و مال کی ایسی ہی حفاظت کریں گے جیسی اپنی کرتے ہیں

جرجہ۔ اگر وہ اُس کو بھی نہ مانے۔

خالدرضؓ تو ہم اوّل اُس کو مخالفت اور لڑائی کی اطلاع کریں گے اور اُس کے بعد اُس سے

لڑائی کریں گے۔

جرجہ۔ اگر کوئی تمہارے کہنے کو مان لے اور اسلام قبول کرلے[1]۔

خالدؓ۔ ایسا شخص ہمارے مساوی ہوجاتا ہے اُس کے حقوق ہمارے حقوق کی برابر ہیں اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں۔ اُن میں اوّل اور آخر ادنیٰ و اعلیٰ شریف غیر شریف سب برابر ہیں۔

جرجہ۔ یہ بات تو مستبعد ہے کہ وہ شخص تمہاری برابر ہوجائے۔ تم لوگ مقدم اور اسلام کی طرف سبقت کرنے والے ہو۔

خالدؓ۔ یہ صحیح ہے کہ ہم سابق ہیں۔ مگر ہم نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھوں سے دیکھا فیض صحبت اُٹھایا۔ معجزات دیکھے۔ آپ کی خدمت میں تمام اُمور کا مشاہدہ کیا۔ ایسی اُمور دیکھ کر ہمارا مسلمان ہوجانا کچھ زیادہ افضلیت کی بات نہیں۔ جو شخص بھی ایسے حالات کا مشاہدہ کرے گا وہ بصدق دل ایمان لے آویگا۔ ہاں جن لوگوں نے نہ یہ حالات دیکھے نہ فیض صحبت اُٹھایا اور نہ اُن عجائب اُمور کا مشاہدہ کیا وہ سچے دل سے دائرۂ اسلام میں داخل ہونگے تو ہم سے افضل ہونگے۔

جرجہ۔ بیشک آپ نے صحیح فرمایا۔

اس صاف اور بے لوث گفتگو نے جرجہ کو مسخر کرلیا اور وہ بجائے اسکے کہ مقابلہ کرتے حضرت خالدرضؓ سے اس امر کے خواہشمند ہوئے کہ مجھ کو اسلام کی تلقین کیجائے۔ حضرت خالدرضؓ انکو اپنے خیمہ میں لیگئے اور غسل کے بعد دو رکعتیں پڑھوائیں وہی قلب جو اسلام کے بغض سے پُر تھا مسخر ہوکر محبت خدا و رسول سے مالامال ہوگیا۔ جرجہ اُسی وقت تیغ بکف بیرون میدان کارزار میں واپس ہوکر شہید ہوگئے۔

حضرت خالدؓ کی گفتگو اسلامی احکام کا سچا فوٹو تھا۔ فی الحقیقت اسلام کے احکام ایسے ہی صاف اور بے لوث ہیں اُن میں جبر و اکراہ تو کجا۔ عدل و انصاف اور سیاست و تمدن کے قوانین میں حاکم رعیت۔ فاتح مفتوح۔ مسلم غیر مسلم۔ سب برابر ہیں۔ اسلام یا مسلمانوں پر یہ الزام لگانا کہ اسلام کی اشاعت میں سوا اُس کی صداقت اور حقانیت کے کسی دوسرے سبب سے کام لیا گیا ہے سراسر ظلم و ناانصافی ہے۔

[1] ثم اعاد علیہ جرجۃ ہل لمن دخل فیکم الیوم یا خالد مثل ما لکم من الاجر والذخر قال نعم وافضل قال وکیف یساویکم وقد سبقتموہ قال انا دخلنا فی ہذا الامر وبایعنا نبینا ... وہو لم تخادعنی ولم تمالئنی قال باللہ لقد صدقتک ما بی الیک ولا الی احد منکم وحشۃ۔ وقال علمنی الاسلام فمال بہ خالد الی فسطاطہ فشن علیہ قربۃ من ماء ثم صلی رکعتین

حضرت سعد بن ابی وقاص عراق کو فتح کر کے قادسیہ کے عظیم الشان معرکہ سے کامیابی کے ساتھ فارغ ہو چکے تو دار السلطنت فارس یعنی مدائن کا قصد فرمایا۔	بہرہ شیر اور مدائن کا فتح ہونا لشکر اسلام کا دجلہ کو بحالت طغیانی عبور کرنا۔

مدائن درحقیقت تو چند بستیوں کا نام تھا جو بادشاہان فارس نے یکے بعد دیگرے اپنے اپنے نام سے آباد کی تھیں۔ مگر اسوقت مدائن اُن میں سے خاص بستی کا نام ہو گیا۔ جسکی فتح پر بوجہ اُسکے دار السلطنت ہونے کے فارس کے انجام کا مدار تھا۔ اُس میں وہ قصر ابیض بھی تھا جس کے مفتوح ہونے کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے تھے۔ باقی بستیوں کے نام جدا جدا تھے اُنہیں میں سے ایک کا نام بہرسیر بھی تھا۔

دجلہ کی جانب شرق میں مدائن واقع تھا جسکو مدائن قصویٰ بھی کہتے تھے اور جانب غرب بہرسیر تھا جسکو مدائن دنیا کہتے تھے۔ دنیا کے معنے قریب تر کے ہیں چونکہ مسلمان دجلہ کی جانب غرب سے آرہے تھے اس لئے اوّل ان کے راستہ میں بہرسیر پڑتا تھا اور اسی وجہ سے اُسکو مدائن دنیا کا لقب دیا گیا۔ اور مدائن دوسرے کنارے پر تھا اس لئے اُس کو مدائن قصوے (یعنی بعید) کے نام سے نامزد کیا گیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ دجلہ کی جانب کو فتح کرتے ہوئے بہرسیر تک پہنچ گئے اور دجلہ کی جانب غرب میں سرزمین عرب تک جسقدر ملک فارس کا تھا سب مسلمانوں کی اطاعت میں داخل ہو گیا صرف بہرسیر رہ گیا جسکا محاصرہ دو ماہ تک کرنا پڑا۔ محصورین نے محاصرہ کی سختیوں سے تنگ آکر حضرت سعدؓ کی خدمت میں پیام صلح بھیجا کہ جسقدر ملک فتح ہو چکا ہے وہ مسلمانوں کے قبضہ میں رہے اور جو فتح نہیں ہوا وہ ہمارے لئے چھوڑ دیا جائے قاصد نے یہ پیام سُنایا لیکن حضرت سعدؓ جواب دینے نہ پائے تھے کہ ایک مسلمان نے بڑھکر کچھ جواب دیا۔ حضرت سعدؓ نے اُس سے پوچھا کہ تم نے کیا جواب دیا اُس شخص نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں بے اختیاری طور پر میری زبان سے کچھ الفاظ نکلے جنکو میں بھی نہیں سمجھا مگر قاصد کی زبانی یہ جواب سنکر گورنر نے بہرسیر کو خالی کر دیا۔ بہرسیر میں صرف ایک شخص رہ گیا جس نے آکر شہر کے خالی ہونے کی اطلاع دی۔ اُس سے پوچھا گیا کہ کس وجہ سے شہر خالی کر دیا گیا۔ کہا کہ

[illegible] ... طبری [illegible]

کذالک ما ہذا الاشئ الذی علی فی ہذا الرجل الیعنی فانزروا الی المدینۃ القصویٰ۔ طبری صفحہ ۱۶۹ ج ۴

پیام صلح کے جواب میں ایک مسلمان نے یہ جواب دیا کہ ہم ہرگز صلح نہ کریں گے جب تک افریدون کے شہد کو کوثی کے لیمو کے ساتھ نہ کھالیں گے۔ اس جواب کو سنکر بہر سیر کے گورنر نے کہا کہ اِن لوگوں کی طرف سے تو فرشتے جواب دیتے ہیں اِن سے مقابلہ کی کیا صورت ہو۔

لشکر اسلام جس درجہ اپنے امیر کا مطیع تھا اُس کی نظیر کسی قوم میں ملنا دشوار ہے ناممکن تھا کہ سپہ سالار سے پیش قدمی کرکے کوئی معمولی سپاہی جواب دے سکتا۔ پھر یہ تائید آسمانی نہیں تھی تو کیا تھی کہ ایک مسلمان کی زبان سے بلا سمجھے بوجھے کچھ الفاظ نکلتے ہیں اور اُن کا یہ اثر پڑتا ہے کہ ذمہ دار والئی ملک شہر کو مسلمانوں کے حوالہ کرکے چلا جاتا ہے۔

گورنر بہر سیر معہ رعایا اور لشکر کے مدائن چلا گیا۔ اور اب مسلمانوں کو مدائن کی فکر ہوئی۔ اہل فارس نے ساحلِ دجلہ پر سے کشتیاں وغیرہ سب اُٹھا دیں اور عبورِ دجلہ کی کوئی صورت باقی نہ رہی کثرتِ باراں کی وجہ سے امسال عموماً دریاؤں میں طغیانی زیادہ تھی۔ حضرت سعدؓ اسی فکر میں تھے کہ دجلہ میں طغیانی اور زیادہ آگئی اور اُس کے پھیلاؤ اور زور شور کا انتہا نہ رہا۔ مسلمان یہ حالت دیکھکر حیران تھے۔ اسی اثناء میں حضرت سعدؓ نے خواب دیکھا[1] کہ مسلمان دجلہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ اِس خواب نے آپ کو اس جانب متوجہ کر دیا۔ اور آپ نے لشکر کو جمع کرکے فرمایا کہ "دشمن نے دریا کی طغیانی میں پناہ لے رکھی ہے تم اُسپر حملہ نہیں کر سکتے۔ اور وہ جب چاہے حملہ کر سکتا ہے میری رائے یہ ہے کہ اس سے قبل کہ دنیا تم پر غالب آجائے اور اسمیں ملوث ہونے سے تمہارے حالات بدل جائیں۔ صدق و اخلاص میں کمی آجائے۔ اللہ کیواسطے کچھ کام کرلو۔ میں تو عزم مصمم کر چکا ہوں کہ اللہ کے بھروسہ پر گھوڑوں کو دریا میں ڈالدوں اور اسی حالت میں عبور کروں"۔ آپ کا لشکر کل سواروں کا تھا پیادہ پا اُن میں کوئی نہ تھا سب نے بطیب خاطر جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے عزم میں برکت عطا فرمائے ہم سب مطیع اور تیار ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ کچھ سوار ہم سے آگے جاکر پرلے کنارہ پر قابض ہو جائیں۔ عاصم بن عمرو ذوالباس چھ سو (۶۰۰) سواروں کو لیکر دجلہ میں داخل ہوئے۔ کنارہ کے قریب اہل فارس نے مزاحمت کی مگر وہ ہٹا دیئے گئے اور کنارہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ حضرت سعدؓ نے حکم دیا کہ کل لشکر دریا میں داخل ہو جائے اور یہ کلمات دعائیہ ورد زبان رکھے۔

[1] فرای رؤیا ان خیول المسلمین قد اقتحمتہا فعزم لتاویل رؤیاہ علی العبور فجمع سعد الناس فحمد اللہ واثنیٰ علیہ و قال ان عدوکم قد اعتصم منکم بہذا البحر فلا تخلصون .... الخ وان دجلۃ لترمی بالزبد وانہا لمسودۃ وان الناس لیتحدثون عن اللہ و نتوکل علیہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وتلاحق عظم الجند فرکبوا۔ الخ

نستعین باللہ ونتوکل علیہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل واللہ لینصرن اللہ ولیہ ولیظھرن دینہ ولیھزمن عدوہٗ ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔	ہم اللہ سے مدد چاہتے اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اللہ کافی ہے اور وہ اچھا وکیل ہے۔ قسم ہے خدا کی اللہ اپنے دوست کو فتح دیگا اور اپنے دین کو غالب کریگا اور دشمن کو ہزیمت دیگا۔ سوائے اللہ کی مدد کے کسی میں قوت نہیں

عبور کرتے وقت لشکر کی ترتیب اس طرح دی گئی تھی کہ دو دو مسلمان باہم ملے ہوئے اور باتیں کرتے ہوئے جائیں۔ حضرت سعدؓ کے رفیق حضرت سلمان فارسیؓ تھے۔ حضرت سعدؓ بار بار فرماتے جاتے تھے۔

واللہ لینصرن اللہ ولیہ ولیظھرن دینہ ولیھزمن عدوہ مالم یکن فی الجیش بغی او ذنوب تغلب الحسنات	قسم ہے خدا کی اللہ اپنے دوست کی مدد کریگا۔ اور اپنے دین کو غالب کریگا اور دشمن کو مغلوب کریگا جب تک کہ لشکر میں ظلم و گناہوں کی کثرت نہ ہو۔

حضرت سلمان رضؓ نے فرمایا کہ اسلامی لشکر جس طرح داخل ہوا ہے اُسی طرح صحیح و سالم پار ہوگا ایسا ہی ہوا کہ ساٹھ ہزار اسلامی شہسوار دجلہ پر پھیلے ہوئے اس طرح بے تکلف باتیں کرتے جاتے تھے گویا باغ کی روشوں پر تفریح کے لیے چہل قدمی کر رہے ہیں۔ نہ کوئی شخص دریا میں ڈوبا نہ کسی کی کوئی چیز ضائع ہوئی۔ البتہ ایک شخص غرقدہ نام گھوڑے سے پانی میں گرے۔ مگر اُنکے رفیق قعقاع نے فوراً نکال لیا۔ ایک سوار کا پیالہ دریا میں گرگیا۔ (چونکہ بجز ان کے کسی کی چیز ضائع نہ ہوئی تھی اُنپر ایک قسم کے طعن کا موقعہ تھا) اُن کے رفیق نے بطور طعن اور مذاق کے کہا۔

اصابہ القدر فطاح۔ (تقدیر نے اُس کو اڑا دیا) اُس شخص نے کہا۔

واللہ انی لعلی حالۃ ماکان اللہ لیسلبنی قدحی من بین اھل العسکر۔	قسم ہے خدا کی میں ایسے حال میں ہوں کہ لشکر بھر میں صرف میرا پیالہ کبھی سلب نہ کیا جائیگا۔

اللہ اکبر اس شخص کا صدق و اخلاص کس درجہ پر تھا کہ پیالہ تو دریا میں گرگیا موج اُس کو بہا کر لے گئی۔ مگر اس اللہ کے بندے کے اطمینان میں فرق نہیں آتا وہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ میرا پیالہ کبھی ضائع نہ ہوگا۔ اور ہُوا بھی ایسا ہی۔ لشکر دریا پار ہو چکا تو موج نے اُس پیالہ کو کنارہ پر پہنچا دیا۔ ایک شخص نے اُٹھا لیا اور مالک نے پہچان کر لے لیا۔

دجلہ کو ایسی طغیانی کی حالت میں ساٹھ ہزار سواروں کا اطمینان وسکون کے ساتھ باہم گفتگو کرتے ہوئے طے کر لینا اور کسی کی جان ومال کا نقصان نہ ہونا کچھ کم عجیب بات نہ تھی۔ بیشک اسلام کی کھلی کرامت اور اس کے دین آسمانی ہونے کی پوری شہادت تھی۔ مگر اس سے بھی زیادہ حیرت میں ڈالنے والی یہ بات تھی کہ دریا کے زور شور میں تیرتے ہوئے جو گھوڑا تھک جاتا اُس کے آرام کرنے کے لئے اُسی جگہ پانی میں ٹیلہ ظاہر ہو جاتا تھا جس پر کھڑے ہو کر گھوڑا سستا لیتا اور تھکن اُتار لیتا تھا۔ قریب قریب تمام گھوڑوں کو ایسا اتفاق ہوا۔ اسی وجہ سے اس دن کا نام تواریخ عرب میں یوم الماء اور یوم الجراثیم رکھا گیا۔

اگرچہ گھوڑے دریا میں تیر سکتے ہیں مگر اتنے گہرے دریا کو جس میں معمولی حالت میں جہاز چلتے ہوں بے انتہا جوش وطغیانی کی حالت میں اور جبکہ اُس کا عرض میلوں کا ہو رہا ہو طے کر لینا گھوڑوں کی طاقت سے بالکل خارج اور عادت کے بالکل خلاف تھا۔ جن لوگوں نے ہندوستان میں گنگا جمنا اور دریائے سندھ وغیرہ دریاؤں کو برسات کی طغیانی میں دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ ایسے وقت اُن کو گھوڑوں یا ہاتھیوں کے ذریعہ سے عبور کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اہل مدائن نے اس خارج از عقل وقیاس حالت کو دیکھا تو شہر خالی کر کے چلدیئے مگر ممکن ہے کہ کوئی ہٹ دھرم اب بھی کج بحثی کر کے اس روشن کرامت اور واضح دلیل کو مٹانا چاہے۔

لیکن اس امر کو کہ جہاں ضرورت ہوئی دریا میں ٹیلا ظاہر ہو گیا اور گھوڑے زمین پر کھڑے آرام کرنے لگے کسی سبب ظاہری سے متعلق نہیں کر سکتا اور اُسکو بجز اقرار کرامت اسلام وتائید آسمانی کوئی چارہ نہیں ہے۔ اس عجیب وغریب تائید آسمانی کو نافع بن الاسود ان اشعار میں بیان کرتے ہیں ؎

وا ملنا علی المدائن خیلاً	بحرھا من برھن ار یضا

ہم نے مدائن پر گھوڑوں کو جھکا دیا کہ مدائن کا دریا اُنکے واسطے میدان کی طرح خوشنما تفریح کی جگہ تھی

فانتثلنا خزائن المرء کسری	یوم ولوا وحاص منا جریضا

پھر ہمنے کسریٰ کے خزانوں کو نکال لیا جبکہ اُن لوگوں نے پشت پھیری اور کسریٰ مغموم ہو کر ہم سے بھاگا

مال غنیمت کی فراہمی	مدائن سے جسقدر مال غنیمت حاصل ہوا اُس سے قبل کسی معرکہ میں

نہ ہوا تھا۔ کروڑوں روپیہ کے اسباب کو اور خاص اُس سونے اور چاندی اور جواہرات سے بنے ہوئے فرش کو (جو کسریٰ کے لئے مخصوص درباروں اور دوسرے طرب ونشاط کے جلسوں میں بچھایا جاتا تھا جسکو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے لشکر سے اجازت لیکر امیر المومنین کی خدمت میں مدینہ منورہ بھیجدیا تھا اور جس کے ایک بالشت مربع ٹکڑے کی قیمت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بیس ہزار ملی تھی) مستثنیٰ کر کے ساٹھ ہزار سواروں کو فی کس بارہ ہزار حصہ ملا تھا۔ اہل فارس نہایت بدحواسی کے ساتھ بھاگے تھے اُنکے بیش قیمت مال ومتاع کو جابجا جنگلوں راستوں اور متفرق مقامات سے جمع کیا گیا۔ بہت سا مال تعاقب کی حالت میں ہاتھ آیا۔

عمرو بن مقرن صاحب اقباض[1] مقرر کئے گئے جس کو جہاں سے کوئی چیز ملتی تھی صاحب اقباض کے حوالہ کرتا تھا۔ ایسی حالت میں کسی چیز کا ضائع ہونا یا کسی میں کچھ تصرف کا ہوجانا مستبعد نہ تھا مگر نہ کوئی چیز ضائع ہوئی نہ کسی میں کچھ تصرف ہوا۔

نہروان کے پل پر چند اہل فارس کو دیکھا کہ ایک خچر کو جسپر دو صندوق لدے ہوئے تھے تیزی کے ساتھ دھکیلتے ہوئے لئے جاتے تھے۔ مسلمان سمجھ گئے کہ ضرور اسمیں کچھ قیمتی سامان ہے۔ اُنکو چھین کر صاحب اقباض کے حوالہ کیا۔ دیکھا تو اُن میں کسریٰ کا وہ نہایت قیمتی تاج تھا جو کسی عظیم الشان دربار کے موقع پر زیب سر ہوتا تھا۔

ایک شخص نے بڑا ڈبہ جواہرات کا صاحب اقباض کے حوالہ کیا جسکو دیکھ کر اُنھوں نے اور اُن کے عملہ نے فرمایا کہ ہم نے اب تک ایسی یا اس کے لگ بھگ کوئی چیز نہیں دیکھی اور جو مال اسوقت تک فراہم ہوچکا ہے وہ سب ملکر اس کی برابر نہیں ہے۔ صاحب اقباض نے اُس شخص سے پوچھا کہ تم نے اُس میں سے کچھ لیا ہے۔ اُنھوں نے قسم کھا کر کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہوتا تو میں اُس ڈبہ کو تمہارے پاس تک نہ لاتا۔ صاحب اقباض نے دریافت کیا کہ تمہارا نام کیا ہے جواب دیا "میں تم کو اپنا نام بھی نہ بتلاؤں گا کہ تم خواہ مخواہ میری شکر گزاری اور تعریف کرو۔ میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اُسی سے ثواب کا متوقع ہوں کہ اُس نے مجھے توفیق دی" یہ کہکر وہ شخص چلا گیا۔ صاحب اقباض نے اس کے پیچھے ایک آدمی کو بھیجا کہ لوگوں سے دریافت

[1] صاحب اقباض کا کام مال غنیمت کو یکجا محفوظ کرنا اور اُس کی فہرستیں مرتب کرنا تھا۔

واللہ لا اخبرکم فتحمدونی ولا غیرکم فیقرظونی ولکنی احمد اللہ وارضی بثوابہ فاتبعوہ رجلا حتی انتہی الی اصحابہ فسأل عنہ فاذا ہو عامر بن عبد قیس طبری ص ۱۴۶ ج ۴

کرے یہ کون شخص ہے۔ پوچھنے سے معلوم ہوا کہ ان کا نام عامر بن قیس ہے۔ حضرت سعدؓ کو اس سارے واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے مسرت کے ساتھ فرمایا۔

واللہ ان الجیش لذو امانۃ ولو لا ما سبق لاھل بدر رضی اللہ عنھم لقلت انھم علیٰ فضل اھل بدر۔

خدا کی قسم یہ لشکر نہایت امین ہے اور اگر اہل بدر کی افضلیت ثابت نہ ہو چکتی تو میں کہتا کہ یہ بھی اُن کی برابر ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

والذی لا الہ الا ھو ما اطلعنا علی احد من اھل القادسیۃ انہ یرید الدنیا مع الآخرۃ فلقد اتھمنا ثلاثۃ نفر فما رأینا کما اتھمو و زھدھم وھم طلیحۃ وعمرو بن معدیکرب وقیس بن المکشوح۔

قسم ہے اُس ذات کی جس کے سوائے کوئی معبود نہیں ہم نے قادسیہ کے لشکر میں سے کسی ایک کو بھی یہ نہ سمجھا کہ وہ آخرت کے ساتھ دنیا کا طالب ہے۔ تین شخصوں کی نسبت گمان تھا مگر تحقیق کے بعد اُنکا سا زہد و امانت ہمنے کسی میں نہ دیکھا وہ تین شخص طلیحہ اور عمرو بن معدیکرب اور قیس بن المکشوح تھے۔

یہ تینوں صاحب وہی تھے جو فوری جوش میں مرتدین کے ساتھ مل گئے تھے مگر پھر مسلمان ہو گئے۔ اُن پر بدگمانی بے موقع نہ تھی۔ مگر ایمان چونکہ اُن کے اندر قدم جما چکا تھا اس لئے ان کے اندر بھی وہ ہی اوصاف پائے گئے جو دوسرے راسخ الایمان حضرات میں تھے۔

مدائن کا فاتح وہی لشکر ہے جو ابھی حضرت سعدؓ کی ماتحتی میں قادسیہ میں داد شجاعت دیکر اور جوہر ایمانی دکھلا کر رستم کا خاتمہ کر کے آیا تھا۔ اسی وجہ سے حضرت جابرؓ اس لشکر کو اہل قادسیہ سے تعبیر فرماتے ہیں۔

ساٹھ ہزار لشکر اور ایسا بے انتہا مال غنیمت کہ خُمس نکالنے اور قیمتی اسباب علیحدہ کرنے کے بعد فی کس بارہ ہزار درہم نقد حصہ ملا اور یہ بے تعداد دولت بازاروں۔ جنگلوں۔ بھاگتے ہوئے لوگوں سے جمع کی گئی اور اُس میں سے ایک شے میں بھی نہ خیانت ہوئی نہ کوئی چیز گم ہوئی۔ اسمیں شک نہیں کہ ایسے پاک افراد کے اجتماع کی جن کو بمقابلہ ثواب آخرت دنیا کی طمع ذرہ بھر بھی نہ تھی کیا کسی جگہ نظیر مل سکتی ہے۔ اِس سے زیادہ اُن کی بے لوثی اور دنیا سے بے لاگ ہونے کی دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ

حضرت جابرؓ حلف شدید کے ساتھ اُن کے طالب دنیا ہونے کی نفی فرماتے ہیں اور حضرت سعدؓ اُن کو اہلِ بدر کے برابر کرنے کے واسطے مستعد ہیں۔

منصفو! ذرا انصاف کرو اور دیکھو کہ اسلام کی اشاعت کن اصول پر۔ کیسے لوگوں کے ہاتھوں سے ہوتی ہے۔ یہ وہی پاک نفوس ہیں جن کی صورت دیکھ کر ہی حقانیت اسلام دل نشین ہو جاتی تھی چہ جائے کہ اُن کے حالات واخلاق۔ عادات۔ عبادات ومعاملات کا مشاہدہ۔

اگر دنیا کی کوئی تاریخ کسی قوم کے ایسے حالات پیش کر سکتی ہے تو کرے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ساٹھ ہزار لشکر میں کُل صحابہ ہی نہ تھے۔ یرموک کے عظیم الشان معرکہ میں جہاں خالد بن الولید اور امین الامتہ ابو عبیدہ بن الجراح سپہ سالار تھے صحابہ ایک ہزار سے زیادہ نہ تھے۔ اسی قیاس پر کہہ سکتے ہیں کہ قادسیہ کے معرکہ میں اگر بہت ہونگے تو دو تین ہزار صحابہ ہونگے باقی کل وہی حضرات تھے جنکو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار مبارک نصیب نہیں ہوا تھا بلکہ صحابہ کے فیض صحبت نے اُن کو کندن بنا کر اس درجہ پر پہنچا دیا تھا کہ اُن میں اور صحابہ میں فرق کرنا دشوار ہو رہا تھا صحابہ کے موثر قوی اور اُستاد کامل ہونے کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ صحابہ کی شان تو جیسی کچھ ارفع تھی اظہر من الشمس ہو اُنکے شاگردوں نکے دامن کو بھی دنیا چھو کر نہ گئی تھی فاعتبروا یا اولی الابصار

ہاں ہم صاف صاف کہتے ہیں کہ اسلام حقیقی مذہب ہے اُس میں ملمع سازی نہیں ہے اُس کی تمام کامیابیوں کا مدار صداقت اور سچی اطاعت وپیروی پر ہے۔ اسلام کو شرق سے غرب اور زمین کے کونہ کونہ تک پہنچا دینے کا مستحکم وعدہ خداوند عالم فرما چکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد واجب الاذعان صادر ہو چکا تھا۔

لا یبقی علیٰ ظہر الارض بیت مدر ولا وبر الا ادخلہ اللہ کلمۃ اسلام بعزِ عزیز او ذلِ ذلیلٍ۔	زمین پر کوئی گھر مٹی یا اُون کا ایسا باقی نہ رہے گا جس میں اسلام داخل نہ ہو۔ یا عزت والے کی عزت کے ساتھ یا ذلیل کی ذلت کے ساتھ۔

اسلام کی اشاعت میں زید عمرو کی خصوصیت نہ تھی۔ کلام اللہ میں صحابہ کو ارشاد فرما دیا گیا تھا۔

اِن تتولّوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم۔	اگر تم روگردانی کروگے تو تمہاری جگہ دوسری قوم بدل دیجاویگی اور وہ تم جیسے نہ ہونگے۔

اس لئے اسلام پھیلا اور انہیں ہاتھوں سے پھیلا جنہوں نے اسلام کی سچی تعلیم پر عمل کیا۔ اُس کے رنگ و بو اُن میں سما گئے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا ارشاد بالکل صحیح تھا کہ دنیا میں ملوث ہونے سے پہلے کچھ کام کر لو۔

جس وقت مسلمانوں کی حالت میں تغیر آیا۔ اسلام کے کسی حکم سے منحرف ہوئے۔ خود انہیں کو نقصان پہنچا۔ نفس اسلام پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ نہ اس کی رفتارِ ترقی میں فرق پڑا۔

ہم چاہتے ہیں کہ جس طرح ہم نے اسلام کی صداقت اور تائید آسمانی کے دلچسپ حالات سے مردہ دلوں میں تازہ روح پھونکی ہے اسی طرح اُن کی اسلامی سچائی اور برگزیدگی کا دوسرا پہلو بھی دکھلا دیں کہ مسلمانوں نے جب کبھی احکام اسلام کو پس پشت ڈالا اُن پر کیا آفتیں نازل ہوئیں لیکن حقیقی اسلام اسی ترقی پر رہا۔ ایک قوم اگر اپنے ہاتھوں سے برباد ہوئی تو دوسری قوم اسلام کی سچی فرمانبردار ہو کر ترقی کا علم اُٹھائے ہوئے سامنے آگئی۔ ایک راستہ اگر بند ہو گیا تو اسلام کے لئے دوسرا راستہ کھل گیا۔

جزیرہ سردانیہ کی فتح اور مسلمانوں کا غرق آب ہونا

بحر روم میں جزیرہ صقلیہ اور کریٹ کے بعد سردانیہ سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ موسیٰ بن نصیر فاتح اندلس نے ایک لشکر اس جزیرہ کی فتح کے واسطے جہازوں پر سوار کر کے روانہ کیا۔ جزیرہ فتح ہو گیا۔ عیسائیوں نے سونے چاندی کے برتن اور اس قسم کے دوسرے اموال کو بندرگاہ کے اندر پانی میں ڈالدیا۔ اور بہت سے مال کو ایک گرجا میں دو چھتی کے اندر رکھدیا۔ مسلمانوں کو بے انتہا مال غنیمت میں ملا۔ لیکن اُس میں غلول یعنی خیانت بھی بہت ہوئی اُن کو خیانت کا ایک طرح سے موقع بھی مل گیا۔

ایک مسلمان نہانے کے واسطے دریا میں اُترا تو اُس کے پیر کو کوئی چیز لگی۔ نکال کر دیکھا تو چاندی کی رکابی تھی۔ بس اس سے پتہ چلا تو جس کے جو چیز ہاتھ لگی سب نکال لی۔ علیٰ ہذا ایک شخص اُس گرجا میں داخل ہوا۔ چھت میں ایک کبوتر بیٹھا ہوا دیکھا اُس نے تیر مارا کبوتر تو بچ گیا مگر پتھر کا ٹکڑا ٹوٹ کر نیچے گرا اور اُس کے ساتھ کچھ دنانیر بھی گرے جنکو اس نے اٹھالیا۔ اس طرح وہ سارا مال بھی ہاتھوں ہاتھ سب نے لئے اور مال غنیمت میں بے انتہا چوری ہوئی۔ چوری کے لئے بہت سے

حیلے اختیار کئے گئے۔ بلّی کو مار کر اندرونی آلائش سے صاف کر کے اُس میں دینار بھر کر سی دیا اور رسّی باندھ کر راستہ میں پھینکدیا اور جب گذر ہوا تو کہیں پھینکدینے کے بہانہ سے کھینچتے ہوئے لے گئے۔

فتح جزیرہ سے فارغ ہو کر اور مال غنیمت میں اس طرح خیانت کر کے واپسی کیواسطے جہاز میں سوار ہوئے تو غیب سے ایک آواز سنائی دی اَللّٰھُمَّ غَرِّقْھُمْ (اے اللہ ان کو دریا میں غرق کردے)۔ سب کے سب بالکل غرق ہو گئے ایک بھی نہ بچا۔

یہ لشکر اسلام کی اہم خدمت انجام دیکر مظفر و منصور واپس ہو رہا تھا مگر احکام اسلام کی اطاعت نہ کرنے کا نتیجہ اُن لوگوں کو ہاتھوں ہاتھ بھگتنا پڑا اور سب فنا ہو گئے۔ لیکن اسلام اپنی رفتار پر ترقی کرتا گیا۔ اِن کے ہاتھ نہ سہی دوسرے لوگوں کے ہاتھ سے سہی۔

اسلام اپنی ترقی میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔ مسلمان جب تک اُس کے احکام کے پورے فرمانبردار رہے۔ دنیا کی نیکنامی کے ساتھ ثواب آخرۃ جمع کرتے رہے اور جب کسی جماعت نے اُس سے انحراف کیا خود تباہ و برباد ہوئے اسلام نے اپنی ترقی کے واسطے دوسری راہ نکالی۔

روم کے بادشاہ کا خط

اسی ذیل میں ہم ایک اور تاریخی واقعہ لکھدینا مناسب سمجھتے ہیں جس سے ہماری سابق بیان پر اور زیادہ روشنی پڑجائے اور معلوم ہوجائے کہ علماء اسلام اس بارہ میں خود کیا فرما گئے ہیں۔ اور اسلام کی اس ترقی کی لم کو نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلمان بھی بخوبی سمجھتے تھے۔

چوتھی صدی ہجری میں قسطنطنیہ کے عیسائی بادشاہ نے عربی زبان میں ایک منظوم خط جو باعتبار زبان بھی زوردار اور فصیح تھا خلیفہ عباسی کے نام لکھا جس میں ممالک اسلام کے فتح کرنے اور اپنی بے شمار مفاخر اور اولوالعزمیوں کو ظاہر کرنے کے ساتھ مسلمانوں اور خلیفہ کو خوب تہدید اور وعدہ وعید لکھے تھے۔ اُس قصیدہ کا پہلا شعر یہ تھا۔

من الملک الطہر المسیحی رسالۃ	الی قائم بالملک من آل ھاشم

یہ خط مسیحی پاک بادشاہ کی طرف سے جنلیفہ ہاشمی کے نام۔

اس خط میں بہت کچھ لکھتے لکھتے لکھا ہے

الا انفروا یا اھل بغداد ویلکم	فملکم مستضعف غیر دائم

اے اہل بغداد تمہارے لئے ہلاکی ہے تم بھاگنے کیواسطے مستعد ہو جاؤ کیونکہ تمہارا ملک ضعیف اور ناپائیدار ہے

رضیتم بان اللہ یلمی خلیفۃً	فصرتو عبیداً للعبید الدیالم

تم دیلمی کے خلیفہ ہونے پر راضی ہو گئے اور تم دیلمی غلاموں کے غلام بن گئے

یہ اشارہ ہے کہ ملوک دیلم جو نائب خلیفہ تھے اُن کا اثر خلیفہ پر بڑھ گیا۔

فعودوا الی ارض الحجاز اذلۃً	وخلوا ابلاد الروم اھل المکارم

تم ذلیل ہو کر سرزمین حجاز کی طرف لوٹ جاؤ۔ اور ذی عزت اہل روم کے ممالک کو خالی کردو

اس قصیدہ کے آخر میں لکھا ہے۔

ملکنا علیکم حین جار قویکم	وعاملتم بالمنکرات العظائم

ہم تمہارے اوپر اُس وقت غالب آئے جب تمہارے قوی نے ضعیف پر ظلم کیا اور تم بڑے شنیع فعل کرنے لگے

قضاتکم باعوا جہارا قضاءھم	کبیع ابن یعقوب ببخس دراھم

تمہارے جج اس طرح کھلم کھلا فیصلوں کو فروخت کرنے لگے جسطرح یوسف علیہ السلام تھوڑے دراہم میں بیچ دیے گئے

اس قصیدہ کے آخری اشعار کا ایک شعر یہ ہے۔

سافتح ارض الشرق طرا ومغربا	وانشر دین الصلب نشر العمائم

عنقریب شرق اور غرب کے سب ممالک کو فتح کرونگا۔ اور صلیب کے دین کو اسطرح پھیلا دونگا جیسے عمامہ کو پھیلا دیتے ہیں

ناظرین ان چند ہی اشعار سے قصیدہ کا لب لباب اور عیسائی بادشاہ کی نخوت غرور خیالات اور ارادوں کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

اس منظوم خط کا جواب اُسوقت کے مشہور و مستند عالم قفال مروزی نے تحریر فرمایا جواب خط اپنی فصاحت برجستگی۔ جوابات کی معقولیت اور واسی الزامات اور استنباطِ نتائج کے اعتبار سے اس پایہ کا تھا کہ مسیحی بادشاہ خلاف توقع اس بلند پایہ جواب کو دیکھ کر حیران رہ گیا وہ تعجب سے پوچھتا تھا کہ جواب لکھنے والا کون شخص ہے۔

قفال مروزی نے ہر بات کا فیصلہ کن اور قطعی جواب دیا ہے مگر ہماری غرض یہاں اُن جوابات نقل کرنے کی نہیں ہے البتہ بعض جوابات بطور نمونہ دکھلا کر اصل مقصود ظاہر کرنا چاہتے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

وقال مسیحیٌ ولیس کذا لکم	فسوتہ لایحتذی فعل راحم

وہ اپنے آپ کو مسیحی کہتا ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ سنگدل آدمی رحیم اور مہربان کا متبع نہیں کہلاتا

یعنی مسیحی وہی کہلا سکتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا متبع ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہایت رحیم مہربان اور اپنی اُمت کے واسطے نہایت نرم احکام لانے والے ہیں۔ ایسا سنگدل اور سخت اُن کا متبع کیونکر ہو سکتا ہے۔

ولیس مسیحیاً جهولاً مثلثاً	یقول لعیسیٰ جل عن وصف آدم
ایک ایسا شخص جو حضرت عیسیٰؑ کو خدا کہتا ہو	کبھی مسیحی یعنی متبع مسیح نہیں ہو سکتا
وما الملک الطهر المسیحی غادراً	ولا فاجراً کان للمظالم

جو بادشاہ پاک اور متبع مسیح علیہ السلام ہو۔ کبھی عہدشکن اور ظلم کی طرف مائل نہیں ہو سکتا۔

اس طرز جواب سے سمجھ لینا چاہئے کہ ہر ایک بات کا کیسا دنداں شکن جواب اس قصیدہ میں دیا گیا ہے یہ سارا قصیدہ اور اُس کا جواب اس قابل تھا کہ بحرفہ نقل کر کے اعتراض و جواب کا موازنہ کرتے مگر طول کا اندیشہ اور اصل مقصد سے دور پڑ جانے کا خیال ہے اس لئے ہم تمام اعتراضات اور اُنکے جوابات کو نقل نہیں کرتے ہیں۔ اگر کسی وقت خواہش دیکھی گئی تو ممکن ہے کہ دونوں قصیدے بلکہ تیسرا قصیدہ جو اس کے جواب میں ابن حزم نے لکھا ہی نقل کر دیں لیکن جو سب سے بھاری اور چبھتا ہوا اعتراض عیسائی بادشاہ نے کیا تھا جسکے لکھنے کے وقت خود اُسکو بھی خبر نہ تھی کہ اس سے کیا نتیجہ برآمد ہوگا۔ اور وہ یہ نہ سمجھا تھا کہ گو میں دل سے حقانیت اسلام کا قائل نہیں ہوں۔ مگر میرا اعتراض مجھی پر حجت ہو جائیگا اُسکا جواب جو قفالؒ نے دیا ہو نقل کرتے ہیں۔

وقلتم ملکنا کم بجور قضاتکم	وبیعهم احکامهم بالدراهم
تم کہتے ہو کہ ہم اس وجہ سے تم پر غالب ہوئے کہ تمہارے قاضیوں نے ظلم کیا۔ اور اپنے فیصلوں کو روپیہ کے بدلے بیچ ڈالا	
وفی ذاک اقرار بصحة دیننا	وانا ظلمنا فابتلینا بظالم

لیکن اس میں تو ہمارے دین کی حقانیت کا اقرار ہے۔ کہ ہم نے ظلم کیا تو ہم پر ظالم مسلط کر دیا گیا

ان اعتراضات اور جوابات کے دیکھنے سے اتنی بات بخوبی واضح ہو گئی کہ مخالف و موافق دونوں کے نزدیک اسلام کی ترقی اور اشاعت کا مدار صرف اُس کے احکام کی خوبی اور مسلمانوں کے صدق و اخلاص پر تھا۔

بادشاہ روم صاف اعتراف کرتا ہے جب تک تم مسلمان اپنی اصلی حالت پر رہے۔ ہم مغلوب ہی ہوتے چلے گئے۔ ہم اُسوقت غالب آئے جب تم نے اپنے سیدھے راستہ صدق واخلاص دیانت وانصاف وغیرہ اوصاف حمیدہ کو چھوڑ کر ظلم اختیار کیا اور افعال شنیعہ کے مرتکب ہوئے۔

ممکن تھا کہ جواب میں ان اعتراضات کو دفع کرنیکی کوشش اسطرح کی جاتی کہ واقعات کی تغلیط کرتے اور اُن افعال کی تاویل۔ مگر نہیں مجیب نے ہٹ دھرمی اور تعصب سے کام نہیں لیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ تو اسلام کی حقانیت کی روشن دلیل ہے۔ جب ہمنے ظلم کیا طریقہ حق کو چھوڑا تو فتح ونصرت تائید آسمانی نے بھی ہمارا ساتھ چھوڑا۔ ہم پر دوسری قومیں مسلط ہوگئیں ہم ذلیل ہوئے اور ملک کے ملک ہمارے قبضہ سے نکلتے چلے گئے۔

یہ دو واقعے ہم نے دوسرا پہلو دکھانے کی غرض سے درج کئے ہیں۔ اب ہم پھر اصلی مقصد کی طرف عود کرتے ہیں۔

قیروان کی بنا ہزاروں بربر کا مسلمان ہونا

قیروان غربی افریقہ کے اُن مشہور شہروں میں ہے جو زمانہ دراز تک افریقہ کا دارالسلطنت۔ اور گورنر افریقہ کے قیام گاہ ہونے کیوجہ سے اسلامی عظمت واقتدار اور شان وشوکت کی زندہ یادگار تھی۔ زمانہ دراز تک غربی افریقہ میں اس سے بڑا کوئی شہر نہ تھا۔ قیروان کی بنیاد ۵۰ھ ہجری میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں رکھی گئی۔ اس لئے بھی یہ شہر مذہبی حیثیت سے مقدس سمجھا جاتا تھا ہزاروں جلیل القدر علماء اُسکی خاک سے ظاہر ہوئے اور وہیں آغوش لحد میں تاقیامت آرام سے گوشہ نشین ہوگئے۔

لیکن جیسا یہ شہر اپنے مقدس بانیوں اور اسلام کے اقتدار وعظمت کے مرجع نائبین سلطنت کے قیام گاہ ہونے کی وجہ سے نہایت مقتدر مانا جاتا تھا۔ ایسا ہی اُس کی بنیاد اور آبادی کا واقعہ بھی صفحات عالم پر یادگار رہنے والا۔ اور اسلام کی صداقت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اوصاف اور ذاتی محاسن اور مقبولیت عام کا سکہ بٹھلانیوالا تھا۔ یہ وہ مبارک وقت تھا کہ ایک ہی وقت ہزاروں حق سے منحرف اور خدائے واحد کی توحید کے بجائے شرک وبت پرستی کو اختیار کرنیوالے سربسجود ہوگئے اور اِنِّی وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ کہکر سچے دل سے دین اسلام کے جاں نثار بن گئے۔

حضرت عقبہ بن نافع فہری رحؒ کو امیر معاویہ رضؓ نے افریقہ کا عامل مقرر فرمایا اور حضرت عقبہ نے افریقہ کے اکثر حصہ کو فتح کر لیا۔ قوم بربر جو اصلی باشندے اِس ملک کے تھے اُنمیں سے بہت سے قبائل مسلمان ہوگئے تھے اور وہ بھی حضرت عقبہ کے ساتھ ممالک افریقہ کی فتح میں شریک تھے۔

لیکن مسلمانوں کیلئے کوئی مستقل چھاؤنی نہ تھی جس جگہ اُنکا بالاستقلال قیام ہوتا۔ اسکا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ جب امیر افریقہ وہاں سے فارغ ہوکر مصر کو واپس آتے تو نومسلم بربر بھی مخالفوں کے ساتھ کھڑے ہوکر سب عہدو پیماں توڑ ڈالتے۔ اور جو مسلمان وہاں موجود ہوتے اُنکو تباہ کرنے میں کچھ کسر نہ رکھتے۔ یہ حالت دیکھکر حضرت عقبہ رضؓ نے ارادہ فرمایا کہ مناسب موقع پر مستقل چھاونی ڈالدی جاوے۔ جہاں ہر وقت عساکر اسلامیہ موجود رہیں اور اس طرح غربی افریقہ کو ایک مستقل صوبہ قرار دیدیا جائے۔

لیکن اس غرض کے لئے جس موقع کو پسند فرمایا وہاں اس قدر دلدل اور گنجان جنگل اور گھنے درخت تھے کہ آدمی یا بڑے جانور تو درکنار سانپوں کو بھی اُن درختوں میں سے ہوکر نکلنا دشوار تھا۔ یہ جنگل درندوں اور ہر قسم کے موذی اور زہریلے جانوروں کا مسکن تھا۔ ایسی سرزمین میں آدمی کی بودوباش تو کیا گزرنا بھی خطرناک امر تھا۔ مگر صحابہ رضوان اللہ علیہم کا ہر ایک ارادہ باذن اللہ ہوتا تھا اُنکے فعل میں مقبولیت کے آثار نمایاں ہوتے تھے وہ جو کچھ کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر کرتے تھے۔

مسلمانوں نے اس جگہ کو قیام گاہ بنانے میں جو خطرے تھے انکو ظاہر کیا تو حضرت عقبہ رضؓ نے اُن مصلحتوں کا اظہار فرمایا جو اس جگہ کو منتخب کرنے میں پیشِ نظر تھیں اہل اسلام کے نزدیک بھی یہ مصلحتیں قابلِ لحاظ ثابت ہوئیں اور حضرت عقبہ رضؓ کی رائے اُنکو راجح معلوم ہوئی۔

اس لشکر میں اٹھارہ صحابی موجود تھے حضرت عقبہ امیر لشکر سب کو جمع فرماکر اُس میدان میں لے گئے اور حشرات وسباع کو خطاب کرکے فرمایا۔

ایتہا الحشرات والسباع نحن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارحلوا فانا نازلون فمن وجدناہ بعد قتلناہ۔	لے درندو اور موذی جانورو۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس جگہ آباد ہونا اور قیام کرنا چاہتے ہیں۔ تم یہاں سے چلے جاؤ اور قیام کرنا چھوڑ دو۔ اسکے بعد ہم جسکو دیکھیں گے قتل کردینگے۔

اس آواز میں معلوم نہیں کیا تاثیر تھی کہ سب حشرات اور درندوں میں ہل چل پڑگئی وہ اسی وقت جلاوطن ہونے کیواسطے تیار ہو گئے۔ جماعتیں کی جماعتیں وہاں سے نکلنی شروع ہو گئیں۔ شیر اپنے بچوں کو اٹھائے ہوئے بھیڑیئے اپنی اولاد کو لئے ہوئے۔ سانپ اپنی سپولیوں کو کمر سے چپٹائے ہوئے نکلے چلے جاتے تھے۔ یہ ایک عجیب ہیبت ناک و تعجب انگیز منظر تھا جو نہ اس سے قبل کہیں دیکھا گیا تھا۔ نہ کسی کے وہم و گمان میں تھا۔

یہ یقینی امر ہے کہ اس حالت میں جبکہ درندے اور سانپ وغیرہ اس طرح بکثرت پھیلے چلے جاتے ہوں کوئی شخص قریب کھڑا بھی نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ ہزاروں آدمی تماشائی اس حالت کو دیکھنے کے واسطے کھڑے ہوں۔ مگر سب جانتے تھے کہ اسوقت یہ کسی نہایت جابر اور قاہر حکم کے تابع اور مسخر ہوئے جاتے ہیں۔ دوسرے کو انسے کیا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ انکو اپنی جان بچانی بھاری پڑ رہی ہے اسلئے بے تکلف ہزاروں مخلوق تماشا دیکھ رہی تھی۔

قوم بربر جو اس ملک کے اصلی باشندے اور اس جنگل کی حالت اور خطرات سے بخوبی واقف تھے ان حالات کو اپنی آنکھ سے مشاہدہ کر رہے تھے۔ کیا یہ بات ممکن تھی کہ حقانیت اسلام کی ایسی روشن دلیل کو دیکھنے کے بعد بھی وہ باطل پرستی پر قائم رہتے۔ اسی وقت ہزارہا بربری صدق دل سے ایمان لے آئے اور اسلام کے حلقہ بگوش غلام بن گئے۔

یہ ایک تاریخی صحیح واقعہ ہے جسکی تکذیب وہی شخص کر سکتا ہے جو اصول تاریخ اور مسلمانوں کے بے لوث اور آزاد طریقہ تاریخ نویسی سے ناواقف ہو اور جو تواریخ عالم پر بلا حجت و دلیل یک لخت پانی پھیرنے کے واسطے تیار ہو جائے۔

دنیا بھر کے فلاسفر۔ علم طبیعات اور طبقات الارض کے ماہر۔ اسباب و مسببات کے تعلقات پر بحث کرنے والے اگر تمام ذہنی و دماغی قوتیں صرف کر ڈالیں تو وہ ہرگز نہیں بتلا سکتے کہ عقبہ کی اس آواز میں کیا تاثیر تھی اور کیا سبب تھا کہ اُن کی آواز سنتے ہی ایسے وحشی اور موذی جانور اطاعت کے لئے آمادہ ہو گئے۔ اس کا سبب اگر بتلا سکتا ہے تو وہی شخص جو خالق و مخلوق کے ربط اور اس کی حقیقت سے واقف ہو اور جو یہ جانتا ہو کہ تمام مخلوقات اور تمام اسباب مسببات خالق کائنات کے اشارہ اور حکم پر چلتے اور اسکی مرضیات کے تابع ہوتے ہیں مملوک کو جو تعلق

مالک کے ساتھ ہوتا ہے اس سے کہیں بڑھ کر مخلوق کو خالق سے ہوتا ہے۔ مملوک مالک سے بے رخی کرسکتا ہے مگر مخلوق کبھی خالق سے سرتابی نہیں کرسکتا مخلوق ہر آن اپنے وجود میں خالق کا محتاج ہے۔ اسباب وعلل سے بحث کرنیوالے اور اسباب وعلل ظاہرہ پر قناعت کرکے علۃ العلل کو فراموش کرنیوالے اس تعلق خالق ومخلوق کو بخوبی ملحوظ رکھیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم چونکہ بالکلیہ تمام خواہشات وارادات نفسانی سے پاک ومبرا تھے اُن کی توجہ بجز بارگاہ حق تعالیٰ دوسری جانب نہ تھی۔ وہ تمام مدارج فنا کے طے کئے ہوئے تھے اس لئے اُنکا حکم بھی وہی اثر رکھتا تھا جو خداوند عالم جلّ شانہٗ کا۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

ان تعلقات کے ادراک واحساس کا کوئی آلہ آجتک ایجاد نہیں ہوا۔ انکا اصلی علم اُنہیں لوگوں کو ہوتا ہے جو ایمان کے ساتھ تہذیب نفس کے پُر خطر عقبات کو طے کرچکے اور برد وسکینۂ قلب حاصل کرچکے ہوں۔ یا تقلیدی علم اس جماعت کو ہے جو اخلاص کے ساتھ ان کی متبع ہو۔

الغرض اسلام کی یہ خوبیاں اور مسلمانوں کے یہ اوصاف تھے جنہوں نے عالم پر اسکی سچائی کو واضح کردیا اور انہیں زبردست حالات نے دنیا پر اسلام کی حکومت جمادی۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حشرات وہوام بھی بزور شمشیر قدیم مسکن ووطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے تھے۔ یا جو ہزارہا مخلوق اس تائید آسمانی کو دیکھکر اسلام لے آئے انپر مسلمانوں کی سطوت وجبروت کا کوئی اثر تھا۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔

قیروان میں جامع مسجد کی تعمیر اور سمت قبلہ کی تعیین

الغرض یہ سارا میدان ان موذی جانوروں سے بالکل پاک اور ایسا صاف ہوگیا کہ اس وسیع میدان اور آبادی میں چالیس سال تک سانپ وغیرہ کی صورت نہیں دکھلائی دی۔ اور جب اسلامی لشکر کو ان خطرات کی طرف سے اطمینان ہوگیا تو آبادی کا کام شروع ہوا۔ سب سے اوّل دارالامارت کی بنیاد رکھی گئی اور اُسکے گرداگرد مسلمانوں نے مکانات بنائے۔ اور اسکے ساتھ ہی حضرت عقبہ نے جامع مسجد کی بنیاد ڈالی لیکن حضرت عقبہ کو حقیقی سمت قبلہ کے تعیین اور دیوار قبلہ کے صحیح رُخ پر قائم کرنے کے بارے میں بہت کچھ تردد تھا اگرچہ نماز کی ادا کے لئے یہ ضروری نہیں کہ سمت قبلہ بالکل صحیح اور حقیقی طور پر

متعین ہو بلکہ استقبال جہت کافی ہے۔ یہی وجہ ہو کہ اس وقت تک صحابہ بطور تحری استقبال قبلہ کرتے اور نماز ادا کرتے رہے لیکن اسلامی دارالحکومت میں جامع مسجد کی تعمیر جو اعلیٰ درجہ کا مذہبی شعار ہی معمولی امر نہ تھا۔ اُنکو یہ خیال تھا کہ اسوقت اگر سرسری نظر سے سمت قبلہ کو متعین کر کے دیوار قبلہ قایم کردی گئی تو ممکن ہے کہ کسی وقت اس میں کوئی غلطی محسوس ہو اور جامع مسجد کا منحرف عن القبلہ ہونا کوئی وسوسہ قلوب عوام میں پیدا کرے۔

ایک شب حضرت عقبہؓ اسی غم و تردد کی حالت میں تھے کہ یکایک کسی شخص کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ کل صبح تم جامع مسجد میں داخل ہونا تم کو تکبیر کی ایک آواز آویگی تم اُس آواز کی سمت میں چلنا جس جگہ اور جس موقع پر جاکر آواز موقوف ہو جائے وہی جگہ قبلہ کی ہے وہاں پر نشان لگا دینا اور قبلہ کی دیوار قائم کر دینا یہی وہ سمت قبلہ اور دیوار قبلہ ہوگی جسکو اللہ نے مسلمانوں کے واسطے ہمیشہ کیلئے پسند فرمایا ایسا ہی ہوا۔ صبح ہی جامع مسجد میں داخل ہوئے تو تکبیر کی آواز آئی اور جس طرف کو وہ آواز جاتی تھی اُسی طرف کو حضرت عقبہؓ جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک جگہ پہنچ کر وہ آواز منقطع ہو گئی اُسی خط پر نشان لگا دیا اور اُسی سمت پر قیروان کی تمام مساجد بنائی گئیں۔

یہ غیبی تائیدات تھیں جو جزیرہ نمارعرب اور تمام ایشیا سے متجاوز ہو کر افریقہ و یورپ میں بھی مسلمانوں کی رہنمائی کرتی تھیں۔ اور یہ وہ باتیں تھیں جن کی وجہ سے تمام بلاد و امصار میں خود بخود اسلام کے واسطے راستہ صاف ہوتا چلا گیا۔

ماء الفرس۔ یعنی گھوڑی کا چشمہ

مسلمانوں کے واسطے ہر ہر موقع پر اس طرح تائیدات آسمانی ظہور پذیر ہوتی تھیں کہ غیر مسلم اقوام اُنکو دیکھ کر متحیر رہ جاتے تھے۔ حضرت عقبہ رض کو ملک افریقہ کے مختلف سفروں میں ایک دفعہ ایسے مقام پر قیام کا اتفاق ہو گیا جہاں پانی کا نام و نشان دُور دُور تک نہ تھا مسلمانوں کو پیاس کا غلبہ ہوا اور قریب تھا کہ سب کے سب ہلاک ہو جاویں۔ حضرت عقبہ نے یہ حالت دیکھی تو سخت مضطرب ہوئے اور سب سے بہتر تدبیر یعنی رجوع الی اللہ کی طرف جو مسلمانوں کی اصلی علامت و خصوصیت ہے متوجہ ہو گئے۔ دُو رکعت نماز پڑھ کر بارگاہِ خداوندی میں تضرع و زاری سے دعا شروع کی۔ آپ دعا سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ آپ کی گھوڑے نے سُم سے زمین کو کریدنا شروع کر دیا اور زمین کے اندر سے ایک صاف پتھر ظاہر

ہوا جس میں سے فوراً پانی نکلنا شروع ہوگیا۔

حضرت عقبہ رضؓ نے باآواز بلند اس کی اطلاع لشکر کو دی مسلمان چاروں طرف سے دوڑ پڑے اور سب نے خوب سیر ہوکر پانی پیا اور گڑھے کھود کر پانی کو جمع کیا اُس روز سے یہ مقام ماء الفرس کے نام سے موسوم ہوگیا۔ کہنے کے لئے تو یہ معمولی بات ہے کہ گھوڑے کے پیر مارنے سے زمین کے اندر چشمہ ظاہر ہوگیا۔ لیکن جو لوگ ایمان راسخ رکھتے ہیں۔ اور مذہب کے آثار اور تاثیرات سے واقف ہیں جو اس بات پر ایمان لاچکے ہیں کہ اسباب کے احاطہ سے خارج بھی کوئی اور ایسی زبردست قوت ہے جس کے اشارہ پر اسباب حرکت کرتے ہیں۔

جو انبیاء علیہم السّلام کے ہاتھ پر معجزات اور خرق عادات کے ظہور کو ممکن الوقوع جانتے ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ واقعہ بالکل حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے معجزہ کے مشابہ ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اس کا ظہور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے ہاتھ سے ہوا اس لئے اسکو معجزہ کہتے ہیں اور اس کا ظہور حضرت عقبہ رضؓ کی دعا سے ہوا جو نبی نہیں ہیں۔ اس لئے اسکا نام کرامت ہوگیا۔

یوم الاباقر مسلمانوں کے تائیدی واقعات کے سلسلہ میں ذیل کا واقعہ بھی اتنا عجیب ہے جسکو سُننے کے بعد اسلام کی حقانیت اور مسلمانوں کے مؤید من اللہ ہونے کی نسبت کسی سخت منکر اور پردہ پوش کو بھی انکار کی گنجائش نہیں رہتی۔

قادسیہ کے مشہور عالم تاریخی واقعہ سے پہلے جس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عاصم ابن عمرو رضؓ کو میسان کی فتح کے لئے روانہ کیا۔ عاصم ابن عمرو وہاں پہنچے تو دشمن قلعہ میں داخل ہوکر محفوظ ہوگئے۔ اور مسلمانوں کو رسد کے بہم پہنچانے میں بڑی دقت پیش آئی دودھ اور گوشت کا ملنا سخت دشوار ہوگیا۔ ایسی حالت میں جس قسم کی تکلیفیں پیش آنے کا احتمال ایک ایسے لشکر کے لئے جو دشمن کے ملک میں پیش قدمی کرتا ہوا چلا جاتا ہے اور وہاں کے مقامات اور حالات سے کما حقہٗ واقفیت نہیں رکھتے ہوسکتا ہے اسکا اندازہ کچھ دشوار نہیں ہے۔

عاصم بن عمرو رضؓ نے ہرچند کوشش کی مگر گائے بیل بکریاں کہیں سے دستیاب نہ ہوئیں اتفاق سے ایک بن کے کنارے پر اہلِ فارس میں سے ایک شخص ملا جو فی الواقع چرواہا تھا۔ اُس سے پوچھا کہ دودھ اور باربرداری کے مویشی کہاں ہیں اُس نے صاف جھوٹ بولا کہ مجھے خبر نہیں ہے

لیکن اسی وقت بن کے اندر سے ایک بیل نے باآواز بلند کہا۔

کذب عدو اللہ۔ ھا نحن۔ | دشمن خدا جھوٹ کہتا ہے ہم تو یہاں موجود ہیں۔

یہ آواز سُنتے ہی عاصم اُس بن میں داخل ہوئے اور سب گائے بیلوں کو ہانک لائے، اور لشکر پر تقسیم کر دیا جس سے لشکر میں خوش حالی اور فراخی پھیل گئی۔ دودھ گوشت کی کمی نہ رہی یہ تائید ایسے وقت پہنچی جبکہ مسلمان رسد کے نہ ملنے سے سخت تنگی میں تھے۔ حجاج بن یوسف کو اس واقعہ کی اطلاع پہنچی تو اُس نے چند ایسے حضرات سے جن کے سامنے کا یہ ماجرا تھا طلب کر کے تصدیق کرنا چاہا سب نے گواہی دی کہ ہم نے خود بیل کی آواز سُنی اور خود ان بیلوں کو دیکھا۔ حجاج نے کہا تم غلط کہتے ہو۔ اُنھوں نے کہا تمہارا تکذیب کرنا اُس وقت ٹھیک ہوتا کہ ہم وہاں موجود نہ ہوتے اور تم موجود ہوتے۔ لیکن جبکہ ہم موجود تھے اور تم نہیں تھے تو یہ تکذیب کرنا بالکل بے جا اور ناجائز اور خلاف اصول ہے۔ حجاج نے یہ سُنکر کہا بے شک تم صحیح کہتے ہو لیکن یہ تو بتلاؤ کہ لوگ اس واقعہ کو دیکھ کر کیا کہتے تھے۔ کہا لوگ اس واقعہ سے اسپر استدلال کرتے تھے کہ حق تعالےٰ مسلمانوں سے راضی ہے اور یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ تائید الٰہی شامل اور فتوحات ہم رکاب ہیں۔ حجاج نے کہا یہ تو جبھی ہو سکتا ہے کہ کل جماعت کے لوگ متقی اور ابرار ہوں۔ اُن لوگوں نے کہا یہ تو ہمیں معلوم نہیں کہ اس لشکر کے دلوں کے اندر کیا بات پوشیدہ تھی اور وہ کن حالات کو اپنے اندر لئے ہوئے تھے اور کن مقامات کو پہنچے ہوئے تھے۔

فاما ما راینا فما راینا قط ازھد فی دینا منھم ولا اشد بغضا لھا لیس فیھم جبان ولا غالٌ ولا غدار۔ | لیکن ظاہر میں تو جو کچھ ہم نے دیکھا وہ یہ بات تھی کہ کوئی شخص ان سے زیادہ زاہد دنیا سے بے لاگ اور اس کو بغض و نفرت کی نگاہ سے دیکھنے والا نہ تھا نہ اُن میں کوئی نامرد تھا اور نہ خیانت کرنیوالا اور عہد شکن تھا۔

اس موقع پر اوصاف مذکورہ بالا کا ذکر کرنا اس امر کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ مسلمانوں کی کامیابی کا اصلی راز یہی تھا اور یہی وہ اوصاف تھے جن کی وجہ سے وہ مویّد من اللہ تھے اور جنھوں نے ان کے لئے فتوحات کے راستے صاف کئے تھے اور یہ فتوحات صرف کُھلے میدانوں یا سر بفلک پہاڑوں یا آباد اور معمور شہروں تک محدود نہ تھیں بلکہ اقلیموں اور ملکوں سے پہلے قلوب مسخر ہوتے تھے

لیکن میرے دوستو کیا تم بتلا سکتے ہو کہ یہ لاکھوں مسلمان سب کے سب زہد و تقویٰ نفرتِ دنیا اور اس قسم کے اعلےٰ و منتہار کمالات انسانی کے ساتھ متصف ہو کر ایک ہی رنگ میں کیونکر رنگے گئے اور وہ کونسا قوی اثر تھا جس نے اُن میں سے تمام اخلاقی کمزوریوں کو نکال کر ملکی صفات بنا دیا تھا جس نے اُن کی نظروں میں دنیا کو مردار سے زیادہ حقیر بنا دیا۔ دنیا اُن کے قدموں سے لگی پھرتی تھی اور وہ مُنہ نہ لگاتے تھے۔

یہ سب کچھ سرور دنیا و دین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و امی) کے جمال مبارک کی زیارت کا اثر اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی فیض صحبت کی تاثیر تھی۔

غیر ذوی العقول حیوانات جب مسلمانوں کی راحت اور رضا کے واسطے اپنی جانوں کو پیش کرنے کے لئے حاضر اور موجود تھے اور اُن کو بھی یہ احساس کرا دیا گیا تھا کہ مسلمان محض دین حق کی تائید اور رضاء الٰہی کی اتباع کے لئے نکلے ہوئے ہیں تو یہ کیسے ممکن تھا کہ اشرف مخلوقات انسان کو باوجود عقل کامل اور مشاہدات عینی کے اسکا تیقن نہ ہوتا اور وہ صدق دل سے اسلام کی حقانیت اور مسلمانوں کے ان اوصاف و اخلاق حسنہ کے فریفتہ نہ ہوتے ان باتوں نے ہر ایک دل میں اسلام کی سچائی کو بٹھلا دیا تھا توفیق الٰہی جن کے شامل حال تھی وہ مسلمان ہو گئے اور جن کی قسمت میں محرومی لکھی ہوئی تھی محروم رہے۔ مسلمانوں کی طرف سے کسی پر جبر ہوا اور نہ کوئی اس کی تدبیر کی گئی۔ ہاں انھوں نے اسلامی کمالات کی روشن دلیلیں دکھلا کر حجت تمام کر دی۔ یہ ایسے کھلے واقعات ہیں جنکو سنکر حجاج بن یوسف جیسے سفاک اور سنگدل شخص کو بھی اعتراف ہی کرنا پڑا کہ ایسی تائیدات جبھی ہو سکتی ہیں جبکہ لشکری متقی اور ابرار ہوں۔

اس عجیب واقعہ سے یہ نتیجہ نکالنا بھی بہت آسان ہے کہ جو شخص خواہشات اور جملہ امراض نفسانی سے منسلخ ہو کر مرضیات خداوندی کا تابع محض ہو جاتا ہے اور ذات پاک خالق کائنات کے سوا کوئی مقصود اس کا نہیں رہتا تو ہر چیز اُس کی تابع ہو جاتی ہے ؎

چوں از و گشتی ہمہ چیز از تو گشت

یہ مبارک اور مسعود دن اسلامی تواریخ میں یوم الاباقر[1] کے نام سے موسوم ہو گیا۔ یوم الاباقر اور بنا قردان کا واقعہ ایک نوعیت کا معلوم ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی تائید کے لئے وہاں بھی حیرانات

[1] ملاحظہ ہو تاریخ الجمہرہ بقری ۱۲

کی طرف سے اطاعت وفرمانبرداری کا ظہور ہوا تھا اور یہاں بھی۔ لیکن باوجود ایک نوع ہونیکے
ان دونوں میں کچھ فرق بھی ہے۔ جسکو میں ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔
بظاہر سرسری نظر میں قیروان کا واقعہ زیادہ اہم معلوم ہوتا ہے کہ وحشی اور موذی جانور صحابہ
کی ایک ہی آواز میں اپنے مانوس وطن کو چھوڑکر چلے گئے اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
احترام اور ادب کو اس درجہ ملحوظ رکھا کہ کوئی وحشیانہ حرکت ان سے سرزد نہ ہوئی اور غور کیا جائے تو
یہ ایک قسم کا انقلاب ماہیت ہے۔ جسکے نہایت مستبعد اور محال ہونے میں کسی کو بھی تامل نہیں
ہوسکتا۔ بخلاف پالتو جانوروں کے کہ وہ اصل طبیعت سے انسان کے ساتھ مانوس ہیں اگر وہ آڑے
وقت اُن کے کام آگئے تو کیا تعجب ہے۔ لیکن میرے خیال میں یوم الاباقر کا واقعہ زیادہ اہمیت
رکھتا اور ایثار اور حب فی اللہ کا زیادہ پتہ دیتا ہے۔
یوم قیروان میں درندے اور زہریلے جانور صحابہ کی آواز سُنکر نکل پڑے جسمیں دو ہی احتمال
ہوسکتے ہیں یا تو یہ کہ برضا و رغبت تعمیل حکم کے لئے تیار ہوگئے۔ یا یہ کہ جان بچانے کو وہاں سے
چلے گئے کیونکہ اُنکو دھمکی دی گئی تھی کہ اگر اس کے بعد کسی کو یہاں پاویں گے تو قتل کردیں گے۔
اور یوم اباقر میں بلا کسی قسم کے ایماء اور حکم کے محض مسلمانوں کی راحت اور رضائے خداوندی
حاصل کرنے اور دین حق کی تائید کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے موجود ہوگئے۔ صورت
اولیٰ میں اطاعت حکم ہے یا خوف جان۔ اور صورت ثانیہ میں ایثار ہے اور اپنی جان کی قربانی
اور ان دونوں صورتوں کا فرق ظاہر ہے۔ خصوصاً جب یہ بھی دیکھا جائے کہ ان جانوروں نے
اپنی موجودگی کو خود بیان کردیا۔
ہاں یہ ممکن ہے کہ اس روایت کی تسلیم میں کسی کو تامل ہو۔ یا حیوانات کے کلام کرنے اور ایثار
کو خلاف عقل یا خلاف عرف وعادت سمجھکر انکار کرنے بیٹھ جائے۔ سو امر اول میں تو اس وجہ سے
کلام کرنے کی گنجائش نہیں کہ یہ روایت طبری اور ابن الاثیر جیسی معتبر اور مستند کتابوں کی ہے امام
حافظ علامہ طبری کا پایہ تنقید وتحقیق میں جس درجہ پر ہے اس کو تمام اسلامی مصنفین ومؤرخین تسلیم
کئے ہوئے ہیں۔ اور اسلامی تواریخ میں اکثر کا ماخذ وہی ہے۔ علاوہ بریں یہ واقعہ قرون اولیٰ میں
اس درجہ مشہور اور بروایات معتبرہ منقول تھا کہ حجاج بن یوسف نے اپنے زمانہ میں یعنی صدی اوّل

کے آخری حصہ میں اسکی تحقیق کرنا چاہا تو ایک جماعت نے اس واقعہ میں موجودگی کی شہادت دی اور حجاج کو تسلیم کرلینا پڑا۔

رہا امر ثانی سو اس میں اس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہتے کہ جو لوگ انبیاء علیہم السلام کے معجزات و خرق عادات کو صحیح اور واقع مانتے یا خلاف عقل نہیں جانتے انکو اولیاء کی کرامات اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے ایسے تائیدی واقعات کے ظہور پذیر ہونے سے انکار کی گنجائش نہیں ہے اگر کوئی خواہ مخواہ انکار ہی پر مصر ہو تو اُس کے سامنے بخاری و مسلم کی صحیح روایت کو پیش کردینا کافی سمجھتے ہیں۔

عن ابی ھریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بینما رجل یسوق بقرۃ اذ اعیی فرکبھا فقالت انا لم نخلق لھذا فقال الناس بقرۃ تتکلم فقال رسول اللہ فانی اُومن بہ انا و ابو بکر و عمر و ماھما ثمّ الی اخر الحدیث۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زمانہ ماسبق میں ایک شخص گائے کو لئے جاتا تھا۔ جب وہ تھک گیا تو اُس گائے پر سوار ہوگیا۔ گائے نے کہا ہم سواری کیواسطے پیدا نہیں کئے گئے بلکہ کھیتی کے واسطے پیدا کئے گئے ہیں۔ اسپر لوگوں نے تعجب کیا کہ گائے بولتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تو اسپر (یعنی واقعہ کی صحت اور گائے کے کلام کرنے پر) ایمان لاتا ہوں اور اسکی تصدیق کرتا ہوں اور ابوبکر و عمر بھی اسپر ایمان لاتے ہیں حالانکہ ابوبکر و عمر اس مجلس میں موجود نہ تھے (یعنی شیخین کے کمال ایمان پر آپکو اس درجہ اعتماد تھا کہ اُنکی غیبت میں اُنکی طرف سے تصدیق فرمائی۔

یہ حدیث صحیح ہے اور اُس کی صحت پر محدثین کو اعتماد و اتفاق ہے جس سے بعینہ یوم الاباقر کی تائید اور تصدیق ہوتی ہے لیکن اسپر بھی تسلی نہ ہو تو ہم دوسری صحیح حدیث پیش کریں گے جس سے یہ بات ثابت ہوجاویگی کہ حیوانات جو ذی روح ہونے کے ساتھ کچھ بولتے بھی ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کی بات کو سمجھتے بھی ہیں اگر انسانی زبان میں کلام کرنے لگیں تو کچھ تعجب کی بات نہیں ہے خدا تعالے کو یہ بھی قدرت ہے کہ جمادات و نباتات میں علم و ادراک کو پیدا فرمادے۔

عن جابرؓ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب استند الی جذع نخلۃ من سواری المسجد فلما صنع ل المنبر

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ خطبہ کیوقت کھجور کے سوکھے ہوئے ستون سے سہارا لگالیتے تھے لیکن جب آپکو منبر تیار

و وضع موضعہ الذی وضعہ فیہ رسول اللہ ید النبی صلعم ان یقوم علی ذالک المنبر فخطب علیہ فمر الیہ فلما جاوز ذالک الجذع الذی کان یخطب الیہ خار حتی تصدع و انشق فنزل النبی صلعم لما سمع صوت الجذع فمسحہ بیدہ ثم رجع الی المنبر۔ البدایۃ والنہایۃ صـ۱۲۶ ج ۶

فاستوى عليه صاحت النخلة التي كان يخطب عندها حتى كادت ان تنشق فنزل النبي صلى الله عليه وسلم حتى اخذها فضمها اليه فجعلت تان انين الصبي الذي يسكت حتى استقرت قال بكت على ما كانت تسمع من الذكر والقرآن رواه البخاري۔

کر لیا گیا اور آپ اُسپر بیٹھ گئے تو وہ کھجور کا ستون جسپر سہارا لگاکر آپ خطبہ پڑھتے تھے اسقدر رویا اور چیخا کہ قریب تھا کہ پھٹ جائے۔ یہ حالت دیکھکر آپ ممبر سے نیچے تشریف لائے اور اس ستون کو چمٹالیا تب وہ اسطرح سِسک سِسک کر رونے لگا جسطرح بچہ کو چپکارتے ہیں اور وہ سسکیاں لیکر تھمتا ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ ستون کا رونا قرآن اور ذکر کی مفارقت پر تھا۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

اس روایت سے ثابت ہے کہ بالکل بے روح اور خشک لکڑی سے بہ برکت قرب ذات بابرکات سرورکائنات علیہ الف الف صلوٰۃ وتسلیمات، نہ صرف زندوں کے سے افعال وحرکات صادر ہوئے بلکہ جسم مبارک صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت اور ذکر الٰہی سے بعید ہوجانیکی وجہ سے وہ حالت طاری ہوگئی جو ایک عاشق زار پر ہوتی ہے جو ذکر الٰہی اور محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسا فنا اور مستغرق ہوگیا ہو جسکو تمام لذتیں اور نعمتیں خاک سے زیادہ بے وقعت معلوم ہوتی ہوں مسلمانو! تم اُس حالت کی صورت کو اپنی آنکھوں کے سامنے قائم کرو تو ایک حیرت انگیز سماں تمہارے سامنے پھر جائیگا خشک ستون آپ کی مفارقت میں بیتاب ہے اور پھوٹ پھوٹ کر رو رہا ہے اور اُس کو گلے سے لگا کر پیار فرماتے ہیں اور اسطرح سِسک سِسک کر چپکا ہوتا ہے جیسا روتا ہوا بچہ اپنی نہایت مہربان ماں یا باپ کی گود میں پہنچکر چپ ہوتا ہے سبحان اللہ سبحان اللہ یہ حال ایک بالکل بیجان اور بے حس وحرکت ستونے کا ہے جسکو آپ کے جسم مبارک کے چھونے نے اس درجہ تک پہنچا دیا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم جو اشرف مخلوقات اور خلاصہ عالم ہونے کے ساتھ آپ کی خدمت میں دن رات حاضر ہوتے اور تمام معاملات دیکھتے اور ہر قسم کے فیوض سے مستفیض ہوتے تھے وہ کس درجہ عشق ومحبت میں پہنچے ہوئے ہونگے وہ کیوں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے خلیفہ وجانشین ہونگے اور کیوں نہ جن وانس حیوانات و نباتات وجمادات اُن کی جاں نثاری کے واسطے تیار ہوں گے۔

یہ واقعہ ایک صحیح حدیث سے ثابت ہے اور ایسے صریح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے جنمیں تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی صاحب خدا تعالےٰ کی وسیع قدرت کو کسی قانون میں محدود کر کے محض اپنی عقل کے بھروسہ اس صحیح اور صریح روایت کو رد کرنے کے واسطے تیار ہو جائیں تو یہ دوسری بات ہے مگر ایسے حضرات کو خداوند عالم کی غیر متناہی قدرت کا ضرور تصوّر کر لینا اور اس آیہ شریفہ کو بغور سمجھ لینا چاہیے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِہٖ سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝

نہ پہچانا اُنھوں نے اللہ کو حق پہچاننے کا۔ اور زمین ساری اُس کی مٹھی میں ہے قیامت کے دن اور آسمان لپیٹے ہوئے اس کے داہنے ہاتھ میں۔ پاک اور برتر ہے وہ ذات اُس چیز سے کہ شریک کرتے ہیں۔

معجزہ مذکورہ بالا معجزہ **استوانہ حنانہ** کے نام سے معروف و موسوم ہے اور اس معجزہ کو عارف باللہ مولانا روم قدس سرہٗ مثنوی میں تحریر فرماتے ہیں ؎

استنِ حنانہ از ہجرِ رسول	نالہ میزد ہمچو اربابِ عقول
درمیانِ مجلسِ وعظ آں چناں	کز وے آگہ گشت ہم پیر و جواں
در تحیر ماندہ اصحابِ رسول	کز چہ می نالد ستوں با عرض و طول
گفت پیغمبر چہ خواہی اے ستوں	گفت جانم از فراقت گشتہ خوں
از فراقِ تو مرا چوں سوخت جاں	چوں نہ نالم بیتو اے جانِ جہاں
سندت من بودم از من تاختی	بر سرِ منبر تو مسند ساختی
پس رسولش گفت کاے نیکو درخت	اے شدہ با سر تو ہمراز بخت
گر ہمی خواہی ترا نخلے کنند	شرقی و غربی ز تو میوہ چنند
یا دراں عالم ترا سروی کنند	تا تر و تازہ بمانی تا ابد
گفت آں خواہم کہ دائم شد بقاش	بشنو اے غافل کم از چوبے نباش
آں ستوں را دفن کرد اندر زمیں	تا چو مردم حشر گردد یوم دیں

استوانہ حنانہ کے واقعہ سے یہ نتیجہ نکالنا کچھ دشوار نہیں ہے کہ ذکر الٰہی کی قوت

اور لذت کی کیا کیفیت ہے خشک اور بے جان لکڑی میں اُس کی یہ تاثیر ہے تو انسان میں جو اشرف مخلوقات ہے اور محض اسی غرض کے لئے پیدا کیا گیا ہے کیسی کچھ ہوگی ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ غفلت کے ظلمات میں نہ پڑے اور اپنے دل کو نفسانی آلائشوں سے پاک وصاف کرے انسان اگر ایسا کرے اور کرنا چاہیئے تو اس کا مرتبہ تمام مخلوقات سے بالاتر ہے اور وہ مستحق خلافت خداوندی ہے ورنہ اُس کے اسفل سافلین کے اندر گرنے میں کیا کلام ہے۔

ذکرِ الٰہی اور محبت خدا و رسول ہی میں یہ لذت ہے کہ کوئی لذت اُس کے ہم سر و ہم سنگ کیا پاسنگ بھی نہیں ہے دنیا و ما فیہا اُس کے سامنے ہیچ ہے اور یہی وہ دولت ہے کہ جس کا قلب اس سے مالا مال ہوگیا ہے۔ سلاطینِ عالم اُس کے سامنے جبہہ سائی کرتے اور اُس کے در کی خاکروبی کو اپنا فخر سمجھتے ہیں۔

ہارون رشید جیسا جلال وجبروت والا خلیفہ حضرت فضیل بن عیاض کی خدمت میں شب کے وقت حاضر ہوتا ہے اور آپ اندھیرے میں مکان کے کونہ سے لگ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ہارون رشید کا ہاتھ آپ کے بدن سے لگتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ کیسا نرم ہاتھ ہے کاش دوزخ کے ہاتھ سے نجات پا جائے اور ہارون رشید زار زار روتا ہے۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں:۔

لو ان الدنیا بحذافیرھا عرضت علیّ ولا احاسب بہا لکنت اتقذرھا کما یتقذر احدکم الجیفۃ اذا مر بہا ان تصیب ثوبہ۔	اگر ساری دنیا مجھ پر اسطرح پیش کی جائے کہ مجھ سے کسی قسم کا محاسبہ اسکے بارہ میں نہ ہو تب بھی میں اُس سے ایسا ہی گھن کرونگا جیسا کہ تم مردار کے قریب گزرتے ہوئے گھن کرتے اور اپنے کپڑے کو اُسکی آلودگی سے بچاتے ہو۔

یہ کیفیت حضرت فضیل کے قلب میں کیونکر راسخ ہوئی صرف ذکر الٰہی کی لذت سے اسی لذت سے آشنا ہونے کے بعد کوئی شے مرغوب و محبوب نہیں رہتی۔

حضرت شبلیؒ کے آخری وقت میں لوگ کلمہ کی تلقین کرتے تھے اور وہ اپنے رب کیطرف مخاطب ہو کر کہتے تھے

ان بیتاً انت ساکنہ	غیر محتاج الی السرج
جس گھر میں تو ساکن ہے	چراغ کا محتاج نہیں ہے

وَجۡهُكَ الۡمَامُولُ حُجَّتُنَا	یَوۡمَ یَاۡتِی النَّاسُ بِالۡحُجَجِ
ترا چہرہ جو امیدگاہ ہے ہماری حجت ہے	جس دن لوگ حجتیں پیش کریں گے

حضرت شبلی کا دل کیوں منور ہوا اور کس چیز نے ان کو محو و مستغرق بنا کر دنیا و مافیہا سے مستغنی کر دیا تھا محض ذکر الٰہی اور اُس کی پُر اسرار کیفیات نے۔

حضرت مولانا روم معجزہ مذکورہ بالا سے نتیجہ نکالتے ہیں۔

تا بدانی ہر کرا ایزد بخواند	از ہمہ کارِ جہاں بے کار ماند
ہر کرا باشد زیزداں کاروبار	یافت بار آں جا و بیروں شد ز کار
واں کہ اورا نبود ز اسرار داد	کے کند تصدیق او نالہ جماد
گوید آرے نے ز دل بہر وفاق	تا نگویندش کہ ہست اہل نفاق
گر نبندی واقفاں امر کن	در جہاں ردگشتہ بودی ایں سخن
صد ہزاراں ز اہل تقلید و نشاں	افگندشاں نیم وہمے در گماں
کہ بظن تقلید و استدلال شاں	قائمست و جملہ پر و بال شاں
شبہ می انگیزد آں شیطان دوں	در فتند ایں جملہ کوراں سرنگوں
غیر آں قطب زماں دیدہ در	کز ثباتش کوہ گردد خیرہ سر

مضمون جب یہاں تک پہنچ گیا تو ہم اس جگہ ایک لطیف و عجیب نکتہ اور معجزہ احیاء موتی اور معجزہ استوانہ حنانہ میں فرق بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اہل علم و عقل اُس پُر لطف مضمون سے چند فائدے حاصل کریں گے۔ اول تو یہ کہ کمالات و معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عجائب اسرار معلوم ہونے سے اُنکے ایمان میں تازگی پیدا ہوگی۔ اور افضلیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی واضح و روشن ہو جاویگی کہ کسی تھوڑے سے عقل والے کو بھی اُس میں انکار و تامل کی گنجائش نہ رہے گی۔

دوسرے وہ خلجان رفع ہو جائیگا جو ممکن ہے کہ بعض نافہموں کے دلوں میں خطور کرے یا کسی نادان اور کم عقل کے قلم سے بھی نکل جائے کہ اہل اسلام کا دعویٰ ہے اور ان کے ایسے مسلمات

لہ یعنی دل سے نہیں بلکہ ظاہرداری کے طور پر تسلیم کرتا ہے۔

میں ہے جن میں کسی ایک فرد کو بھی اختلاف نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء و رسل سے افضل ہیں اور تمام انبیاء و رسل آپ سے مستفیض ہیں مگر اہل اسلام ہی کی مسلّمہ روایات کے موافق انبیاء سابقین کو جو معجزات دیئے گئے وہ اپنی عظمت میں ایسے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اُس درجہ تک پہنچے ہوئے نہیں۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اژدہا بن گیا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گارے کا پتلا بنایا اور وہ ذی روح ہو کر اڑنے لگا آپ کے قم باذن اللہ کہنے سے مردہ زندہ ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو معجزات روایت کئے جاتے ہیں اُن میں سے کوئی اس درجہ کا نہیں ہے۔ یہ لطیف و عجیب مضمون ایک ایسی قلم کا نکلا ہوا ہے جسکو خدا تعالیٰ نے اس آخری زمانہ میں اسلام کی حفاظت اور حمایت کے لئے پیدا فرمایا جس نے اسلام کی حریم کو فلسفہ جدیدہ اور دہریت کے حملوں سے محفوظ فرمایا جس نے ایک طرف علوم اسلامیہ کے تحفظ کے لئے ایک مضبوط حصار (مدرسہ اسلامیہ دیوبند) قائم کر دیا اور دوسری جانب مخالفان اسلام کے جملہ مایۂ ناز اعتراضات کے وہ دنداں شکن جواب دیئے کہ اُن سے بہتر نہ کوئی دے سکتا ہے اور نہ اُن کے بعد کسی مخالف کو سر اُبھارنے کی گنجائش ہے جس نے اسلامی احکام کے اسرار اور اُن کے مطابق عقل سلیم ہونے کو ایسی وضاحت سے دلائل عقلیہ کے ساتھ مدلّل کر کے بیان فرمایا ہے جس کی فی الواقع اس زمانہ میں ضرورت تھی اور یہ وہ طرز استدلال اور طریق بیان ہے جو صرف اُنہیں کا حصّہ تھا میرا اشارہ حجۃ اللہ فی العالم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہے آپ کے پُرعظمت نام اور مقدس ذات سے کون شخص ہے جو واقف نہیں ہے۔

مولانا قدس سرہٗ نے اپنی مفصّل و مبسوط تقریر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات علمی و عملی میں یکتا اور افضل ہونے کو ثابت فرمایا ہے۔ کمالات علمی میں یکتا ہونے کے دلائل بیان فرمانے کے بعد تحریر فرمایا ہے۔

> "پھر اعجاز علمی وہ بھی مقابلہ اولین و آخرین اگر آپ کی خاتمیت اور یکتائی پر دلالت نہیں کرتا تو اور کیا ہے ایسا شخص اگر خاتم النبیین نہیں تو اور کون ہوگا۔ اور ایسا شخص سرور اولین و آخرین نہیں تو اور کون ہوگا۔ اہل فہم اور انصاف کے لئے تو یہی بس ہے اور نادان کو کافی نہیں دفتر نہ رسالہ"

کمالات علمی میں یکتا ہونے کی تقریر سے فارغ ہو کر کمالات عملی کی یکتائی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :-

کمالات عملی میں بھی آپ یکتا ہیں اور ان میں بھی کوئی آپ کا ہمتا نہیں۔ ہر چند بعد اعجاز مذکور (یعنی اعجاز قرآنی جو کمالات علمی کی تقریر میں بیان فرمایا) اُن کے ذکر کی حاجت نہیں۔ مگر چونکہ اعجاز اگر کسی کے کمال پر دلالت کرتا ہے تو بعد اطلاع وعلم دلالت کرتا ہے۔ سو جیسے جمال صورت آنکھوں سے معلوم ہوتا ہے اور کمال آواز کانوں سے اس لئے ہر اعجاز کے لئے ایک جُدی حالت اور جُدی کمال کی حاجت ہے اور اس لئے کمال علمی کے ادراک اور علم کے لئے کمال عقل وفہم کی حاجت ہے جو آجکل برنگ عنقا جہاں سے مفقود ہے۔ اس لئے کمالات عملی بھی بطور مشتے نمونہ از خروارے ہزاروں میں سے دو چار عرض کرتا ہوں۔

مولانا رح نے اس موقعہ پر چند معجزات کا ذکر فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا موازنہ انبیاء اولوالعزم کے معجزات سے کر کے آپؐ کے معجزات کی برتری اور تفوق کو ثابت فرمایا ہے۔ مگر ہم اُس پوری تقریر کو نقل کرنا نہیں چاہتے بلکہ صرف استوانہ حنانہ اور سنگریزوں کی تسبیح خوانی کے متعلق جو تحریر فرمایا ہے اُس کو باختصار و توضیح بعض مواقع لکھتے ہیں مولانا رح کے ارشاد کا حاصل یہ ہے :-

"حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اژدہا بن گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے مردہ زندہ ہو گیا۔ یا گارے سے ایک جانور کی شکل بنا کر خدا کی قدرت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُڑا دیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک کے چھونے کی برکت سے کبھی کا سوکھا کھجور کی لکڑی کا ستون زندہ ہو کر آپ کے فراق میں اور خدا کے ذکر کی موقوفی کے صدمہ سے چلایا۔ اور ایسا رویا کہ پھٹنے کے قریب ہو گیا۔ علیٰ ہذا القیاس پتھروں اور سنگریزوں کے سلام اور آپ کی نبوت کی شہادت اور تسبیحات حاضرین نے سنیں۔ اہل فہم سمجھ سکتے ہیں کہ یہ اعجاز ان اعجازوں سے کہیں بڑھ کر ہیں دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا بیشک زندہ ہوا لیکن اژدہے کی صورت میں آکر زندہ ہوا۔ اور وہی حرکات اُس سے سرزد ہوئیں جو اور سانپوں سے ہوتی ہیں۔ علیٰ ہذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برکت سے گارے سے

زندوں کی سی حرکات جبھی سرزد ہوئیں جب وہ گارا پرندکی شکل میں آگیا۔ آخر زندوں کی شکل زندگانی سے کچھ تو علاقہ اور مناسبت ہے جو زندگانی حیوانات کی شکلوں سے علیحدہ نہیں پائی جاتی۔ پتھر درخت وغیرہ میں کبھی زندگانی کے آثار ظاہر نہیں ہوتے۔ اس بناء پر زندگانی کا زندوں کی شکل میں ظاہر ہونا اتنا مستبعد نہیں جتنا زندوں کی شکل سے پایا جانا مستبعد ہے اور اُس گارے کی شکل سے حرکات بھی وہی سرزد ہوئیں جو تمام پرندوں سے سرزد ہوتی ہیں۔ مگر سوکھے ستون کی زندگانی اور سنگریزوں کی تسبیح خوانی میں نہ شکل وصورت کا لگاؤ ہے نہ کوئی ایسا برتاؤ ہے جس میں اور ہم جنس شریک ہوں یہ وہ باتیں ہیں کہ جمادات بلکہ نباتات اور حیوانات تو کیا بنی آدمؑ میں سے بھی کسی کسی کو یہ شرف میسر آتا ہے۔ سوکھے ستون کا فراق نبویؐ میں رونا یا موقوفی خطبہ خوانی سے جو اُس کے قرب وجوار میں ہوا کرتی تھی چلانا اُس محبت خدا ورسول پر دلالت کرتا ہے جو مراحل معرفت طے کرنے کے بعد میسر آتی ہے کیونکہ محبّت کے لئے حق الیقین کی ضرورت ہے۔ اگر علم الیقین یعنی اخبار معتبر اور متواتر سے محبّت پیدا ہوا کرتی تو حضرت یوسف علیہ السلام کے آج لاکھوں عاشق ہوتے کیونکہ جو شہرہ انکے حُسن وجمال کا اب ہے وہ اُس وقت کہاں تھا۔ علیٰ ہذا اگر عین الیقین یعنی مشاہدہ سے محبّت ہوا کرتی تو کھانے کی چیزوں کی رغبت کے لئے چکھنے اور کھانے کی ضرورت نہ ہوتی فقط مشاہدہ کافی ہوا کرتا۔ استعمال کر کے دیکھنا خود اس کی دلیل ہے کہ رغبت کے لئے حق الیقین چاہئے اور اسی نفع اٹھانے اور استعمال کرنے کو حق الیقین کہتے ہیں۔

ستون مذکور کا رونا اُس محبت خداوندی اور عشق نبوی پر دلالت کرتا ہے جو بجز مرتبہ حق الیقین بہ نسبت ذات وصفات خداوندی وکمالات نبوی متصور نہیں اور ظاہر ہے کہ اس موقع خاص میں اس قسم کا یقین بجز کاملانِ معرفت اور کسی کو میسر نہیں آسکتا علیٰ ہذا القیاس سنگریزوں کی تسبیح وتہلیل میں اسی معرفت کی طرف اشارہ ہے جو سوائے خاصانِ خدا بے تعلیم وارشاد ممکن الحصول نہیں اور ظاہر ہے کہ سنگریزوں کی تسبیح وتقدیس کو کسی کی تعلیم کا نتیجہ نہیں کہہ سکتے۔

یہ مولانا قدس سرّہٗ کی تقریر کا اقتباس اور حاصل ہے جس سے صاف ثابت ہے کہ استوانہ حنّانہ

کا معجزہ احیا ہوتے۔ گارے سے جانور بنا کر اُڑا دینے سے بدرجہا فوقیت رکھتا ہے۔ وہاں زندگانی کا ظہور۔ زندوں کی صورت میں ہے اور یہاں حیات کا ظہور لکڑی کے سوکھے ستون میں وہاں صرف اُنہیں حرکات کا صادر ہونا ہے جو ہر جاندار حیوان سے صادر ہوتے ہیں۔ اور یہاں اس عشق و محبت خدا اور رسول کا اظہار ہے جو انسانوں میں بھی بجز اہل معرفت و حقیقت دوسروں کو نصیب نہیں ہوتے۔ اور یہ ایسے کھُلے ہوئے اور واضح فرق ہیں جن کو ملحوظ رکھنے کے بعد کسی کو بھی اس معجزے کے تفوق میں کلام نہیں ہو سکتا۔

ہم جانتے ہیں کہ گو یہ مضمون جس کی ابتدا یوم الا باقر سے ہوئی تھی کسی قدر طویل ہو گیا مگر اس سے ہمارے ناظرین بہت سے عجیب و غریب فوائد حاصل کر لیں گے۔ معجزہ کے متعلق ہم نے یہاں بہت ہی اختصار کے ساتھ اُسی قدر بیان کیا ہے جس کا اس موقع سے تعلق ہے ناظرین کرام کو انتظار کرنا چاہیئے ہمارا ایک عرصہ سے خیال ہے کہ ہم معجزات کے متعلق خواہ نظم میں خواہ نثر میں مفصل ایک تبصرہ کریں جس میں معجزات کو علی الترتیب اس طرح بیان کیا جائے کہ معجزات علمی و عملی جدا جدا نظر آئیں۔ فلسفہ جدید سے جو اذہان و طبائع متاثر ہیں بشرط فہم سلیم انشاء اللہ اس تبصرہ سے اُن سب کا قلع قمع ہو جائیگا اور انکو معلوم ہو جائیگا کہ جن تخلیات کی بنا پر نصوص قرآن و حدیث کو نہایت جرأت کے ساتھ رد کیا جاتا ہے۔ وہ چند موہوم اور مفروض و خود تراشیدہ قواعد پر مبنی ہیں۔

محاصرۂ حمص مسلمانوں کے لئے تائیدات آسمانی کا ظہور کسی خاص نوعیت کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ جیسی ضرورت پیش آتی تھی اُسی کے موافق تائید ہوتی تھی اور یہی وہ بات تھی جس کا اعتراف اُن کے مخالفوں کو بھی تھا اور دل سے مسلمانوں کو حق پر سمجھے ہوئے تھے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ دمشق میں مصالحت کے معاملہ سے فارغ ہوئے تو حمص کی جانب رُخ کیا۔ ہرقل کو اطلاع ہوئی تو اہل حمص کو بہت کچھ امداد کا وعدہ دیکر ہر طرح سے تسلّی دی۔ حضرت ابوعبیدہ رضؓ نے حمص کا محاصرہ کر لیا موسم سردی کا تھا۔ اہل حمص نے باہم مشورہ کرکے یہ بات طے کی کہ لڑنے کی کچھ ضرورت نہیں اہل اسلام کو محاصرہ کئے پڑے رہنے دینا چاہیئے۔ یہ لوگ سردی کا تحمل نہ کر سکیں گے پیروں میں انکے موزے بھی نہیں۔ جوتے بھی

لیس بینا و بینہم شیء فرہم وقام فیہم آخر فقال ذہب الشتاء و انقطع الرجاء فما تنتظرون فقالوا البرسام فانما یسکن فی الشتاء و نظہر فی الصیف فقال ان م… ثم کبر و الثانیۃ فتہبا فتقت منہا دور کثیرۃ و حیطان ۔ طبری صفحہ ۱۵۲ ج ۴

ہیں تو عربی وضع کے جو پیر کی کچھ بھی حفاظت نہیں کر سکتے اور نہ سردی سے بچا سکتے ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ شدت سردی سے ان کے پیر پھٹ جائیں گے اور بالآخر برف کی وجہ سے انگلیاں گرنے لگیں گی اور یہ گھبرا کر لوٹ جائیں گے یا فنا ہو جائیں گے اور فی الواقع تھا بھی ایسا ہی۔ اہل عرب اس قسم کی سخت سردی اٹھانے کے خوگر نہ تھے اور نہ ان کے پاس محافظت کا سامان تھا برخلاف اہل حمص کے کہ اوّل تو وہ اس ملک کے رہنے والے سردی کے متحمّل۔ دوسرے ہر قسم کا سامان موجود۔ مگر یہ سب ظاہری خیالات تھے تائید الٰہی اسباب ظاہری پر موقوف نہیں ہے غیب سے یہ صورت پیش آئی کہ اہل حمص کے پیر تو موزوں میں بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور مسلمانوں کے پیروں پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ عربی چپلوں میں اچھے خاصے رہے کسی کی ایک انگلی بھی نہ گری۔

جب جاڑا گزر گیا اور اہل حمص کے خیالات پورے نہ ہوئے۔ مسلمان اسی طرح مستعدی سے صحیح وسالم رہے تو ایک تجربہ کار بوڑھے شخص نے اہل حمص سے کہا کہ مسلمانوں سے صلح کر لینا بہتر ہے۔ ان لوگوں نے انکار کیا۔ پھر ایک دوسرے شخص نے کہا کہ جاڑا تو گزر گیا اور تمہاری سب امیدیں خاک میں مل گئیں۔ خیالات غلط ثابت ہوئے۔ اب کس بات کے منتظر ہو صلح کر لینی چاہئے۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ اب برسام[1] کے منتظر ہیں۔ برسام جاڑے میں نہیں رہتا گرمی میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اُس شخص نے کہا ان خیالات کو چھوڑو:۔

اِنَّ ھٰؤُلَاءِ قَوْمٌ یُعَانُوْنَ وَلَاَنْ تَأْتُوْھُمْ بِعَھْدٍ وَّمِیْثَاقٍ خَیْرٌ مِنْ اَنْ تُوْخَذُوْا عَنْوَۃً اَجِیْبُوْنِیْ مَحْمُوْدِیْنَ قَبْلَ اَنْ تُجِیْبُوْنِیْ مَذْمُوْمِیْنَ فَقَالُوْا شَیْخٌ خَرِفٌ وَلَا عِلْمَ لَہٗ بِالْحَرْبِ۔

یہ وہ قوم ہو جنکی غیب سے تائید و امداد ہوتی ہو تمہارا انکے پاس عہد وپیمان کے بعد جانا اس سے بہتر ہے کہ زبردستی پکڑے ہوئے جاؤ۔ تم میری بات اسوقت مانوگے تو قابل تعریف قرار پاؤگے ورنہ بعد میں مجبور ہو کر مانوگے اور قابل مذمت بنوگے۔ اُن لوگوں نے کہا یہ تو بوڑھا ہو کر بہک گیا ہے اور اس کو لڑائی کا تجربہ بھی نہیں ہے۔

اس کے بعد ایک دفعہ مسلمانوں نے حملہ کیا اور بآواز بلند تکبیر کہی تو حمص کے اندر زلزلہ آگیا دیواریں گر پڑیں۔ یہ حالت دیکھی تو وہ گھبرائے اور ان تجربہ کار بوڑھوں کے پاس گئے جنہوں نے

[1] برسام ایک مرض ہے جس سے جسم پر ورم اور ہذیان ہوتا ہے۔

اوّل ہی صلح کی رائے دی تھی۔ اور کہا کہ اب کیا کریں۔ اُن لوگوں نے ٹال دیا اور خوب ذلیل کیا دوبارہ جب پھر تکبیر کہنے پر زلزلہ آیا تو پھر اُنکے پاس گئے تب اُنھوں نے کہا تم خود صلح کی خواہش کرو چنانچہ اہل حمص نے قلعہ کی دیواروں پر کھڑے ہوکر صلح کی خواہش ظاہر کی۔ مسلمانوں کو خود یہ بات معلوم نہ تھی کہ یہ لوگ کس بات سے مجبور ہوکر صلح کرنی چاہتے ہیں اُنکو معلوم نہ تھا کہ تائیدِ الٰہی نے اہلِ حمص کے اندر کس قسم کی پریشانی اور بدحواسی پھیلا رکھی ہے مگر چونکہ وہ امن وامان اور صلح کے ہر وقت طالب اور خواہشمند اور خوں ریزی سے بچنے کو بدل پسند کرتے تھے اس لئے فوراً آمادہ صلح ہوگئے اور اُنہیں شرائط پر صلح کرلی جن شرائط پر دمشق میں کی تھی۔

اس واقعہ سے ہر ذی فہم نہایت آسانی سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ جب فریق مقابل کے تجربہ کار عقلاء کو مسلمانوں کے حالات کا مشاہدہ کرتے کرتے یہ یقین ہوگیا تھا کہ ہر موقع پر خدا کی طرف سے اُن کی اعانت ہوتی ہے اور اُن کی نصرت وکامیابی سراسر تائید الٰہی پر مبنی ہے ظاہری سامانوں پر موقوف نہیں ہے تو کیسے ہوسکتا ہے کہ اسلام کی حقانیت کا اثر اُن پر نہ ہوا ہو۔ اُس کو سچا اور آسمانی مذہب نہ سمجھتے ہوں۔ ان ہی واقعات سے اور مسلمانوں کے حالات کے مشاہدہ نے اُنکے دلوں میں اسلام کی محبت کا بیج جما دیا اور گویا اُنکے باطن میں نورِ ایمان چمک گیا۔ گو ظاہر میں بوجہ پابندی جاہ ومناصب یا خوف غوغاء عوام یا اندیشہ سلطنت اس وقت اسلام کا اظہار نہ کرسکو لیکن ظاہر ہے کہ جب ان موانع کے مرتفع یا ضعیف ہوجانے کے ساتھ اُنکو مسلمانوں سے میل جول ہمنشینی اور ہم کلامی کی نوبت پہنچی اسلام بجلی کی رَو سے بھی زیادہ تیزی اور سرعت کے ساتھ پھیلتا چلا گیا۔ اور جو لوگ اپنی باطنی میلان کو ظاہر نہ کرسکے تھے اب بے خوف وخطر اسلام کے دائرہ میں داخل ہوگئے۔ یہ بھی اسلام کے بسرعت پھیل جانے کی اصلی لم۔ ورنہ مسلمانوں نے کسی ایک جگہ بھی کسی قسم کے دباؤ یا زور حکومت یا حیلہ وتدبیر سے کام نہیں لیا۔ تاریخیں موجود ہیں، کوئی شخص ایک بھی مثال اس کی دکھلا سکتا ہے تو دکھلائے۔

سرداران فارس کا معہ لشکر عظیم کے برغبت مسلمان ہونا

مسلمانوں کے مدمقابل دو ہی قومیں تھیں روم وفارس دونوں قوموں کے علماء اور واقف کاروں میں مذہبی روایات کی بناء پر یہ امر ذہن نشین تھا کہ اسلام ضرور پھیلے گا اور مسلمان ان ممالک پر مسلط ہوجائیں گے۔

یہی وجہ تھی کہ اس بھید پر مطلع ہونیوالے اشخاص مقابلہ کو پسند نہ کرتے تھے۔ یزدجرد بادشاہ فارس نے مدائن کے مفتوح ہو جانے کے بعد اپنے سرداروں اور سپہ سالاروں کو جمع کر کے مشورہ کیا اور بالآخر یہ قرار پایا کہ یزدجرد نے بہت بڑے سپہ سالار کو جس کا نام (سیاہ) تھا معہ ستر بڑے بڑے افسروں اور امیروں کے سوس کی محافظت کے لئے بھیجا۔ لیکن اہل سوس تو پہلے ہی مصالحت کر چکے تھے۔ اس لئے سیاہ کو مجبوراً رامہرمز اور تستر کے درمیان خیمہ ڈالنا پڑا۔ سیاہ جس عظیم الشان جمعیت اور شان و شوکت سے آیا تھا اُس کا فکر مسلمانوں کو بھی تھا۔ کیونکہ فارس کے منتخب اور چیدہ سردار اُس کے ہم رکاب تھے۔ مگر تائید الٰہی سے مسلمانوں کے لئے جو سامان ہو رہا تھا وہ اُن کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ فارس کے افسر اعلےٰ سیاہ نے اُن سرداروں کو جو اُس کے ساتھ اور ماتحتی میں تھے جمع کر کے کہا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ ہم ہمیشہ سے سنتے چلے آئے ہیں کہ یہ لوگ اس مملکت پر غالب آجاویں گے اور اصطخر کے شاہی محلات میں اُن کے گھوڑے بندھیں گے اور اُس وقت اُن کی فتوحات سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ یہ خیال کسقدر متیقن اور صحیح ہے اب تم لوگ اپنی بہبودی کی بات سوچ لو سب نے کہا ہم تمہارے مشورہ کے تابع ہیں اُس نے کہا تو ہر شخص اپنے متبعین اور خواص کا ذمہ دار بن جائے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ ہم اُنکے مذہب میں داخل ہو کر اُن جیسے بنجائیں۔ اس رائے پر سب کا اتفاق ہو گیا اور ایک بڑے سردار شیرویہ کو دس افسروں کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ رضؓ سے گفتگو کرنے بھیجا۔ شیرویہ نے اپنی قوم کا پیام پہنچایا کہ ہم برغبت مسلمان ہونا چاہتے ہیں مگر اس شرط پر کہ تمہارے ساتھ ملکر ہم اپنی قوم اہل عجم سے تو مقابلہ کریں گے مگر اہل عرب سے نہ لڑیں گے اور کسی عربی نے ہم سے لڑائی کی تو تم کو ہماری محافظت لازمی ہوگی نیز یہ کہ بیت المال میں سے ہم کو وہ حصّہ دیا جاوے جو تم میں کے اشراف اور سرداروں کو دیا جاتا ہے اور یہ کہ عہد نامہ امیر المومنین کی تصدیق سے مرتب کیا جاوے۔

حضرت ابو موسیٰ رضؓ نے فرمایا کہ جب تم مسلمان ہوتے ہو تو ان شرطوں کی کیا ضرورت ہے جو ہمارا حال وہی تمہارا حال۔ اُن لوگوں نے اسکو نہ مانا تو حضرت عمر رضؓ کی خدمت میں یہ ماجرا لکھا اور وہاں سے جواب آیا کہ جو وہ کہتے ہیں اُس کو مان لو اس قرارداد کے بعد سیاہ معہ تمام افسروں اور فوج کے مسلمان ہو گیا اور یہ سب تستر کے محاصرے میں حضرت ابو موسیٰ کے ساتھ شریک ہوئے لیکن

جس مستعدی اور جد وجہد کی توقع تھی وہ ان سے ظاہر نہ ہوئی تو حضرت ابوموسیٰ نے سیاہ سے اس کا سبب دریافت کیا۔ اُس نے جواب دیا کہ اوّل تو ابھی ہم اسلام کے احکام سے تمہاری طرح واقف نہیں دوسرے آپ نے بیت المال سے ہم کو وہ حصہ نہیں دیا جس کے ہم مستحق تھے۔ حضرت ابوموسیٰ نے یہ حال حضرت عمرؓ کی خدمت میں لکھ کر بھیجا۔ وہاں سے جواب آیا کہ اُن کے ساتھ وہی معاملہ کرنا چاہئے جو خود مسلمانوں کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اُنکے لئے بقدر اُنکے درجہ اور جانفشانی کے بیت المال سے مقرر کیا جائے جیسا کہ خود مسلمانوں میں تفاوت درجات ملحوظ رہتا ہے۔ چنانچہ سیاہ اور اس کے ساتھ پانچ سرداروں کا نام ڈھائی ہزار والوں میں لکھا گیا اور سو شخصوں کا نام دو ہزار والوں میں وعلیٰ ہذا۔ جب یہ مرحلہ طے ہو چکا تو حضرت ابوموسیٰ نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا۔ سیاہ نے یہاں اپنی مردانگی اور خوش تدبیری کے جوہر دکھلائے آخر شب میں اپنی ملکی وردی پہنکر اور اُس پر خون کے چھینٹے ڈالکر قلعہ کی دیوار کے نیچے جا پڑا۔ کسی شخص نے اوپر سے دیکھا تو سمجھا کہ ہمارا آدمی زخمی پڑا ہے دروازہ کھول کر اُسکے اٹھانے کے واسطے چند آدمی گئے جب قریب پہنچے تو سیاہ نے کھڑے ہو کر مقابلہ شروع کر دیا وہ گھبرا کر بھاگے تو اُس نے تنہا ہی قلعہ کے دروازہ پر قبضہ کر لیا اور اس کے پیچھے فوراً مسلمانوں کا لشکر قلعہ میں داخل ہو گیا اور اس طرح ایک شخص کی جرأت سے قلعہ فتح ہو گیا۔ یہ ایک خاص جگہ کا واقعہ ہے جس میں ہزارہا اہل فارس وقت واحد میں مسلمان ہوئے۔ اس واقعہ سے ہم چند نتائج نکال سکتے ہیں

(۱) اسلام کی حقانیت اور مسلمانوں کے آنے اور ممالک شام وعراق پر مسلط ہو جانے کا علم ہر دو ملکوں کے اہل علم وعقل کو از روئے روایات مذہبی تھا اور قبل از ظہور اسلام اُن کے باہم یہ تذکرے ہوتے تھے۔ قیصر روم وشام ہرقل کو بھی جو اہل کتاب میں سے تھا یہ علم تھا جیسا کہ ہم ابتدا میں لکھ چکے ہیں

(۲) یہ لوگ اسلام کو مذہب حق سمجھکر برغبت وخوشی مسلمان ہوئے۔ خوف وطمع زر اس کے باعث نہیں ہوئے۔ کیونکہ جان ومال کی حفاظت اور اپنے مال ودولت پر بآزادی قابض رہنے کے ساتھ مصالحت کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ابھی اہل سوس مصالحت کر کے محفوظ ومامون ہو چکے اور اس کی ہزار نظیریں موجود تھیں کہ مسلمانوں نے جو عہد کیا اُس کے خلاف ایک بات نہ کی۔ رہا شرط کرنا سو یہ بھی طمع زر کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ مساوی حقوق کا طلب کرنا انسانی حریت وشرافت

کا مقتضی ہے۔ مساوات حقوق کا مطالبہ عین عقل وتقاضا انسانیت وحریت کے مطابق ہے

اس میں طمع زر کو دخل ہے نہ حبِّ جاہ کو۔

(۴) جب تک خدا تعالیٰ کی طرف سے توفیق اور امداد نہ ہو ہدایت کے لئے فقط علم کافی نہیں ہے

ہرقل قیصر روم وشام کے پاس جب نامۂ مبارک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہنچا تو اس نے بھی

نامۂ مبارک کی بہت تعظیم کی اور آپ کے حالات دریافت کرنے کے بعد اپنی قوم کو مسلمان ہونے

کی ترغیب دی اور کہا یہ دین ضرور پھیلے گا اور یہ لوگ میرے ملک پر مسلّط ہو جائیں گے۔ مگر توفیق

شامل حال نہ تھی۔ علم نے کچھ کام نہ دیا۔ عوام نے دنیا کی راحت کو دائمی نجات پر ترجیح دی۔

ناظرین اس واقعہ اور اس کے نتائج پر مطلع ہو کر آپ ہی انصاف فرمائیے کہ اسلام جو

اس قدر سرعت سے پھیلا کہ ایک ایک موقع پر ہزارہا آدمی مسلمان ہوتے تھے۔ اور وہ بھی معمولی

اشخاص نہیں بلکہ فوجی سردار اور لشکر جرار جو معرکہ کارزار گرم کرنے اور ملک کو اغیار کی مداخلت کرنی

سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنے بادشاہ سے سرفروشی کا عہد کر کے نکلے تھے۔ اور پھر لڑ کر مغلوب ہوئی

یا قیدی بننے کے بعد لڑائی اور مقابلہ سے پہلے مسلمانوں کے کثرتِ عساکر اور ساز وسامان ظاہری

سے مرعوب ہو کر نہیں بلکہ اپنی مذہبی اور قومی روایات کی بنا پر اس تیقن کی وجہ سے "مسلمان

غالب آئیں گے ضرور مسلّط ہونگے ضرور" پھر اُن سے مقابلہ لاحاصل۔ اور یہ علم نہ سلطنت تک

محدود تھا بلکہ خواص سے گزر کر عوام تک پہنچ چکا تھا۔ تو کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اس اشاعت

میں تلوار کے زور کو بھی کچھ دخل تھا۔ معاذ اللہ۔ استغفر اللہ۔

ہم اوّل کہہ چکے ہیں کہ مسلمانوں نے بڑی بڑی معرکہ کی لڑائیاں لڑیں۔ ملکی فتوحات میں

وہ کمال دکھلایا کہ دنیا انگشت بدنداں رہ گئی۔ تھوڑے اور بہت تھوڑے زمانہ میں اسلامی

فتوحات کے سیلاب عظیم نے ممالک شام وعراق ومصر سے متجاوز ہو کر افریقہ کے ممالک اور اندلس

کو زیروزبر کر دیا مگر حاشا للہ کہ اشاعتِ اسلام میں ان فتوحات کو کچھ بھی دخل ہو۔ ایک شخص

بھی خوف جان کی وجہ سے اسلام لانے پر مجبور نہیں ہوا۔ مصالحت کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ امن

دینے میں مسلمان اس قدر مستعد تھے کہ کسی نے جھوٹ کو درخواست کی اور وہ سچ مچ قبول کرنے

کو موجود ہو جاتے تھے۔ وفاء عہد کی یہ حالت کہ اگر کسی ادنےٰ نے بھی وعدہ کر لیا تو سب پر اُس کا

احترام واجب۔ پھر ایسی حالت میں کسی کو کیا مجبوری تھی کہ اپنا محبوب قدیم مذہب چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوتا

اسلام کے بسرعت پھیلنے کی کل دو ہی وجہ تھیں :۔

(۱) مذہبی روایات کی بناء پر اہل شام و روم و فارس کو یہ تیقن تھا کہ اسلام مذہب حق ہے اور وہ ضرور پھیلے گا۔

(۲) مسلمان جب کسی ملک یا شہر میں صلح کرکے داخل ہوئے یا فتح کرکے اور اس جگہ کے لوگوں کو مسلمانوں کے ساتھ ملکر رہنے کا اتفاق ہوا میل جول کا موقع ملا اُن کے معاملات کو دیکھا ان کی راستبازی۔ خداپرستی۔ دینداری اور تمام اُن برگزیدہ اوصاف کا شاہدہ کیا جو ایک ہادی قوم کے لیئے ہونی چاہئیں تو خود بخود بلا ارادہ اسلام کی محبت دلوں میں راسخ ہوتی گئی اور بخوشی و رغبت سرکش گردنوں کو اسلام کے سامنے جھکاتی گئی۔

ہم امید کرتے ہیں کہ ہر منصف مزاج ان صریح حالات کی تصدیق میں کبھی تامل نہ کریگا۔ ہٹ دھرم کیلئے نہ کوئی حجت کارگر ہے اور نہ کوئی واضح سے واضح دلیل اس کی تشفی کرسکتی ہے۔

رستم سپہ سالار اعظم فارس کے اسلام اور مسلمانوں کی نسبت خیالات مسلمانوں کی اخلاقی و دماغی قابلیتیں اور حسن معاملات

رُستم سپہ سالار اعظم فارس کے مقتول ہونے کا ذکر قادسیہ کے تذکرہ میں اجمالاً آچکا ہے۔ اس وقت مجھ کو اس کا دوہرانا مقصود نہیں ہے۔ معرکہ کارزار قادسیہ کی کیفیت نہ پہلے بیان میں لکھی گئی تھی اور نہ اب لکھی جائیگی کیونکہ یہ ہمارے مقصود سے علیحدہ چیز ہے اس وقت سابق مضمون کی تائید میں کہ اہل فارس کے سرداروں اور شریف خاندانوں میں اسلام کی حقانیت اور غلبہ کا یقین کس قدر راسخ ہوچکا تھا رُستم کے قلبی جذبات اور خیالات کا ذکر کرنا مناسب سمجھا گیا۔

یہ وہ شخص ہے کہ فارس بھر میں اس سے بڑھ کر مقتدر شجاع اور معتمد علیہ کوئی نہ تھا ملک فارس نے اپنی نجات کی امیدیں اُسی کی ذات سے وابستہ رکھی تھیں۔ سلاطین فارس بھی اسی کے محتاج اور اس کی طرف امید و بیم کی نظر سے دیکھتے تھے مجھے دکھلانا ہے کہ ایسے شخص کے خود ذاتی خیالات کیا تھے۔ اور اسلام کی عظمت و محبت کو کہاں تک دل میں لیئے ہوئے تھا مسلمانوں کے مقابلہ سے کیونکر پہلو بچاتا تھا۔ اور باایں ہمہ شجاعت و مردانگی بزدلوں کی طرح حیلہ و حوالہ سے جنگ کو ٹالتا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ بدقسمتی نے اُس کو اس دولت سے

محروم رکھا۔ اور انجام کار اُسکو وہی روز بد دیکھنا پڑا جس سے وہ بچتا تھا۔ باوجود معرفت و علم ذاتی کے تصدیق کا درجہ نصیب نہ ہوا۔ اور حسرت و افسوس کیساتھ کفر کی حالت میں جان دیدی۔

عنوان مذکورہ کے ذیل میں بہت سے واقعات اور حالات ہیں جن سے ہمارے اصلی دعوے اشاعت اسلام پر نہایت خوبی سے روشنی پڑتی ہے۔ اس لئے ناظرین صبر و سکون کیساتھ ان مسلسل واقعات کو (جو خاص اس عنوان کے ذیل میں لکھے جائیں گے۔ اور جنکا تعلق عنوان مذکورہ سابق سے ہی ملاحظہ فرمائیں۔ اور اُن کے نتائج کا آخر مضمون پر انتظار کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت سے ملک فارس میں ایسے تغیرات و حوادث پیش آنے شروع ہوئے کہ ہزارہا سالہ سلطنت کی استوار و مستحکم بنیادیں متزلزل ہونے لگیں۔ جلد جلد انقلاب سلطنت نے اُنکی قوت کو منتشر۔ ارادوں کو ضعیف۔ ہمتوں کو پست کر دیا تھا۔

کسرے پرویز ۳۸ سال سلطنت کرنے کے بعد ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے چھٹے سال اپنے بیٹے اور جانشین کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اور اس کا جانشین شیرویہ بھی آٹھ ماہ سے زیادہ سلطنت کرنے نہ پایا تھا کہ ہلاک ہو گیا اُس کی جگہ سات برس کا بچہ اردشیر تخت پر بٹھلایا گیا۔ اور ایک سردار نے جس کا نام بہادر جشنس تھا بطور نائب السلطنت سب اختیارات اپنے ہاتھ میں لئے ایک معمولی شخص کا غیر محدود اختیارات کو ہاتھ میں لیکر سیاہ و سفید کا مالک بن جانا عام طور پر سرداران فارس کو ناگوار تھا۔ مگر ایک بہت بڑے جرنیل شہریراز کو جسے کسریٰ پرویز نے سرحد روم پر عظیم الشان فوج کے ساتھ مامور کیا تھا زیادہ ناگوار گزرا۔ اور اُس نے آکر فوراً مداین کا محاصرہ کرکے بالآخر اردشیر کو قتل کیا۔ اور خود تخت سلطنت پر غاصبانہ متمکن ہو گیا۔ یہ شخص خاندان شاہی سے نہ تھا ادھر اردشیر کے قتل کرنے کی وجہ سے عام طور پر بُری نظروں سے دیکھا جاتا تھا تین بھائیوں نے جو باڈی گارڈ کے سواروں میں تھے مشورہ کرکے عین جلوس کے وقت جبکہ اُسکو تخت سلطنت پر جلوہ گر ہوئے چالیس ہی دن گزرے تھے قتل کر دیا۔ اُس کے بعد خاندان شاہی میں سے کوئی مرد تو اس قابل نظر نہ آیا کہ مالک تاج و تخت ہوتا۔ کیونکہ شیرویہ نے اپنے تمام بھائیوں اور وارثان ملک کو قتل کر دیا تھا۔ اس لئے کسریٰ پرویز کی بیٹی توران مالک سلطنت بنائی گئی۔ اور وہ ایک برس چار ماہ سلطنت کرنے پائی تھی کہ ایک دوسرا شخص جو کسرے پرویز

کے بعید تر رشتہ داروں میں سے تھا۔ قابض ملک ہوگیا۔ لیکن ابھی ایک ماہ بھی لطفِ سلطنت نہ اُٹھایا تھا کہ اہل فارس نے اس کو بھی قتل کر دیا۔ اور اب کسرےٰ پرویز کی دوسری بیٹی ارزمیدخت مالک تاج و نگیں بنائی گئی۔

یہ عورت حسن و جمال میں شہرۂ آفاق تھی۔ خراسان کے گورنر جنرل اور کمانڈر انچیف فرخ ہرمز نے جو تمام ملک فارس میں اوّل درجہ کا افسر اور سردار تھا ملکہ کو نکاح کا پیام بھیجدیا۔

ملکہ نے بوجہ داب سلطنت نکاح تو مناسب نہ سمجھا۔ مگر بوجہ خوف صاف جواب بھی نہ دے سکی بلکہ اس کو ملاطفت و حیلہ سے بلوا کر قتل کرا دیا۔

فرخ ہرمز کا بیٹا رستم اُس کی غیبت میں خراسان کا قائم مقام گورنر تھا اُس کو جب باپ کے قتل کی خبر پہنچی تو اُس نے مدائن پر چڑھائی کر کے ملکہ کو اندھا کرنے کے بعد قتل کر دیا اور خود سیاہ و سفید کا مالک بن کر ایک اور شخص کو تخت سلطنت پر بٹھلا دیا۔ یہ بھی چھ ماہ سے زیادہ سلطنت کرنے نہ پایا تھا کہ تخت سے اُتار کر قتل کر دیا گیا۔ اُس کے بعد ملک فارس بالکل بے سر رہ گیا۔ برائے نام بھی کوئی بادشاہ نہ رہا جو کچھ تھا رستم تھا۔

یہی وہ رستم ہے جس کا حال یہاں ہم لکھنا چاہتے ہیں جس کی ذات پر تمام اہل فارس کا سہارا تھا اور جس کی زبردست قوت اور فوق العادت شجاعت پر ملک بھر کو اعتماد تھا اور جس کے قتل پر قادسیہ کے مشہور عالم معرکہ کا خاتمہ ہوا تھا۔

اِدھر تو ملک فارس کی یہ کیفیت تھی اُدھر اسلامی فتوحات کا سیلاب عظیم ملک کو زیر و زبر کرتا ہوا چلا آتا تھا اہل فارس اگر کچھ کرتے تو رستم کے سہارے پر کرتے مگر وہاں اُسکا ایک مد مقابل فیرزان پیدا ہوگیا۔ انکی باہمی مخالفت اور غضب ڈھا رہی تھی۔ وہ آپس کے مناقشات اور جنگ و جدل کی وجہ سے اس قابل نہ رہے تھے کہ اپنی قوت کو اہل اسلام کے مقابلہ کیلئے مجتمع کر سکتے فارس کی زبردست اور عظیم الشان سلطنت فی الحقیقت تو ضعیف نہ ہوگئی تھی اُس میں کافی سے زیادہ جنگی مواد موجود تھا عساکر قاہرہ سے چھاؤنیاں بھری ہوئی تھیں۔ کسرےٰ پرویز نے حسن تدبیر یا ظلم[1] و تعدی کے ساتھ اس قدر روپیہ ملک سے وصول کیا تھا کہ خزانے معمور تھے۔

---

[1] پرویز کو اُسکے بیٹے شیرویہ نے بمشورہ سرداران فارس قید کرنے کے بعد جو خط لکھا تھا۔ (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۱۲۵)

یہ ایسی زبردست قوت تھی کہ روم وشام کی عظیم الشان اور قدیم سلطنت کو بھی اُس کے سامنے گردن جھکانی اور ہرقل قیصر روم کو بادل ناخواستہ اپنی بیٹی پرویز کے نذر کرنی پڑی تھی۔ پرویز کو قتل ہوئے ابھی سات سال سے زیادہ نہ ہوئے تھے سلطنت کے تمام ممالک بدستور زیر نگیں تھے۔ قوت جوں کی توں موجود تھی صرف ضعف تھا تو یہ کہ بے سری اور خانہ جنگی کی وجہ سے قوت کو کام میں نہ لا سکتے تھے۔

ارا کین سلطنت اور سرداران فارس اس حالت پر زیادہ صبر نہ کر سکے سب نے مل کر[عہ] رستم اور **فیروزان** کو جمع کیا۔ اور کہا ملک اس حالت کو پہنچ گیا مگر تمہارا باہمی اختلاف ختم ہونے میں نہیں آتا۔ اب ہم تم کو اس رائے پر زیادہ دیر تک قائم نہ رہنے دینگے یا تم دونوں متفق ہو کر ملک کی حفاظت کرو۔ ورنہ اوّل ہم تم کو قتل کر کے خود ہلاک ہو جائیں گے۔

اس پر دونوں نے متفق ہو کر کسریٰ کی بیٹی **پوران** سے دریافت کر کے کسرے کی تمام عورتوں بیبیوں اور باندیوں کو جمع کیا اور اُن سے پوچھا کہ کسرے کی اولاد میں کوئی لڑکا ہو تو بتلاؤ سب نے انکار کیا۔ مگر ایک عورت نے پتہ دیا کہ کسریٰ کا پوتا یزدجرد اپنی ننہال میں ہے اُس کی ماں نے قتل[لہ] کے خوف سے وہاں بھیجدیا تھا۔ رستم اور فیروزان نے یزدجرد کو جس کی عمر ۱۲ سال

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۴) اسمیں منجملہ اور الزامات کے یہ بھی تھا کہ تو نے جبر و تعدی کے ساتھ رعیت سے روپیہ وصول کر کے خزانوں کو پُر کیا ہے۔ پرویز نے اُس کے جواب میں شیرویہ کو لکھا کہ یہ تیرا خیال احمقانہ ہے کہ ہم نے جبر و تعدی سے بے ضرورت روپیہ جمع کیا ہے۔ ملک بغیر خزانہ کے کبھی باقی نہیں رہ سکتا۔ تو نے اگر بے طور خرچ کر کے خزانے خالی کر دیئے تو انجام برا ہوگا۔ غرض خزانوں کے مالا مال ہونیکو شیرویہ تو نتیجہ جبر و تعدی کا بتاتا ہے اور پرویز حُسنِ تدبیر کا اسلئے ہمنے دونوں لفظ لکھدیئے ۱۲

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ہذا) لہ کسریٰ پرویز کے اٹھارہ بیٹے تھے۔ سب میں بڑا شہریار تھا جسکو شیریں نے بیٹا بنالیا تھا۔ منجموں نے پرویز سے کہدیا تھا کہ سلطنت فارس کا زوال تیری اولاد میں سے ایسے شخص کے وقت ہونیوالا ہے جسکے کسی عضو میں نقصان ہوگا۔ اس بنا پر پرویز نے اپنی تمام اولاد کو شادی اور بیاہ سے روکدیا تھا۔ شہریار نے خفیہ بمشورہ شیریں ایک عورت کے ساتھ میل کر لیا جس سے یزدجرد پیدا ہوا مگر خوف قتل سے اُسکو مخفی رکھا گیا۔ آخر عمر میں جب پرویز کو بچوں کی طرف رغبت پیدا ہوئی اور اسکو خیال ہوا کہ میں بھی اپنے بیٹوں کی اولاد کو دیکھتا تو شیریں نے یزدجرد کو بلا کر دکھلایا پرویز اُس کے ساتھ بہت محبت کرتا تھا۔ ایک دن اتفاق سے یزدجرد بچوں میں کھیل رہا تھا۔ پرویز کی نظر اُس کے بدن پر پڑی تو معلوم ہوا کہ اس کا ایک سُرین چھوٹا ہے۔ پرویز نے اُس کو قتل کرنا چاہا مگر شیریں نے یہ کہکر روکدیا کہ اگر یہ امر مقدر ہو چکا ہے تو ہو کر رہیگا۔ اس کے بعد یزدجرد کو وہاں سے کسی دوسری جگہ بھیجدیا ۱۲

عہ اجتمعوا فیما بینہم واحضروا الامیرین الکبیرین منہم وہما رستم والفیروزان فتذامروا فیما بینہم وتواصوا وقالوا لہما لئن لم تقوما بالحرب کما ینبغی لنقتلنکما

تھی وہاں سے بلاکر تخت شاہی پر بٹھلایا۔

ملک فارس کے عہدہ داران ملکی ومالی سرداران فوجی ماتحت نوابوں اور جاگیرداروں سے لیکر رعیت کے ادنےٰ افراد تک (جو ملک کو بے سر اور تخت کو خالی اور سلطنت کو تباہ ہوتے دیکھکر سخت پریشان واندوہگین تھے اور اس وقت ہر شخص کے نزدیک اپنے ناموس سے زیادہ ملک کی حفاظت اہم اور ضروری تھی)، یزدجرد کو تخت پر جلوہ گر دیکھکر اطاعت وانقیاد کے لئے دوڑ پڑے اور تخت شاہی کے گرد پروانہ وار جمع ہوکر ملک پر قربان ہونے کے واسطے تیار ہوگئے۔

ملک بھر میں جنگ اور حفظ سلطنت کا جوش تو پہلے سے ہی پھیلا ہوا تھا فوجیں میدانِ جنگ میں جانے اور دادِ شجاعت دینے کیواسطے بیقرار تھیں۔اب اتحاد واتفاق کی ایک لہر تمام جگہ پھر گئی۔

یزدجرد نے ایسی مستحکم اور قوی سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی جسمیں کسی جانب بھی ضعف نتھا اُسکو وہ بات نصیب ہوئی جو کسرےٰ پرویز کو باایں ہمہ سطوت وجبروت حاصل نہ تھی۔کیونکہ اُس کی حکومت دلوں پر نہ تھی بلکہ عام افراد اسکے جابرانہ احکام سے بیزار تھے۔اور اسی وجہ سی انجام کار قید ہوکر قتل ہوا۔

اور یزدجرد کی حالت عین برعکس تھی۔سارے ملک کے دل مسخر تھے۔ہر فرد فریفتہ اور اُسکی ادنےٰ اشارہ سے ایک مرکز پر جمع ہوکر سب کے سب جان دینے کے لئے تیار تھے۔

یزدجرد نے زمام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی منتشر قوت کو مجتمع کردیا۔فوجوں کو ملک کے حصوں پر منقسم کرکے چھاؤنیاں قایم کردیں۔اور تمام چھاؤنیوں، سرحدوں اور مورچوں کے لئے فوجیں نامزد کرکے اُنکا تعلق مرکز سے قائم کردیا۔اور سلطنت کا وہ رعب وداب از سر نو زندہ کیا جو کچھ عرصہ کے لئے گم ہوگیا تھا اور اس طرح انتظام کرکے مسلمانوں سے مقابلہ یا بالفاظ دیگر اُنکو اپنے ملک کی اطراف سے جن پر وہ مسلط ہوگئے تھے نکالنے کے واسطے مستعد ہوگئے۔اس بڑی تیاری کے بعد سب کی پہلا اور سب سے بڑا معرکہ قادسیہ کا ہوا۔گویا یہ سب سامان جنگ قادسیہ کی تمہید تھی۔

ہم نے اس وقت تک مضمون مذکورہ بالا میں جو کچھ لکھا اُس کی غرض یہ تھی کہ ناظرین سلطنت کی موجودہ حالت سے ایسی واقفیت پیدا کرلیں جو واقعات مابعد میں اُن کی رہبری کرسکے اور جنگی وجہ سے نتیجوں کے سمجھنے میں آسانی ہو۔اب ہم واقعات مابعد کو نمبروار لکھکر آخر میں نتیجہ لکھیں گے

(ا) اسلامی لشکر جو عراق میں داخل ہو کر فتوحات اسلامیہ کو وسعت دے رہا تھا۔ اُس کے سپہ سالار حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضؓ تھے۔ جو شجاعت اور تدبیر میں حضرت خالد رضؓ سپہ سالار شام کی برابر اور نظیر سمجھے جاتے تھے۔ حضرت مثنیٰ کے پاس کُل آٹھ ہزار فوج تھی اُنکو یزدجرد کی تخت نشینی فارس کے اتفاق اور ارادوں کی اطلاع ملی تو قبل اس کے کہ اہل فارس پیش قدمی کریں آپ نے کمال ہوشیاری اور دانشمندی سے سب حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لکھ کر بھیجا اور یہ بھی لکھا کہ اہلِ سواد عراق جو اسلام کے ذمّہ اور عہد میں داخل ہو چکے ہیں اُن سے بھی نقض عہد کا اندیشہ ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خط کو دیکھتے ہی فرمایا:۔

وَاللّٰہِ لَاَضْرِبَنَّ مُلُوْکَ الْعَجَمِ بِمُلُوْکِ الْعَرَبِ۔	قسم ہے ربّ العزت کی اگر ملوک عجم مجتمع ہو گئے ہیں تو میں اُن کے مقابلہ کے لئے ملوک عرب کو بھیجونگا۔

آپ نے عام حکم کے ذریعہ سے تمام قبائل عرب کو اطلاع دیدی کہ ہر قبیلہ کے رئیس منتخب اور تجربہ کار، مدبر خاندانی۔ شریف، مقرر۔ واعظ۔ خطیب و شاعر اور جو لوگ فنون جنگ میں ماہر یا قوت شجاعت۔ شہسواری و تیراندازی میں مشہور ہیں سب امیر عراق کے لشکر میں جا ملیں ایسا ہی ہوا آپ کا حکم پاتے ہی جن میں جنگ کی قابلیت تھی یا کسی بات میں ممتاز و مشہور تھے سب نکل کھڑے ہوئے۔ جو قبائل مدینہ اور عراق کی نصف مسافت پر رہتے تھے وہ تو براہ راست عراق کو روانہ ہو گئے اور جو مدینہ سے قریب تھے وہ مدینہ میں آ کر جمع ہو گئے۔

اس لشکر کے جمع ہو جانے کے بعد حضرت عمر رضؓ معہ تمام لشکر کے مدینہ منورہ سے باہر ایک چشمہ پر جسکا نام صرار تھا خیمہ زن ہوئے۔ لوگوں کو اس کی وجہ معلوم نہ تھی اور نہ اُن کی جرات تھی کہ اسکا سبب دریافت کر سکتے۔ جب کبھی ضرورت کسی امر کے دریافت کی ہوتی تھی تو حضرت عثمان رضؓ اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضؓ کو ذریعہ بنایا جاتا تھا۔ اور اگر کسی بات کو یہ دونوں صاحب بھی دریافت نہ کر سکتے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے کام ہوتا تھا۔ اب بھی لوگوں نے حضرت عثمان رضؓ سے

لہ حضرت عثمان رضؓ کا درجہ علاوہ وزیر و مشیر ہونے کے ولیعہد کا سا تھا۔ حضرت عمر رضؓ نے کسی کو ولیعہد آخر تک بھی نہیں بنایا مگر صحابہ کا خیال عام طور پر یہی تھا کہ بعد حضرت عمر رضؓ کے خلافت انہیں کو ملنی چاہیئے اور اس لئے عام طور پر اُنکو ردیف کے لقب سے ملقب کیا جاتا تھا۔ عرب کے محاورہ میں ردیف اُسکو کہتے ہیں جو کسی کے بعد اس کام کو سنبھال سکے جو اُسکے سپرد تھا۔

سلہ قال ابن جریر رہ ورکب عمر رضؓ فی اول یوم من المحرم فنزل علی ماء یقال لہا صرار فعسکر بہ عازماً علی غزو العراق بنفسہ واستخلف علی المدینۃ علی بن ابی طالب [illegible]

عرض کیا۔ اور انھوں نے آپ سے نقل و حرکت کا سبب پوچھا۔ تب آپ نے سب کو جمع کر کے سارا حال بیان کیا اور اپنے بارہ میں مشورہ طلب کیا کہ میرا خود جانا مناسب ہے یا یہاں رہنا۔ عامۂ سب کی رائے یہ تھی کہ آپ بھی تشریف لے چلیں اور آپ کے ہم رکاب ہم سب ہوں۔ آپ نے اسکو قبول کر کے فرمایا کہ سب لوگ تیاری کریں میں بھی چلونگا۔ ہاں اگر اس سے بہتر کوئی دوسری رائے معلوم ہوگئی تو اُسپر عمل کیا جاویگا۔ اس کے بعد آپ نے جلیل القدر صحابہ کو جمع کیا۔ حضرت علیؓ کو بطور قائم مقام مدینہ منورہ میں چھوڑا تھا اور حضرت طلحہ مقدمۃ الجیش پہ تھے۔ اور حضرت زبیر و عبد الرحمٰن بن عوف میمنہ و میسرہ پر ان سب کو طلب فرما کر مکرر مشورہ فرمایا۔ ان حضرات نے متفق ہو کر رائے دی کہ آپ خود تشریف نہ لے جائیں کسی کو امیر بنا کر بھیج دیجئے۔ اگر فتح ہوگئی تو فہو المراد اور اگر کوئی دوسری بات ہوئی تو دوسرے اور تیسرے کو مامور فرمائیے۔ اسکا اثر دشمن پر زیادہ پڑیگا۔

معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی اصلی رائے اول سے یہی تھی۔ مگر عوام کی تالیف اور تقویت کے لئے اس پہلی رائے کو قبول فرمالیا تھا۔ اب آپ نے اعلان کر دیا کہ ذی رائے اصحاب کا مشورہ یہ ہو کہ میں خود نہ جاؤں اس لئے یہ ارادہ ترک کر دیا گیا اور بعد مشورہ حضرت سعد بن ابی وقاص کو جو قبیلہ ہوازن پر عامل تھے امیر عسکر عراق بنایا گیا۔ اور آپ نے اُنکو طلب کر کے علم امارت عطا فرما کر ارشاد فرمایا:۔

لَا يَغُرَّنَّكَ مِنَ اللّٰهِ اَنْ قِيْلَ خَالُ
رَسُوْلِ اللّٰهِ وَصَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ
فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَا يَمْحُو السَّيِّئَ
بِالسَّيِّئِ وَلٰكِنْ يَمْحُو السَّيِّئَ بِالْحَسَنِ
فَاِنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اَحَدٍ نَسَبٌ
اِلَّا طَاعَتَهٗ فَالنَّاسُ شَرِيْفُهُمْ وَوَضِيْعُهُمْ
فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ سَوَاءٌ اَللّٰهُ رَبُّهُمْ وَهُمْ
عِبَادُهٗ يَتَفَاضَلُوْنَ بِالْعَافِيَةِ وَيُدْرِكُوْنَ
مَا عِنْدَهٗ بِالطَّاعَةِ فَانْظُرِ الْاَمْرَ الَّذِيْ

اس پر غرہ نہ کرنا کہ لوگ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ماموں رفیق اور صحابی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ برائی کو بُرے عمل سے کبھی نہیں مٹاتا۔ البتہ اچھے عمل سے برائیاں محو کر دی جاتی ہیں۔ اللہ اور بندوں میں کوئی رشتہ قرابت نہیں ہے۔ اگر علاقہ ہو تو صرف اطاعت کا آدمی شریف و رذیل اعلیٰ و ادنےٰ اللہ کے یہاں سب برابر ہیں اُنمیں باہم تفاوت مراتب ہو تو عافیت نفس اور گناہوں سے بچنے میں۔ وہ اسکے انعامات و کمالات کو صرف طاعت کے ذریعہ سے حاصل کر سکتے ہیں تم جس طریقہ کو مضبوطی سے

لہ ثم عقد مجلسا لاستشارة الصحابة فيما اعزم عليه ونودي ان الصلاة جامعة وقد ارسل الى علي فقدم من المدينة ثم استشارهم فكلهم وافقوه على الذهاب الى العراق الا عبد الرحمن بن عوف فانه قال له اني اخشى ان كسرت ان تضعف المسلمون في سائر اقطار الارض واني ارى ان تبعث رجلا وترجع انت الى المدينة فارفا عمر والناس عنده الى ذلك واستصوبوا رأي ابن عوف فقال عمر فمن ترى ان نبعث الى العراق فقال قد وجدته قال ومن هو؟ قال الاسد في براثنه سعد بن مالك الزهري فاستجاد قوله وارسل الى سعد فامره على العراق واوصاه فقال لا يغرنك الخ البداية والنهاية ص ٢٥ ج ٧

رَاَیْتَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَلْزَمُہٗ مُنْذُ بُعِثَ اِلٰی اَنْ فَارَقَنَا فَالْزَمْہُ فَاِنَّہُ الْاَمْرُ۔ ھٰذِہٖ عِظَتِیْ اِیَّاکَ اِنْ تَرَکْتَہَا وَرَغِبْتَ عَنْہَا حَبِطَ عَمَلُکَ وَکُنْتَ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ۔

پکڑو جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے وفات تک قائم رہے۔ بس یہی میری نصیحت ہے۔ اگر تم نے اُس کو چھوڑ دیا تو پہلے اعمال صالحہ بھی حبط اور محو ہو جائیں گے۔

اور جب حضرت سعدؓ رخصت ہونے لگے تو اُن کو علٰحدہ بلا کر خاص ہدایات فرمائیں جو حکمت سے لبریز تھیں۔ اُن ہدایات کو حضرت عمرؓ ہی کے الفاظ میں نقل کرنا مناسب ہے ارشاد فرمایا۔

اِنِّیْ وَلَّیْتُکَ حَرْبَ الْعِرَاقِ فَاحْفَظْ وَصِیَّتِیْ فَاِنَّکَ تَقْدِمُ عَلٰی اَمْرٍ شَدِیْدٍ کَرِیْہٍ لَا یُخَلِّصُ مِنْہُ اِلَّا الْحَقُّ فَعَوِّدْ نَفْسَکَ وَمَنْ مَعَکَ الْخَیْرَ۔ وَاسْتَفْتِحْ بِہٖ۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّ لِکُلِّ عَادَۃٍ عَتَادًا فَعَتَادُ الْخَیْرِ الصَّبْرُ۔ فَالصَّبْرَ الصَّبْرَ عَلٰی مَا اَصَابَکَ وَنَابَکَ یَجْتَمِعُ لَکَ خَشْیَۃُ اللّٰہِ وَاعْلَمْ اَنَّ خَشْیَۃَ اللّٰہِ تَجْتَمِعُ فِیْ اَمْرَیْنِ فِیْ طَاعَتِہٖ وَاجْتِنَابِ مَعْصِیَتِہٖ وَاِنَّمَا اَطَاعَہٗ مَنْ اَطَاعَہٗ بِبُغْضِ الدُّنْیَا وَحُبِّ الْاٰخِرَۃِ۔ وَلِلْقُلُوْبِ حَقَائِقُ یُنْشِئُہَا اللّٰہُ اِنْشَاءً۔ مِنْہَا السِّرُّ وَمِنْہَا الْعَلَانِیَۃُ فَاَمَّا الْعَلَانِیَۃُ فَاَنْ یَکُوْنَ حَامِدُہٗ وَذَامُّہٗ فِی الْحَقِّ سَوَاءً

میں تم کو عراق کا امیر عسکر بنا کر بھیجتا ہوں میری یہ وصیت یاد رکھنا کہ تم ایک سخت اور دشوار کام کے لئے جاتے ہو جس سے خلاصی کی صورت بجز اتباع حق کچھ نہیں۔ اپنے نفس کو عمل خیر کی عادت ڈالو اور اُسی کے وسیلہ سے فتح کو طلب کرو۔ اور جان لو کہ ہر ایک علامت کیلئے سامان اور اسباب ہوتے ہیں خیر کا سامان اور سبب صبر ہے۔ جو مصیبت یا حادثہ پیش آئے اُسمیں صبر کو لازم پکڑو۔ ایسا کرنے سے خوف خدا تمہارے اندر پیدا ہوگا اور یاد رکھو کہ خوف خدا کی دو ہی علامتیں ہیں۔ اُس کے حکم کی اطاعت کرنا اور معصیت و نافرمانی سے بچنا اطاعت خداوندی وہی شخص کرتا ہے جو دنیا سے نفرت کرے اور آخرت کی طرف راغب ہو اور معصیت کا سبب فقط دنیا کی محبت اور آخرت سے بے رغبتی ہے اللہ تعالیٰ قلوب میں خاص اوصاف اور عمدہ کیفیت راسخ فرما دیتا ہے جنکے بعض ظاہر آثار ہیں اور بعض مخفی۔

وَ اَمَّا السِّرُّ فَيُعْرَفُ بِظُهُوْرِ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهٖ عَلٰى لِسَانِهٖ وَ بِمُحَبَّةِ النَّاسِ فَلَا تَزْهَدْ فِي التَّحَبُّبِ فَاِنَّ النَّبِيِّيْنَ قَدْ سَأَلُوْا مُحَبَّتَهُمْ وَ اِنَّ اللّٰهَ اِذَا اَحَبَّ عَبْدًا حَبَّبَهٗ وَ اِذَا اَبْغَضَ عَبْدًا اَبْغَضَهٗ فَاعْتَبِرْ مَنْزِلَتَكَ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى بِمَنْزِلَتِكَ عِنْدَ النَّاسِ مِمَّنْ يَشْرَعُ مَعَكَ فِيْ اَمْرِكَ۔

ظاہر تو یہ ہیں کہ حق کے اتباع میں کسی کی مدح وذم کی پروا باقی نہ رہے۔ اور مخفی یہ ہیں کہ حکمت کا دروازہ اسپر کھولدیا جاتا ہے۔ اور اسکا ظہور زبان کے ذریعہ سے ہونے لگتا ہے۔ اور وہ محبوب خلائق بنجاتا ہے۔ تم اندیشہ مدارات خلق یا شائبہ ریا سمجھ کر اس امر سے اعراض نہ کرنا۔ انبیا علیہم السلام نے بھی محبوب خلائق بننے کی خواہش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کو دوست رکھتا ہے تو مخلوق میں اُسکو محبوب بنا دیتا ہے اور جب کوئی اُسکے یہاں مبغوض ہوتا ہے تو مخلوق میں اُسکو مبغوض و مردود بنا دیتا ہے۔ تم اگر یہ معلوم کرنا چاہو کہ خدائے تعالیٰ کے یہاں تمہارا کیا مرتبہ ہے۔ تو جو خواص بندگانِ خدا تمہارے ہمراہ اور تمہارے کام میں شریک ہیں اُنکے نزدیک اپنے مرتبہ اور قدر و منزلت کو دیکھ لو)۔

اس کے بعد حضرت سعدؓ روانہ ہوئے اور حضرت عمرؓ ضرار سے اعوص تک اُن کو رخصت کرنے کے واسطے تشریف لے گئے اور وہاں پہنچکر عام لشکر کو نصیحتیں فرمائیں۔ اسکے بعد ہر قبیلہ مع اپنے سرداروں کے آپ کے سامنے گزرنا شروع ہوا۔ آپ اُنکو دیکھکر خوش ہوتے تھے لیکن جب قبیلہ سکون آپ کے سامنے سے گزرا تو چہرۂ مبارک پر آثار کراہت و انقباض ظاہر ہوئے اور آپ نے اُدھر سے منہ پھیر لیا۔ لوگ اس حال کو دیکھکر سخت متعجب تھے۔ حضرت عمرؓ اُن کی روانگی کے بعد بھی کراہت اور ناراضی کا اظہار فرماتے تھے۔ اس وقت تو کسی کے کچھ سمجھ میں نہ آیا مگر عرصہ کے بعد اُس کی حکمت ظاہر ہوئی۔ اُسی قبیلہ میں وہ شخص تھا جس نے حضرت عثمانؓ کو قتل کیا۔ اور اُسی میں ابن ملجم بھی تھا جس نے اسد اللہ

ک عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی۔ برک بن عبداللہ تمیمی۔ عمرو بن بکر۔ یہ تینوں شخص فرقہ خارجیہ سے تھے۔ ایک روز ان تینوں نے مشورہ کیا کہ اس وقت اس گمراہ فرقہ (اہل سنت) کے جو سربرآوردہ اور امام ہیں اُنکو قتل کر دیا جائے تو دنیا بھی امن سے ہو جائے اور نہروان میں جو ہمارے گروہ کے صلحا قتل ہوئے ہیں اُنکا بدلہ بھی ہو جائے۔ برک بن عبداللہ نے تو امیر معاویہ کا ذمہ لیا۔ اور عمرو بن بکر نے عمرو بن العاص کا اور اُن میں کے شقی تر ابن ملجم نے حضرت علیؓ کے شہید کرنے کا عہد کیا۔ اس قرارداد کے بعد تینوں روانہ ہوئے۔ ابن ملجم کوفہ پہنچا (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۱۳۱)

بینة فی صدرہا حتی یحبہا اللہ من علم شیئا فلیتقطع بہ فان للعدل امارات و تباشیر فاما الامارات فالحیاء و السخاء و الھین و اللین و اما التباشیر فالرحمة و البدایة و النہایة

الغالب حضرت علی رضؓ ابن ابی طالب کو قتل کرکے اپنی شقاوت کا ثبوت دیا۔ اور اُن ہی میں معاویہ بن حدیج بھی تھا جس نے حضرت عثمان رضؓ کے بدلہ لینے کو بہانہ بناکر مسلمانوں پر قتل وظلم کا بازار گرم کیا اور اُن ہی میں حصین بن نمیر بھی تھا جس نے حضرت علی رضؓ کے مقابلہ میں بہت کچھ حصّہ لیا۔

غرض فتنہ پردازوں کا جتھا اس قبیلہ میں موجود تھا۔ اور یہ وجہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُن کی صورت سے بیزار اور عراق جانے کو بُرا سمجھتے تھے۔ اس وقت گو ان لوگوں میں اس قسم کی فتنہ پردازی کی کوئی بات نہ تھی اور اسی وجہ سے کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ حضرت عمر رضؓ ان کی شرکت جہاد سے کیوں منقبض ہیں اس وقت تو یہ بھی قادسیہ کے لشکر کے سپاہی تھے مگر اُن میں یہ فتنہ موجود تھا جس کا ظہور اس وقت سے سترہ اٹھارہ سال بعد ہوا۔

الغرض اس اہتمام کے ساتھ حضرت عمر رضؓ نے حضرت سعد رضؓ کو رخصت کیا اور ہر قسم کی ہدایات اُنکو کردیں اور اُن کی روانگی کے بعد بھی برابر امداد کے لئے لشکر بھیجتے رہے اور اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۰) تو وہاں ایک نہایت باجمال عورت قطام سے جو اُس کے ہم مذہب تھی ملنا ہوگیا جسکو دیکھ کر یہ فریفتہ ہوگیا اور فوراً نکاح کا پیام دے دیا۔ قطام نے کہا اس شرط پر منظور ہے کہ میرے مہر میں تین ہزار درہم ایک غلام اور ایک باندی دے اور حضرت علی رضؓ کو قتل کردے۔ ابن ملجم نے کہا قتل علی رضؓ کی شرط سے معلوم ہوتا ہے کہ تجھ کو نکاح کرنا منظور نہیں ہے۔ کیونکہ میں زندہ نہیں بچ سکتا۔ قطام نے کہا اگر زندہ بچگیا تو فہو المراد ورنہ آخرت کی نعمت ولذت کافی ہے۔ ابن ملجم تو خود ہی اس ارادہ سے آیا تھا۔ اب نکاح کی طمع نے اور بھی مستعد کیا۔ اندھیرے سے مسجد میں جا بیٹھا اور جب حضرت علی رضؓ نماز صبح کو تشریف لائے تو تلوار ماری جس سے آپ شہید ہوئے۔ اسی قصّہ کو خوارج کے ایک شاعر نے اس طرح ذکر کیا ہے

فلو مہراساق ذو سماحۃ — کمہر قطام بین عرب واعجم
عرب وعجم میں کسی صاحب ہمت نے — قطام کے مہر کی برابر مہر نہیں دیا

ثلاثۃ آلاف وعبد وقینۃ — وقتل علی بالحسام المصمم
تین ہزار درہم۔ ایک غلام۔ ایک باندی — اور علی (کرم اللہ وجہٗ) کا مضبوط تلوار سے قتل کرنا

فلا مہر اعلیٰ من قطام وان غلا — ولا فتک الا دون فتک ابن ملجم
کوئی مہر کتنا ہی بڑا ہو قطام کے مہر سے زیادہ نہیں ہوسکتا — اور کوئی حملہ ابن ملجم کے حملہ سے بڑھا ہوا نہیں

طرح حضرت مثنیٰ کی فوج ملاکر کچھ اوپر تیس ہزار لشکر قادسیہ کے معرکہ کے لئے بہم پہنچا۔

اتفاقی امر ہے کہ حضرت سعدؓ ابھی مقام زرود تک ہی پہنچنے تھے کہ تجربہ کار اور بیدار مغز امیر عراق مثنیٰ بن حارثہ کا انتقال ہوگیا مگر اُنھوں نے انتقال سے قبل جنگ کے متعلق ضروری ہدایات لکھ کر ایک شخص کو دیں کہ فوراً حضرت سعدؓ کے پاس پہنچادی جاویں۔

ان ہدایات میں یہ بھی تھا کہ ناف فارس میں داخل ہوکر ہرگز جنگ نہ کریں۔ بلکہ لڑائی کے لئے ایسے موقع کو منتخب کریں جو عرب اور فارس کی سرحد پر ہو۔ تاکہ اگر اس عظیم الشان پیش آنیوالے معرکہ میں مسلمان فتحیاب ہوں تو پیش قدمی سہل ہے اور کوئی دوسری بات پیش آوے تو وہ اپنی حدود میں داخل ہوکر حالت کو سنبھالنے اور دوبارہ حملہ کرنے کے قابل ہوجائیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی رائے لکھی اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ اپنے اور مثنیٰ کے لشکر کو جمع کرکے قادسیہ پر مقام کریں۔

حضرت سعدؓ ان ہدایات پر کاربند ہوکر قادسیہ پہنچگئے۔ اور یہی موقع اس معرکہ کے لئے زیادہ موزوں اور مناسب بھی تھا۔

(۲) یہ تو مسلمانوں کی حالت تھی کہ اُنھوں نے خبر پاتے ہی مقابلہ کا سامان مکمل کرلیا لیکن مداین پایہ تخت فارس میں کیا ہورہا تھا۔ ہم اُس کا حال بھی بیان کرنا چاہتے ہیں۔

یزدجرد کی تخت نشینی کے بعد تمام قوت یکجا ہوکر ہر قسم کا سامان مکمل ہوچکا تھا اور وہ بہمہ وجوہ مقابلہ بلکہ عرب کو تباہ و برباد کرنے کے واسطے تیار بیٹھی تھی۔ فوجیں سلسلہ وار چھاونیوں میں مقیم لگاتار امداد کو تیار تھیں کہ اسی درمیان میں دیہات عراق کے باشندوں نے حضرت سعد کے قادسیہ پہنچنے اور مواضع متصلہ پر حملہ کرنے کی خبر بھیجکر فریاد کی۔

یزدجرد نے رستم کو طلب کرکے کہا کہ میں تجھ کو اسلامی لشکر کے مقابلہ کے لئے بھیجنا چاہتا ہوں آج فارس بھر میں تجھ سے بڑھ کر کوئی شخص نہیں ہے اگر اوّل ہی مرتبہ ایک سخت حملہ اور زبردست قوت کے ساتھ ان کا قلع قمع کردیا گیا تو اُن کے حوصلے پست ہوجاینگے اور پھر ہم خود اُن کے گھر پر حملہ کرکے اُن کو غلام بنائیں گے۔

رستم نے کہا میری رائے اس کے بالکل خلاف ہے۔ عرب کے دل میں عجم کا رعب

زوجتہ سلمیٰ۔ البدایۃ والنہایۃ۔ صفحہ ۳۶ ۵۲ واجتمع رأی الفرس علی ارسال رستم الیہم فبعث الیہ یزدجرد فامرہ علی الجیش۔ فاستعفیٰ رستم

اُسی وقت تک ہے جبتک میں اُن کے مقابلہ کے لئے نہ نکلوں۔ اگر اوّل مرتبہ ہی اُنکے مقابلہ کے لئے میں نکلا تو وہ بالکل جری ہوجائیں گے اور جان توڑ کر مقابلہ کریں گے۔ کیونکہ میرے مقابل ہونے کو فارس کی آخری اور پوری کوشش سمجھینگے۔ رائے یہ ہے کہ ہم یکے بعد دیگرے بڑے بڑے تجربہ کار افسروں کو بھیجتے رہیں۔ اگر فتح ہوئی تو فبہا۔ ورنہ دوسرے کو بھیجا جائے گا۔ و علیٰ ہذا۔ اس میں ہمیں کامیابی کی امید ہے۔ میرے یہاں مقیم رہنے میں بقا سلطنت ہے۔ ورنہ اسی وقت سے سلطنت کو زوال سمجھئے۔

یزدجرد نے نہ مانا تو رستم نے پھر باصرار یہی کہا کہ مجھے سلطنت کی تباہی آنکھوں سے نظر نہ آتی تو میں کبھی اپنی عظمت اور بڑائی کا اظہار نہ کرتا۔ میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ مجھے نہ بھیجیں۔ میں یہیں مقیم رہوں اور جالینوس کو مقابلہ کے لئے بھیج دوں۔ فتح ہو تو ہوالمراد ورنہ دوسرے کو بھیجا جائیگا۔ اور جب کہ عرب لڑتے لڑتے ضعیف اور سُست ہو چکے ہونگے میں اپنی تازہ قوت سے اُن پر ٹوٹ پڑونگا۔ لیکن جب کسریٰ نے کسی طرح نہ مانا تو مجبوراً مقابلہ کے لئے نکلا۔ اور ساٹھ ہزار کی جمعیت کو لیکر ساباط میں جاکر ڈیرہ ڈالا۔ یہاں پہنچکر بھی مقابلہ سے معاف کئے جانے کا پیام بھیجا مگر منظور نہ ہوا۔

(۳) حضرت سعدؓ کو دو ماہ سے زیادہ قادسیہ میں گزر چکے تھے۔ جب رستم کے ساباط پہنچنے کی خبر ملی تو حضرت عمرؓ کی خدمت میں اطلاع بھیجی۔ وہاں سے جواب آیا۔

لَا يَكْرُبَنَّكَ مَا يَأْتِيكَ عَنْهُمْ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَابْعَثْ اِلَيْهِ رِجَالًا مِنْ اَهْلِ الْمُنَاظَرَةِ وَالرَّاْيِ وَالْجَلَدِ يَدْعُوْنَهُ فَاِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ دُعَاءَهُمْ تَوْهِيْنًا لَهُمْ۔

تم اُن کے سازوسامان سے نہ گھبراؤ۔ اللہ تعالیٰ سے استعانت طلب کرو اور اسی پر بھروسہ رکھو۔ یزدجرد کے پاس چند ذی رائے اور بہادر لوگ دعوت اسلام کے لئے بھیجو۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس دعوت سے اُن کے ارادوں میں سُستی پیدا ہوگی۔

حضرت سعدؓ نے دو قسم کے لوگوں کا انتخاب کیا۔ ایک وہ جو خاندانی اور مشہور مدبّر و ذی رائے تھے۔ دوسرے وہ جو ذی رائے ہونے کے ساتھ قوی ہیکل۔ تنومند۔ وجیہہ اور صاحبِ رعب تھے۔ اس قسم کے تیرہ اشخاص کو کسرے کے پاس بھیجا اور نعمان بن مقرن

کو اس جماعت کا امیر بنایا۔ یہ جماعت ساباط میں گزرتی ہوئی سیدھی مدائن پہنچی۔ رستم کی طرف التفات بھی نہ کیا۔ یزدجرد کو اطلاع ملی تو اُس نے وزرا اور امرا سلطنت کو جمع کرکے اس جماعت دعاۃ کو دربار میں طلب کیا۔ اور دریافت کیا کہ تم لوگوں کو ملک فارس پر چڑھائی کرنے اور ہم سے لڑنے کی کیا وجہ ہے کیا تم کو اس وجہ سے جرأت ہوگئی کہ ہم تمہاری طرف سے غافل تھے۔

نعمان نے کہا۔ "اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم فرمایا اپنے برگزیدہ رسولؐ کو بھیجا جن کے ذریعہ سے ہم کو ہدایت ہوئی۔ آپ نے ہم کو اعمال صالحہ کا حکم دیا اور اعمالِ بد سے روکا اور اُس کے قبول کرلینے پر دنیا و آخرت کی بھلائی کا وعدہ فرمایا۔ قبائلِ عرب یکے بعد دیگرے سب اسلام میں داخل ہوگئے۔ آپ نے ہم کو حکم دیا کہ عرب سے متصل جو ملک ہیں ہم اُن کو بھی دعوتِ اسلام پہنچائیں۔ اس لئے ہم تم کو اس بہترین دین کی طرف بلاتے ہیں۔ جس نے اچھی اور بھلی باتوں کی ترغیب دی۔ اور قبیح باتوں سے نفرت دلائی۔ اگر تم نے اس کو قبول کرلیا تو تم اپنے ملک پر بدستور حکمراں و قابض رہو۔ ہم کتاب الٰہی تمہارے پاس چھوڑ جائیں گے اسکا اتباع لازم ہوگا اگر تم اس کو نہ مانو، دو سخت باتوں میں سے سہل بات کو یعنی جزیہ دینے کو قبول کرو۔ اگر جزیہ قبول کرلیا تو ہم تمہاری جان و مال کی حفاظت کریں گے ورنہ پھر مقابلہ اور لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ"

یزدجرد نے یہ برجستہ تقریر سُنکر کہا۔ کہ دنیا میں تم اہل عرب سے زیادہ کوئی قوم حقیر و ذلیل نہ تھی۔ نہ تمہارا شمار زیادہ تھا اور نہ تمہارے پاس کچھ سامان تھا۔ تم ملک فارس کے مقابلہ کی طمع نہ کرو اگر تم اس دھوکہ میں آئے ہو کہ ہم خانہ جنگی میں مبتلا تھے تو یہ خیال غلط ہے اور اگر تنگدستی سے مجبور ہوکر نکلے ہو تو ہم تم کو کھانے پینے کا سامان دیں گے۔ اور کسی نرم خو حاکم کو تم پر امیر مقرر کریں گے۔ یہ سُنکر جماعت دعاۃ کو تھوڑی دیر کے لئے سکوت ہوا۔ اُنکو بے دھڑک گفتگو کرنے میں شرف اور حیا مانع ہوتی تھی۔ مگر یہ سکوت دیر تک قائم نہ رہا۔ مغیرہ بن زرارہ نے کھڑے ہوکر کسریٰ سے کہا کہ۔

"یہ لوگ عرب کے سردار اور خاندانی شریف اور بزرگ ہیں۔ اور خاندانی شریف و سردار ہمیشہ شریفوں کی عزت اور حفظ مراتب کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے ابتک پورا پیام جس کے لئے بھیجا گیا تھا ادا نہیں کیا۔ اب میں تم کو کہتا ہوں سنئے۔ ہماری تنگدستی فقر و فاقہ۔ ذلت و قلت جو آپ نے بیان کی بالکل درست اور بجا ہے۔ ہم ایسے ہی تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اس ہماری ذلت پر رحم فرما کر ہمارے اندر اپنے محبوب رسولؐ کو بھیجا مغیرہ نے نعمان کی گفتگو کا سارا خلاصہ بیان کر کے آخر میں کہا کہ اب اسکے سوا کوئی صورت نہیں ہے کہ یا اسلام لاؤ یا ذلیل ہو کر جزیہ دو ورنہ ہمارے تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔

یہ بے باکانہ اور دلیرانہ گفتگو اوّل ہی سے امراء دربار پر بے حد گراں گزر رہی تھی۔ مگر اس جواب کو سُنکر تو یزدجرد غصہ میں بھر گیا۔ اور کہا کہ اگر قاصدوں کو قتل کرنا خلاف قانونِ دنیا نہ ہوتا تو میں تم کو قتل کرا دیتا۔ میرے یہاں سے تم کو کچھ نہیں مل سکتا۔ اپنے امیر سے کہدینا کل رستم کو بھیجونگا جو امیر کو اور اُس کے ساتھ تم کو قادسیہ کی خندق میں دفن کر دیگا۔ اور پھر وہ تمہارے ملک پر تباہی نازل کریگا۔ اس کے بعد یہ حکم دیا کہ مٹی کی بڑی سی گٹھری بنا کر ان میں سے سب سے زیادہ شریف اور سردار کے سر پر رکھ دی جائے۔ یہ سنتے ہی عاصم بن عمرو نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں سب سے زیادہ شریف ہوں۔ میری گردن پر رکھ دی جائے۔ وہ اُس کو لیکر نکلے اور فوراً سوار ہو کر حضرت سعدؓ کو بشارت دی کہ لیجیئے اللہ تعالیٰ نے ارض فارس آپ کو عطا فرمائی ہے۔

رستم بھی ساباط سے آگیا تھا۔ یزدجرد نے کہا کہ عرب میں اس سے زیادہ سمجھدار حاضر جواب اور شجاع دوسرے لوگ نہ ہونگے۔ تم اہل عجم بھی اس سے بہتر جواب نہ دے سکتے تھے بیشک وہ جو گفتگو کرتے تھے صدق و یقین پر مبنی تھی۔ اور بے شک اُن سے فتوح ممالک کا وعدہ کیا گیا جسکو وہ حاصل کر کے رہیں گے۔ مگر ان میں کا سردار احمق تھا اُسنے مٹی اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی۔ رستم نے کہا وہ سب سے زیادہ سنجیدہ تھا وہ اس بات کو سمجھا جسے دوسرے نہ سمجھے تھے۔

رستم دربار سے نہایت غم و غصہ کی حالت میں واپس آیا۔ اُس نے سواروں کو دوڑایا

لہ فقال یزدجرد لولا ان الرسل لا تقتل لقتلتکم لاشئ لکم عندی وقال ائتونی بوقر من تراب فاحملوہ علی اشرف ہؤلاء ثم سوقوہ حتی

کہ جس طرح ہو عاصم بن عمرو کو گرفتار کر لائیں۔ مگر وہ نکل چکے تھے۔ رستم کو علم نجوم اور کہانت میں دخل تھا اُس نے کہا کہ بے شبہ عرب زمین فارس کو لے گئے۔

(۴) رستم جس وقت مداین سے ساباط کی طرف روانہ ہوا تھا تو اُسکے ساتھ ساٹھ ہزار فوج تھی لیکن ساباط پہنچنے کے بعد جمعیت بڑھنی شروع ہوگئی۔ اور جب ہر طرح سے مایوس ہوکر بجز پیش قدمی چارہ نہ رہا تو ساباط سے قادسیہ کی طرف کوچ کیا۔ اور اُسوقت اُسکی کمان میں ایک لاکھ بیس ہزار نہایت مکمل و آراستہ سپاہ تھی۔ شاگرد پیشہ اور ہر ایک سپاہی اور افسر کے خاص خادم اُنکے علاوہ تھے اسی طرح اگر کل جمعیت کو دیکھا جائے تو تین لاکھ سے کم نہ ہوگی۔ اور مسلمان جن سے مقابلہ کے لئے جانا تھا اُنکے پاس تمام ملک عرب میں اعلان دینے کے بعد تیس ہزار کر زیادہ نبرد آزمانہ تھے۔

رستم نے اس عظیم الشان لشکر کو اس طرح ترتیب دیا۔ مقدمۃ الجیش میں چالیس ہزار فوج جس کا افسر اعلےٰ جالینوس کو مقرر کیا اور ساقہ میں بیس ہزار۔ اور خود ساٹھ ہزار لشکر کے ساتھ تھا جسکو اسطرح ترتیب دیا کہ قلب میں خود اور میمنہ پر ہرمزان اور میسرہ پر بہرام۔

ساباط سے روانہ ہونے کے وقت رستم نے اپنے بھائی نبذوان کو لکھا کہ قلعوں کی مرمت و اصلاح کر کے لڑائی کے واسطے مستعد ہو جاؤ۔ میری رائے تو عرب سے مقابلہ کرنے کی نہ تھی مگر بادشاہ نے مجبور کر کے کہا کہ اگر تم نہ جاؤ گے تو میں خود میدان جنگ میں جاؤنگا۔ مجھے یقین ہے کہ اہلِ عرب ضرور غالب آکر ہمارے ممالک پر مسلّط ہو جائیں گے۔ اسلئے میں چاہتا تھا کہ جنگ کو لیت ولعل میں ٹالا جائے۔ مگر بادشاہ کے حکم نے مجبور کر دیا۔ ساباط کے پل پر رستم کی جابان سے جو بڑے افسروں میں تھا ملاقات ہوگئی۔ یہ دونوں علم نجوم کے ماہر تھے۔ جابان نے رستم سے کہا کیا جو بات مجھ کو نظر آتی ہے تم کو نظر نہیں آتی۔ رستم نے کہا نظر تو آتی ہے مگر میں ایک رسّی کی باگ سے زبردستی کھنچا جاتا ہوں۔ یعنی بادشاہ کے جبر سے لڑائی کے لئے جاتا ہوں ورنہ میں بھی سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ ہم پر غالب آئیں گے۔

ساباط سے چلکر پہلی منزل کوثیٰ[1] میں ہوئی۔ یہاں ایک مسلمان عرب رستم کو ملا۔ رستم نے

[1] کوثی وہی مقام ہے جسکے متعلق فتح مدائن سے پہلے ایک مسلمان نے کہا تھا کہ ہم جبتک کوثی کے شہد کو افریدون کے لیموں کے ساتھ نہ کھالیں گے نہ لوٹیں گے ۱۲

پوچھا کہ تم اس ملک میں کیوں آئے۔ کہا اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ ہم سے تمہارے ملکوں کا کیا ہے اُسکو لینے آئے ہیں۔ یہ تنہا شخص تھا اور قاصد نہ تھا کہ قتل سے مامون ہوتا مگر اُس نے ایسی بے دھڑک اور صاف صاف گفتگو کی کہ آخر رستم نے غصہ میں آکر اُس کو قتل کر دیا۔

کوثی سے چلکر دوسری منزل برس میں ہوئی یہاں پہنچکر رستم کے لشکر نے خوب بدمستیاں کیں شرابیں پی کر عورتوں پر دست درازیاں کیں لوگوں کے مال غصب کئے اور جو نہ کرنا تھا سب کچھ کیا۔ لوگ گھبرا اُٹھے اور رستم کے پاس فریاد لائے۔ رستم نے کہا بیشک اس عربی نے جس کو ابھی قتل کیا تھا، سچ کہا ہے ہم اپنے اعمال ہی کی بدولت اس حالت کو پہنچے ہیں باوجودیکہ مسلمان ملک فتح کرنے اور لڑنے آئے ہیں مگر وہ ان دیہات والوں کے ساتھ نہایت اچھا معاملہ کرتے ہیں۔ اور تم باوجودیکہ وہ تمہاری رعایا ہیں اسقدر ظلم کرتے ہو بیشک تم اسی قابل ہو کہ تمہارا ملک تم سے سلب کر لیا جائے۔ اور بیشک ایسا ہی ہوگا۔ اس کے بعد مجرموں کے قتل کرنے کا حکم دیا۔

تیسری منزل ہیرہ میں اور چوتھی نجف میں ہوئی۔ یہاں پہنچکر رستم نے خواب دیکھا[۱] کہ ایک فرشتہ آسمان سے اُترا۔ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے ساتھ ہیں۔ فرشتہ نے اہل فارس کے تمام ہتھیار لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیئے اور آپ نے حضرت عمرؓ کو عطا فرمائے اس خواب سے رستم کا رنج اور بھی بڑھ گیا۔ اور وہ خیال جو دل میں راسخ تھا نہایت پختہ ہو گیا۔

(۵) رستم نجف میں تھا اور مقدمۃ الجیش نجف اور سلیحین کے درمیان تھا۔ حضرت سعدؓ نے عمرو بن معدیکربؓ اور طلیحہ اسدیؓ کو طلیعہ بناکر دشمن کی خبر لانے کے واسطے بھیجا۔ یہ ابھی ایک فرسخ بھی نہ گئے تھے کہ دشمن کا ہراول اُنکو نظر آگیا۔ عمرو بن معدیکرب تو دیکھ کر واپس ہونے لگے مگر طلیحہؓ نے کہا میں تو پوری خبر لاؤنگا۔ عمروؓ نے کہا تیرے اندر غدر کا مادہ رکھا ہوا ہے۔ عکاشہ بن محصن کے قتل کے بعد تجھ سے فلاح کی امید نہیں۔ مگر نہ مانا۔ عمرو نے آکر حضرت سعدؓ کو اطلاع دی کہ دشمن بالکل قریب ہے۔

طلیحہ ہراول اور مقدمۃ الجیش کو قطع کرتے ہوئے سیدھے رستم کے لشکر میں پہنچے۔ اور رات بھر خوب جانچا لیکن چپکے سے واپس آنے کو پسند نہ کیا۔ بلکہ ایک افسر کے خیمے کو کاٹ کر

[۱] وقد رأی رستم فی منامہ کان ملکا نزل من السماء فختم علی سلاح الفرس کلہ ودفعہ الی رسول اللہ صلعم فدفعہ رسول اللہ صلعم الی عمر۔ ابن اثیر، البدایۃ والنہایۃ

اُس کا قیمتی گھوڑا کھول لیا اور اس طرح دو تین افسروں کے خیمہ کاٹ کر گھوڑے کھول کر ساتھ لئے۔ لشکر میں اطلاع ہوئی تو سوار اُن کے پیچھے دوڑے۔ ایک سوار طلیحہ کے قریب پہنچا تو اُس کو قتل کر دیا۔ پھر دوسرا پہنچا اُس کو بھی قتل کیا۔ پھر تیسرا پہنچا اُس نے دیکھا کہ میں بھی مقتول ہوتا ہوں تو بلجاجت قیدی بنانے کی خواہش کی۔ طلیحہ اسکو لے کر حضرت سعد رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کُل حال بیان کیا۔ اُس قیدی نے حضرت سعد رضؓ سے امان حاصل کر کے کہا کہ میں بچپن سے لڑائیوں میں رہا۔ فنونِ جنگ سیکھے۔ بہادروں کو دیکھا۔ مگر اس جیسا شخص نہیں دیکھا۔ تنہا شخص دو فرسخ قطع کر کے ستّر ہزار کی جمعیت میں جن میں سے ہر ایک کے ساتھ دس دس پندرہ پندرہ خدمت گزار بھی ہیں داخل ہوتا ہے اور پھر فقط جاسوسی پر قناعت نہیں کرتا بلکہ خیمے گراتے اور گھوڑے لے کر چلا۔

اوّل جو شخص اُس کے پیچھے گیا وہ فارس میں ایک ہزار سواروں کی برابر سمجھا جاتا ہے اُسکو قتل کیا۔ اسکے بعد دوسرا بھی اُسی درجہ کا تھا اُس کو بھی قتل کیا۔ میں بھی اپنے یہاں ایک ہزار کی برابر سمجھا جاتا ہوں میرے بعد لشکر بھر میں مجھ جیسا کوئی نہیں رہا۔ مگر مجھے موت آنکھوں سے نظر آگئی۔ تب میں نے قید ہونے کو مرنے پر ترجیح دی۔ اس تقریر کے بعد وہ شخص مسلمان ہو گیا۔ حضرت سعد رضؓ نے اس کا نام مسلم رکھا۔ یہ شخص بھی اُن ہی افراد میں سے تھا جنہوں نے قادسیہ میں نمایاں خدمات انجام دیں اور ہر معرکہ میں طلیحہ کے ساتھ رہے[۵۷]

(۶) حضرت سعد رضؓ نے مقدمۃ الجیش کا امیر زہرہ کو مقرر کیا تھا۔ رستم مداین سے قادسیہ تک جو پانچ چھ منزل سے زیادہ مسافت نہ تھی چار ماہ میں پہنچا۔ اُس کی غرض محض لڑائی کو ٹالنا تھا اِدھر حضرت عمر رضؓ کی ہدایت بھی یہی تھی کہ ڈھیل دی جائے۔ اور لڑائی میں عجلت نہ کی جائے اس لئے حضرت سعد رضؓ نے بھی اپنی طرف سے اقدام نہ کیا۔

رستم جب قادسیہ پہنچ گیا تو مقدمۃ الجیش عساکر اسلام کے افسر اعلیٰ زہرہ کو طمع زر اور ملاطفت سے اس بات پر راضی کرنا چاہا کہ جس طرح ہو سکے مسلمانوں کو اس ارادہ سے باز رکھے۔ رستم اور زہرہ میں باہم اس طرح گفتگو ہوئی۔

(رستم) ہمارا اور عرب کا پڑوس ہونے کی وجہ سے دامن چولی کا ساتھ رہا ہے۔ ہم نے

[۵۷] فلما بعث سعد السرايا اخترق طليحة الجيوش والصفوف وتخطى الالوف وقتل جماعة من الابطال حتى اسر احدهم وجاء به لا يملك من نفسه شيئا فسأله سعد عن القوم فجعل يصف شجاعة طليحة فقال سعد دعنا من هذا واخبرنا عن رستم فقال هو في مائة الف عشرين الفا ويتبعها مثلها واسلم الرجل من فوره رحمه الله تعالى۔ البداية والنهاية ص ۳۲ ج ۷

ہمیشہ اُنکی جان و مال کی حفاظت کی۔ ہر قسم کی مالی امداد سے اُنکی دستگیری کر کے فقر و فاقہ سے بچایا۔

(زہرہ) بیشک عرب کی یہی حالت تھی اور وہ طمع زر اور گزر اوقات کے لئے تمہارے غلام بنے ہوئے تھے مگر اب حالت بدل گئی۔ اُنکا مقصود صرف پیٹ پالنا اور دولت حاصل کرنا تھا۔ ہمارا مقصود رضاء مولیٰ اور ثواب آخرت ہے۔ کسی قسم کی طمع ہم کو اس ارادہ سے نہیں روک سکتی ہم گمراہ تھے۔ اللہ نے ہم پر رحم فرما کر اپنے رسول ؐ کو مبعوث فرمایا۔ اور اُن سے یہ وعدہ فرمایا کہ جماعت کو اُن پر مسلط کریگا۔ جنہوں نے اس دین کو قبول نہیں کیا۔ اور یقین دلایا کہ جب تک یہ لوگ اسلام پر اور اُس کے وعدوں پر پختگی سے اعتقاد رکھیں گے۔ برابر غالب آتے جائیں گے۔ اسلام دینِ حق ہے جو اس کا متبع ہوگا دائمی اور لازوال عزت کا مستحق ہوگا اور جو اس سے اعراض کرے گا برابر ذلیل رہیگا۔

(رستم) اسلام کی حقیقت کیا ہے۔

(زہرہ) عمود اسلام توحید اور رسالت کی شہادت ہے۔

(رستم) اس کے بعد کیا ہے۔

(زہرہ) اُس کے احکام میں سے بڑا حکم یہ ہے کہ صرف خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کی جائے۔ غیر اللہ کو عبادت کے کسی شعبہ میں شمہ برابر دخل نہ ہو۔ یعنی عبادت شرکِ جلی و خفی سے بالکل خالی ہو اور پھر یہ کہ سب مخلوق کو ایک ماں باپ کی اولاد سمجھ کر یکساں معاملہ کیا جائے۔ شریف کو ذلیل پر امیر کو غریب پر ترجیح نہ دی جائے۔

(رستم) یہ تو بہت ہی اچھا دین ہے۔ کیا اگر ہم اس کو قبول کرلیں تو تم ہمارا ملک ہمارے حوالہ کر کے چلے جاؤ گے۔

(زہرہ) بے شک ایسا ہی ہوگا۔

(رستم) (یہ سب گفتگو سنکر) آپ نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے۔ اہل فارس نے اردشیر کے وقت سے کمتر درجہ کے لوگوں کو ایسا ذلیل و خوار بنا رکھا ہے کہ کوئی شخص اپنے مخصوص پیشہ اور کام کے سوا سلطنت کے کسی کام میں حصہ نہیں لے سکتا۔ اور نہ وہ امراء شرفاء کے ساتھ کسی رتبہ میں شریک ہوسکتے ہیں۔ اُن کا خیال تھا کہ جب یہ لوگ اپنے پیشوں کو چھوڑینگے

تو ان کی عادات بدل جائیں گے اور امراء کے مقابل بنکر لڑنے کو تیار ہو جائیں گے۔

(زہرہ) ہم تو لوگوں کے ساتھ ایسا بھلائی اور مساوات کا معاملہ کرنیوالے ہیں جو کسی نے نہیں کیا۔ ہم کو رعایا پیشہ ور۔ اور کمتر درجہ کے لوگوں کے بارہ میں جو حکم ہو اُسکی اطاعت کریں گے اگر وہ امراء کی قدر و منزلت کرتے ہیں احکام خداوندی کی اطاعت نہ کریں تو ہم کو کیا نقصان ہے۔

رستم کے دل پر زہرہ کی گفتگو کا نہایت گہرا اثر ہوا۔ اُسنے واپس آکر فوجی افسروں اور ذی رائے لوگوں سے مشورہ کیا اور کہا کہ میرے نزدیک تو ہم سب کا مسلمان ہو جانا بہتر ہے لیکن سب نے ناک چڑھائی اور اس بہتر رائے کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

رستم اس سخت انکار پر بھی مایوس نہ ہوا۔ وہ چاہتا تھا کہ جو خیال میرے دل میں راسخ ہے مسلمانوں کی گفتگو سنکر اُنکے طور طریق کو دیکھکر ان لوگوں کے دل میں بھی آہستہ آہستہ سرایت کر جائے۔ اور انجام کار ہم سب متفق ہو کر اسلام کے حلقہ بگوش بن جائیں۔ اس بنا پر اُس نے حضرت سعدؓ کی خدمت میں قاصد بھیجا کہ کچھ لوگ گفتگو کرنے کو ہمارے پاس بھیجدیجئے۔ حضرت سعدؓ نے چند منتخب لوگوں کی ایک جماعت کو بھیجنا چاہا۔ مگر ربعی بن عامرؓ نے عرض کیا کہ گفتگو کے لئے ایک جماعت جائیگی تو اہلِ فارس سمجھینگے کہ ہمارے دلوں پر اُنکی جمعیت کا کچھ رعب پڑا ہے۔ یا ہم اُنکو وقعت کی نظر سے دیکھتے اور اُنسے گفتگو کو مہتم بالشان کام سمجھتے ہیں۔ ایک آدمی جانا چاہیئے۔ اسپر تنہا ربعی ہی کو جانے کا حکم ہوا۔ قادسیہ کے پل پر پہنچے تو رستم نے اُنکو وہیں روک کر اپنے یہاں عظمت و شان دکھلانے کے سامان شروع کر دیئے دور تک زربفت کے فرش بچھائے گئے۔ اعلیٰ درجہ کی وردیوں سے آراستہ فوج دو رویہ کھڑی کی گئی اور خود رستم اپنے مرصع و جواہر نگار تخت پر شان و شوکت کے ساتھ بیٹھا۔ اور گرد امراء اور افسرانِ فوج بیش قیمت گدوں پر تکیہ لگا کر بٹھائے گئے۔ اس کے بالمقابل مسلمانوں کے سفیر (ربعی) کی حالت اور ہیئت بھی دیکھنے کے قابل تھی۔ گھوڑے پر سوار تھے۔ تلوار ایک پرانے اور پھٹے ہوئے کپڑے میں لپٹی ہوئی۔ چمڑے کے بدہیئت تسمہ سے کمر میں بندھی ہوئی تھی اونٹ کی عرق گیر کو کرتہ کی طرح پہنکر باندھ رکھی تھی۔ جب بایں ہیئت کذائی مکلف فرش کے کنارے پہنچے تو اُن سے کہا گیا کہ گھوڑے سے اُتر کر پیادہ چلیں مگر نہ مانا

فقال۔ اللہ تعالیٰ ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادۃ العباد الی عبادۃ اللہ و من ضیق الدنیا الی سعتہا و من جور الادیان الی عدل الاسلام فارسلنا بدینہ الی خلقہ لندعوہم الیہ، فمن قبل ذالک قبلنا منہ و رجعنا عنہ، و من ابیٰ قاتلناہ ابداً حتیٰ نفضی الی موعود اللہ۔ البدایۃ والنہایۃ ص ۳۹

بلکہ انہیں زربفت کے فرشوں پر سے گھوڑے سمیت گزرتے ہوئے رُستم کے قریب پہنچے
وہاں اُتر کر نہایت استغنا اور تحقیر سے دو گدّوں کو درمیان سے پھاڑ کر گھوڑے کو باندھ دیا۔
اُن سے کہا گیا کہ ہتیار کھول کر علیٰحدہ رکھ دو۔ کہا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میں خود نہیں آیا۔
تم نے بلایا ہے۔ رُستم کو اطلاع ہوئی تو اُس نے کہا کہ اسی حالت میں آنے دو۔

وہاں سے آہستہ آہستہ اور قریب قریب قدم رکھتے اور نیزہ پر سہارا دیتے ہوئے
اس طرح چلے کہ اعلیٰ اور بیش قیمت قالینوں میں سوراخ ہو گئے۔ اور دکھلا دیا کہ یہ سب
مزخرفات ہماری نظروں میں خاک سے زیادہ ذلیل ہیں۔ رُستم کے سامنے پہنچے تو فرش اٹھا کر
زمین پر بیٹھ گئے اور نیزہ کو فرش پر گاڑ دیا۔ کسی نے کہا تم زمین پر کیوں بیٹھے۔ جواب دیا کہ ہم
تمہارے ان مزیّن فرشوں پر بیٹھنا پسند نہیں کرتے۔ رُستم نے بذریعہ ترجمان گفتگو شروع کی۔

(رُستم) تم اس ملک میں کیسے اور کس غرض کے لئے آئے ہو۔

(ربعی) اللہ ہم کو لایا ہے اور اُسنے ہم کو اس غرض سے بھیجا ہے کہ ہم لوگوں کو تنگی سے
نکال کر فراخی میں پہنچائیں۔ اور ادیانِ باطلہ کے ظالمانہ قوانین کی تنگ و تاریک گھاٹیوں سے
نکال کر اسلامی عدل اور مساوات کی شاہراہ پر ڈالیں۔ اسنے اپنا دین دیکر ہم کو بھیجا ہے جو
اُس کو قبول کرے گا ہم اُس کے ملک کو اُس کے حوالہ کر کے چلے جائیں گے۔ اور جو انکار
کرے گا اُس سے مقابلہ کریں گے۔

(رُستم) آپ کا مطلب ہم نے سمجھ لیا۔ لیکن کیا آپ ہمیں اس قدر مہلت دے
سکتے ہیں کہ ہم اس میں غور کر لیں۔

(ربعی) آپ کو تین دن کی مہلت دی اس میں خوب سوچ لیجئے۔ اس درمیان میں
ہم لڑائی کی ابتدا نہ کریں گے۔ تمہاری طرف سے ابتدا ہو تو دوسری بات ہے۔ میں اپنی اور
تمام عساکر اسلامیہ کی طرف سے اس معاہدہ کا ذمّہ دار ہوں۔

(رُستم) کیا تم سب کے سردار ہو۔

(ربعی) مسلمان مثل جسم واحد ہیں۔ اُن میں کا ادنےٰ بھی جو کر گذرتا ہے اعلیٰ کو اس
کی پابندی لازمی ہے۔

رستم نے اس گفتگو کے بعد جو بر سرِ دربار ہوئی تھی۔ تمام افسروں کو تنہائی میں بلا کر کہا۔ تم نے کبھی بھی ایسی واضح اور روشن گفتگو سنی ہے۔ اب بھی میرا کہنا مانو۔ سب نے نہایت نخوت سے جواب دیا۔ ہم اس کتے (معاذ اللہ) کے دین کی طرف کبھی راغب نہ ہونگے۔ اس کے کپڑے نہیں دیکھے کیسے سڑے ہوئے اور بوسیدہ ہیں جنکو دیکھ کر بھی نفرت ہوتی ہے۔

رستم نے کہا تمہاری عقلوں پر افسوس ہے اُس کے کپڑوں کو دیکھتے ہو۔ ذاتی اخلاق جرأت و متانت اور گفتگو اور رائے کو نہیں دیکھتے۔ عرب اپنے برگزیدہ اوصاف کی حفاظت کرتے ہیں۔ تمہاری طرح کپڑوں کی زیب و زینت کے درپے نہیں ہوتے۔

اس گفتگو کے بعد ربعی وہاں سے رخصت ہو گئے۔

کوتاہ بین اور حقیقت ناشناس ہمیشہ ظاہری طمطراق کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ اور وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اخلاق کی پاکیزگی اور نفوس کی تقدیس و تطہیر اصل چیز ہے۔ ظاہر بین لباس کی زینت سے جلالت قدر اور رفعت شان کا اندازہ کرتے ہیں اور حقیقت الامر اسکے بالکل خلاف ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کا سُرَّمَن رائے[1] میں ایک حجام کی دوکان پر گزر ہوا۔ آپ نے اس سے اصلاح بنانے کو فرمایا۔ حجام امراء۔ وزراء کی اصلاحیں بنا کر معقول اُجرت لینے کا خوگر تھا۔ امام صاحبؒ کے معمولی اور بوسیدہ اور میلے کپڑوں سے متنفر بھی ہوا اور یہ سمجھا کہ یہ تو خود سائل معلوم ہوتے ہیں مجھے کیا دینگے۔ اُس نے اصلاح بنانے سے انکار کر دیا۔ امام شافعی صاحبؒ انکار کی وجہ سمجھ گئے۔ اپنے غلام کو جو ساتھ تھا ارشاد فرمایا تیرے پاس کیا ہے۔ اُس نے کہا دس دینار۔ فرمایا اس حجام کو دے دو۔ اور وہاں سے یہ اشعار پڑھتے ہوئے آگے بڑھے۔

عَلَیَّ ثِیَابٌ لَوْ یُبَاعُ جَمِیْعُهَا
بِفَلْسٍ لَکَانَ الْفَلْسُ مِنْهُنَّ اَکْثَرَا

میرے بدن پر ایسے کپڑے ہیں کہ اگر انکو فروخت کیا جائے تو ایک فلوس کی برابر بھی قیمت نہ ملے۔

وَفِیْهِنَّ نَفْسٌ لَوْ یُقَاسُ بِمِثْلِهَا
جَمِیْعُ الْوَرٰی کَانَتْ اَجَلَّ وَ اَخْطَرَا

لیکن انکے اندر ایسا نفس ہے کہ اگر تمام مخلوق کا اُس جیسے سے موازنہ کیا جائے تو اسی کا رتبہ بڑھا رہے گا

وَمَا ضَرَّ حَدَّ السَّیْفِ اِخْلَاقُ غِمْدِهٖ
اِذَا کَانَ عَضْبًا حَیْثُ اَنْفَذْتَهٗ بَرٰی

تلوار کی دھار کے لئے میان کا بوسیدہ ہونا کیا مضر ہے اگر وہ ایسی تیز ہو کہ ہر چیز کے دو ٹکڑے کر دیتی ہو ... [illegible]

---

[1] بغداد کے متصل ایک شہر کا نام ہے جس کو معتصم باللہ نے آباد کیا اور دار الخلافہ بنایا تھا ۱۲

ظاہر ہے کہ امام شافعیؒ مجتہد مطلق۔ اور اپنے وقت کے فرد فرید امام ہیں۔ خلیفۂ وقت بھی اُن کی تعظیم کرتا تھا مگر حجام نے کپڑوں کو دیکھ کر نفرت کا اظہار کیا۔ اور اُنکے پاک اخلاق و اوصاف کا اُسکو اندازہ نہ ہوا۔ امام جلیل الشان نے اس موقعہ پر جو کچھ فرمایا وہ خود سرائی میں داخل نہ تھا۔ بلکہ اس عام غلط فہمی کو رفع کرنے کی غرض سے اس قدر فرمانے پر مجبور ہوئے۔ اور جب کوئی دینی و شرعی ضرورت آپڑے تو ایسے اظہار کی اجازت ہے۔

حضرت یوسف علیہ السّلام نے اس ضرورت کے وقت فرعون سے فرمایا تھا۔

اِجْعَلْنِی عَلٰی خَزَائِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ۝	مجھ کو زمین کے خزانوں کا منتظم و نگران مقرر کردے میں خوب محافظت کرنیوالا اور جاننے والا ہوں۔

دس دینار عطا فرمانے کو بھی کوئی شخص اسراف پر محمول نہ کرے۔ آپ کو ان عام خیالات کی اصلاح کے ساتھ یہ بھی دکھلانا تھا کہ اہل اللہ اور متوکلین علی اللہ کے نزدیک اشرفی اور روپیہ سب بے حقیقت ہیں۔

ایک دفعہ بعض ظاہر پرستوں نے حضرت جنیدؒ سے صوفیہ پر طعن کرتے ہوئے سوال کیا۔

ما بالھم وسخۃ ثیابھم۔	ان کے کپڑے میلے کچیلے کیوں رہتے ہیں۔
جواب میں ارشاد فرمایا۔ لکنھا طاھرۃ	لیکن وہ پاک ہوتے ہیں۔

اس کا کوئی یہ مطلب نہ سمجھے کہ کپڑوں کا میلا رکھنا محمود امر ہے۔ یا صوفیہ کا مسلک یہ ہے کہ کپڑے میلے پہنا کریں۔ بلکہ حاصل جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کو طہارت ثوب کا اہتمام ہوتا ہے نفاست اور صفائی بہت عمدہ چیز ہے۔ مگر اس جماعت کو جو دنیا سے منقطع اور بالکلیہ آخرت کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ اپنی مشغولی سے اس قدر فرصت نہیں ملتی کہ لباس کی نفاست کی طرف توجہ کریں۔ اور چونکہ طہارت شرط عبادت ہے اس لئے اُس سے غفلت نہیں کرتے اس کو بجنسہ ایسا ہی سمجھنا چاہیئے۔ جیسا حدیث شریف میں وارد ہے۔

رُبَّ اشعث اغبر مدفوع بالابواب لو اقسم علی اللہ لا برّہٗ داوکما قال)۔	بہت سے پراگندہ بال۔ غبار آلودہ دروازوں پر سے ہٹادئے گئے ایسے مقبول ہوتے ہیں کہ اگر اللہ کے اوپر کسی بات کی قسم کھا بیٹھیں تو ان کی قسم پوری کردی جائے۔

اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ غبار آلودہ اور پراگندہ بال دروازوں پر سے دھکے دے کر ہٹا دیا جانا ایسی پسندیدہ باتیں ہیں کہ اُن کو اختیار کیا کرو۔

الغرض ظاہر بیں لباس کو دیکھتے ہیں۔ اور حقیقت شناس اخلاق اور اوصاف کو۔

رُستم اپنی قوم کو سمجھاتا رہا۔ مگر بد قسمتی سدِّراہ ہوگئی۔ نہ سمجھے اور ہرگز نہ سمجھے۔

مگر رُستم نے اب بھی ہمت نہ ہاری اور اپنی کوشش سے باز نہ آیا۔ اگلے روز پھر حضرت سعدؓ کی خدمت میں پیام بھیجا کہ ربعی کو ایک دفعہ اور بھیج دیجئے۔ حضرت سعدؓ نے بجائے ربعیؓ کے حذیفہ بن محصن کو بھیجا۔ یہ حضرت بھی اسی شان اور اُسی ہیئت ولباس میں اُسی انداز سے تشریف لائے۔ لیکن فرق اتنا تھا کہ ربعی تو گھوڑے سے اُتر کر بیٹھ گئے تھے اور یہ نیچے بھی نہ اُترے۔ رُستم نے چاہا کہ گھوڑے سے اُتریں مگر انکار کر دیا اور اُسی طرح سواری کی حالت میں رُستم سے گفتگو شروع ہوئی۔

رُستم۔ ہم نے تو ربعی کو بلایا تھا تم کیوں آئے۔

حذیفہ۔ ہمارے امیر اسلام کے قانون مساوات پر پورا عمل کرتے ہیں۔ وہ ہم کو نرمی اور سختی۔ رنج وراحت میں مساوی رکھتے ہیں۔ کل ربعی کی نوبت تھی۔ اور آج میری ہے۔

رُستم۔ پھر تم ہمارے ملک میں کیوں آئے ہو۔

اس سوال کا جو جواب ربعیؓ نے دیا تھا وہی بجنسہ حذیفہ نے دیا اور اُس کے بعد رستم نے وہی سوال کئے جو ربعی سے کئے تھے حذیفہ نے وہی جواب دیئے جو ربعی نے دیئے تھے۔

رُستم۔ ہم کو عذر کرنے کے واسطے کتنی مدّت کی مہلت دیتے ہو۔

حذیفہ۔ تین ۳ دن کی جن میں سے ایک دن گزر چکا ہے۔ یعنی ربعی جو مدّت مقرر کر گئے ہیں اُسی وقت سے حساب لگایا جائیگا۔ میں اُن سے علٰحدہ کوئی مدّت مقرر نہیں کر سکتا۔

اس گفتگو کے بعد رُستم نے اپنی قوم کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ افسوس جس بات کو میں سمجھے ہوئے ہوں۔ تم نہیں سمجھتے کل ایک شخص آیا اور اُس نے ہمارے زرق برق ساز و سامان کو نہایت حقارت سے دیکھا اور اپنے گھوڑے کو ہمارے مکلّف فرشوں پر کھڑا کر دیا۔ آج یہ دوسرا آیا اُس نے گھوڑے سے اُترنا بھی گوارا نہ کیا۔ اور جو گفتگو کی اُس کو تم نے سُن لیا مگر وہ

نہ سمجھے اور حذیفہ واپس چلے گئے۔

لیکن رستم نے ایک دفعہ اور آخری کوشش کر کے اپنی بدبخت قوم کو سمجھانا چاہا۔ اور حضرت سعد رضؓ سے کہلا بھیجا کہ کسی اور کو گفتگو کے واسطے بھیج دیجئے۔

اس دفعہ مغیرہ رضؓ بن شعبہ رضؓ بھیجے گئے۔ آج بھی حسب دستور دور تک زربفت کے فرش بچھائے گئے۔ افسروں کے سروں پر تاج اور اعلےٰ قسم کے لباس تھے۔ رستم خود نہایت شان سے تخت پر جلوہ گر تھا۔

مغیرہ رضؓ انہیں فرشوں پر گھوڑے سمیت گزر کر فوراً رستم کی برابر تخت پر بیٹھ گئے۔

اہل فارس نے ربعیؓ اور حذیفہؓ کے بے باکانہ معاملات پر تو صبر کیا تھا۔ مگر آج نہ رہا گیا۔ مغیرہؓ کو کھینچکر تخت سے نیچے گرادیا۔

مغیرہ رضؓ نے فرمایا میں تو سنتا تھا کہ اہل فارس ذی عقل۔ حلیم۔ ہوشیار۔ باوقار ہیں۔ لیکن تم سے زیادہ تو کوئی قوم بھی سفیہ و نادان نہ ہوگی۔ ہم اہل عرب آپس میں ایک دوسرے کو غلام نہیں بناتے سب ساوی درجہ پر رہتے ہیں۔ میرا گمان تھا کہ تم بھی ہماری طرح مساوات کا معاملہ کرتے ہوگے۔ مجھ کو تخت سے اُتار کر نیچے گرانے سے بہتر یہ ہوتا کہ تم مجھے اپنے یہاں کے برتاؤ سے اور کمتر درجہ والوں کو غلام و ذلیل سمجھنے کے قانون سے مطلع کردیتے۔ میں خود ہی تخت پر نہ بیٹھتا۔ میں خود نہیں آیا۔ بلکہ تم نے بلایا تھا اسلئے میرے ساتھ یہ معاملہ کرنا مناسب نہ تھا۔ اب مجھے معلوم ہوگیا کہ تم ضرور مغلوب ہوگے۔ کیونکہ کوئی سلطنت ایسے افعال و اخلاق کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتی۔

کم رتبہ لوگوں نے مغیرہ کی یہ تقریر سُنی تو ضبط نہ کرسکے اور بول اُٹھے کہ بیشک یہ عربی سچ کہتا ہے۔ سرداروں امیروں نے آپس میں کہا کہ اس عربی نے ایسی گفتگو کی ہے کہ اس کے بعد ہمارے غلام کبھی اطاعت نہ کریں گے۔ اللہ ہمارے اسلاف کا ستیاناس کرے جنہوں نے اس اُمت عرب کو حقیر اور ناقابل التفات سمجھا۔ اسکے بعد رستم اور مغیرہ میں گفتگو شروع ہوئی

رُستم نے اپنی قوم کی عظمت و شان ظاہر کر کے کہا کہ عرب سے زیادہ کوئی قوم ذلیل نہ تھی ہم نے تم کو کبھی کسی شمار میں نہیں سمجھا جب تمہارے یہاں خشک سالی ہوتی تھی تو تم خیرات

لہ قالوا البعثوا الینا رجلا من عقلائکم فبعثوا الیہ المغیرۃ بن شعبۃ ... فقال المغیرۃ بن شعبۃ انا لا نعبد بعضنا بعضا ... فقعد مع رستم علی السریر فنخروا وصاحوا فقال ان ہذا لم یزد ... من ہذہ الجنۃ فقال رستم اذ نقتلکم ... قال ان قتلتمونا دخلنا الجنۃ وان قتلناکم دخلتم النار وادیتم الجزیۃ قال۔ فلما قال وادیتم الجزیۃ نخروا وصاحوا

مانگنے ہمارے یہاں آتے تھے۔ اور ہم تم کو کچھ دیدیتے تھے۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ اب بھی تم اسی وجہ سے آئے ہو۔ میں تمہارے امیر کے واسطے ایک خلعت اور خچر اور ہزار درہم کا حکم دیتا ہوں اور تم میں سے ہر ایک کے واسطے ایک بوجھ کھجوروں کا تم یہ لیکر چلے جاؤ میں نہیں چاہتا کہ تم کو قتل کردوں

مغیرہ۔ بعد حمد و صلوٰۃ۔ تم نے اپنی نسبت جو کچھ بیان کیا نہایت صحیح ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں۔ اور ہماری یہی کیفیت تھی جو تم نے بیان کی۔ لیکن دنیا کی دولت قایم رہنے والی نہیں وہ بدلتی رہتی ہے۔ اہل فقر کو ثروت کی توقع لگی رہتی ہے۔ اور ثروت والے فقر و فاقہ کی مصیبت سے خائف رہتے ہیں۔ تم اگر شکر کرتے تمہاری دولت قایم رہتی۔ ہم پر اللہ نے رحم فرمایا۔ ہمارے اندر اپنے رسول کو بھیجا ہم نے ان کا اتباع کیا۔ ہماری وہ حالت بدل گئی۔ اور پھر وہی گفتگو کر کے جو ربعی اور حذیفہ نے کی تھی کہا کہ تین باتوں کے سوا چارہ نہیں۔ اسلام یا جزیہ یا مقاتلہ اتنا اور اضافہ کر دیا کہ اب تو ہم نے اور ہمارے اہل و عیال نے سرزمین فارس کے عمدہ کھانے اور میوے کھائے۔ جن کو ہم چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔

رستم۔ تم سب قتل کر دیئے جاؤ گے اور یہاں رہنا نصیب نہ ہوگا۔

مغیرہ۔ ہم میں سے جو قتل ہوگا جنت میں جائے گا۔ اور تمہارے مقتولین نار میں۔ اور پھر جو مسلمان زندہ بچیں گے وہ تمہارے اوپر غالب آئیں گے۔

رستم۔ قہر زدہ غصہ اور غضب میں کہنے لگا کہ کل دن چڑھنے نہ پائیگا کہ ہم تم سب کو قتل کر ڈالیں گے۔ اس گفتگو کے بعد مغیرہ تو واپس ہو گئے لیکن رستم کے دل میں اسلام کا اثر جاگزین تھا۔ غصہ بھی تھا تو محض عارضی اور دکھلاوے کا۔ اس نے سرداران فارس کو تنہائی میں بلا کر کہا کہ تم کو ان لوگوں سے کیا نسبت ہے۔ یہ اپنے دعوے میں سچے ہوں یا جھوٹے مگر مرد اور بہادر۔ گویا اور حاضر جواب بھی ہیں۔ جب ان کی عقل و فہم حفظ راز اور معاملہ فہمی اس درجہ کو پہنچی ہوئی ہے کہ جس سے گفتگو کی جاتی ہے علیحدہ علیحدہ یا اکھٹے۔ ان میں کسی ایک بات اور ایک رائے میں بھی اختلاف نہیں ہوتا۔ تو سمجھ لو کہ وہ اپنے مدعا میں ضرور کامیاب ہونگے اور اگر یہ بھی تسلیم کر لو کہ یہ لوگ اپنے دعوے میں صادق ہیں تب تو دنیا کی کوئی قدرت انکا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مگر بدقسمت امراء فارس اس معقول و مدلل بات کو سنکر بھی اپنی بے جا

ہٹ پر قائم رہے۔ اور اپنی شجاعت و دلیری دکھلا کر مقابلہ کے لئے آمادگی ظاہر کی۔

رستم کو علم نجوم یا کہانت کے ذریعہ سے معلوم ہو گیا تھا کہ کل کو میدان جنگ میں مغیرہ کی آنکھ پھوٹ جائیگی۔ اس نے ایک شخص کو مغیرہ کے پیچھے دوڑایا اور کہدیا کہ جب وہ پل سے پار ہو جائیں تو میری پیشین گوئی سنا دینا۔

رستم کی غرض یہ تھی کہ مغیرہ اس پیشین گوئی سے متاثر ہونگے اور شاید انکو حقانیت اسلام میں کچھ تردد ہو جائے۔ رستم اور اہل فارس کو جو محض باطل پرست سمجھ رہے ہیں اسمیں کچھ تذبذب ہو جائے مگر استغفراللہ صحابہ ایسے خام خیال اور کچے نہ تھے کہ وہ کسی نجومی کاہن یا جوگی کی پیشین گوئی پر ڈھیلے ہو جاتے۔ وہ اسلام کے درجات شریعت و طریقت معرفت و حقیقت کو خوب سمجھے ہوئے تھے۔ رمل و نجوم کے حسابات کہانت۔ القاء شیطانی اور مرتاض جوگیوں کے کشف کی اصلیت کو خوب جانتے تھے۔

رستم کا یہ پیام سنتے ہی خوش ہو کر کہنے لگے کہ "تو نے مجھے بڑی بشارت دی اگر مجھ کو تمہارے اور بھائیوں سے جہاد کرنے کے واسطے بینائی کی ضرورت نہ ہوتی تو میں تمنا کرتا کہ دوسری آنکھ بھی کل ہی پھوٹ جائے"

قاصدنے مغیرہؓ کی یہ گفتگو رستم کو سنائی تو اس نے امراء اور سرداروں سے کہا کہ اب میرا کہنا مان لو۔ ان سب مراحل کے بعد حضرت سعدؓ نے بطور اتمام حجت تین نہایت فہمیدہ اور سنجیدہ حضرات کو رستم کے پاس بھیجا۔ ان لوگوں نے اس سے کہا کہ ہم تم کو ایسی بات کی طرف بلاتے ہیں جس میں سراسر بھلائی اور سلامتی ہے۔ دین حق کو قبول کر لو۔ ہم یہیں سے واپس ہو جائیں گے۔ تمہارا ملک تمہارے پاس رہیگا۔ کوئی تم پر حملہ کریگا تو ہم تمہارے مددگار ہونگے۔ خدا سے ڈرنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ قوم فارس کا تمام ہونا تمہارے ہی ہاتھوں یہ لکھا ہوا ہو۔ تم اگر اس دین میں داخل ہو گئے اور وساوس شیطانی کو دفع کر دیا تو ابھی ذرا سی دیر میں قابل غبطہ بنجاؤ گے یعنی اسلام کی لازوال دولت کے ساتھ اپنی اس امارت و ریاست پر قائم رہ کر دنیا و آخرت کی سرداری اور عزت تم کو ملجائیگی۔ اور اس حالت کو دیکھ کر لوگ تم پر غبطہ و رشک کرنے لگیں گے۔ ایک کلمہ زبان سے کہہ لینے میں یہ بادشاہت حاصل ہوتی ہے

رستم[۵] نے کہا۔ ان باتوں سے کیا حاصل۔ ہماری تمہاری مثال ایسی ہے کہ کسی باغ میں ایک لومڑی گھس آئی تھی۔ مالک باغ نے کہا ایک لومڑی کیا کر سکتی ہے۔ لومڑی نے مالک کا استغنا دیکھ کر اور لومڑیوں کو بلا لیا۔ مالک نے جب یہ دیکھا تو راستہ بند کر کے سب کو قتل کر دیا یا تمہاری مثال ایسی ہے کہ مکھی نے شہد کو دیکھ کر کہا کہ جو مجھ کو شہد میں پہنچا دے اُسکو دو درہم دونگی لیکن جب پہنچ گئی تو اب کہتی ہے جو نکال دے اُس کو چار درہم دونگی۔ تم نے ہماری بے پرواہی سے دھوکہ کھایا۔ اور اس طمع میں یہاں آ گئے۔ لیکن اب یہاں سے سالم نہیں جا سکتے فاقہ اور تنگدستی تم کو لائی ہے۔ اگر تم آدمیوں کی طرح جانا چاہتے ہو تو ہم تم کو کھانے پینے کے واسطے کچھ دے دیں گے۔

سفراء اسلام نے کہا کہ ہمارا جو کچھ حال تم نے بیان کیا ٹھیک ہے۔ ہم ایسے ہی ذلیل وحقیر۔ محتاج و تنگدست تھے لیکن اللہ نے فضل فرمایا۔ کفر سے نکال کر دولت اسلام عطا فرمائی۔ ذلت کے بعد عزت نصیب کی۔ اختلاف اور جتھے بندی کی جگہ ہم میں اتفاق و یک جہتی عطا فرما کر مخالفین اسلام سے مقابلہ کا حکم دیا۔ جو مثالیں تم نے بیان کیں یہ درست نہیں بلکہ ہماری تمہاری مثال ایسی ہے کہ کسی شخص نے نہایت اعلیٰ قسم کا باغ لگایا جسمیں نہریں جاری کیں اور عالیشان محلات بنائے۔ اُس میں نوکر چاکر رکھے جو درختوں کی آبیاری اور پھلوں کی محافظت کریں۔ باغ کی سرسبزی اور شادابی کی ہر وقت فکر رکھیں۔ یہ ملازم پر تکلف محلات میں رہ کر باغ کی خدمت سے غافل اور بدمستیوں میں مشغول ہو گئے۔

مالک باغ نے سمجھایا اور ڈھیل دی مگر نہ سمجھے تو بجائے اُن کے ایسے لوگوں کو مامور کیا جو مالک کی مرضی کے موافق خدمت بجا لائیں۔ پہلے ملازموں کو نکالکر باہر کریں یا اپنا غلام بنا کر رکھیں۔

خدا تعالیٰ نے تم کو جس غرض کے واسطے دنیا کی حکومت و سلطنت۔ ریاست و وجاہت عطا فرمائی تھی۔ تم اُس سے غافل بلکہ منکر ہو گئے۔ نیابت الٰہی کے طریقے چھوڑ بیٹھے۔ مالک کو مالک بھی نہ سمجھا۔ بلکہ بجائے توحید کے آتش پرستی وغیرہ میں مبتلا ہو گئے۔ اور جو ہدایات تم کو دی گئی تھیں اُن میں سے کسی ایک پر بھی عمل نہ کیا۔ تو اب اللہ تعالیٰ نے ہم کو بھیجا ہے اور یہ خدمت ہمارے سپرد کی ہے۔

[۵] قال رستم للمغيرة انما مثلكم في دخولكم ارضنا كمثل الذباب رأى العسل فقال من يوصلني اليه وله درهمان؟ فلما سقط عليه غرق فيه فجعل يطلب الخلاص فلا يجده وجعل يقول من يخلصني وله اربعة دراهم؟ ومثلكم كمثل ثعلب ضعيف دخل جحرا في كرم فلما رآه صاحب الكرم ضعيفا رحمه فتركه، فلما سمن افسد شيئا كثيرا فجاء بجيشه واستعان عليه بغلمانه فذهب ليخرج فلم يستطع لسمنه فضربه حتى قتله فهكذا تخرجون من بلادنا۔ البداية والنهاية ص۴۰ ج۷۔

رستم پر اس واضح اور کھلی ہوئی گفتگو کا کچھ اثر نہ ہوا۔ بلکہ یہ کہا کہ کل لڑائی ہوگی۔ دریا کو عبور کرکے تم ہماری طرف آؤ گے یا ہم آئیں۔ سفراء نے کہا تم عبور کرکے آؤ۔

فریقین جنگ کی تیاری میں مشغول ہوگئے۔ لیکن شب ہی کو رستم نے خواب دیکھا کہ ایک فرشتہ آسمان سے اترا اس نے لشکر فارس کی سب کمانیں لیکر ان پر مہر لگادی اور آسمان پر لے گیا۔ رستم اس خواب کو دیکھ کر سخت مغموم ہوا۔

صبح ہی اپنے خواص اور مصاحبین کو بلا کر کہا کہ اللہ تعالیٰ ہم کو بار بار متنبہ کرتا اور سمجھاتا ہے مگر ہم نہیں سمجھتے۔ اس کے بعد رستم نے دو زرہ پہنیں اور خود پہنا۔ تمام ہتیار لگائے اور اچھل کر گھوڑے پر سوار ہوا اور کہا۔ غدًا ندقهم۔ کہ کل ہم ان کو یعنی مسلمانوں کو پیس ڈالیں گے، ایک مصاحب نے کہا انشاء اللہ۔ رستم نے کہا وہ نہ چاہیگا تب بھی ہم پیس ڈالینگے۔

رستم کے اس فقرہ پر تعجب ہوتا ہے اس کو تو اسلام کے حق ہونے اور مسلمانوں کے غالب ہوجانے کا یقین تھا اسکی زبان سے ایسا فقرہ کیونکر نکلا۔ مورخین اس کی تاویل کرتے ہیں کہ دل میں تو اس کے وہی مضمون تھا اور وہ اپنے خواص اور مصاحبین سے بار بار ظاہر بھی کرچکا تھا۔ مگر اہل فارس کی ہمت بڑھانے کے لئے اور لڑائی کے واسطے مستعد و آمادہ کرنے کے لئے شجاعت کا اظہار کیا۔

مگر میرا خیال اس کے بالکل خلاف ہے۔ رستم کا خیال واقعی وہی تھا کہ اسلام حق۔ مسلمانوں سے مقابلہ بے سود وہ ضرور غالب آئیں گے۔ مگر بدبختی اس پر سوار تھی۔ آدمی کو ایک بات کا علم ہوتا ہے مگر غصہ کی حالت میں اس کا علم بدل جاتا ہے۔ حق کو باطل او باطل کو حق سمجھنے لگتا ہے۔ وہ اس کے خلاف اپنے اختیار و رضا سے کرتا ہے۔

رستم کے یہ الفاظ کسی مصلحت پر مبنی نہ تھے بلکہ جوش مردانگی۔ نخوت و غرور۔ قوت و کثرت جمعیت کی بنا پر زبان سے نکلے تھے۔ اور انہی باتوں سے ہم کو تقدیر کا قایل ہونا اور افعال عباد کو مخلوق باری ماننا پڑتا ہے۔ آدمی اپنے اختیار سے کچھ نہیں کرسکتا۔ اس کا علم و ارادہ جب ہی تک کام دیتے ہیں جب تک ارادہ خداوندی کے موافق ہوں۔ تدبیر بھی اسی وقت کام دیتی ہے جب تقدیر الٰہی اس کی موافقت کرے۔ ورنہ کوئی شخص

اپنے ارادہ و اختیار سے ذرہ بھر بھی حرکت نہیں کر سکتا جس کو وہ اپنا اختیار سمجھتا ہے حقیقت میں اضطرار ہے لیکن خدا تعالیٰ نے اپنی عجیب و وسیع قدرت سے بے اختیاری کو اختیار کی صورت میں ظاہر فرما دیا ہے۔

الغرض رستم نے لڑائی کو ٹالنے اور اپنی قوم کو مسلمانوں کی مخالفت سے باز رکھنے اور اُنکو ہر صورت سے سمجھا کر اسلام قبول کرنے یا مصالحت کر لینے کی کوشش کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ ادھر امیر عسکر اسلام نے بھی بحکم عام قوانین اسلام و ہدایات خاص امیرالمومنین بار بار قاصد بھیجکر دعوت اسلام دیئے اور امر حق کو واضح کرنے اور اہل فارس کو ہر طرح اطمینان دلانے۔ اُن کی جان و مال و عزت و آبرو کی حفاظت کا ذمہ اُٹھانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی مگر تقدیر الٰہی غالب رہی فریقین کی کوششیں ناکام ثابت ہوئیں اور دنیا کے مشہور ترین معرکہ قادسیہ کا آغاز ہو گیا۔

قادسیہ کا ایسا سخت معرکہ تھا کہ اُس کے بعد اہل فارس سے ایسی کوئی سخت لڑائی نہیں ہوئی۔ پایۂ تخت مداین پر تو کچھ مقابلہ ہی نہیں ہوا۔ کیونکہ ساٹھ ہزار جمعیت کو بے خوف و خطر دجلہ عبور کرتے دیکھ کر عجمیوں کے اوسان باختہ ہو گئے تھے۔ اور اُن کو سوائے فرار کوئی راستہ نظر نہ آتا تھا۔ البتہ نہاوند کا معرکہ جس کو اہل فارس کی آخری کوشش کہنی چاہیئے بہت سخت تھا۔ مگر ساز و سامان اور بعض خاص وجوہ سے وہ بھی قادسیہ سے دوسرے ہی درجہ پر تھا۔ یزدجرد دارالسلطنت میں تخت شاہی پر جلوہ افروز تھا افواج تازہ دم میدان جنگ میں پہنچکر داد شجاعت دینے کے لئے مضطرب و بے قرار تھیں۔

رستم و ہرمزان جالینوس و فیرزان جیسے جرنیل موجود تھے۔ انتظام ہر قسم کا مکمل و آراستہ تھا۔ پایۂ تخت سے میدان جنگ تک کا ایسا مکمل انتظام کیا گیا تھا کہ تار برقی کے بعد اگر کوئی ذریعہ جلد خبر رسانی کا ہو سکتا ہے تو وہی ہے۔ سپاہیوں کو اتنا قریب قریب کھڑا کیا گیا تھا کہ ایک دوسرے کی گفتگو اور آواز کو بے تکلف سُن لے۔ اِس طرح میدان جنگ سے پایۂ تخت تک آن کی آن میں جزوی و کلی امور کی اطلاع پہنچتی تھی۔ اور اسی طرح پایۂ تخت کی ہدایات و احکام کا سلسلہ جاری تھا۔

رستم نے مسلمانوں کو پیس ڈالنے کے واسطے ممکن سے ممکن ذرائع سے کام لیا۔ اپنی فوج
کو مکمل ترتیب دیکر قلب میں تخت پر متمکن ہوا۔ اور گردوپیش اٹھارہ زرہ پوش ہاتھیوں کو ترتیب
سے کھڑا کیا۔ جن کی مضبوط و محفوظ عماریوں میں اوّل درجہ کے بہادر سوار تھے۔ اس کے بالمقابل
عرب کے پاس یہ سامان کہاں تھا۔ ایک لاکھ بیس ہزار نبرد آزما کے مقابلہ کے لئے بتیس ہزار فوج
تھی۔ عربی گھوڑے ہاتھیوں کی صورت سے متوحش ہو کر بھاگتے تھے۔ مگر انجام کار یہ معرکہ
مسلمانوں کی نمایاں کامیابی اور رستم کے قتل پر ختم ہوا۔ واقعات جنگ ہمارے موضوع
میں داخل نہیں ہیں اس لئے اُن کے ذکر کی حاجت نہیں۔

اب ہم ان واقعات سے اُن نتائج کو دکھلانا چاہتے ہیں جن سے ہمارے اصل
دعوے کا ثبوت ہوتا اور اُس کے ہر ہر پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔ نتائج حسب ذیل ہیں۔

نتیجہ اوّل

اسلام نے جس سلطنت اور خلافت کی بنا رقایم کی اس میں مشورہ کی یہ قدر و قیمت تھی کہ
خلیفۃ المسلمین کسی رائے قائم کرنے کے واسطے مسلمانوں کے عام و خاص افراد سے مشورہ طلب
کرتے ہیں۔ مشورہ دینے میں بھی ہر شخص آزاد ہے۔ ہر شخص باطمینان کھڑا ہو کر بے دھڑک
رائے ظاہر کرنے کا مختار ہے۔ خلیفہ کبھی کثرت رائے پر ایک جانب کو ترجیح دیتے ہیں جیسا
کہ اوّل مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود میدان جنگ میں تشریف لیجانے کا فیصلہ کثرت
رائے پر کر دیا۔ اور کبھی قوت دلیل پر جیسا کہ اسی معاملہ میں حضرت علی رضؓ اور حضرت عبدالرحمن
ابن عوف کی رائے کو تسلیم کرکے عمل پیرا ہوئے۔ اور کثرت رائے کو جس میں حضرت عثمان رضؓ
کی رائے بھی شریک تھی "جو گویا بمنزلہ ولیعہد خلافت سمجھے جاتے تھے" ترک کر دیا۔ علاوہ خاص
اس واقعہ کے حضرت عمر رضؓ کا عام قاعدہ یہی تھا کہ جب کوئی امر پیش آتا تھا اُس میں اسی طرح
آزادی کے ساتھ مشورہ فرماتے تھے خلافت راشدہ کے اس طرز عمل سے ہمکو چند فائدے حاصل ہوئے۔

(الف) سلطنت کے اس طرز کی بنیاد اسلام نے ڈالی۔ آج کل کی متمدن اور پارلیمنٹی سلطنتیں
بھی اس سے زیادہ بہتر اور آزاد طریقہ قایم نہیں کر سکیں۔

(ب) کسی جانب کثرت رائے کا ہونا صواب اور مطابقت واقعہ کی ضمانت نہیں کر سکتا

اور نہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ اُس پر عمل کیا جائے۔ اصل مدار قوت دلیل پر ہے۔ ممکن ہے کہ قلیل التعداد رایوں کی دلیل قوی ہو اور اسی جانب حق بھی ہو۔ اور اُسی میں بہتری اور کامیابی بھی مضمر ہو۔

شوریٰ کا اصل فائدہ یہ ہے کہ موافق ومخالف رایوں کے سب پہلو واضح اور ظاہر ہو جائیں اُن میں سے کسی ایک جانب کو ترجیح دینا خلیفہ کی قوت ممیزہ کا کام ہے۔ مگر یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر رض کی طرح عقل ودانائی۔ فراست وتجربہ کامل ہو۔ اور کسی قسم کی آلائش دنیا وغرض ساتھ لگی ہوئی نہ ہو خاص وعام کو اُن کے انتخاب وترجیح پر اطمینان ہو۔ چنانچہ صحابہ کے طرز عمل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ باوجود کثرت رائے جب حضرت عمر رض نے اس رائے کو ترک فرمایا تو کسی نے اُس سے انکار نہیں کیا۔ کیونکہ آپ کی عقل وتدبیر تجربہ اور خیر خواہی اسلام اور سب سے بڑھ کر آپ کی فراست وشان محدثیت پر سب کو کامل اطمینان تھا۔

البتہ اگر خلیفۂ وقت یا صدر مجلس اِس درجہ کا نہ ہو اور مسلمان کسی ایک رائے پر متفق نہ ہوسکیں تو اختلاف ونزاع کو رفع کرنے کا بہترین طریقہ کثرت رائے ہے۔ اس زمانہ میں بھی اگر صدر مجلس حضرات صحابہ کا سچا جانشین ہو۔ اپنے اندر عقل وتدبیر۔ تجربہ ودانشمندی ہمدردی واخلاص لئے ہوئے نور یقین وفراست آسمانی سے مزین ہو اور باوجود اختلاف رائے کے مسلمان اُس کی بات پر اعتماد واطمینان کرسکتے ہیں۔ یا کسی معاملہ میں قلت رائے کی تائید قرآن وحدیث کی کسی صحیح وصریح فیصلہ سے ہوتی ہے تو کثرت رائے قابل اعتماد نہیں ہے۔ ورنہ درصورت اختلاف ونزاع کثرت رائے سے ایک جانب کو ترجیح دی جاسکتی ہے

مشورہ دینے اور رائے ظاہر کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے جو صحابہ کا تھا۔ ہر شخص آزادی سے اپنی رائے دیتا تھا۔ لیکن کسی کو اپنی رائے پر اصرار نہ تھا۔ اُس کی رائے کے خلاف جو فیصلہ ہوتا تھا اُس پر ایسی ہی خوشی سے عمل کرتا تھا جیسا اُس وقت عمل کرتا جب کہ اُس کی رائے پر فیصلہ ہوتا۔

نتیجہ دوم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو ہدایتیں حضرت سعد رض کو فرمائیں اُن کو دیکھنے سے ہم کو بہت سے اہم اور ضروری فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

(الف) صحابہ باوجود ان تمام کمالات واوصافِ حسنہ اور مقبولیت کے اپنے کسی عمل صالح پر غرہ نہیں کرتے تھے۔ وہ ہر وقت رضاء الٰہی کے طالب اور اُسکے خلاف سے خایف رہتے تھے۔

(ب) صحابہ میں ایک سے ایک اعلیٰ اور برتر وفایق موجود تھے۔ مگر حضرت عمرؓ اپنے فرائض کو کسی پر بھروسہ کرکے ترک نہ فرماتے تھے۔ حضرت سعدؓ کو باوجودیکہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے مناسب مقام اور موقع پوری پوری نصیحتیں فرمائیں۔ جس سے ہم کو دو باتیں حاصل ہوتیں۔

اوّل یہ کہ خلیفہ اور سلطان وقت کو اپنے فرائض کے ادا کرنے میں پوری بیدار مغزی سے کام لینا چاہیے۔ اگر اس خیال پر کہ دوسرا شخص واقف کار ہے سکوت کیا جائے تو کبھی اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔

أَرَأَيْتُمْ إِنِ اسْتَعْمَلْتُ عَلَيْكُمْ خَيْرَ مَنْ أَعْلَمُ ثُمَّ أَمَرْتُهُ بِالْعَدْلِ أَقَضَيْتُ مَا عَلَيَّ قَالُوا نَعَمْ قَالَ لَا حَتّٰى أَنْظُرَ فِي عَمَلِهِ أَعَمِلَ بِمَا أَمَرْتُهُ أَمْ لَا۔

اگر میں اپنے علم کے موافق سب سے بہتر شخص کو تم پر امیر بنا کر عدل وانصاف کی ہدایت کردوں تو میں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاؤنگا۔ سب نے عرض کیا بیشک ہو جائینگے آپ نے فرمایا اتنی بات سے ہرگز سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ یہ دیکھنا بھی میرا فرض ہوگا کہ آیا وہ ہدایت پر عمل کرتا ہے یا نہیں۔

دوم یہ کہ باوجود عالم وواقف ہونے کے جلیل القدر حضرات سے بھی کسی ابتلاء کے وقت ذہول یا نسیان یا فروگذاشت ممکن ہے۔ اسلئے اُنکو متنبہ کرتے رہنا لوازمات میں سے ہے۔ حضرت عمرؓ کا یہی طریقہ تھا جن صحابہ پر آپ کو ہر طرح اطمینان تھا اُنکا امتحان بھی کرتے رہتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب شام کا سفر کیا تو امیر شام حضرت ابو عبیدہؓ سے فرمایا ہم کو اپنے گھر لے چلو اُنھوں نے فرمایا آپ وہاں جاکر کیا کرینگے۔ وہاں جاکر رونے کے سوا اور کچھ نہ ہوگا مگر آپ کے اصرار پر لیگئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تمہارا اسباب کہاں ہے۔ تم امیر شام ہو تمہارے پاس تو سوائے ایک نمدہ اور لکڑی کی رکابی اور مشکیزہ کے کچھ بھی نہیں۔ کچھ کھانے کی چیز ہو تو لاؤ۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے روٹی کے سوکھے ٹکڑے لاکر سامنے رکھدیئے۔ حضرت عمرؓ رو پڑے حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ آپ وہاں جاکر روئیں گے۔ ہم کو زیادہ سامان کی کیا ضرورت ہے اتنا ہی کافی ہے جو اصلی قیام گاہ یعنی آخرت تک پہنچا دے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

غَيَّرَتْنَا الدُّنْيَا كُلَّنَا غَيْرَكَ يَا اَبَا عُبَيْدَةَ	اے ابو عبیدہ دنیا نے ہم سب کو متغیر کر دیا مگر تم پر اثر نہیں ہوا

حضرت عمر رضؓ کو بھی یہی جانچنا تھا کہ اُس زہد میں جو بہ برکت صحبت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوا ہے کچھ کمی تو نہیں آگئی۔ مگر اس ظاہری طور پر دیکھ لینے کے بعد بھی آپ غافل نہ رہے پھر بھی مخفی طور پر اس کی جانچ ضرور کی کہ دنیا کی طرف کسی درجہ میں بھی التفات ہے یا نہیں ایک مرتبہ آپ نے اُن کی خدمت میں چار سو دینار (اشرفی) بھیجے۔ اور قاصد سے کہدیا یہ دیکھ کر آنا کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ حضرت ابو عبیدہ رضؓ نے قاصد کے سامنے ہی سب اشرفیاں اہل حاجت کو تقسیم کر دیں۔ ایک بھی نہ رکھی ظاہر ہے کہ ان میں سے کچھ تھوڑا سا رکھ لیتے تو کسی درجہ میں بھی طمع دنیا کی بات نہ تھی۔ اور نہ حضرت عمر رضؓ اس پر گرفت کر سکتے تھے۔ خود ہی بھیجا تھا۔ اسلئے سب کا سب بھی رکھ لیتے تو کیا بیجا تھا۔ مگر وہاں تو فی الحقیقت دل میں دنیا کے لئے جگہ کچھ بھی نہ تھی۔

عُمّال اور والیوں کی نگرانی سیاست کی اُن اُصول میں سے ہے کہ جس کو جس درجہ تک ترک کر دیا گیا اُسی قدر خرابیوں کا ظہور ہوا۔ اور یہیں سے ہم کو الحزم سوء الظن کا مطلب بھی معلوم ہو گیا۔ یہ ضرور نہیں کہ دانشمند خواہ مخواہ بدگمان ہوتا اور دوسروں کو متہم سمجھتا ہے بلکہ اپنی بیدار مغزی سے معاملہ ایسا کرتا ہے جیسا بدگمانی کی حالت میں کیا جائے۔

(ج) صحابہ کے علوم نہایت عالی اور غامض تھے۔ حضرت عمر رضؓ نے ان ہدایات میں تدابیر سلطنت و سیاست کو ختم کرنے کے ساتھ شریعت و حقیقت کے نہایت دقیق علوم کا بھی چند لفظوں میں دروازہ کھول دیا۔ اور یہیں سے ہم کو یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ صحابہ ہر ایک بات میں اعلیٰ و برتر و فایق ہیں۔ کوئی کسی درجہ تک پہنچ جائے مگر شریعت و طریقت حقیقت و معرفت میں اُن کی مساوات نہیں کر سکتا۔ حضرت عمر رضؓ نے ارشاد فرمایا کہ حامد و ذام حق کے معاملہ میں یکساں ہوں۔ کہنے اور سُننے میں یہ دو لفظ ہیں مگر فی الواقع شریعت و طریقت کا خلاصہ یہی ہے۔ کوئی شخص اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ سوا رضاء مولیٰ اور طلب حق اس کے قلب میں کسی امر کی گنجایش نہ رہی ہو۔ جب تک غیر خدا کا کچھ بھی لگاؤ رہے گا کبھی اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اہل تصوف کا تمام ریاضات و مجاہدات سے یہی مطلب ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ شیخ العرب والعجم قطب العالم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ نے

مکہ معظمہ سے اپنے خلیفہ خاص حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ کو تحریر فرمایا کہ "عرصہ سے آپ نے اپنے حالات تحریر نہیں فرمائے۔ اس کے جواب میں حضرت مولانا نے بہت سی اظہار ندامت و اعتراف تقصیر کے بعد نہایت مختصر لفظوں میں تحریر فرمایا کہ اپنے اندر چند باتیں پاتا ہوں۔ اِن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ مادح و ذام یکساں ہیں" جس روز یہ جواب حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں پہنچا تو حاضرین مجلس کا بیان ہے کہ فرط مسرت سے حضرت پر وجد کی سی کیفیت طاری تھی۔ اور بار بار فرماتے تھے کہ یہ باتیں کس کو نصیب ہوتی ہیں۔ جن لوگوں کو حضرت مولانا کی کفش برداری کا موقع ملا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ مولانا کا اصلی اور بے تکلف حال یہی تھا جو تحریر فرمایا۔ کسی کی مدح وذم سے ذرا بھی متغیر نہ ہوتے تھے۔ اور امر حق کے اظہار میں کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ اور یہی اظہار حق اور تصلب فی الدین ہے جو علماء ربانیین کو صحابہ سے ورثہ میں ملا ہے۔ جس کا نام تعصب و تنگ خیالی رکھا گیا۔

(د) نام و نمود کی طلب نیک نامی و نام آوری کی خواہش وجاہت کی تحصیل۔ محبوب خلایق بنجانا مذموم اور غیر پسندیدہ یا خلاف شرع معلوم ہوتے ہیں۔ اور بظاہر ہے بھی ایسا ہی کیونکہ کوئی شخص جب تک مدارات خلق نہ کرے اور امور شریعت میں مداہن نہ بنے کبھی لوگوں میں مقبول اور عام خلایق کے نزدیک محبوب نہیں بن سکتا۔ لیکن حضرت عمرؓ کے روشن اقوال نے اسکا قاعدہ کلیہ بھی تبلادیا۔ آپ نے اول تو ارشاد فرمایا کہ حق گوئی میں حامد و ذام برابر ہوں اور ظاہر ہے کہ اس حالت میں کوئی شخص محبوب عام نہیں ہو سکتا۔ اور پھر آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ تم محبوب خلایق بننے سے اعراض مت کرو اور اُس کو خلاف دیانت نہ سمجھو۔ بظاہر تو یہ جملہ اول ارشاد کے معارض و مخالف ہے مگر حقیقت میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔ آپ نے اُسکو بالکل صاف کر دیا حاصل ارشاد یہ ہے کہ وجاہت و مقبولیت کے دو درجہ ہیں ایک یہ کہ حق کو چھپا کر اور لوگوں کی رضا کو حق پر مقدم سمجھ کر حاصل کی جائے یہ بالکل مذموم اور حرام ہے اسی کی مذمت آئی ہے۔ یہ درجہ مقبولیت کا عوام الناس ہی حاصل ہوتا ہے۔ خواص کے قلب میں ایسے شخص سے بجائے محبت کے نفرت ہوتی ہے۔ ایسی وجاہت کو انبیاء علیہم السلام اور خواص نے ہرگز طلب نہیں کیا۔ اور نہ اپنے لئے کسی درجہ میں گوارا کیا۔ دوسرا یہ کہ اعمال صالحہ اور اتباع شریعت کے

ذریعہ سے خداوندِ عالم کا مقبول ومحبوب بنجائے۔ اور اس ذریعہ سے محبوب خلایق بنے۔ کیونکہ حق تعالےٰ جس کو مقرب بناتا ہے اُس کو مخلوق میں محبوب ومقبول بنادیتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں وارد ہے:۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ اِذَا اَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرَئِيْلَ فَقَالَ اِنِّيْ اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّهُ قَالَ فَيُحِبُّهُ جِبْرَئِيْلُ ثُمَّ يُنَادِيْ فِي السَّمَاءِ فَيَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْهُ فَيُحِبُّهُ اَهْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ يُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِي الْاَرْضِ (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو جبرئیلؑ سے ارشاد فرماتا ہے کہ ہم فلاں بندہ کو محبوب سمجھتے ہیں تم بھی اُس سے محبت کرو جبرئیلؑ خود محبت کرنے لگتے ہیں۔ اور آسمان میں منادی کردیتے ہیں کہ فلاں شخص خدا کا محبوب ہے تم بھی اُس سے محبت کرو۔ اسپر آسمان والے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اور پھر وہ زمین میں مقبول بنجاتا ہے۔

اِس سے معلوم ہوگیا کہ مقبولیت کا اصلی طریقہ کیا ہے۔

یہ مقبولیت خواص کی ہے۔ اور یہی پسندیدہ اور محمود ہے۔

كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا۔ (اللہ کے یہاں صاحب وجاہت ہیں) میں اسی مرتبہ کی مدح فرمائی ہے۔

اور وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا۔ (اے اللہ اُس کو پسندیدہ اور مرضی بنادی) میں اسی درجہ کی طلب ہے۔

اِن دونوں درجوں کو پہچاننے کی علامت وہی ہے جو حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمائی کہ اگر اہل اللہ اور خواص میں محبت ومقبولیت ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ کے یہاں بھی محبوب ومقبول ہے اور یہی محبت عوام تک سرایت کرجائے تو بیشک قابل مدح وشکر ہے ورنہ قابل مذمت۔ اکثر دنیا طلب علماء اور مشایخ کی مقبولیت قسم اوّل کی ہوتی ہے اور علماء ربانیین کی مقبولیت قسم ثانی کی۔

نتیجہ سویم

اُن تمام اوصاف وکمالات کے ساتھ جو حضرت عمرؓ میں بدرجۂ اتم موجود تھے آپ کی اندرشان فراست خاص امتیاز لئے ہوئے تھی۔ جس کے بارہ میں جو فراست ظاہر کی کبھی اُس کے خلاف نہ نکلی۔

قبیلہ سکون بھی منجملہ دیگر قبائل کے جوش اور اخلاص کے ساتھ معرکۂ کارزار کی طرف قدم

بڑھتا ہوا چلا جاتا ہے۔ لیکن آپ کے سامنے گذرے تو بجائے خوش ہونے کے آپ منقبض ہو گئے اور اِس انقباض کا اثر ہمیشہ قبیلہ سکون کے ذکر پر ظاہر ہوتا رہا۔ اور یہ صرف اس وجہ سے کہ آپ نے اپنی شان فراست سے اِس قبیلہ میں فتنہ پردازی کا مادہ احساس فرمایا۔ اور یہ آپ کی فراست بالکل صحیح اور سچی تھی۔ بڑے بڑے مفسدوں اور اسلام میں سخت رخنہ ڈالنے والوں کا معدن یہی قبیلہ تھا۔ جیسا ہم مختصر اوپر اشارہ کر آئے ہیں۔

حضرت عمرؓ کی اس خاص امتیازی شان کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے۔

عَنْ اَبِی هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَدْ کَانَ فِیْمَا قَبْلَکُمْ مِنَ الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ یَّکُ فِیْ اُمَّتِیْ اَحَدٌ فَاِنَّہٗ عُمَرُ متفق علیہ۔

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی اُمتوں میں صاحب الہام و فراست ہوتے تھے۔ میری اُمت میں ایسا کوئی ہے تو عمرؓ ہے۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس فضیلہ خاصہ میں امتیاز و اختصاص ضرور تھا۔

ف کوئی شخص الفاظ حدیث سے یہ نہ سمجھے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اُمت میں کسی صاحب فراست و الہام کے ہونے میں تردد تھا۔ یہ بات وہ شخص کہہ سکتا ہے جو عربی اور اُردو کے محاورہ سے بالکل ناواقف ہو۔ اس طرز ادا میں اظہار تردد نہیں ہوتا۔ بلکہ جس شخص کی نسبت اثبات حکم ہے۔ . . . . اُس کی نسبت تیقن اور تاکید کا اظہار منظور ہوتا ہے۔

مثلاً یوں کہا جائے کہ دنیا میں اگر کوئی سخی ہے تو حاتم ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دنیا بھر میں سوائے حاتم کے اور کوئی سخی نہیں ہے۔ یا دنیا میں کسی سخی کے موجود ہونے میں تردد ہے۔ بلکہ حاتم کے بالیقین وصف سخاوت سے متصف ہونے کو ثابت کرنا ہے۔

واقعات و حالات تاریخی کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قدر وسیع اور طویل و عریض ملک میں جس کا انتظام آپ کے مبارک ہاتھوں میں تھا اور انتظام بھی صرف ایک قسم کا نہیں بلکہ ایک طرف معرکہ کارزار میں فوجیں بھیجنے۔ اور افسروں کو نامزد کرنے اور مواقع جنگ متعین کرنے کا ہے تو دوسری جانب ملکی اور عدالتی یا رفاہ عام شہروں کے آباد کرنے سڑکوں کے نکالنے پلوں کے بنانے اور نہروں کے جاری کرنے کا وغیرہ وغیرہ۔

جس بارہ میں آپ نے جو فراست ظاہر فرمائی وہ بالکل ہو بہو صحیح نکلی۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ اہل حمص نے بارگاہِ خلافت میں اپنے والی سعید بن عامر[۱] کے خلاف شکایات پہنچائیں۔ آپ نے سنکر فرمایا الٰہی میری فراست سعید بن عامر کے بارہ میں غلط نہ نکلے۔ سعید بن عامر کو مدینہ میں طلب کر کے اُن لوگوں سے فرمایا تم اپنی شکایات بیان کرو۔ عرض کیا پہلی شکایت یہ ہے کہ ہر روز بہت دن چڑھے برآمد ہوتے ہیں۔ سعید بن عامر نے جواب دیا کہ بیشک صحیح ہے۔ میرے پاس کوئی خادم تو ہے نہیں خود ہی آٹا گوندھ کر روٹی پکاتا ہوں۔ اور وضو کر کے باہر نکلتا ہوں۔ فرمایا اور کیا شکایت ہے۔ عرض کیا دوسری یہ کہ رات کو کسی کی بات نہیں سنتے۔ سعید بن عامر نے جواب دیا کہ میں اس بات کو ظاہر کرنا نہ چاہتا تھا۔ مگر اب مجبوراً عرض کرنا پڑا میں نے دن تو ان لوگوں کے واسطے خاص کر دیا ہے اور رات خالص اللہ کے واسطے رکھی ہے۔ فرمایا اور کیا شکایت ہے۔ عرض کیا تیسری یہ کہ مہینہ میں ایک دن بالکل برآمد نہیں ہوتے۔ سعید بن عامر نے عرض کیا صحیح ہے۔ خادم نہ ہونے کی وجہ سے مجھے خود ہی اپنے کپڑے دھونے پڑتے ہیں۔ مہینہ میں ایک روز اس کام کے واسطے مقرر کر لیا ہے۔ آپ نے فرمایا خدا کا شکر ہے میری فراست غلط نہ نکلی۔ اہل حمص سے فرمایا جاؤ اپنے والی کی قدر کرو۔

نتیجہ چہارم

عراق کے اس عظیم الشان معرکہ میں تیس ہزار سے کچھ زیادہ اسلامی لشکر تھا جن میں کا ہر ایک فرد تہذیب و شائستگی۔ اخلاص و ہمدردی۔ دانشمندی و حسن تدبیری۔ شجاعت و مردانگی کا مجسم نمونہ تھا۔ کسی ایک فرد سے بھی اس طویل معرکہ میں ابتدا سے انتہا تک کوئی ایک حرکت ایسی سرزد نہیں ہوئی جس سے مسلمانوں پر بدنما دھبہ لگتا۔ بلکہ اُن کی ہر ہر ادا سے اسلامی صداقت کا سکہ مخالفوں کے دلوں پر بیٹھتا جاتا تھا۔ ہر ایک بات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بات مُنہ سے نکالتے ہیں پہلے سے سوچے ہوئے اور مشورہ کر کے طے ہوئی ہے۔ جو انداز اختیار کرتے ہیں اُس سے مخالف پر رعب پڑتا اور اسلام کی برتری کا ثبوت ہوتا ہے۔ وہ ملک فتح کرتے تھے۔ تو مفتوح قوموں کی حالت ابتر سے بہتر ہو جاتی تھی۔

کسریٰ اور رستم کے دربار میں ہر ایک سفیر نے اپنے اپنے نمبر پر جو بات کی مناسب

[۱] سعید بن عامر بن حذیم بن سلامان بن ربیعہ بن عریج بن سعد وقیل اسلم ماتت ابو عبیدہ و معاذ و یزید ولاہ عمر حمص فلم یزل علیہا حتی مات
اسد الغابہ صفحہ ۳۱ ج ۲

وقت اور تدبیر و فراست سے لبریز تھی جس سے درباری اور عام رعایا تو کیا خود کسریٰ و رستم بھی مرعوب ہو گئے۔ ایک اگر اپنے گھوڑے کو قیمتی فرشوں پر سے گذارتے ہوئے یا بیش قیمت قالینوں کو اپنے نیزہ سے پھاڑتے ہوئے مسندوں سے باگ ڈور باندھنے اور تکلف فرش کو اٹھا کر خود زمین پر بیٹھنے سے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ ساز و سامان ہماری نظروں میں نہایت حقیر اور غیر قابل التفات ہیں اور ان نمایشی سامانوں سے ہم پر کچھ اثر نہیں پڑ سکتا۔ تو دوسرے سفیر مغیرہ نہایت استغنا سے گذرتے ہوئے رستم کی برابر تخت پر جا بیٹھتے ہیں۔ اور اہل فارس اُن کو کھینچکر تخت سے نیچے اُتارتے ہیں۔

تخت پر بیٹھنے سے اپنی مساوات یا برتری کا ثبوت دینا مقصود نہ تھا اور نہ اپنے لئے وہ اس کو باعث عزت سمجھتے تھے۔ بلکہ وہ یہ جانتے تھے کہ مجھ کو تخت سے اُتار دیا جائیگا۔ مگر اپنی فراست و روشن ضمیری تدبیر و دانائی سے اوّل ہی سمجھ لیا تھا کہ اس طرح بے دھڑک جا بیٹھنے سے اس فوق العادت جرأت کو دیکھ کر وہ مرعوب ہو جائیں گے۔ اور جب وہ مجھ کو تخت سے اُتاریں گے تو یہ ظاہر کرنے کا موقع ملیگا کہ اسلام نے اِس تفاوت اور امتیاز کو جائز نہیں رکھا۔ جو فارس میں عروج ہے کہ حکام و امراء رعیت کو بمنزلہ غلام کے سمجھتے اور خود خدا بنکر بیٹھتے ہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

درباریوں پر تو رعب چھا گیا اور اہل فارس کے دلوں میں اسلام کی محبت کا بیج جم گیا۔ رعایا حریت و مساوات کی تحصیل کے لئے اسلام کے حلقہ اثر میں داخل ہونے کے واسطے بیتاب ہو گئی۔ اُدھر رستم بول اُٹھا کہ اِس گفتگو کو سُننے کے بعد رعایا کبھی ہماری مطیع نہ رہیگی۔ امراء فارس گھبرا کر کہنے لگے خدا بُرا کرے ہمارے اسلاف کا جنھوں نے فارس میں اس تفوق و امتیاز کی بنیاد ڈالی جس کا خمیازہ آج ہم کو بھگتنا پڑتا ہے دونوں سفیروں کی دونوں ادائیں گہری پالیسی اور اعلیٰ تدبیر و ہوشمندی کا نتیجہ تھیں۔

پہلے دن کے طرز عمل نے اگر یہ اثر ڈالا کہ انسان کی برتری ان سامانوں سے نہیں ہے۔ بلکہ اُس کا مدار اعلیٰ اخلاق اور شریفانہ معاملات اور سب سے بڑھ کر اپنے خالق و مالک کے ساتھ ربط و کامل انقیاد سے ہے دل اگر اُن کمالات سے معمور ہے جو ایک انسان میں ہونے

چاہئیں تو اِن نمائشی سامانوں کی ضرورت نہیں اور اگر بجائے انسانی کمالات کے وحشیانہ اخلاق بھرے ہوئے ہیں تو یہ سامان کچھ کارآمد نہیں ہیں۔ تو دوسرے دن کے معاملہ نے اسلامی قوانین حریت و مساوات وغیرہ کا سکہ دلوں پر بٹھلا دیا۔

اہل فارس خود سمجھ گئے کہ ہم ابتری و ذلت کی حالت میں زندگی کے مراحل طے کر رہے تھے اگر انسانیت اور آزادی کا لطف ہے تو صرف مسلمانوں کی اطاعت اور اُن کے زیر اثر آجانے میں ہیں۔ رستم سفراء اسلام کو بار بار اس لئے بلاتا تھا کہ اُن کی گفتگو سے امراء دربار متاثر ہو کر میرے ہم خیال بنجائیں وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوا۔ مگر سفیر اپنا کام کر گئے۔ اُن میں سے ہر ایک جو بات کہتا یا جو معاملہ کرتا تھا اُس سے نہ صرف رستم اور درباری متاثر و مرعوب ہوتے تھے۔ بلکہ عوام افراد میں اسلام اور مسلمانوں کی محبت بیٹھتی چلی جاتی تھی۔ ایک ایسی قوم کہ جس کو وحشیانہ اور بدویانہ زندگی بسر کرتے ہوئے صدیاں گذر گئی ہوں۔ جنکی تنگدستی و فاقہ مستی ضرب المثل ہو۔ جو ہمیشہ فارس و روم کے غلام بنے رہے ہوں۔ کسریٰ و رستم بھی ہر وقت گفتگو اُن کی اس حالت کو یاد دلا کر شرمندہ کرنا۔ اور طمع زر دیکر ٹال دینا چاہتے ہوں یہ امر نہایت تعجب انگیز ہے کہ دشمن کے مُلک میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہو کر بھی کسی پر چیرہ دستی نہ کریں۔ فقر و فاقہ کی تکلیف اُٹھاتے ہوئے ایسے سر سبز ملک میں پہنچیں اور کوئی چیز خلاف قانون لینا گوارا نہ کریں۔ بلکہ اپنی ہر ادا سے ثابت کریں کہ اُن کو ان لبھانے والی چیزوں کی طرف اصلا رغبت نہیں ہے۔

اسلام کی اشاعت کا اصلی راز انہیں اخلاق و معاملات میں مضمر تھا۔ اور اب بھی مسلمان کسی قسم کی ترقی کر سکتے ہیں تو انہیں اخلاق و اوصاف سے متصف ہونے کے ساتھ وحشیانہ افعال و حرکات یا جابرانہ تہور و مردانگی۔ یا ملحدانہ تخیلات کبھی ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنے دینگے۔

نتیجہ پنجم

شام و روم عراق و جزیرہ وغیرہ ممالک پر پیش قدمی سے مسلمانوں کو خونریزی کا بازار گرم کرنا یا باشندوں کو ملک بدر کر کے اُن کی املاک و متاع پر قابض ہونا مقصود نہ تھا۔ نہ اُن کو ذلیل بنا کر خود آقا و مالک بننا اُن کی اغراض میں داخل تھا۔ بلکہ اصلی غرض و غایت

یہ تھی کہ مخلوق کو قوانین کی تیرہ و تار مہلک اور پیچیدہ عقبات سے نجات دلاکر امن و آسایش تہذیب و تمدن کی شاہراہ پر لاڈالیں۔ اور اُن کو حریت و آزادی کے ذائقہ۔ انسانیت کی دولت و نعمت سے متمتع کریں۔ اس اعلیٰ وارفع مقصود کے لیئے جو طریقے اختیار کیئے گئے نہایت سہل تھے یا اسلامی اوصاف و کمالات کی طرف راغب ہو کر برضاء و رغبت مسلمان بنجائیں۔ یا تھوڑا سا محصول (جزیہ) دیکر مسلمانوں سے مساوات کا درجہ حاصل کریں۔ میزان عدل میں مسلمانوں کی برابر تلیں حقوق میں برابر کا حصہ لیں۔ آزادی و اطمینان کے ساتھ اپنی املاک پر بلکہ ملک پر قابض و حاکم رہیں۔ مسلمان خود اُن کی حمایت و حفاظت کریں گے۔

اسلامی سفراء اور نائبین کی گفتگو یزدجرد اور رستم سے بغور ملاحظہ کی جائے۔ اُس کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور یہی مطلب کلمۃ اللہ کے بلند و بالاتر کرنے سے تھا جس کے لئے مسلمان مامور تھے۔ نظیر دیکھنی ہے تو ہرمزان سے مصالحت کا معاملہ دیکھ لینا کافی ہے جن کا مفصل تذکرہ آئندہ ایک عنوان میں لکھا جائیگا۔ وہ بشرط ادا محصول اپنے ملک پر قابض و متصرف رہا۔ اور مسلمانوں نے اس کی اور اس کے ملک کی حفاظت اپنے ذمہ لی۔

نتیجہ ششم

مسلمانوں کا سرزمین عرب سے نکل کر قدیم اور زبردست سلطنتوں سے معرکہ آرا ہونا لٹیروں اور غارت گروں کا سامان۔ یا چنگیز خانی فتوحات کا نمونہ نہ تھا۔ بلکہ ابتداء سے انتہا تک اُن کی تمام حرکات و سکنات۔ ارادے۔ منصوبے عملی کام ایسے مرتب اور باقاعدہ تھے کہ اس زمانہ کی متمدن اور شایستہ قومیں بھی اس سے زیادہ تو کیا پوری پوری تقلید بھی نہیں کرسکتیں۔

تاریخ عالم کی ورق گردانی اور واقعات سابق و حال کے تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فاتح و اقبال مند قوموں کی کامیابی کا راز امور ذیل میں مضمر ہے

فنون جنگ میں مہارت۔ اتفاق و اتحاد۔ ہمدردی ملکی و قومی۔ ایثار و جاں نثاری جوش و استقلال۔ ہمت و مردانگی حفظ راز۔ اطاعت امیر و معدلت گستری و نصفت شعاری۔ مساوات و حریۃ تعدی و ظلم سے پرہیز۔ جوش انتقام میں اعتدال پر قایم رہنا دشمن کے ملک سے کماحقہ واقفیت حفظ ماتقدم۔ انتظام ذرائع خبر رسانی۔ و فراہمی رسد وغیرہ

وغیرہ۔ یہ وہ باتیں ہیں کہ جس قوم میں پائی گئیں فتح و نصرت اُن کی ہمرکاب ہوئی۔

مذکورہ بالا واقعات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک بات بدرجہ کمال مسلمانوں میں موجود تھی۔ مادی ترقیات کی وجہ سے یہ ممکن بلکہ واقع ہے کہ بعض خاص انتظامی امور میں متمدن قومیں اس وقت ترقی کر جائیں۔ مگر اصولی باتوں پر نظر ڈالتے ہوئے صاف صاف تسلیم کر لینا پڑیگا کہ ان اوصاف میں مسلمانوں سے بڑھکر کوئی قوم نہ اُس وقت تھی اور نہ اُسکے بعد اب تک ہوئی۔ مدعی تو پہلے سے بھی بہت ہوئے ہیں اور اب بھی ہیں مگر کوئی یہ بتلا دے کہ ان اصول پر مجموعی طور سے کہاں تک عمل کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کا سا اتفاق و اتحاد جو اُس وقت تھا کسی قوم میں کبھی نہیں ہوا۔ حفظ راز کا حال ظاہر ہے غیر تو کیا اپنوں کو تدابیر جنگ کے راز قبل از وقت معلوم نہ ہوتے تھے۔ ایثار کی یہ حالت تھی کہ سخت سے سخت خطرہ کے موقع پر ہر شخص یہی چاہتا تھا کہ میں آگے ہو جاؤں۔ جو گزند پہنچے مجھ کو پہنچے۔ میرے بھائی اس سے محفوظ رہیں۔ یزدجرد اور رستم کے یہاں جاکر دلیرانہ گفتگو کرنا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ مگر اس پر بھی یہ نہ ہوا کہ ایک شخص کو دوسری بار جانے کی نوبت آتی۔ ہمت و استقلال کا یہ حال تھا کہ تن تنہا بادشاہ وقت سے ایسی بے دھڑک گفتگو کرتے تھے جس سے خود بادشاہ اور درباری مرعوب ہو جاتے تھے۔ جوش و مردانگی اس سے ظاہر ہے کہ طلیحہ اسدی تن تنہا ساٹھ ہزار کی جمعیت میں رات کے وقت گئے۔ اور چپ چاپ واپس آنے کو پسند نہ کیا۔ دشمن کے ملک میں اُس وقت تک قدم نہ رکھتے تھے جب تک اُس کی اندرونی حالت سے پوری واقفیت نہ ہو جاتی۔

اس زمانہ میں میدان جنگ اور دشمن کے ملک کے نقشے تیار ہوتے ہیں مگر اُس وقت بھی اس اصول پر مضبوطی سے عمل تھا حضرت عمرؓ نے امیر لشکر حضرت سعدؓ کو تحریر فرمایا۔[1]

صِفْ لِی الْاَرْضَ کَاَنِّی اَنْظُرُ اِلَیْہَا | سرزمین عراق کا حال ایسا لکھو کہ گویا میں اُسکو دیکھ رہا ہوں

حضرت سعدؓ نے ایسا ہی کیا۔ یہ نقشہ کھینچنا نہ تھا تو کیا تھا۔ اس نقشہ کو ملاحظہ فرما کر قادسیہ کو جنگ کے لئے منتخب کیا گیا۔ اسی طرح ایک قدم بھی اندرون ملک میں داخل ہونے کی ممانعت تھی جب تک کہ سامان رسد اور ذرائع خبر رسانی کا کامل بندوبست نہ ہو سلسلۂ امداد برابر متصل نہ ہو۔ انتظام ڈاک ایسا تھا کہ امیر عراق چھوٹی چھوٹی باتوں میں دار الخلافت سے

[1] و اکتب الی بجمیع احوالکم و تفاصیلہا و کیف تنزلون؟ و این یکون منکم عدوکم؟ و اجعلنی بکتبک الی کانی انظر الیکم و اجعلنی من امرکم علی الجلیۃ [illegible]

مشورہ طلب کرتے تھے۔ اور وہاں سے فوراً جواب آتا تھا۔ اگر ڈاک کا کامل انتظام نہ ہوتا تو ہزاروں میل کے فاصلہ پر اس قدر جلد خبریں کیونکر پہنچ سکتیں۔ اور جواب کیسے آسکتا تھا۔ رہی معدلت وانصاف حریت و مساوات وغیرہ یہ تو وہ باتیں ہیں جن کا سکہ مفتوح قوموں پر فتح سے قبل ہی بیٹھ چکا تھا۔ اس قانون میں حاکم و محکوم۔ امیر ورئیس عالم و جاہل سب مساوی تھے۔ اور با اینہمہ مساوات امیر کی اطاعت اس درجہ تھی کہ سر ہو کوئی شخص سرتابی نہ کر سکتا تھا۔ امیر عسکر اُن ہدایات پر جو دار الخلافت سے آتی تھیں نہایت پابندی کے ساتھ کاربند ہوتے تھے۔ اور یہی حال ہر ماتحت کا اپنے افسر کی اطاعت میں تھا۔ کیا ایسے شائستہ اور باقاعدہ لشکر کو کوئی شخص غارت گروں سے تشبیہ دے سکتا ہے۔ یا ان فتوحات کو غارتگری کا نتیجہ بتلا سکتا ہے اگر کسی شائستہ اور متمدن قوم نے اس سے آدھا بھی کر دکھایا ہو تو بتلا دے۔ لیکن مسلمانوں نے ان قوانین کی تعلیم کسی لا کالج یا ملیٹری کالج میں نہیں پائی تھی۔ قانون بین الاقوام بھی اُسوقت مدون نہ ہوئے تھے۔ امنِ عام قایم رکھنے کے واسطے ہیگ کی کانفرنس بھی وضع نہ ہوئی تھی اور پھر بھی وہ سادہ لوگ سب امور میں ماہر تھے۔

عرب کا جہل اور بدویت۔ سادگی و فاقہ مستی تو ایسی مشہور تھی کہ روم و شام۔ فارس وغیرہ میں جب کسی سفیر سے گفتگو ہوئی تو انکو سابق حالات یاد دلائے گئے اور مسلمانوں نے بھی بے تکلف اُن سب باتوں کو تسلیم کیا۔ با اینہمہ یہ باتیں اُن میں کہاں سے آئیں اور کیونکر سیکھیں صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ کا اقرار و اعتقاد کرنے اور خدا کے حبیب و محبوب نبی اُمّی صلے اللہ علیہ وسلم کی چند ساعت ہمنشینی سے۔

اس سے یہی بات نہ معلوم ہوئی کہ اسلام نہ تمام باتوں کی رہبری کے لئے کافی ہے بلکہ یہ بھی سمجھ میں آگیا کہ نفس اسلام کو جو صدق دل سے اور کمال رسوخ و پختگی کے ساتھ ہو وہ تمام خوبیاں اور عمدہ اطوار و عادات جو ہدایات قرآنی و تعلیم پاک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا نتیجہ ہیں۔ اور جن کے ساتھ متصف ہونے سے خود دین و دنیا کی خوبیاں عقل و دانش کو مات حاصل ہو جاتے ہیں) لازم و ملزوم ہیں مسلمان اور پختہ مسلمان ہونا تمام اخلاقی اور دماغی کمالات و روشنضمیری کی ضمانت ہے۔

نتیجہ ہفتم

رستم کو خود یہ علم تھا کہ مسلمان ضرور ملک فارس پر قابض ہونگے۔ اور ہم پر غالب آئیں گے اور اس لئے وہ ہر پہلو سے لڑائی کو ٹالنا چاہتا تھا۔ اُس نے بادشاہ سے باصرار عرض کیا کہ مجھے میدان جنگ میں جانے سے معاف کیا جائے۔ اُس نے بار بار سفراء اسلام کی گفتگو امراء فارس کو سنا کر اُن کو سمجھانا چاہا کہ ان لوگوں کی یہ گفتگو اور یہ پاکیزہ حالات اور اعلیٰ و برتر خیالات و کمالات ہیں۔ اُنکے معاملات اپنے دشمنوں کے ساتھ یہ ہیں۔ وہ کس قدر سچے اور صاف اور اُن کا دین کیسا برگزیدہ اور اُن کے قوانین کیسے عمدہ ہیں۔ اُس نے کوشش کی کہ میں خود اور میرے ساتھ تمام امراء و لشکر برغبت مسلمان ہو جائیں اور اپنے ملک و حکومت کو بدستور اپنے قبضہ میں رکھیں جس کا اقرار وہ مسلمانوں سے لے چکا تھا اگر مسلمان ہو گئے تو ملک اُنکا اُنکے قبضہ میں رہیگا۔ مسلمانوں کے غلبہ اور حقانیت کا علم فقط رستم ہی تک محدود نہ تھا بلکہ جملہ خواص و سردار اس میں شریک تھے جس کو وہ عوام پر ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ رستم اور باجان کی گفتگو اس کی شاہد ہے۔ یہ ممکن ہے کہ تمام خواص و سرداروں کو رستم و باجان کی برابر تیقن نہ ہو۔ مگر اس علم سے خالی نہ تھے۔ اور گو عوام کو اس راز سے کتنا ہی غافل رکھنا چاہا مگر

ع نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا۔ جبکہ خواص میں باہم چرچا تھا۔ تذکرے تھے۔ اور رستم نے برسر دربار سفیران اسلام سے گفتگو کی۔ اور اپنے خیالات کا اظہار کیا تو ناممکن تھا کہ اُن تک یہ خیال نہ پہنچتا۔ اور وہ اس اثر سے متاثر نہ ہوتے رستم کی کچھ پیش نہ چلی۔ اُدھر بادشاہ نے مجبور کیا۔ ادھر اس کے ماتحت افسروں نے اس بارے میں اطاعت نہ کی تو مجبوراً جنگ کا پہلو اختیار کیا اُس نے اور اُس کے ماتحت افسروں نے ملک کی حفاظت میں جان توڑ کر کوشش کی دشمن کو ہلاک و تباہ کرنے کی سب تدبیریں عمل میں لائے۔ کوئی دقیقہ سرفروشی و جاں بازی کا اُٹھا نہ رکھا۔ رگ حمیت نے تھوڑی دیر کے لئے اُس کے سب قلبی خیالات راسخ اور تیقن علم کو مٹا دیا اور وہ نہایت قوت و شوکت کے ساز و سامان کے ساتھ دلیرانہ (نعلّنا نغلّ قہم دقّا) کہتا ہوا میدان کارزار کو روانہ ہوا۔ اس علم نے اُس کے ارادہ میں کسی قسم کی سستی اور ہمت میں ضعف پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اس سے زیادہ تن دہی دکھلائی جو لاعلمی کی حالت میں

دکھلاتا اب اُس نے اُس عداوت کا اظہار کیا جو معاند اور جاحدِ حق کرتا ہے۔ یہ عداوت جہل کی عداوت سے کہیں زیادہ اور مضبوط ہوتی ہے۔ جہل کا علاج تنبیہ سے ہو سکتا ہے۔ مگر عناد کا علاج نہیں ہے۔ مسلمانوں کے غلبہ و تسلّط کو اہلِ فارس کے ضعف یا پستی ہمت و دل شکستگی پر محمول کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ اور جس طرح کفارِ عرب و اہل مکہ نے باوجودیکہ ان کے دلوں میں مذہب اسلام کی سچائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت و راستبازی مرکوز تھی۔ انہوں نے وہ تمام حالات و معجزات دیکھے تھے جن کو دیکھنے و سننے سے سنگدل سے سنگدل بھی نرم ہو جاتا۔ آپ کی کوئی بات کبھی غلط نہ نکلی۔ جو پیشین گوئی فرمائی صادق اتری جو حجت طلب کی دکھلا دی گئی۔ وہ آپس میں بیٹھ کر آپ کی حقانیت کے تذکرے کرتے تھے مگر باایںہمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی۔ آبرو ریزی۔ دشنام دہی۔ اور انجام کار بغاوت و قتل میں مسلمانوں کو تنگ کرنے اور حتّٰی کہ مکہ چھوڑ کر حبشہ چلے جانے اور وہاں بھی اُن کا پیچھا کرنے اور ضعیف مسلمانوں کو طرح طرح کے عذاب دے کر اسلام سے پھیر دینے میں ممکن سے ممکن کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انجام کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معہ اپنی جماعت کے ہمیشہ کے لئے مکہ معظمہ چھوڑ دینا پڑا۔ مگر ہجرت کر جانے کے بعد بھی اُن کے صفحۂ ہستی سے معدوم کر دینے کی کوششوں سے باز نہ آئے۔ کبھی یہودِ مدینہ سے سازش اور منافقوں کو آمادہ کر کے مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کی تدابیر میں مشغول ہونا۔ اور انجام کار عرب کے تمام قبائل کو متفق بنا کر غزوۂ خندق کی صورت میں مدینہ کا محاصرہ کرنا۔ کبھی ملوکِ غسان وغیرہ کو مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لئے آمادہ کرنا۔ غرض خفیہ و علانیہ جس طرح بھی ممکن تھا اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے اور مسلمانوں کو جو اُن کے ہم قوم ہم وطن رشتہ دار اور عزیز تھے،

جن کی عزت ان کی عزت تھی۔ جن کی فلاح میں ان کی فلاح تھی۔ جو اگر غالب آکر سلطنت و حکومت کی مسند پر بیٹھتے تو اُنہیں کی سلطنت و حکومت ہوتی (چنانچہ ایسا ہی ہوا جب اسلام کا غلبہ اور مسلمانوں کا تسلط ممالک شام و روم وغیرہ پر ہوا یہی لوگ مسند آرائے حکومت ہوئے۔ ابو سفیان (جو بعد ابو جہل کے تمام کفار مکہ کے افسر اعلےٰ اور تمام معرکوں کے بانی مبانی تھے اور اُنہیں کی بیوی ہندہ بنت عتبہ[۱] نے جوش انتقام سے جنگ احد میں حضرت حمزہ کا جگر

[۱] ووقعت ہند بنت عتبۃ۔ کما حدثنی صالح بن کیسان والنسوۃ اللاتی معہا یمثلن بالقتلی من اصحاب رسول اللہ صلعم یجدعن الآذان والانف حتی اتخذت ہند من آذان الرجال وانوفہم خدما وقلائد واعطت خدمہا وقلائدہا وقرطہا وحشیا وبقرت عن کبد حمزۃ فلاکتہا فلم تستطع ان تسیغہا فلفظتہا۔

چھپایا تھا) معرکہ یرموک میں اعلیٰ اور ذمہ داری کی خدمت (قاص) خطیب و لکچرار پر مامور تھے، جن کا کام یہ تھا کہ اپنی موثر تقریر اور جادو بیانی سے مسلمانوں میں جوش کی روح پھونکتے رہیں ان کے دونوں بیٹے یزید و معاویہ گورنری شام پر ممتاز ہوئے۔

اسی طرح عکرمہ ابن ابی جہل اور سب بڑے بڑے سرداران مکہ خود یا ان کی اولاد ذمہ داری کے اعلیٰ عہدوں پر ممتاز تھے۔) مگر یہ علم حقانیت اور یہ تعلقات قومیت و قرابت و وطنیت اُن کو کسی بات سے مانع نہ آئی سخ فتح مکہ اور ہر طرح سے مغلوب ہو جانے کے بعد بھی جب تک اُن کے اندر کماحقہٗ اسلام راسخ نہ ہو گیا دلوں میں یہ خیال لئے رہے۔ حنین کی لڑائی میں جب نومسلموں اور اُن کے ذیل میں چند قدیم اور پختہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے تو یہی ابو سفیان وغیرہ جو ابھی چند روز ہوئے فتح مکہ کے دن مسلمان ہو چکے تھے ایسے خوش ہوئے کہ اپنے دلی جذبات کو چھپا نہ سکے۔ ایک بولے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جادو اب باطل ہو گیا۔ دوسرے بولے کہ بس جی اب مسلمانوں کے قدم کہیں نہ جمینگے۔ دریا سے ورے تو یہ ٹھہر ہی نہیں سکتے۔

مدینہ کے یہود خوب جانتے تھے کہ نبی آخر الزماں مبعوث ہونے والے ہیں۔ آپ کے اندر وہ سب علامتیں دیکھتے تھے جو اُن کے یہاں لکھی ہوئی تھیں۔ مگر عناد و بغض، حب جاہ و ریاست نے اجازت نہ دی پر نہ دی کہ دولت اتباع سے مالا مال ہوتے۔ دغابازیاں کیں۔ کتاب اللہ کے احکام چھپائے۔ مشرکین مکہ کا ساتھ دیا۔ قتل و غارت ہوئے۔ جلاوطن ہوئے۔ مگر ہٹ سے باز نہ آئے۔ علیٰ ہٰذا منافقین مدینہ سب کچھ جان کر اپنے بھائیوں کے حسد و بغض کی وجہ سے اس حقیقی نعمت سے محروم رہے،

یہی حال رستم اور اس کے ہم خیال امرا اور ارکان سلطنت و رعایا کا تھا۔ اُن کو علم اور تیقن ضرور تھا مگر نہ اس درجہ کا جو مشرکین عرب و یہود مدینہ و منافقین کو تھا اور نہ اُن کے سامنے علم و یقین کے وہ اسباب تھے جو ان لوگوں کے سامنے تھے۔ اس لئے وہ مسلمانوں کے ساتھ اپنی پوری قوت اور سامان سے نبرد آزما ہوئے اور نہ فقط معرکہ قادسیہ کے اختتام تک ہی اُن کی یہ ہمت قایم رہی۔ بلکہ پایۂ تخت نکل جانے کے بعد بھی اپنی ہٹ پر قایم رہے، نہاوند کا سب سے آخری معرکہ ایسا سخت تھا کہ باوجود فتوحات اسلامیہ کے اس قدر وسیع

ہوجانے اور تقریباً کُل مملکتِ فارس وشام زیرنگیں ہوجانے۔ اور ہر قسم کے سامان جنگ میں
سہولت ووسعت ہونے کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس قدر اہتمام کرنا پڑا کہ اس سے پہلے
کسی معرکہ میں نہ کیا تھا۔ اہل فارس نے بھی اتنا زور دکھلایا کہ اس سے قبل نہیں دکھلایا تھا
رستم کے ہم رتبہ فرزان کی کمان میں ڈیڑھ لاکھ نبرد آزما فوج جمع تھی۔ اور امداد کا سلسلہ
برابر جاری تھا۔ ہزیمت سے محفوظ رہنے کے واسطے وہ سخت صورتیں تجویز کیں جو قادسیہ میں
بھی نہ کی تھیں۔ اپنے پیچھے گہری خندق کھودی اور اپنے اور خندق کے درمیان لوہے کے
گوکھرو اور کانٹے بچھا دیئے اور سات سات سپاہیوں کو ایک ایک زنجیر میں باندھ دیا کہ
بھاگ ہی نہ سکیں اور اگر بھاگیں تو کانٹوں میں پھنسکر رہ جاویں۔ اور اس پر بھی کوئی بھاگ
نکلے تو خندق میں گر کر ہلاک ہوجاے۔ غرض اپنی انتہائی کوشش اور بہادری کو خرچ کیا۔
اور جب کہ یزدجرد کو ملک فارس میں کہیں قدم رکھنے کو جگہ نہ رہی تب بھی اپنی ضد سے باز
نہ آیا۔ خراسان وترکستان اور چین تک پہنچکر مسلمانوں سے مقابلہ کرتا اور کراتا رہا۔ اس لیئے یہ
تو کوئی شخص ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ اہل فارس میں فی الحقیقت ضعف تھا۔ یا اپنے اس علم
کی وجہ سے کماحقہٗ مقابلہ نہ کیا۔ اور مسلمانوں نے ایک ضعیف ومردہ قوم پر غلبہ حاصل کرلیا
ہاں اس علم ویقین کا یہ اثر ضرور ہوا کہ جب جس ملک پر فتح حاصل کر کے مسلمان مسلّط ہوجاتے
اور وہاں اسلام کی برکات پھیلاتے جاتے تھے وہاں کے باشندے جو پہلے سے علم کے درجہ
میں اسلام کی صداقت دل میں لئے ہوئے تھے اور مسلمانوں کے معاملات سے اور اُن کے
اس قانونِ حریت وآزادی معدلت ونصفت سے واقف تھے جس کا برتاؤ وہ اپنے دشمنوں
اور مفتوح قوموں سے کرتے تھے۔ جب اُن کو بالذات مسلمانوں سے واسطہ پڑتا تھا اُن کی
ہر ہر بات کو آنکھ سے دیکھتے تھے اور پھر اُس ہمدردی اور شفقت اور مساوات کا مشاہدہ
کرتے تھے جو ان کے ساتھ برتے جاتے تھے اور ان سب سے بڑھکر اُن کے اُن حالات کو
بھی دیکھتے تھے جس سے مسلمانوں کی دنیا سے بے تعلقی آخرت کی طرف رغبت اور ہر ایک
بات میں رضاء الٰہی کا طالب ہونا معلوم ہوتا تھا۔ تو اسلام کی محبت ایسے غیر محسوس طریقے
سے سرایت کرجاتی تھی کہ وہ بے اختیار زبان کے اقرار سے پہلے دل سے مسلمان اور

صرف مسلمان بلکہ اسلام کے شیدائی بن جاتے تھے۔ اور یہی ایک سبب تھا جس کی وجہ سے بلا کسی قسم کے جبر یا تدبیر و حیلہ کے ملک کے ملک اور قوم کی قوم تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمان ہو جاتے تھے اور یہ ایسا موثر اور قوی سبب تھا کہ کوئی دوسرا سبب اُس کے مقابلہ میں موثر نہیں ہو سکتا۔ اس کے خلاف جو شخص کوئی دوسرا اسباب بیان کرے محض دعوی بے دلیل ہے جس کو کبھی ثابت نہیں کر سکتا۔

رستم کے اور امرار فارس کے خیالات اور اُس کے ذیل میں دوسرے حالات لکھنے میں ہم نے کسی قدر طول سے کام لیا۔ لیکن جس مطلب کے ہم درپے ہیں اُس کے اظہار کے واسطے واقعات مذکورہ کا تذکرہ نہایت ضروری تھا۔ ان واقعات سے چند نتائج اخذ کئے گئے ہیں جن میں ہر ایک بجائے خود مہتم بالشان اور نہایت مفید ہے لیکن اصلی مقصود ان مسلسل حالات کے ذکر کرنے سے یہی آخر نتیجہ ہے جس کا تعلق ہمارے اصلی دعوے سے ہے ہم امید کرتے ہیں کہ منصف مزاج و معقول پسند اس کو بغور ملاحظہ فرمائیں گے۔

لیکن قبل اس کے کہ ہم اس عنوان کو ختم کریں اس قدر لکھ دینے کی ضرورت باقی ہے کہ رستم یا ارکین سلطنت امرار فارس یا عام رعایا کو اسلام کی صداقت اور مسلمانوں کے غلبہ کا یقین کس ذریعہ سے ہوا تھا۔ قیصر روم و شام تو اہل کتاب میں سے تھا علیٰ ہذا یہود مدینہ بھی اُن کو اگر آسمانی کتابوں کے ذریعہ سے علم ہوا تو قرین قیاس ہے مگر قوم مجوس جو کسی آسمانی مذہب کی پابند نہ تھی نہ کتابِ الٰہی اُن کے پاس۔ اُن کو علم ہوا تو کیونکر۔

اس خلجان کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو یہ ممکن ہے کہ فارس اور روم کی سلطنتیں باہم ملی جلی تھیں کبھی اُن میں باہمی جنگ ہوتی تھی اور کبھی صلح غرض آپس میں ایسے تعلقات تھے جن کی وجہ سے یہ امر کچھ مستبعد نہیں ہے کہ جو خیال قیصر شام و روم اور علمار نصاریٰ میں راسخ تھا اُن کے ذریعہ سے فارس تک بھی پہنچ گیا ہو۔ یا یہ کہ عرب کے اکثر حصوں پر فارس کی حکومت تھی اور عرب کے کاہنوں اور نجومیوں میں ولادتِ باسعادت رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی کھلبلی پڑ گئی تھی اور بعد ولادت حضورِ انور تو عرب بھر میں چرچا ہو گیا تھا۔ کچھ بھی مستبعد نہیں ہے کہ یہ خیالات عرب سے فارس تک

پھیل گئے ہوں۔ لیکن اصلی وجہ اس کی یہ ہے کہ فارس میں خود ایسے واقعات پیش آئے جن کی وجہ سے اُن کو بالذات یہ علم ہو گیا۔

آپ کی ولادت باسعادت کی شب میں ایوان کسریٰ کو زلزلہ آگیا اور اُس کے چودہ کنگرے گر گئے یہ ایوان دنیا کی مشہور عمارتوں میں تھا کسریٰ جیسے زبردست بادشاہ نے کروڑہا روپیہ صرف کر کے ۲۳ سال میں تعمیر کرایا تھا۔ اُس میں زلزلہ آنا اور کنگروں کا گر جانا معمولی بات نہ تھی۔ کسرے انوشرواں سخت مغموم اور پریشان ہوا۔ اول اول تو اُس نے استقلال سے کام لے کر اپنے صدمہ کو پوشیدہ رکھنا اور اس واقعہ کو طشت از بام نہ کرنا چاہا۔ مگر بالآخر دربار منعقد کیا اور ارکین سلطنت پر اس غیر معمولی اور عظیم واقعہ کو جس کے لیے بظاہر کوئی سبب نہ تھا ظاہر کر کے اس کی وجہ اور لِم کو دریافت کرنا چاہا۔ دربار ابھی منعقد ہی ہوا تھا۔ اور انوشرواں کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ یہ اطلاع ملی کہ آج کی شب تمام آتشکدوں کی آگ بجھ گئی اور اس مجلس میں ایلیا کے گورنر کا مراسلہ بدیں مضمون پہنچا کہ :-

آج شب بحیرہ ساوہ کا پانی بالکل خشک ہو گیا اور اُسی مجلس میں شام سے اطلاع پہنچی کہ ساوہ کی ندی کا پانی منقطع ہو گیا۔ اور اُسی وقت طبریہ سے خبر آئی کہ بحیرہ طبریہ میں پانی کی روانی موقوف ہو گئی۔ انوشرواں تو اپنے دل میں پہلے ہی سے پریشان تھا۔ ان خبروں سے اُس کے رنج و ملال کی انتہا نہ رہی۔ اور اس وقت اُس نے بیان کیا کہ آج کی شب میں ایوان کو سخت زلزلہ آیا۔ اور چودہ کنگرے گر گئے۔ یہ سُن کر موبذان[1] بولا میں نے بھی آج کی رات دیکھا ہی کہ سخت اور زبردست اونٹ اور اُن کے پیچھے عربی گھوڑے دجلہ کو عبور کر کے بلاد عجم میں پھیل گئے کسریٰ نے موبذان سے اس کی تعبیر پوچھی تو اُس نے کہا بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب کی جانب سے کوئی بات ظاہر ہونے والی ہے۔ آپ حیرہ کے عامل کو لکھئے وہ کسی عالم کو جو وقائع آئندہ کے حالات سے باخبر ہو بھیجدے گا کسرے کے حکم پر نعمان ابن المنذر نے عبدالمسیح غسانی کو بھیجدیا جس کی عمر اُس وقت ڈیڑھ سو سال کی تھی۔ یہ سب واقعات اور

---

[1] موبذان چیف جسٹس کو کہتے تھے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ سب سے بڑے آتشکدہ کے محافظ و خادم کو موبذان کہتے تھے لیکن اس میں کچھ مخالفت نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ یہ دونوں جلیل القدر عہدے ایک ہی شخص کے سپرد ہوں ۱۲

مشاہدات وخوابیں اُس کے سامنے بیان کئے گئے تو اس نے کہا کہ اس کا پورا علم میرے ماموں سطیح[1] کو ہے جو شام کے شہر جابیہ میں رہتا ہے۔

عبدالمسیح کو معہ ایک جماعت کے سطیح کے پاس بھیجا گیا۔ یہ ایسے وقت پہنچے کہ سطیح تین سو سال اور بعض روایات کے موافق سات سو سال زندہ رہ کر دم توڑ رہا تھا۔ اور اپنے حال میں مشغول تھا۔ مگر عبدالمسیح نے باآواز بلند کہا۔

اصم ام یسمع غطریف الیمن۔

(یمن کا سردار بہرہ ہوگیا ہے یا سنتا ہے)

عبدالمسیح کی آواز سنکر سطیح نے سر اُبھار کر کہا:۔

عَبْدُ المَسِیْحِ عَلیٰ جَمَلٍ مُشِیْحٍ اِلیٰ سَطِیْحٍ
وقد وافی علی الضریح بعثک ملک ساسان
لارتجاسِ الایوان وخمود النیران
ورویا الموبذان رای ابلا صعابًا
تقود خیلاً عِرَابًا قد قطعت دجلۃ
وانتشرت فی بِلادھا یا عبدالمسیح
اذا کثرت التلاوۃ وظہر صاحب الھراوۃِ
وغاصت بحیرۃ ساوۃ وخمدت نار
فارس فلیس بابلُ لِلفارس مقامًا

عبدالمسیح تیز رو اونٹ پر سطیح کے پاس ایسے وقت پہنچا کہ وہ قبر کے کنارہ پہنچ گیا تھا۔ شاہ فارس نے تجھ کو ایوان کے متزلزل ہونے آتشکدوں کے سرد ہوجانیکا سبب اور موبذان نے جو یہ خواب دیکھا تھا کہ زبردست اونٹوں کے پیچھے عربی گھوڑے دجلہ کو قطع کرکے بلاد فارس میں پھیل گئے۔ اُس کی تعبیر پوچھنے بھیجا ہے۔ ای عبدالمسیح جب تلاوۃ قرآن بکثرت ہونے لگے اور صاحب عصا (مراد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) ظاہر ہوجائیں بحیرہ ساوہ کا پانی خشک ہوجائے اور فارس کے آتشکدے سرد ہوجائیں تو سمجھ لینا کہ بابل اہل فارس کی

[1] عرب میں دین ابراہیمی کے ضعیف ہوجانے کے وقت کہانت کا زور ہوگیا تھا۔ اہل عرب اپنے معاملات میں کاہنوں کے فیصلہ پر راضی ہوتے تھے۔ اور وقائع آئندہ کے مطابق اُنہیں کے اقوال پر اعتماد کرتے تھے۔ ان کاہنوں میں دو شخص بہت ہی مشہور و مستند ہوئے ہیں۔ شق اور سطیح۔ لیکن ان دونوں میں بھی سطیح کا درجہ بڑھا ہوا تھا۔ سطیح کے بدن میں سوائے کھوپری کے کہیں ہڈی نہ تھی اور اسی وجہ سے وہ بیٹھنے پر قادر نہ تھا۔ البتہ غصہ کے وقت پھول جاتا تھا اور بیٹھنے پر قادر ہوتا تھا۔ خود کہیں نہ جاسکتا تھا۔ اُسکا چہرہ سینہ میں تھا گردن بالکل نہ تھی جب اُس سے کچھ دریافت کرنا ہوتا تھا تو اُسکو اسی طرح ہلاتے تھے جیسے گھی نکالنے کیوقت دہی کے برتن کو ہلاتے ہیں۔ ہلانے سے پیٹ میں ہوا بھر جاتی تھی سانس چڑھ جاتا تھا اُسوقت پوچھنے پر جواب دیتا تھا۔ سطیح کی عمر تین سو اور بقول بعض سات سو سال ہوئی ۱۲

ولا الشام لِسطیح شامًا یملك منهم ملوك و ملكات ُ علی عدد الشرافات وکل ما هوات اتٍ ۔

جاءِ قیام نہیں رہی اور نہ شام کا ملک سطیح کے واسطے رہا۔ چودہ کنگرے جو ایوان فارس کے گرے ہیں انکی شمار کے موافق کل چودہ بادشاہ فارس کے ہونگے اور جو بات آنیوالی ہے نہایت قریب ہے۔

اس گفتگو کے ختم ہوتے ہی سطیح کا دم تو ہوا ہوا۔ اور عبدالمسیح نے فارس کی راہ لی۔ کسرے انوشرواں سے سارا ماجرا بیان کیا تو اُس نے سُن کر کہا۔ چودہ بادشاہ ہونے کے واسطے تو زمانہ دراز چاہیئے۔ اس مدت میں تو بڑے بڑے تغیرات ہو جائیں گے۔ لیکن مسکین کو یہ خبر نہ تھی کہ وعدہ خداوندی بہت جلد پورا ہونیوالا ہے۔ چار ہی برس کی قلیل مدت میں دس بادشاہ تو سلطنت کرکے قتل یا معزول ہوئے۔ باقی چار کا خاتمہ بھی حضرت عثمان رضہ کی شروع خلافت تک ہو گیا لیکن پایہ تخت اور مملکت فارس کو تو پہلے ہی سے وداع کر گئے تھے۔ یزدجرد نے دوسروں کے گھر پڑکر جان دی۔ اور تین ہزار ایک سو چونسٹھ سال کی قدیم سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

یہ واقعات تو کسرے انوشرواں عادل کے زمانہ میں ہوئے۔ اور یہ ایسے واضح حالات تھے کہ کسی خاص شخص تک اُن کا علم محدود نہ تھا۔ کوئی شخص اپنے خواب کو مخفی رکھ سکتا تھا۔ اور کوئی کسی خاص واقعہ کا اخفا بھی کر سکتا تھا۔ جیسا کہ خود انوشرواں نے ایوان کے زلزلہ کو مخفی رکھنا چاہا مگر ان تمام حالات اور متواتر روایات کا اخفا کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ اگرچہ فارس میں اس امر کا علم پہلے سے بھی کچھ نہ کچھ ضرور تھا کہ اہل عرب ملک فارس پر مسلّط ہو جائیں گے چنانچہ سابور ذی الاکتاف کے حالات میں لکھا ہے کہ اُس نے عرب کو سخت اذیتیں پہنچائیں وہ قبائل عرب کو برباد اور تباہ کرتا تھا۔ اور جو شخص ملجاتا تھا اُس کے مونڈھے اُکھاڑ دیتا تھا۔ اور اسی وجہ سے اُس کو ذوالاکتاف کا لقب دیا گیا تھا۔ اسی طرح تباہی نازل کرتا ہوا قبیلہ تمیم تک پہنچا تو یہ لوگ پہلے ہی اپنے منازل کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ وہاں سوائے عمیر بن تمیم کے جس کی عمر تین سو سال کی تھی کوئی بھی نہ ملا۔ یہ اس درجہ ضعیف ہو گیا تھا کہ بیٹھ بھی نہ سکتا تھا اور اسی لئے اُس کو زنبیل میں لٹا کر لٹکا دیا جاتا تھا۔ سپاہی عمیر کو سابور کے پاس لے گئے سابور نے اُس سے گفتگو کی تو معلوم ہوا کہ باوجود ضعف و پیرانہ سالی عقل و گویائی کامل ہے۔ عمیر نے سابور سے عرب کو قتل و غارت کرنے اور اس قسم کی اذیتیں پہنچانے کا سبب دریافت کیا۔ اُس نے کہا ان

لوگوں کا گمان ہے کہ جب نبی آخرالزماں مبعوث ہونگے تو ملک فارس ہمارا ہو جائیگا۔ عمیر نے کہا مگر آپ نے شاہانہ عقل و حلم سے کام نہ لیا۔ اگر اُن کا یہ خیال غلط ہے تو آپ کو کیا مضرت اور اگر صحیح ہے تو ان کی گردن پر کوئی ایسا احسان چھوڑنا چاہیے تھا جس کو وہ یاد رکھتے اور اپنے غلبہ کے وقت اہل فارس کے ساتھ بطور جزاء احسان مراعات کرتے۔ عمیر کی اس گفتگو کا سابور پر پورا اثر ہوا۔ اور وہ ان سخت حرکات سے رُک گیا۔

گو یہ علم کسی معتبر اور مستند روایات یا دلیل پر مبنی نہ ہو۔ مگر اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ خواہ بربنار کہانت و نجوم جس کا اس زمانہ میں بہت چرچا تھا۔ اور اُنہیں کے اقوال پر عام طور پر اعتماد کیا جاتا تھا۔ اور اُنہیں کے فیصلوں کو ناطق و واجب العمل سمجھا جاتا تھا۔ یا بربنار روایات یہود مدینہ جو خاص نبی آخرالزماں کے اتباع اور امداد کے لئے وہاں آباد ہوئے تھے۔ اور بوجہ اہل کتاب ہونے کے اُن کے اقوال قابلِ اعتماد مانے جاتے تھے۔ اس کا چرچا عرب میں اور اُن کی وجہ سے ممالک متصلہ میں ضرور تھا۔ لیکن انوشرواں عادل کے وقت جو امور پیش آئے وہ ایسے واضح اور روشن تھے کہ کسی کو انکار کی گنجائش نہ تھی اور اسی وجہ سے یہ علم درجۂ یقین تک پہنچکر اہل فارس میں راسخ ہو گیا تھا۔

انوشرواں کے بعد اُس کا پوتا پرویز تخت سلطنت پر بیٹھا تو اُسکو بھی متواتر ایسی ہی واقعات پیش آئے۔ اور اُس کے دربار کے کثیر التعداد کاہنوں اور نجومیوں نے بھی ان آثار کو مبعوث ہونیوالے نبی کا پیش خیمہ بتلایا۔ جن کی امت ملک فارس پر حکمرانی کریگی۔ ان واقعات نے اس سابق علم کو اور بھی تقویت پہنچادی۔ رُستم اور اُس کے سوا بہت سے دوسرے ارکین سلطنت خود بھی علم نجوم و کہانت میں مہارت رکھتے تھے اُن کو ذاتی طور پر بھی اس کا علم تھا۔ اور اس لئے وہ تقلیداً نہیں بلکہ اپنے مشاہدات کی بنار پر اسلام کو حق سمجھکر اُسکی طرف مائل تھے۔ ان سب کے علاوہ وقت ظہور اسلام سے اس وقت تک جس قسم کے حالات خود ملک عرب میں پیش آئے یا فتوح شام و عراق کے وقت دیکھے گئے اور مسلمانوں کا طرز و انداز خالق و مخلوق کے ساتھ معاملات اور اپنے دشمنوں اور مفتوح قوموں کے ساتھ برتاؤ ان سب باتوں کی وجہ سے خود بخود بلا استدلال و استنباط یہ امر ذہن نشین ہوتا گیا کہ

اسلام ایک زبردست قوت ہے جو تمام قوتوں پر غالب آکر رہیگی۔ اور مسلمان اپنے اندر وہ اوصاف لئے ہوئے ہیں جن کی خوبی کا سکہ اسی طرح بیٹھتا چلا جائیگا کہ کوئی تدبیر اس کے خلاف کارگر و مفید ثابت نہ ہوگی۔ ایسا ہی ہوا مسلمانوں نے جدھر کا رخ کیا۔ قوموں کی قومیں اسلام کا خیر مقدم کرنے کے لئے تیار بیٹھی تھیں۔ خوشی خوشی اس کے حلقہ میں داخل ہوتی گئیں۔ مسلمانوں نے کسی کے ساتھ نہ جبر یہ معاملہ کیا اور نہ ناجائز اور خلاف عقل و انسانیت ترغیب و تحریص کا۔

وہ صداقت سے معاملہ کرتے تھے اور یہی ان کی بڑی تدبیر تھی۔ اور اسی سے ان کو ہر قسم کی کامیابی نصیب ہوئی۔ مخالف اپنی پوری قوت سے مقابلہ کرتے تھے مگر ان کے پاس ان اعلے اوصاف کے مقابلہ کا سامان نہ تھا۔ اس سے وہ بالکل عاجز تھے۔ اور یہی وہ اوصاف تھے جن کا بے اختیارانہ اثر قلوب کو مسخر کر لیتا تھا۔

مسلمانوں کے کمال اخلاق حسن معاملہ۔ صلح پسندی۔ حب امن۔ حفظ جان و مال کی خواہش و رغبت۔ احکام شرع کی پابندی۔ وفاء عہد۔ اور اس قسم کے جملہ اوصاف حسنہ کے ساتھ متصف ہونے کا یقین موافق و مخالف کے ذہنوں میں یہاں تک راسخ ہوگیا تھا کہ ادنیٰ سے ادنیٰ ملازم و غلام بھی اُن کے ان اوصاف کے اعتماد پر بڑی سے بڑی ذمہ داری کا کام بلا استفسار کر بیٹھتا تھا۔ اور مخالف بھی مسلمانوں کے برتاؤ سے ایسے مطمئن تھے کہ ذرا سا سہارا ملنے پر اپنی جان و مال کو بالکل اُن کے حوالہ کرنے کے واسطے تیار ہوجاتے تھے اور مسلمان ادنیٰ آدمی کی بات کا بھی وہی پاس کرتے تھے جو ایک معتمد عہدہ دار کی بات کا۔

ذیل کا واقعہ بھی انہیں واقعات میں سے ہے جس سے بڑھکر امن پسندی۔ وفاء عہد کی مثال کوئی شخص کسی قوم میں کسی ملک میں کسی زمانہ میں دکھلا نہیں سکتا۔

سوس کو صلحاً فتح کرنے کے بعد جندی سابور کا محاصرہ کیا گیا۔ صبح و شام محاصرین حملہ کرتے تھے اور کچھ نہ کچھ لڑائی ہوتی رہتی تھی۔ اسی حالت میں ایک دن صبح کو مسلمانوں نے دفعتہً یہ بات دیکھی کہ محصورین شہر کے دروازے کھول کر باہر نکلنے شروع ہو گئے۔ اور اپنے ساتھ مسلمانوں سے خرید و فروخت کرنے کے لئے دوکانیں بھی لے آئے مسلمان اس حالت کو دیکھ کر سخت متعجب و متحیر تھے کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ مگر انھوں نے اپنی مستمر عادت پر عمل کرنے بجائے اس کے کہ انپر حملہ

سلہ ثم اذا الوا مقیمین علیہا حتی رمی الیہم بالامان من عسکر المسلمین وکان فتحہا مع فتح نہاوند فی مقدار شہر من ظلم الفجار المسلمین الا وابوابہا تفتح ثم خرج السرح وخرجت الاسواق وانبث اہلہا فارسل المسلمون ان مالکم قالوا رمیتم الینا بالامان فقبلناہ واقررنا لکم بالجزاء علی ان تمنعونا فقالوا ما فعلنا فقالوا ما کذبنا

کرتے یہ دریافت کیا کہ تم اس طرح بلا کھٹکے کیسے چلے آئے۔

محصورین نے کہا کہ تم نے ہم کو امن دیا اور امن کا رقعہ لکھ کر شہر میں پھینکا مسلمانوں نے کہا ہرگز ایسا نہیں ہوا اُن لوگوں نے کہا ہم جھوٹ نہیں بولتے۔ ہمارے پاس یہ رقعہ موجود ہے تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے جو محصورین ہی کا ہم قوم تھا امان کا رقعہ لکھکر شہر میں پھینکدیا مسلمانوں نے محصورین سے کہا کہ یہ ایک غلام کا فعل ہے ان لوگوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں تم میں غلام کون ہے۔ اور آزاد کون۔ ہم تو تم پر اعتماد کر کے چلے آئے۔ تمہارا جی چاہے تو عہد شکنی کرو مسلمان یہ سنکر چپ ہو رہے اور حضرت عمر رضؓ کی خدمت میں لکھکر بھیجا وہاں سے جواب آیا۔

اِنَّ اللّٰہَ عَظَّمَ الْوَفَاءَ فَلَا تَکُوْنُوْنَ اَوْفِیَاءَ حَتّٰی تَفُوْا مَادُمْتُمْ فِیْ شَکٍّ اَجِیْزُوْھُمْ وَ فُوْا لَھُمْ فَوَافُوْا لَھُمْ وَانْصَرَفُوْا عَنْھُمْ۔

اللہ تعالیٰ نے وفاداری کی بڑی عظمت بیان فرمائی ہے اور تم لوگ کبھی وفادار نہیں کہلائے جا سکتے۔ جب تک تم ایسی حالت میں بھی وفاء عہد نہ کرو خود تم کو شک ہو کہ ایا ہم پر وفاء عہد لازم ہے یا نہیں۔ اُن کے عہد کو نافذ کرو۔ اس پر مسلمانوں نے عہد کو پورا کیا۔ اور وہاں سے واپس ہو گئے۔

ظاہر ہے کہ اگر غلام کو یہ اطمینان نہ ہوتا کہ جو کچھ میں کر گزرونگا اس کو مسلمانوں کا سپہ سالار پورا کریگا۔ تو وہ اپنی قوم کو کبھی خطرہ میں نہ ڈالتا۔ اور اُن کو محفوظ مورچہ بندی سے نکال کر کھلے میدان میں مسلمانوں کے رحم پر نہ چھوڑتا۔ اور خود محصورین کو یہ تیقن نہ ہوتا کہ مسلمانوں میں کا ادنیٰ بھی جو عہد کریگا اُس کو وہ پورا کریں گے۔ تو وہ کبھی نہایت بے فکری کے ساتھ بلا ساز و سامانِ جنگ دکانیں اور بازار لیکر نہ نکلتے۔ وہ تو یہ سمجھ کر کہ امن تو ہو ہی گیا۔ اب چل کر اُن لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت کر کے نفع اٹھاؤ۔ تجارتی سامان لے کر آئے تھے۔ یہ تھے مسلمانوں کے اخلاق و معاملات اور یہ تھے اُن کی شریعت کے احکام جس پر ہر شخص کو اطمینان تھا۔ اور کیسے نہ ہوتا جب کہ اُن کی شریعت کا مسلم مسئلہ تھا۔

یدُ المسلمین واحدۃ تسعی بذمتہم ادناھم۔

مسلمانوں کا قبضہ ایک ہے۔ اُن کے عہد کے واسطے ادنےٰ بھی سعی کرتا ہے۔

اور جب کہ اُن کے خلیفہ کی بار بار یہی تاکید ہو کہ کسی طرح خواہ ہنسی میں یا اشارہ سے

کوئی ایسا فعل کیا جائے جس سے دشمن اپنے لئے امن سمجھ لیں تو اُس کو پورا کرو۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضہ کو تحریر فرمایا۔

انی القی فی روعی انکم اذا لقیتم العدو وہزمتموہم فمتی لاعب احد منکم احدا من العجم بامان او بلسان کان عندہم امانا فاجروا ذلک مجری الامان والوفاء فان الخطاء بالوفاء بقیۃ وان الخطاء بالغدر ہلکۃ وفیہا وہنکم وقوۃ عدوکم۔

میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی ہے کہ جب تم دشمن سے مقابلہ کرو اور ان کو ہزیمت ہو جائے اور تم بطور مذاق کے امن دینے کی بات کہو یا زبان اور اشارہ سے کوئی ایسی حرکت کرو جس کو دشمن امان سمجھیں تو اسکو پورا کرو وفا کرنا اگرچہ خطا سے ہو کام آتا ہے۔ اور عہد شکنی اگرچہ عمداً نہ ہو غلطی رائے سے ہو تب بھی ہلاکی کا سبب ہے اور یہ بات تمہارے ضعف اور دشمن کی قوت کا موجب ہے۔

مطلب یہ ہے کہ وفا کرنے میں غلطی ہی ہو جائے تو اچھا ہے۔ اور نقض عہد کرنا کسی حال میں اچھا نہیں ہے۔ اس لئے وفا کرنے میں احتیاط کی جانب اختیار کرنی چاہئے۔

حضرت عمر رضہ کے ارشاد اور مسلمانوں کے اس معاملہ سے جو محصورین کے ساتھ کیا۔ یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ مسلمان حقیقی طور سے ان زریں اصول کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے اُن کی مذہبی تعلیم یہی تھی اور وہ واقعی یہی سمجھے ہوئے تھے کہ ہم دنیا میں اسلام کی خوبیاں پھیلانے اور مخلوق خدا کو امن و آزادی کی شاہ راہ پر چلانے اور اُن کی جان و مال عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے آئے ہیں۔ اُن کو اعتقاد تھا کہ ہم سچے طور سے ان اصول پر عمل نہ کریں گے تو کبھی کامیابی کا منھ نہیں دیکھ سکتے اور نہ جو وعدے ہم سے کئے گئے ہیں پورے ہو سکتے ہیں۔ اگر اسلام کی حقیقی اور واقعی تعلیم یہی نہ ہوتی اور مسلمان یہ سمجھے ہوئے نہ ہوتے کہ اسلام پھیل سکتا ہے یا اُس کے اوصاف دلوں میں جگہ پکڑ سکتے ہیں۔ تو اسی طرح پر کہ ہم ان اصول پر ظاہر و باطن صدق دل سے عمل کریں۔ اگر اُن کی یہ باتیں محض ظاہری اور نمائشی ہوتیں تو ممکن تھا کہ جب محصورین بلا کسی قسم کی اطلاع کے دفعۃً شہر سے باہر نکل آئے تھے اور امن حاصل کرنے کی کوئی درخواست بھی نہ کی تھی تو مسلمان بلا دریافت حملہ کر دیتے اور جب ایک جماعت کو قتل کر کے اپنا دل ٹھنڈا کر لیتے تب اُن کی بات سنتے اور انجام کار اپنی

انصاف پسندی اور حُبِ امن کا بھی ثبوت دیتے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ ایک شخص نے بھی بھولے سے اُن پر دست درازی نہیں کی حالانکہ سوائے اس غلام کے جس نے محض وطن پرستی اور اپنی ہم قوموں کے بچانے کے لئے یہ حرکت کی تھی کسی کو بھی علم نہ تھا مگر چونکہ اس وقت اسلام کے اصلی محاسن اور اوصاف کے ساتھ مسلمانوں میں کوئی ایسی بات پیدا نہ ہوئی تھی کہ جو اُن کو نفسانی خواہشوں کی طرف چلاتی یا دنیا کے مال وجاہ کی طرف مائل کرتی اس لئے سب نے احتیاط کی جانب کو اختیار کیا اور بعد اس تحقیق کے بھی کہ یہ فعل صرف ایک غلام کا ہے اور وہ اُس کے نافذ کرنے پر مجبور نہیں ہیں اپنی طرف سے اُس کے عہد کو توڑنا پسند نہیں کیا بلکہ دربار خلافت سے بذریعہ عرضداشت ہدایت طلب کی اور وہاں سے وہی حکم آیا کہ نہیں اُس عہد کو اگرچہ غلام ہی کا ہے پورا کرو۔ علیٰ ہذا حضرت عمرؓ کا اپنی طرف سے یہ تحریر فرمانا کہ جس کو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں خود اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ شریعت میں فی نفسہ اس کا کس قدر اہتمام تھا۔ اور یہ کہ خلیفۃ المسلمین اور سب مسلمان اپنی کامیابی صرف اس صورت میں سمجھے ہوئے تھے کہ مخلوق کی حقیقی فلاح و بہبود کی کوشش کریں۔ اس کا ظاہر و باطن ایک ہو۔ وہ غلطی سے بھی کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے کسی کو کوئی نقصان پہنچے یا اسلام پر عہد شکنی کا دھبہ لگے۔ وہ اسلام کی قوت اور شوکت اسی بات میں سمجھے ہوئے تھے کہ اس کے احکام کی پوری پابندی کی جائے۔ ورنہ ایک فاتح قوم کی حیثیت سے ممکن تھا کہ مسلمان بھی اپنی قوت و شوکت دکھلانے کے لئے کبھی کوئی ایسی حرکت کر بیٹھتے جو عام طور پر فاتح اقوام کا دستور ہے۔ دنیا نے بہت کچھ ترقی کر لی ہے۔ اور اس وقت جیسا کہ ایک جانب فنون جنگ مدارج کمال پر پہنچائے گئے اور نسل انسانی کو حیات کی خوشگوار فضا سے نکال کر ملک عدم میں پہنچانے کے وہ آلات ایجاد کئے گئے جس سے آن کی آن میں دنیا ویران ہو سکتی ہے۔

اسی طرح دوسری جانب امن عام، حفظ جان و مال کے بھی وہ قوانین بنائے گئے ہیں کہ دنیا اُن کو حیرت انگیز سمجھتی ہے۔ یہ اسی ترقی یافتہ زمانہ کا کرشمہ ہے کہ سلطنتیں بھی باہم ایک عام قانون میں جکڑی ہوئی ہیں۔ خونریزی سے اور بدامنی سے بڑھ کر اس وقت کوئی جرم نہیں ہے۔

مگران تمام اعلیٰ قوانین اور تمدن وشائستگی کی ان تمام برکتوں کا جو مخلوق کو بلا امتیاز رنگ ومذہب شامل ہیں۔ اور جن پر متمدن اقوام کا ناز بجا ہے۔ اسلام کی سادہ اور بے لوث ہدایات سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام اقوام مل کر بھی اُس درجہ کے قریب نہیں پہنچ سکیں جس کو اسلام نے جاری کیا اور جس پر ایک سادہ اور بدویت کے اخلاق سے متصف قوم عمل پیرا ہو چکی اس شائستگی کے زمانہ میں بھی حالت جنگ کے اندر امن طلب کرنے کے لیے جو نہایت سہل اور انتہائی طریقہ مقرر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ہتھیار ڈال دیئے جائیں یا سفید جھنڈا اڑا دیا جائے مگر اُس کو اس اسلامی طریقہ سے کیا نسبت ہے جس کی عمرؓ نے ہدایت فرمائی۔ اور جس پر مسلمان کاربند ہوئے۔ امن کا اشارہ اور وہ بھی خواہ مذاق میں ہو یا واقعی اور کوئی ایسا فعل جس سے واقع میں امن دینا مقصود بھی نہ تھا مگر فریق ثانی امن سمجھ گئے۔ اور پھر امن دینے والا یا ایسی حرکت کرنے والا بھی یہ ضرور نہیں کہ ذمہ دار افسر ہی ہو بلکہ ادنیٰ سپاہی اور غلام بھی کر بیٹھے تو وہی حکم ہو جو ایک اعلیٰ افسر کے فعل کا۔ انصافاً فرمایئے کہ کیا کوئی متمدن قوم بھی امن کے ایسے سہل قاعدوں کی پابند ہے یا ہو سکتی ہے۔ جن کا پابند اسلام آج سے تیرہ سو برس پہلے اپنے پیرووں کو کر گیا ہے۔ اور پھر کیا ایسے ہی مذہب کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بجبر پھیلایا گیا اور پھر اگر ہم یہ دعویٰ کریں تو کیا بے جا ہے کہ تمام بہترین اصول کا جاری کرنے والا اسلام ہے تمام اقوام دنیا کے رہبر مسلمان ہیں۔ وہ جو کچھ کر گئے ہیں اس کی تقلید بھی پوری نہیں ہو سکی اور جو کچھ کیا گیا ہے انہیں کے اصول سے اخذ کر کے اور اُسی راستہ پر چل کر۔

ہرمزان کا عجیب حیلہ سے امن حاصل کر کے مسلمان ہونا

ہرمزان فارس کے اُن سات مشہور گھرانوں میں سے ایک خاندان کا معزز ممبر تھا۔ جو فارس بھر میں چوٹی کے شریف اور خاندانی نواب کہلاتے تھے۔ ہرمزان اپنے ذاتی جوہروں میں بھی ممتاز تھا۔ اسی وجہ سے قادسیہ کے معرکہ میں میمنہ کی کمان جس میں تقریباً بیس ہزار نبرد آزما تھے۔ اس کے سپرد تھی۔ جنگ قادسیہ کا فیصلہ فارس کے برخلاف ہو چکا تو ہرمزان نے بھی بھاگ کر جان بچائی۔ اہواز پہنچ کر وہاں کی خود مختارانہ حکومت سنبھال لی اور مسلمانوں پر غارت گرانہ حملے شروع کر دیئے۔ عتبہ بن غزوان عامل بصرہ نے اس سے مشوش ہو کر حضرت سعدؓ سے اہل میسان کے

لئے امداد طلب کی۔ نعیم بن مقرن اُنکی امداد کو بھیجے گئے۔ ادھر عتبہ نے سلمی بن القین اور حرملہ بن مریطہ کو بھیجا۔ انہوں نے حدود میسان پر ایک عربی قوم کی امداد سے جو وہاں آباد تھی۔ جس کو بنو العم بن مالک کہا جاتا تھا اور جس کے سردار غالب و کلیب وغیرہ تھے ہرمزان پر حملہ کیا اسکو شکست ہوئی۔ اور سوائے صلح کر لینے کے کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ صلح میں اتنی نرمی برتی گئی کہ ہرمزان اپنے مذہب پر قائم رہ کر تمام ملک اہواز کا حاکم رہے۔ البتہ نہر تیری۔ مناذر اور سوق اہواز مسلمانوں کے قبضے میں رہے۔

مناذر پر جنگی چوکی قائم کر کے غالب کو امیر مقرر کر دیا گیا۔ اور نہر تیری کی جنگی چوکیاں کلیب کی امارت میں دی گئیں۔ اسطرح انتظام کر دینے کے بعد مسلمان افسر واپس آ گئے۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد غالب اور حرملہ سے ہرمزان کا ایک زمین کی حدبندی کے معاملہ میں نزاع ہو گیا۔ عتبہ بن غزوان نے اس کے تصفیہ کیلئے ایک کمیشن بھیجا۔ جسکے افسر اعلیٰ حرملہ اور سلمی فاتح اہواز تھے۔ انہوں نے جا کر بیانات سُنے تو غالب و کلیب حق پر تھے انہیں کے موافق فیصلہ صادر فرمایا۔

ہرمزان نے اس فیصلہ سے ناراض ہو کر عہد شکنی کر کے ادائے محصول سے انکار کیا اور قبائل اکراد سے امداد لے کر بھاری لشکر جمع کر لیا۔ امراء سرحد نے عامل بصرہ کو اطلاع دی انہوں نے بارگاہ خلافت میں اطلاع دے کر مشورہ اور امداد طلب کی۔ امیر المومنین نے حرقوص بن زہیر سعدی کو فوج کی کمان اور جو ملک فتح کریں اسکی امارت سپرد کی۔ حرقوص نے ہرمزان پر حملہ کیا وہ شکست کھا کر رامہرمز بھاگ گیا۔ حرقوص نے تمام ملک اہواز پر قابض ہو کر ملکی انتظامات شروع کر دیئے۔ اس سے فارغ ہو کر جزء بن معاویہ کو ہرمزان کے تعاقب میں بھیجا۔ جزء نے ربنیر سرق فتح کر کے اُس میں نہریں جاری کیں اور بنجر زمینوں کو آباد کر کے ویرانہ کو سرسبز و شاداب بنا دیا۔

ہرمزان یہ حالت دیکھ کر پھر صلح کر لینے پر مجبور ہوا۔ اور اب بھی اُسی نرمی کیساتھ صلح ہوئی کہ جن جن شہروں پر وہ قابض ہے اُسی کے تسلط میں رہیں۔ البتہ محصول ادا کرتا رہے جسکے معاوضہ میں مسلمان اُس کی اور اُسکے ملک کی حفاظت کرینگے لیکن ہرمزان کو عہد شکنی کی عادت پڑی ہوئی تھی۔

یزدجرد جو دارالسلطنت کو چھوڑ کر دربدر مارا پھرتا تھا اُس نے ہرمزان کو ابھارا اور ساتھ ہی کل باشندگان اہواز کو مسلمانوں کے خلاف مشتعل کر دیا۔ جس سے ایک دفعہ پھر ہرمزان آمادہ

جنگ ہوگیا حضرت عمرؓ کو اطلاع پہنچی تو آپ نے عامل کوفہ حضرت سعد کو لکھا کہ نعمان بن مقرن کی ماتحتی میں بھاری لشکر بھیجیں۔ اور ابو موسےٰ اشعری کو جو اس وقت بجائے عتبہ کے بصرہ کے گورنر تھے لکھا کہ ایک بڑی جمعیت بصرہ سے بھیجی جائے اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ بصرہ اور کوفہ کے دونوں لشکروں کے سپہ سالار ابو سبرۃ بن ابی رہم بنائے جائیں اس دفعہ ہرمزان نے جان توڑ کر مقابلہ کیا۔ کیونکہ فارس کا بیشمار لشکر اسکی امداد کیلئے تھا۔ ادھر باشندگان ملک باغی ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کے نامی اور مشہور بہادر اس معرکہ میں شہید ہوئے مگر انجام کار ہرمزان کو ہزیمت ہوئی اور وہ تستر میں جاکر پناہ گزین ہوا۔ چند ماہ محاصرہ جاری رہا۔ دوران محاصرہ میں مسلمانوں کے چند سربرآوردہ اور نامآور شہسوار شہید ہوئے۔ براء بن مالک جو یمامہ کے معرکہ میں شہرت حاصل کر چکے تھے اور مجزءۃ بن ثور کو خود ہرمزان نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ اس درمیان میں ایک شخص نے نعمان بن مقرن کو شہر میں داخل ہونے کے خاص راستہ سے اطلاع دی اور چند بہادروں نے داخل ہوکر شہر پر قبضہ کر لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی اتحاد و اتفاق کیساتھ صوری و ظاہری یکجہتی و مساوات اس درجہ مرغوب و محبوب تھی کہ نماز کی صفوں میں ذرا سے تفاوت کو کہ کسی کا سینہ نکلا ہوا ہو یا قدم آگے پیچھے ہو جائے ہرگز گوارا نہ فرماتے تھے اس کے خلاف کرنیوالوں کے لئے سخت تہدیدی احکام جاری فرمائے۔ فرمایا:۔

لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَکُمْ اَوْلَیُخَالِفَنَّ اللّٰہُ بَیْنَ وُجُوْھِکُمْ

مسلمانو! یا تو نماز میں اپنی صفیں سیدھی کیا کرو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں میں مخالفت پیدا کر دے گا۔

حاصل یہ کہ اگر صفیں سیدھی نہ کرو گے اور قیام نماز کی حالت میں تم ایک سیدھ میں نہ ہوگے تو اندیشہ ہے کہ تم میں نفاق و اختلاف پیدا ہو جائے یا اس سے بڑھ کر سزا یہ ملے کہ چہرے مسخ ہو جائیں

حضرت عمر رضی اللہ کے ارشاد نے حکمتوں کے دروازے کھولدیئے آپنے اوّل تو یہ فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں باوجود فریقین کے باطل پرست اور تعداد میں مساوی ہونیکے کامیابی و نصرت کا سہرہ اہل فارس کے سر پر اس لئے بندھا کہ وہ ایک حکومت کے تابع ایک اشارہ پر چلنے والے تھے۔ اور اسی اشارہ سے اس طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ باوجود اسلام کے آسمانی مذہب ہونے

اور مسلمانوں کے حق پرست ہونیکے انکی کامیابی کا ظہور بھی اتفاق و اتحاد ہی کی صورت میں ہے اور اسمیں شک نہیں کہ قوموں کی ترقی و تنزل کا راز اتفاق میں مضمر ہے اور نا اتفاقی کو ادبار و ذلت لازم ہے مسلمان جہاں اپنے مذہب سے بیخبر ہو کر آسمانی برکات کو کھو بیٹھے اور اصول شریعت کو چھوڑ کر عقل نارسا کی بدولت فیشن کے تابع ہو گئے۔ مادیات کی پرستش میں لگ گئے وہیں اتفاق کی لازوال دولت کو بھی کھو بیٹھے اور اسی وجہ سے فقر و مذلت کے گڈھے میں گرتے چلے گئے۔ اور چلے جاتے ہیں۔

حضرت عمر نے ہرمزان سے فرمایا کہ تیرے پاس بار بار عہد شکنی اور مسلمانوں کے اذیت پہنچانے، اُن کو قتل و ہلاک کرنیکا کیا جواب اور کیا عذر ہے۔ ہرمزان نے کہا میں بوجہ اندیشۂ قتل اپنا عذر و جواب بیان نہیں کر سکتا۔ اگر آپ امن دیں تو بیان کروں۔ آپنے فرمایا۔ لاتخف (اندیشہ مت کر) اُسکے بعد اُس نے پینے کیواسطے پانی طلب کیا جو ایک بھدے بدہیئت لکڑی کے پیالہ میں لاکر دیا گیا اُس نے کہا اگر میں پیاس سے مر بھی جاؤں گا تب بھی ایسے پیالہ میں نہیں پی سکتا۔ اُس پر اُسکی مرضی کے موافق گلاس میں لاکر پانی دیا گیا۔ اُس نے گلاس ہاتھ میں لیکر سخت مضطربانہ انداز سے کہا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ پانی پینے کی حالت میں قتل نہ کر دیا جاؤں۔ آپ نے فرمایا:۔

لَا بَاسَ عَلَيْكَ حَتّٰى تَشْرَبَهٗ (پانی پینے تک کچھ اندیشہ نہیں ہے)

ہرمزان نے یہ سُن کر پانی گرا دیا۔ آپ نے فرمایا۔

اَعِيْدُوْا عَلَيْهِ وَلَا تَجْمَعُوْا عَلَيْهِ بَيْنَ الْقَتْلِ وَالْعَطَشِ (اُس کو اور پانی دیدو۔ پیاس اور قتل کو اُس کے لئے جمع مت کرو)

ہرمزان نے کہا مجھے پانی پینا منظور نہیں۔ نہ پیاس ہے۔ مجھے تو اس بہانہ سے امن حاصل کرنا تھا آپنے فرمایا میں تجھے قتل کئے بغیر نہ چھوڑونگا۔ اُس نے کہا آپ مجھے امن دے چکے۔ فرمایا۔ ہرگز امن نہیں دیا۔ اس پر حضرت انس بولے۔ امیر المومنین یہ سچ کہتا ہے آپنے اس کو امن دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا میں براء ابن مالک اور مجزءۃ بن ثور جیسے لوگوں کے قاتل کو امن دے سکتا ہوں۔ تم یا اُس کی کوئی دلیل بیان کرو ورنہ تم کو بھی باطل کی تائید کی وجہ سے تنبیہ کی جائے گی۔ حضرت انس نے فرمایا آپ اس کو فرما چکے ہیں:۔

لَا بَاْسَ عَلَیْكَ حَتّٰی تُخْبِرَنِیْ وَلَا بَاْسَ عَلَیْكَ حَتّٰی تَشْرَبَہٗ (جبتک تو بیان نکرے کچھ اندیشہ نہیں۔ اور جبتک پانی نہ پی لے کچھ اندیشہ نہیں)

دوسرے حاضرین مجلس نے بھی حضرت انس کی تائید کی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے سکوت فرمایا۔ اور ہرمزان سے ارشاد فرمایا۔

خَدَعْتَنِیْ وَلَا اَنْخَدِعُ اِلَّا لِمُسْلِمٍ (تونے مجھے دھوکہ دیا اور میں تو کسی مسلمان ہی کے دھوکہ میں آسکتا ہوں)

ہرمزان اس تدبیر سے امن حاصل کرکے مطمئن ہونیکے بعد مسلمان ہوگیا۔ اور حضرت عمرؓ نے اسکے واسطے عطاء میں وہ درجہ مقرر فرمایا جو بڑے رتبہ والے مسلمانوں کے واسطے تھا۔ یعنی دوہزار والوں میں نام لکھا گیا۔ اس عجیب وغریب واقعہ سے چند نتیجے حاصل ہوتے ہیں۔

نتیجہ اول۔ اہل فارس آخر دم تک مسلمانوں کی تباہی وبربادی کی کوشش کرتے رہے۔ کسی ممکن اور مناسب موقع پر مقابلہ سے درگذر نہ کیا۔ مغلوب ہوکر صلح کرلیتے تھے اور وقت ہاتھ آتے ہی آمادۂ جنگ ہوجاتے تھے۔

نتیجہ دوم۔ مسلمان جس ملک اور جس علاقہ کو فتح کرتے تھے تمدن وتہذیب پھیلاتے جاتے تھے۔ اور ملک آباد کرکے گلزار بنادیتے تھے۔ ایک جگہ کو جبتک باقاعدہ متمدن نہ بناتے آگے نہ بڑھتے۔

نتیجہ سوئم۔ مسلمانوں کی امن پسندی۔ خونریزی۔ اور اُن کا اتلاف نفوس سے پرہیز اور اجتناب اسدرجہ تسلیم ہوچکا تھا کہ انکے مخالف اور سخت پولٹیکل مجرم بھی حیلے بہانوں کیساتھ نفع اُٹھانیکی کوشش کرتے تھے۔

ہرمزان کو اپنے جرم کا حال معلوم تھا وہ یہ بھی جانتا تھا کہ نقض عہد اور جلیل القدر اصحاب کو قتل کی سزا کبھی قتل سے ورے نہوگی۔ حضرت عمرؓ بھی پہلے سے ارادہ اس کے قتل کا کرچکے تھے۔ مگر بایں ہمہ ہرمزان نے ایک نہایت پوچ حیلہ سے امن حاصل کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا چونک کر فرمانا کہ میں نے ہرگز امن نہیں دیا۔ بالکل صحیح تھا۔ کیونکہ متکلم اپنی مراد ومطلب کو خوب سمجھتا ہے۔ کلام کا مطلب ظاہر تھا کہ اس پانی کو پینے تک اندیشہ نہیں۔ یعنی اگر پینا چاہے تو اندیشہ نہیں یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ جبتک پانی نہ پئے۔ چاہے ساری عمر نہ پئے تب بھی اندیشہ نہیں ہے۔ ہرمزان تو جعلی چالاکی سے کام لینا چاہتا تھا اور صحابہ بھی اُسکو خوب سمجھتے تھے۔ مگر اُنکو تو حضرت عمرؓ کے وہی فقرے یاد تھے جو امان العبد کے عنوان میں بیان ہوچکے ہیں کہ وفاءِ عہد میں غلطی کرگذرو یہ اُس سے بہتر ہے کہ نقض عہد میں غلطی کرو۔ یعنی اگر شبہہ ہوکہ عہد ہوچکا ہے تو اُس کو پورا کرو۔ اسلئے انہوں نے احتیاط کی جانب اختیار فرماکر ہرمزان کی تائید کی اور حضرت عمرؓ کو بھی ماننا پڑا اور اس چالاکی سے ہرمزان

نے امن حاصل کیا۔ لیکن اسلام کی محبت اُس کے دل میں آچکی تھی۔ گو حب ریاست اس کو مانع آتی تھی۔ مگر ابتداء سے مسلمانوں کے حال دیکھتا تھا۔ اور راستہ کی طویل صحبت میں اور بھی خوب جانچنے کا موقع ملا تھا۔ مدینہ منورہ پہنچنے پر حضرت عمرؓ کے حالات دیکھکر تو بول ہی اٹھا کہ کیا یہ نبی ہیں۔ مگر چونکہ وہ ایک بہادر خاندانی نواب تھا اُس کو یہ گوارا نہوا کہ اسلام لانا خوف پر محمول ہو اسلئے مامون اور مطمئن ہوکر مسلمان ہوا۔ حضرت عمرؓ نے بھی اس احساس و میلان باطنی کا ادراک کرلیا اور فرمایا:۔

ولا انخدع الا لمسلم

ظاہر ہے کہ ہرمزان کی تدبیر کارگر ہو چکی تھی۔ صحابہ کی تائید سے حضرت عمرؓ بھی تسلیم فرما چکے اور اسکو امن دے چکے تھے پھر اس فرمانے کا مطلب کیا تھا۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اگر تو مسلمان نہ ہوا تو قتل کردیا جائیگا۔ یہ امر تو خود آپ کی عام ہدایت کے مخالف تھا۔ بلکہ ان الفاظ سے آپنے لطیف پیرایہ میں اپنی فراست کا اظہار فرمایا جسکا ظہور یہ ہوا کہ وہ اسیوقت مسلمان ہوگیا۔ مسلمان ہوجانیکے بعد نہ صرف سابق تمام جرموں سے درگذر ہوئی بلکہ اسکو اُسی اعزاز سے اپنے گروہ میں داخل کیا گیا جیسا کہ اپنے خاندان کے اعتبار سے تھا کیا ایسے صریح اور صحیح واقعات کے بعد بھی کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اسلام بزور پھیلایا گیا مسلمانوں نے کسی ایک فرد کو بھی گو ان کے قابو اور اختیار ہی میں کیوں نہ ہو۔ اسلام لانے پر مجبور کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت اور ہرمزان کا مقتول ہونا

ہرمزان جس تدبیر سے امن حاصل کرکے باطمینان و اختیار مسلمان ہوا اُسکو تو ہم مفصل بیان کر چکے لیکن اُس کے قتل کا واقعہ بھی اسلامی تاریخ میں مہتم بالشان واقعہ ہے جسکی بدولت دو جلیل القدر خلفاء اسلام میں اختلاف رائے ہوا۔ اگرچہ واقعہ قتل کو ہمارے عنوان اشاعت سے تعلق نہیں ہے۔ مگر اول تو اس وجہ سے کہ ہرمزان کے ابتدائی حال کیساتھ اُسکے خاتمہ کا تذکرہ بھی ایک قسم کی مناسبت رکھتا ہے۔ علاوہ بریں چونکہ اس بیان میں بہت سی ایسی مفید باتیں لکھی جائیں گی جن سے اصل عنوان کی تائید ہوگی اور مسلمانوں کے ذاتی محاسن اور شریعت کے پاک قوانین پر روشنی پڑے گی۔ اسلئے ہم اُسکو بھی لکھ دینا چاہتے ہیں لیکن اُس کے قتل کا تعلق امیر المومنین حضرت عمرؓ کی شہادت سے ہے۔ اسلئے وہیں سے مضمون کو شروع کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے قلب میں دو خیال جو بظاہر متضاد معلوم ہوتے تھے جمع تھے۔ شہادت کا شوق۔ اُدھر مدینہ منورہ میں وفات اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو مبارک میں دفن ہونا اور

اس لئے دعا فرمایا کرتے تھے۔

اللھم ارزقنی شہادۃ فی سبیلک (الٰہی مجھے اپنی راہ میں شہادت نصیب فرما، اور میری

واجعل موتی فی بلد رسولک موت اپنے رسول کے شہر میں مقرر فرما)

ظاہر ہے کہ شہادت کی تمنا اس کی مقتضی تھی کہ آپ مدینہ منورہ سے دور معرکہ کارزار میں جان دیتے اور، بنیہ میں وفات کی خواہش کا تقاضا یہ تھا کہ آپ بستر مرگ پر وفات پاتے مگر حق تعالیٰ نے آپ کی دونوں آرزوؤں کو پورا فرمایا۔ جس کی ظاہری صورت یہ پیش آئی، مغیرہ بن شعبہ کے پاس ابو لؤلوہ نام ایک غلام تھا جو عیسائی مذہب رکھتا تھا اور روم سے اسیر ہو کر آیا تھا۔ مگر اصل سے فارسی تھا۔ کسی زمانہ میں اہل روم اُس کو اسیر بنا کر لے گئے تھے۔

یہ غلام اپنے موجودہ مذہب پر پختگی سے قائم رہنے کے ساتھ قومی تعصب اور حمیت کو بھی پوری طرح دل میں لئے ہوئے تھا۔ نہاوند کا سخت معرکہ ختم ہو کر بہت سے قیدی جب مدینہ منورہ لائے گئے تو ابو لؤلوہ پر غم کا پہاڑ ٹوٹا ہوا تھا۔ قیدیوں میں سے چھوٹے چھوٹے بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیرتا تھا۔ اور کہتا تھا۔

اکل عمر کبدی (عمر نے میرا جگر کھا لیا)

مگر باوجود ان خیالات کے مسلمانوں میں رہ کر بے خوف وخطر نہایت آزادی سے زندگی بسر کر رہا تھا۔ آدمی بہت ہوشیار اور طرح طرح کی صنعت ودستکاریوں میں ماہر تھا۔ اُس کے مولیٰ مغیرہ بن شعبہ نے پوری آزادی دیکر دو درہم یومیہ کا ٹیکس اُس پر لگا دیا تھا۔ ایسے صناع اور ماہر پر دو درہم یومیہ کچھ بھی نہ تھے۔ مگر اس پر بھی اُس نے یہ دیکھ کر کہ اسلامی عدالت میں ہر شخص نہایت آزادی کیساتھ عرض معروض کر سکتا ہے خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے آقا مغیرہؓ سے کہکر محصول کم کرا دیا جاوے۔ حضرت عمرؓ نے سُن کر دل میں تو یہ ارادہ فرمایا کہ مغیرہؓ سے کمی کی سفارش کر دیں گے۔ مگر اُس سے فرمایا کہ تجھ کو تو بہت سی صنعتیں آتی ہیں۔ یہ محصول زیادہ نہیں ہے۔ اور پھر فرمایا میں نے سُنا ہے تو ایسی چکی بنا سکتا ہے جو ہوا کے ذریعہ سے آٹا پیسے۔ اگر ایسا ہے تو مسلمانوں کیلئے ایک چکی بنا دے۔

ابو لؤلوہ نے کہا بے شک ایسی چکی آپ کے لئے بنا دونگا جس کا چرچا مشرق ومغرب میں ہو جائیگا

اُس نے اس گفتگو میں آپ کو قتل کر دینے کی دھمکی دی تھی اور آپ بھی اُس کو فوراً سمجھ گئے۔ چنانچہ اُس کے چلے جانے کے بعد فرمایا۔

لقد اوعدنی العبد الآن (غلام مجھ کو قتل کی دھمکی دے کر گیا ہے)

مگر اس پر اُس سے کسی قسم کی نہ باز پرس کی اور نہ اس کو نظر بند کیا اور نہ اپنی حفاظت کا خاص سامان کیا۔

اس گفتگو سے اگلے روز کعب احبار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ آپ کی وفات کے صرف تین دن باقی ہیں۔ جو کچھ وصیتیں کرنی ہیں کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا تمہیں کیسے معلوم ہوا کہا توراۃ میں ایسا ہی ہے۔ فرمایا کیا توراۃ میں عمرؓ کا نام ہے کہا نام تو نہیں مگر جو علامات ہیں وہ سب آپ پر منطبق ہیں۔ اگلے روز کعب نے آکر پھر کہا کہ اب دو روز باقی رہ گئے ہیں۔ دوسرے روز آکر کہا اب صرف ایک روز رہ گیا۔ حضرت عمرؓ بالکل تندرست تھے کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ تھی۔ تین دن ختم ہو جانیکے بعد صبح کی نماز کے لئے تشریف لیگئے۔ نماز غلس سے یعنی اندھیرے سے شروع ہوتی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قاعدہ تھا کہ مصلّے پر پہونچکر دونوں طرف صفوں کو سیدھا کرنے کی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔

ابو لؤلؤہ[1] اندھیرے سے اوّل صف میں قریب مصلّی مسلمانوں میں مل جُلکر کھڑا ہو گیا۔ جب آپ مصلّے پر پہونچے اور تسویۂ صفوف کے لئے فرمایا۔ تب اُس نے آپ پر دو دھاری خنجر سے جو زہر سے بجھایا ہوا تھا حملہ کیا اور چھ زخم لگائے آپ وہیں گر گئے۔ ابو لؤلؤہ نے اور بھی کئی مسلمانوں کو شہید کیا۔ بالآخر ایک مسلمان نے اُس پر اپنی بارانی کو ڈال دیا۔ ابو لؤلؤہ نے یہ سمجھ کر کہ میں گرفتار ہو گیا اُسی خنجر سے اپنا کام تمام کر لیا۔

حضرت عمرؓ نے اُسی وقت حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کو اپنا امام بنا دیا۔ نماز اختصار کے ساتھ پورا کرنے کے بعد آپ کو مکان پر لے گئے۔ صحابہ پر اور تمام مسلمانوں پر صدمے کی یہ کیفیت تھی کہ گویا آج تک اُن پر اس قسم کی کوئی مصیبت پیش نہیں آئی۔ اور اُن کا صدمہ حق بجانب تھا۔ دوربیں اور خواص حضرات تو جانتے تھے کہ آپ کی با برکت زندگانی فتن اور حوادثات کے لئے سدِّ راہ ہے۔ آپ کا اس عالم سے اُٹھ جانا اور مسلمانوں میں اختلاف و فتن کا ظہور پذیر

[1] فاتفق لہ ان ضربہ ابو لؤلؤۃ فیروز المجوسی الاصل وہو قائم یصلی فی المحراب صلاۃ الصبح من یوم الاربعاء لاربع بقین من ذی الحجۃ من ہذہ السنۃ بخنجر ذات الطرفین فضربہ ثلاث ضربات وقیل ست ضربات احداہن تحت سرتہ قطعت السفاق فخر من قامتہ واستخلف عبد الرحمٰن بن عوف ورجع العلج بخنجرہ لایمر باحد الا ضربہ حتی ضرب ثلاثۃ عشر رجلا مات منہم ستۃ فالقی علیہ عبد اللہ بن عوف برنساً فانتحر نفسہ لعنہ اللہ تعالیٰ۔ والبدایۃ والنہایۃ صفحہ ۱۳۷ ج ۷ ثم سأل عمن قتلہ من ہو؟ فقالوا لہ ہو ابو لؤلؤۃ غلام المغیرۃ بن شعبۃ فقال الحمد للہ الذی لم یجعل منیتی علی یدی رجل یدعی الایمان ولم یسجد للہ سجدۃ ایضاً صفحہ ۱۳۷

ہونا گویا لازم وملزوم ہیں۔ مگر وہ طبقہ جوان احساسات سے خالی الذہن لیکن آپ کے عدل و رافت عام کے خوشگوار سایہ میں تربیت پا رہا تھا اُس پر خواص سے زیادہ اس صدمہ کا اثر تھا۔

امتثال احکام شرع کی بنا پر بظاہر گو صبر وسکون تھا۔ مگر دلوں میں قلق و اضطراب کے دریا موجزن تھے، چہرہ پر اُداسی چھائی ہوئی تھی، حسرت ویاس اندیشہ واضطراب کا سماں بندھا ہوا تھا۔ مسلمانوں کی تو یہ حالت تھی۔ مگر حضرت عمر رضؓ کو نہ اپنی جان کا کچھ خیال تھا اور نہ ان مہلک زخموں کی تکالیف پر کچھ اظہار کلفت۔ بلکہ وہی مسلمانوں کی محبت و ہمدردی اب بھی انہیں مشغول کئے ہوئے تھی۔ اول فکر تو یہ تھا کہ میرا قتل کسی مسلمان کے ہاتھ سے تو نہیں ہوا۔ مبادا میری وجہ سے کوئی مسلمان عذاب میں مبتلا ہو۔ چنانچہ آپ نے گھر پہنچنے پر اپنے صاحبزادے عبداللہ کو بلا کر یہ کہا۔ دیکھو مجھکو کس نے قتل کیا۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ ابولولوہ غلام مغیرہ نے فرمایا کہ وہی صناع وکاریگر۔ عرض کیا گیا کہ وہی۔ فرمایا۔

الحمد للہ الذی لم یجعل منیتی بید	خدا کا شکر ہے اُس نے میری موت ایسے شخص کے
رجل سجد للہ سجدۃ واحدۃ۔	ہاتھ سے نہ کی جس نے ایک سجدہ بھی اللہ کیواسطے کیا ہو۔

لیکن ابھی یہ فکر باقی تھا کہ شاید کوئی مسلمان اس مشورہ میں شریک ہو۔ اس لئے جب انصار ومہاجرین عیادت کی غرض سے آتے تھے تو آپ پوچھتے تھے۔

اعن ملأ منکم کان ھذا۔	کیا تمہاری جماعت کے مشورہ واتفاق سے یہ فعل ہوا۔
وہ فرماتے تھے۔ معاذ اللہ۔	خدا کی پناہ ہم ایسا کیونکر کرسکتے تھے۔

اس سے مطمئن ہو کر سب سے اہم امر کی طرف متوجہ ہوئے اور خلافت کا معاملہ ان چھ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کر دیا جن سے آخر دم تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی اور خوش رہے۔ اسی درمیان میں کعب احبار بھی بغرض عیادت آئے تو آپ نے اُنکو دیکھکر فرمایا۔

فاوعدنی کعب ثلاثا اعدھا	ولا شک ان القول ما قال لی کعب
مجھ کو کعب نے تین دن کے اندر مرنیکی خبر دی جسکو میں شمار کرتا تھا	اس میں شک نہیں بات وہی تھی جو کعب نے کہی تھی
وما بی حذار الموت انی میت	ولکن حذار الذنب یتبعہ الذنب
موت کا تو کچھ ڈر نہیں تھا کیونکہ میں مرنیوالا تھا	ہاں گناہوں کا خوف تھا جو یکے بعد دیگرے ہوئے ہیں۔

ایک مرتبہ اسی حالت میں فرمایا۔

ظلوم لنفسی غیر انی مسلم	اصلی الصلوٰۃ کلہا و اصوم
اپنے نفس کے لئے بڑا ظالم ہوں مگر ہاں مسلمان ہوں	نمازیں سب پڑھتا ہوں اور روزے سب رکھتا ہوں

اس کے بعد آپ آخر تک تسبیح و تہلیل و ذکر میں مشغول رہے۔ رضی اللہ عنہ و ارضاہ،

بڑے صاحبزادے عبداللہ تو آپ کے قدم بقدم جھگڑے اور فتنہ سے دور رہنے والے اور مسلمانوں میں کسی قسم کے اختلاف پیدا کرنے یا کسی اختلاف اور نزاع میں شرکت سے پرہیز کرنیوالے تھے۔ حدود شرع سے ایک انچ ادھر اُدھر قدم رکھنے والے نہ تھے۔ اسلئے آپ تو باپ کی مفارقت اور ایک نصرانی غلام کے ہاتھ سے قتل ہونیکو جو فی الحقیقت ناقابل برداشت صدمہ تھا صبر و استقلال سے ضبط کئے ہوئے کو وقار بن رہے تھے کوئی حرف زبان سے ایسا نہ نکلا جو خلاف شان ہوتا۔ کوئی حرکت ایسی نہ کی جس سے اضطراب معلوم ہوتا مگر چھوٹے صاحبزادے عبیداللہ کی حالت دگرگوں تھی۔ وہ ضبط سے گذرے ہوئے تھے۔ اُنکو یہ بھی وہم تھا کہ میرے باپ کا قتل گہری سازش کا نتیجہ ہے۔ اس لئے وہ کہتے تھے۔

والله لاقتلن رجالا ممن شرك فی قتل ابی۔	خدا کی قسم میں اُن لوگوں کو قتل کرونگا جو میرے باپ کے قتل میں شریک ہوئے۔

اسی غم و غصہ میں ابولؤلؤہ کی بیٹی کو قتل کر دیا۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے بیان کیا کہ میں نے ابولؤلوہ اور جفینہ (نصرانی غلام تھا) اور ہرمزان کو باہم سرگوشی کرتے دیکھا تھا مجھ کو دیکھکر بھاگ گئے اور اُنکے پاس سے ایک خنجر گرا جسکی دونوں طرف نوکیں تھیں۔ یہ وہی خنجر تھا جس سے حضرت عمرؓ شہید کئے گئے تھے۔ یہ سُننا تھا کہ عبیداللہ نے جفینہ اور ہرمزان کو بھی جا کر قتل کر دیا۔ اور ابھی ان کا غصہ فرو نہ ہوا تھا معلوم نہیں اس شبہ میں کس کس کو قتل کرتے مگر حضرت سعدؓ نے اُن کو گرفتار کرکے اپنے یہاں نظر بند کر دیا۔

خلافت کا معاملہ جب طے ہو چکا اور حضرت عثمانؓ خلیفہ تسلیم کر لئے گئے۔ بیعت عام ہو چکی تو سب سے پہلے عبیداللہ کا ہی معاملہ پیش ہوا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔

اشیروا علی فی ھذا الرجل الذی	مجھے اُس شخص کے بارہ میں جس نے اسلام کے اندر

ایسا بڑا رخنہ ڈالا مشورہ دو کیا کروں۔	فتق فی الاسلام ما فتق۔

یعنی اس شخص نے جو بیگناہ صغرسن بچی کو اور ایک نصرانی کو جو ہمارے عہد میں تھا اور ایک مسلمان کو بلا ثبوت قتل کر دیا اور اسلام کے اندر بڑا رخنہ ڈالا کیا کیا جائے۔

حضرت علی رضؓ نے فرمایا قصاص لیا جائے۔ بعض مہاجرین بولے یہ امر بھی نازیبا معلوم ہوتا ہے کہ کل تو عمر رضؓ شہید ہوئے تھے اور آج اُن کا بیٹا قتل کیا جائے۔ اسمیں اختلاف آراء ہوا تو عمرو بن العاص نے کہا کہ امیر المومنین یہ قتل ایسے وقت ہوا کہ آپ کو مسلمانوں پر تسلط نہ تھا اسلئے آپ اگر قصاص جاری نہ کریں تو گنجائش ہے حضرت عثمان رضؓ نے سب کی رائیں سُنکر اور صحابہ کے عام خیالات کا اندازہ کر کے حضرت عمر رضؓ کے صاحبزادہ کو ایسے وقت کہ ابھی وہ شہید ہو چکے ہیں قتل کرنیکو پسند نہیں کرتے فرمایا کہ میں خلیفہ ہوں اور مجھ کو ولایت حاصل ہے اسلئے میں قصاص سے درگذر کر کے مقتولین کی دیۃ اپنے مال میں سے ادا کرتا ہوں مگر حضرت علی رضؓ نے اس فیصلہ کو پسند نہیں کیا۔ اور اپنے زمانہ خلافت میں ارادہ قصاص لینے کا فرمایا۔ عبید اللہ اسی خوف سے شام چلے گئے اور امیر معاویہ کی رفاقت کا دم بھرنے لگے۔

حضرت عمر رضؓ کی شہادت کے واقعہ سے معلوم ہو گیا کہ صحابہ اور صدر اوّل کے مسلمانوں کا دینی امور میں اہتمام کس قدر بڑھا ہوا تھا۔ اور اُن کی استقامت کس درجہ پر تھی۔

حضرت عمر رضؓ کی شہادت معمولی واقعہ نہ تھا۔ اور وہ بھی اندھیرے میں مسجد کے اندر اور عین نماز کے وقت۔ اوّل تو یہ بالکل ممکن تھا کہ ایک ایسے اچانک اور مخفی حملہ کی وجہ سے جسکی نسبت یہ بھی معلوم نہ تھا کہ حملہ آور کون ہے۔ تنہا ہے یا جماعت ہے۔ اور یہ بھی معلوم نہ تھا کہ تنہا حضرت عمر رضؓ ہی مقتول ہیں یا اور بھی۔ خصوصاً جبکہ حضرت عمر رضؓ کے ساتھ کئی شخص مقتول و مجروح ہوئے ہوں۔ یہ خیال پختہ ہو سکتا تھا کہ بہت سے آدمی اسی ارادہ سے آئے ہوں اور اُن کا مطمح نظر صرف ایک ہی ذات واحد نہ ہو بلکہ اور بھی چیدہ مسلمانوں کا خاتمہ کر دینا مدنظر ہو۔

ایسی حالت میں بالکل ممکن تھا کہ بہت سے لوگ خصوصاً وہ جو پچھلی صفوف میں تھے گھبرا کر مسجد سے نکلجاتے اور جیسا کہ ایک ایسی مبہم اور گول مول حالت میں اضطراب ہونا چاہئے تھا پیش آتا لیکن تمام مسلمان ایسی حالت پر باطمینان کھڑے رہے صفوف کی ترتیب میں فرق

نہ آیا۔ اگلی ہی صف میں سے بعض حضرات نے اپنا برنس ڈالکر ابولؤلوہ کو گرفتار کر لینا چاہا اور اُس نے خودکشی کر لی۔

حضرت عمر رضؓ زخمی ہو کر گر گئے مسلمانوں پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا مگر کیا ممکن تھا کہ ایسے سخت وقت میں بھی دین کے رکن اعلیٰ نماز میں کچھ فرق پڑتا حضرت عمر رضؓ اسی جگہ رہے اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضؓ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھا دی ایسے اضطراب میں نماز کا وقت سے مؤخر ہو جانا قریب الوقوع تھا۔ مگر ہرگز ایسا نہ ہوا۔ یہ تھا صحابہ کا انہماک امور دین میں اور یہ تھی اُن کی استقامت جس سے ہم کو سبق لینا اور اُن کے افعال کو مشعل راہ بنانا چاہیے۔

یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت عمر رضؓ کو سوائے ایک درد کے دوسرا کوئی درد نہ تھا وہ ہر وقت ایک ہی فکر میں مشغول تھے اپنی زندگی صحت اور عافیت کے زمانہ میں بھی وہی خیال تھا جو سب خیالوں پر غالب تھا اور زخموں کی بیچینی میں جبکہ موت سامنے کھڑی تھی وہی ایک مسلمانوں کی بہبودی اور خیرخواہی کا خیال پیش نظر تھا اپنی تکلیف کا احساس نہیں تھا فکر تھی تو صرف یہ کہ کوئی مسلمان تو میرے قتل میں ملوث ہو کر مستوجب عذاب نہیں ہوا۔ اللہ اکبر یہ ہمدردی اور دلسوزی تھی۔ مسلمانوں نے اپنے اوصاف کو کھو دیا ہے جس سے اُنکی حالت تباہ و برباد ہے انمیں ہمدردی بھی ہے تو دینی نہیں بلکہ جسکا نام قومی رکھا گیا ہے اور جسکو مذہب سے بیگانہ اور علیحدہ سمجھتے ہیں۔

ہم کو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جلیل القدر صحابہ کا قدم توکل اور ایمان بالقدر پر کس قدر راسخ تھا حضرت عمر رضؓ نے ابولؤلوہ کی تہدید کا منشا اور نتیجہ اُسی وقت سمجھ لیا۔ آپ کو دوسرے ذرائع سے بھی علم تھا کہ میں ضرور شہید ہونگا۔ اور آپ کا یہ فرمانا۔

لَقَدْ اَوْعَدَنِی الْعَبْدُ الْاٰنَ ۔	غلام ابھی دھمکی دے کر گیا ہے۔

بتلا رہا ہے کہ ابولؤلوہ کے قاتل ہونے کا بھی یقین تھا مگر چونکہ اِدھر توکل کامل اُدھر ایمان بالقدر پورا اس لئے باوجودیکہ ابولؤلوہ پر سیاستاً نگرانی قائم کر دینے کا حق حاصل تھا کچھ انتظام نہیں فرمایا۔ اپنی حفاظت بھی فرماتے تو کسی قسم کا شرعی ہرج نہ تھا لیکن تدبیر سے بھی تو تقدیر کے خلاف نہ ہوتا۔ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ میں اس مضمون کو بیان فرمایا گیا ہے۔

ایمان بالقدر کے معاملہ میں حضرت عمر رضؓ کا درجہ چونکہ محض علم سے جو شرط ایمان ہے متجاوز

ہو کر مقام اور حال راسخ تک پہنچا ہوا تھا اس لیے اپنے قتل کے تیقن کے بعد بھی جو توجہ آپ کو حاصل تھا کسی قسم کی جنبش یا حرکت آپ میں پیدا نہیں ہوئی۔ کعب احبار روز آکر کہتے رہے کہ اتنا وقت آپ کی زندگی کا باقی رہ گیا ہے۔ آخری دن بھی اطلاع دے گئے کہ صرف رات ہی رہ گئی ہے۔ مگر نہ آپ کی طبیعت پر خلجان تھا اور نہ کسی قسم کا اضطراب۔ نہ کسی تدبیر کے درپے ہوئے۔ نہ اپنی جان بچانے کی فکر کی۔ بلکہ حسب معمول اسی اطمینان وسکون کے ساتھ نماز کو تشریف لے گئے۔

یہ ہے حقیقی توکل اور یہ ہے ایمان بالقدر جو صحابہ کو حاصل تھا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا واقعہ شہادت بھی بجنسہ ایسا ہی[۱] ہے ابن ملجم مرادی جس کے ہاتھ آپ شہید ہوئے۔ قتل سے بلکہ قتل کے ارادہ سے بھی غالباً پہلے ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں اپنی ایک حاجت لیکر حاضر ہوا جس کو آپ نے پورا فرمانے کا حکم دیا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ یہ شخص میرا قاتل ہے۔ اور زبان مبارک سے ارشاد فرمایا۔

عَذِیْرِیْ مِنْ خَلِیْلِكَ مِنْ مُرَادٍ	اُرِیْدُ حَیٰوتَهٗ وَیُرِیْدُ قَتْلِیْ

میں اس کی زندگی چاہتا ہوں اور وہ میرے قتل کے درپے ہے۔ اس مرادی دوست کی ہمدردی پر مجھ کون معذور سمجھنے والا ہے

کسی نے عرض کیا آپ اس کو قتل کیوں نہیں کر دیتے۔ فرمایا۔

فَمَنْ یَّقْتُلُنِیْ۔ (مجھے کون قتل کریگا) اور بعض روایات میں یہ لفظ ہیں۔

کَیْفَ اَقْتُلُ قَاتِلِیْ۔ میں اپنے قاتل کو کیونکر قتل کروں۔

اس ارشاد کا صاف مطلب یہ تھا کہ میرا قتل جس وقت اور جس کے ہاتھ سے تقدیر الٰہی میں مقرر ومعین ہو چکا ہے اُس کے خلاف ہرگز نہ ہوگا۔ نہ میں اُس کے سوائے کسی اور کے ہاتھ سے قتل ہونگا اور نہ میں اُس کے قتل کرنے پر قادر ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے اپنی حفاظت کے لئے کچھ انتظام نہیں فرمایا۔ بلکہ شہادت کی گھڑی کا اشتیاق کیساتھ انتظار فرمانے لگے۔ اور محبت لقاء الٰہی کے غلبہ میں کئی روز سے غذا بھی تقریباً ترک کر دی۔ افطار کے بعد کبھی بڑے صاحبزادے کے یہاں اور کبھی چھوٹے صاحبزادے کے یہاں چند لقمے تناول فرما لیتے تھے اور فرماتے تھے میں چاہتا ہوں اپنے رب کے یہاں خالی پیٹ جاؤں۔

ابن ملجم کو بھی نہ نظر بند فرمایا۔ اور نہ قتل کا ارادہ کیا۔ کیونکہ آپ کو خوب علم تھا کہ تقدیر کے خلاف

[illegible] ازالۃ الخفاء [illegible] جلد ۲ صفحہ ۲۳۲

[۱] فلما خرج جعل یوقظ الناس من النوم الی الصلوٰۃ ویقول الصلوٰۃ الصلوٰۃ فثار الیہ شبیب بالسیف فضربہ فوقع فی الطاق فضربہ ابن ملجم بالسیف علی قرنہ فسال دمہ علی لحیتہ ولما ضربہ ابن ملجم قال لا حکم الا للہ لیس لک یا علی ولا لاصحابک وجعل یتلو قولہ تعالیٰ ومن الناس۔

کچھ نہیں ہوسکتا۔ اگر باوجود اس علم ویقین کے بھی آپ اپنے تحفظ کی تدبیر فرماتے یا ابن ملجم پر بربناء ظن نگرانی فرما دیتے تو ہرگز خلاف شرع نہ ہوتا۔ اور نہ ایمان بالقدر کے منافی سمجھا جاتا۔ کیونکہ تقدیر پر ایمان کے ساتھ تدبیر اور ہر قسم کی تدبیر کرنیکی اجازت ہی بلکہ بعض موقعوں پر لازم وضروری ہے۔

ایمان بالقدر بایں معنی کہ فاعل ومتصرف ہر چیز میں جناب باری ہیں اور جو مقرر ہو چکا ہی اُس کے خلاف کسی تدبیر سے نہیں ہوسکتا۔ ہر مسلمان پر فرض ہے فرق اتنا ہے کہ عوام کو درجۂ علم میں یہ مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ اور خواص کو علم سے متجاوز ہو کر ذوق وحال وشہود کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے اور اسی وجہ سے اُن کا توکل تام اور کامل ہوتا ہے۔ باایںہمہ خواص کے اکثر افراد تدبیر مناسب اختیار فرمانے سے دریغ نہیں فرماتے۔

صحابہ میں توکل اور ایمان بالقدر علی تفاوت الدرجات کامل تھا مگر بایں ہمہ تدبیر اور عدم تدبیر میں اُن کے حالات مختلف ہیں۔ کبھی تدبیر کرتے ہیں اور کبھی ساقط التدبیر ہوجاتے ہیں حضرت عمرؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما محاربات اور انتظامات ملکی میں وہ تدابیر استعمال فرماتے تھے جن کی ایسے عظیم الشان خلفاء سے توقع رکھنی چاہیئے اور اپنی خاص ذات کے بارہ میں ساقط التدبیر رہے لیکن دونوں حالتوں میں ایمان بالقدر یکساں تھا۔

تقدیر کا مسئلہ جیسا کہ شرط ایمان ہے ویسا ہی اُس کا سمجھنا ذرا دشوار بھی ہی۔ اکثر سطحی خیال اور بعض اپنی عقل ناتمام کے تابعین کو اس کے سمجھنے اور تقدیر وتدبیر کو جمع کرنے میں اشکال پیدا ہوتا ہی لیکن جو شخص قرآن وحدیث کی بیشمار نصوص وصحیح روایات پر مطلع ہے اور جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات واعتقادات سے واقف ہے اُسکو روز روشن کی طرح واضح ہے کہ تقدیر کی حقیقت کیا ہے اور یہ کہ تقدیر بایں معنی جو جمہور اہلسنت کا عقیدہ اور سلف صالح وائمہ مجتہدین کا متفق علیہ ہی بیشک شرط ایمان ہے۔ ایمان بلا اعتقاد مسئلہ تقدیر ہرگز صحیح نہیں ہوسکتا اور یہ کہ تقدیر وتدبیر کے جمع ہونے میں عقلاً کوئی اشکال ہے۔ اور نہ شرعاً اسمیں کسی قسم کی تنگی وحرج ہی لیکن تعجب ہوتا ہے۔ جب ہم کسی ایسے رسالہ میں (جسمیں اسلام کے اصلی خط وخال حقیقی تصویر واقعی اور آج سے تیرہ سو سال پہلے اسلام کے اعتقادیات بیان کرنیکا دعویٰ کیا گیا ہو اور جس کے اجراء سے مسلمانوں کا صراط مستقیم پر چلانا مقصود ہو) دیکھتے ہیں کہ بندے اپنے افعال کے مختار

کاسب اور قادر مطلق ہیں۔ خدا تعالیٰ کو اُنکے اختیار میں کچھ دخل نہیں ہے تقدیر کا حاصل فقط یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو اپنے علم کامل اور مطابق واقع کے موافق افعال عباد کی نظام اور ترتیب وقوعی کا کماحقہ علم ہے اُس کے خلاف خارج میں واقع نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ کی مثال ریلوے ٹائم ٹیبل بنانی والوں کی سی ہے جسطرح وہ ریلوے لائینوں کے اوقات کو منضبط کرکے ٹائم ٹیبل بناتے ہیں اور اُسی نظام مرتبہ کے موافق ٹرینوں کی آمد وشد ہوتی ہے۔ مگر اُن کو ٹرین کے چلانے اور روکنے میں کچھ دخل نہیں ہے اسکا تعلق محض انجن ڈرائیور سے ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کا تعلق نظام افعال کے سلسلہ میں علم وانکشاف سے زیادہ نہیں ہے انسان جو اپنے اندرونی اسٹیم کارخانہ کا ڈرائیور ہے افعال کو صادر کرنے نہ کرنے کا مختار ہے۔ فرق صرف اتنا ہو کہ ٹائم ٹیبل بنانیوالوں کا علم چونکہ ناقص ہے حوادث وموانع اتفاقی تک اُسکی رسائی نہیں ہے۔ اس لئے بسا اوقات اُسمیں تفاوت ہو جاتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا علم چونکہ ہر طرح کامل ہے۔ اُسمیں احتمال خلاف کا نہیں ہے

یہ حاصل مطلب ہے اُس تقریر کا جو مسئلہ تقدیر کی تحقیق میں رسالہ تہذیب الاخلاق مطبوعہ امرتسر جلد ایک نمبرے میں لکھی گئی ہے۔

باخبر حضرات سے مخفی نہیں ہے کہ یہ تحقیق جو رسالہ مذکورہ میں مندرج ہو معتزلہ اور قدریہ کے مسلک کے موافق ہے قرآن وحدیث کی صاف وصریح ہدایات۔ قرن اوّل صحابہ سلف صالح اور جمہور اُمت کے عقیدہ سے مخالف ہی ہم کو خواہ مخواہ اسمیں اُلجھنے کی ضرورت نہیں ہو کہ کوئی شخص اپنے لئے کسی مذہب کو پسند کرے۔ یا بزعم خود دلائل سے اُس کی ترجیح بھی ثابت کرے لیکن گفتگو صرف اس میں ہے کہ اسلام کے اصلی خط وخال دکھلانے کے پردہ میں معتزلہ اور قدریہ کے مذہب کو رواج دیا جائے۔

مسلمانوں کی بدقسمتی اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ کوئی ہمدرد اُسکی اصلاح کا بیڑا اُٹھاتا ہے مگر اُن کی شومی طالع سدّراہ ہو جاتی ہے۔ اور مصلح کی سعی بھی بجائے مفید ہونیکے مضر ہو جاتی ہے

ہمیں نہیں معلوم کہ مسئلہ تقدیر کو اس پیرایہ میں جو اعتقادات اہلِ سنت سے مخالف ہو قرونِ اولیٰ میں جسکا پتہ نہ ہو۔ قرآن وحدیث جس کے خلاف شہادت دیتے ہوں بیان کرنے کا محرک کیا امر ہوا ہے۔ اگر فقط یہی کہ تقدیر کو تدبیر کے منافی سمجھ لیا ہے یا یہ کہ لوگ تقدیری مجبوری

کو آڑ بنا کر اخلاقی کمزوریوں کے مرتکب ہوتے ہیں اور اپنے کیرکٹر کے نقائص کو اس پردہ میں چھپاتے ہیں۔ تو میرے خیال میں یہ بھاری غلطی کا ارتکاب ہے۔ تدبیر تقدیر کے منافی نہیں ہے۔ کوئی شخص شرعاً اس کا مجاز نہیں کہ اپنے کیرکٹر کے نقائص کو اس پردہ میں چھپائے۔ یا افعال قبیحہ کے ارتکاب اور اخلاق ردیہ کے انہماک کے لئے مسئلہ تقدیر سے امداد لے۔ خداوند عالم بیشک افعال عباد کا خالق ہے۔ مخلوق جو کچھ کرتی ہے اُسی کے اختیار سے کرتی ہے۔ اُس نے اپنے علم محیط و قدرت کاملہ سے افعال عباد کو خاص نظام و ترتیب سے مقدر فرمایا ہے۔ مگر ساتھ ہی تدبیر کا بھی حکم دیا ہے۔ بہت سے مواقع میں ترک تدبیر قطعاً حرام ہے۔ اسی طرح تقدیر کے حوالہ سے اخلاقی کمزوریوں کے ارتکاب میں اقدام کرنا یا اعمال حسنہ اور عبادات شرعیہ سے تقدیر کے بہانہ سے جان چرانا دونوں قطعی حرام ہیں۔ کوئی شخص حجت میں اُس کو پیش نہیں کر سکتا اور نہ کسی درجہ میں معذور سمجھا جا سکتا ہو۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی یہ اشکال پیش آیا تھا کہ جب جنتی کا جنتی ہونا اور دوزخی کا دوزخی ہونا پہلے سے مقرر ہو چکا ہے کوئی ساری عمر کیسے ہی عمل کرے ہوتا وہی ہے جو مقدر ہو چکا ہو تو عمل کی کیا ضرورت ہے۔ تقدیر کے بھروسہ پر بیٹھ رہنا چاہئے۔ اور اسی لئے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ سوال پیش کیا۔ فَفِيمَ الْعَمَلُ (پھر عمل سے کیا فائدہ)۔

جواب میں ارشاد فرمایا:۔

اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ۔	عمل کرتے رہو کیونکہ ہر شخص کے لئے وہی کام سہل ہوتا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

یعنی جو کچھ مقدر کیا گیا ہے اُس کا ترتب اعمال پر ہے اور اعمال علامت ہیں انجام نیک و بد کے صحابہ رضی اللہ عنہم کیلئے یہ مختصر و جامع ارشاد کافی ہو گیا۔ تقدیر و تدبیر جمع کرنیکی حقیقت اُنکی سمجھ میں آگئی۔ اس کے بعد اُن کو اس مسئلہ میں کبھی خلجان نہ ہوا۔ نہ تدبیر کے استعمال میں کبھی متردد ہوئے الغرض یہ سمجھ لینا کہ مسئلہ تقدیر کا اعتقاد انسان کو کاہل، سست، نکما اور پایہ ہیچ بنا دینا ہے مسلمانوں کے ادبار و تنزل کا سبب فقط یہی ایمان بالقدر ہے غلطی اور بھاری غلطی ہے۔ نہ اسلام کی یہ ہدایت ہے۔ نہ مسلمانوں کا یہ طرز عمل ہے اسلام نے بزور و تاکید ہر قسم کی تدبیر کے استعمال کا حکم دیا ہے مسلمانوں نے اپنے عروج و نمو کے زمانہ میں جبکہ ایمان بالقدر صدر اول کے دلوں پر استحکام کے

سائر غائب تھا۔ اور جبکہ ایمان بالقدر محض علم ہی کے درجہ تک محدود نہ تھا بلکہ شہود تک پہنچا ہوا تھا وہ تدبیریں کیں۔ وہ اصول وقوانین وضع کئے۔ ایسے انتظامات جاری کیے جنکو آج تیرہ سو سال بعد بھی مشعل راہ بنانا ہر قسم کی فلاح وبہبود کی ضمانت کرسکتا ہے۔

خلفاء راشدین ایک طرف اگر انتظامات ملکی میں منہمک ومصروف رہتے تھے تو دوسری جانب تدابیر منزل سے بھی غافل نہ تھے۔ ایک جانب اگر فنون جنگ میں جدوجہد ہورہی تھی تو دوسری جانب اصول تمدن بنائے جاتے تھے۔

ہاں خواص اہل اسلام کا ایک طبقہ کسی وقت تدبیر کو ترک بھی کردیتا اور ساقط التدبیر بنجاتا ہے۔ مگر وہ نہ اسلام کے عام منافع اور مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے اسباب میں ترک تدبیر کا حکم دیتے ہیں اور نہ خود اسکا ارتکاب کرتے ہیں اور نہ عبادات ومعاملات میں ترک تدبیر کو دخل دیتے ہیں بلکہ یہ طبقہ جس قدر ترقی کرتا جاتا اور مسئلہ تقدیر جتنا بھی زیادہ انپر منکشف ہوجاتا ہے اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ میں اُن کی جدوجہد بڑھتی جاتی ہے۔

البتہ ایسے معاملات میں جن کے اندر تدبیر وعدم تدبیر دونوں کی اجازت ہے اور جنکے نفع وضرر کا تعلق عامہ مسلمین سے نہیں ہے تدبیر کو ترک فرماتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ جنکے حسن تدبیر اور بروقت تدارک نے اسلام کو ایک سخت مہلک فتنہ سے بچالیا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچنے سے ایسے اختلاف کی جڑ کاٹ دی[1] جو قریب تھا کہ مہاجرین وانصار میں پھوٹ پڑتا۔ اسلام کو سخت تزلزل اور نہایت خطرناک عقبات سے انہیں کی تدبیر نے نکالا۔ فتنہ ارتداد میں بڑے بڑے صحابہ کے متامل ومتردد ہونیکے وقت انہیں کی استقامت وثابت قدمی نے اسلام کے اُکھڑے ہوئے قدم جمادیے۔ فتوح شام وعراق اور ہر قسم کے انتظامات کی بنیاد آپ ہی کے مبارک ہاتھوں سے پڑی۔

بایں ہمہ تدبیر وہوشمندی جب آپ کو مرض وفات پیش آیا[2] اور لوگوں نے عرض کیا۔

(کیا طبیب کو نہ بلالائیں) آپ نے فرمایا:۔

الاِنَّہٗ ھُوَ الطَّبِیْبُ
قَدْ اَتَانِیْ وَقَالَ لِیْ اَنَا فَاعِلٌ لِّمَا
اُرِیْدُ فَعَلِمُوْا مُرَادَہٗ فَسَکَتُوْا

طبیب میرے پاس آیا تھا اُسنے کہا ہے کہ میں جو چاہونگا کرونگا۔
لوگوں نے آپ کا مطلب سمجھکر سکوت کیا۔

[1] فلما قضی ابوبکر کلامہ قام منہم رجل فقال انا جذیلہا المحکک وعذیقہا المرجب منا امیر ومنکم امیر یا معشر قریش قال فارتفعت الاصوات وکثر اللغط فلما اشفقت الاختلاف قلت لابی بکر ابسط یدک ابایعک فبسط یدہ فبایعتہ وبایعہ المہاجرون وبایعہ الانصار طبری صفحہ ۲۰۱ ج ۳

[2] کانت وفاۃ صدیق رضؓ فی یوم الاثنین عشیۃ وذلک لثمان لیال بقین من جمادی الآخرۃ سنۃ ثلاث عشرۃ بعد مرض خمسۃ عشر یوماً وکان عمر بن الخطاب یصلی عنہ فیہا بالمسلمین وفی اثنا ہٰذا المرض عہد بالامر من بعدہ الی عمر بن الخطاب وکان الذی کتب العہد عثمان بن عفان وقری علی المسلمین فاقروا بہ

مطلب یہ تھا کہ حق تعالیٰ کا جو ارادہ میری ذات کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے ہو کر رہیگا۔ طبیب کی ضرورت نہیں ہے آپ نے اسوقت خاص اپنے بارہ میں تدبیر کو ساقط کر دیا۔ اور علاج نہ کیا اسلئے کہ علاج کرنے اور نہ کرنیکا از روئے شرع آپ کو اختیار تھا۔ اور عین اسی حالت میں جبکہ آپ ساقط التدبیر بنے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی فلاح کی فکر و تدبیر سے غافل نہ تھے آپ کو اسوقت یہ فکر درپیش تھا کہ مبادا میرے بعد خلافت کے معاملہ میں کچھ اختلاف ہو جائے اور مسلمانوں کو بیوقت فتنہ میں مبتلا ہونے سے ناقابل تلافی نقصان پہنچ جائے اس لئے آپ اس کی تدبیر میں مشغول ہو گئے۔

حضرت عمرؓ سے بہتر کوئی دوسرا شخص آپ کے خیال میں اس منصب کیلئے موزوں تھا مگر تنہا اپنی رائے سے ایسا کرنا نہ چاہتے تھے۔ بلکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو بلا کر اس بارہ میں مشورہ کیا۔ اُنہوں نے فرمایا آپ کا حسن ظن جسقدر اُنکی جانب ہے وہ اُس سے بھی بہت بڑھے ہوئے ہیں البتہ مزاج میں ذرا سختی و درشتی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ درشتی اسلئے ہے کہ مجھ کو نرم دیکھتے ہیں میں نے خوب آزما لیا ہے۔ کہ جب مجھے زیادہ نرمی کرتے دیکھتے تھے تو وہ سخت بنجاتے تھے اور جب مجھے ذرا غصہ میں دیکھتے تھے تو نرمی کا پہلو اختیار کر لیتے تھے۔ مستقل خلیفہ ہو کر درشتی نہ کرینگے۔

اس کے بعد حضرت عثمان کو بلا کر مشورہ کیا۔ اُنہوں نے کہا:۔

سَرِیْرَتُہٗ خَیْرٌ مِّنْ عَلَانِیَتِہٖ وَ لَیْسَ فِیْنَا مِثْلُہٗ	(اُن کا باطن ظاہر سے بھی زیادہ اچھا ہے اور اب ہم میں اُن کی مثل کوئی نہیں ہے)۔

دونوں صاحبوں سے مشورہ لیکر آپ نے فرمایا:۔

لَا تَذْکُرَا مِمَّا قُلْتُ لَکُمَا شَیْئًا وَ لَوْ تَرَکْتُہٗ مَا عَدَوْتُ عُثْمَانَ وَ الْخِیَرَۃُ لَہٗ اَنْ لَّا یَلِیَ مِنْ اُمُوْرِکُمْ شَیْئًا۔ وَ لَوَدِدْتُ اَنِّیْ کُنْتُ مِنْ اُمُوْرِکُمْ خِلْوًا۔	میں نے جو کچھ کہا ہے اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔ اور اگر میں عمر کو چھوڑتا تو عثمان کو اختیار کرتا۔ اور بہتر اُنکے لئے یہی ہے کہ تمہارے معاملات میں سے کسی بات کے ذمہ دار نہ بنتے۔ میں چاہتا تھا کہ ان معاملات کی ذمہ داری سے بری رہتا۔

اس گفتگو کے بعد طلحہ بن عبید اللہ تشریف لائے اور فرمایا کیا آپ نے عمرؓ کو خلیفہ بنایا ہے۔ آپ کی موجودگی میں اسقدر متشدد ہیں تو مطلق العنان ہو کر کیا نہ کریں گے۔ آپ کو خدا کے یہاں اس کی جوابدہی کرنی ہوگی۔

آپ نے یہ گفتگو سنکر فرمایا مجھ کو بٹھلادو۔ بیٹھ گئے تو فرمایا:۔

أَبِاللّٰہِ تُخَوِّفُنِیْ اِذَا لَقِیْتُ رَبِّیْ فَسَأَلَنِیْ قُلْتُ اِسْتَخْلَفْتُ عَلٰی اَھْلِکَ خَیْرَ اَھْلِکَ۔

کیا اللہ کے خوف سے مجھ کو ڈراتے ہو۔ جب میں اپنے رب کے پاس جاؤنگا۔ اور مجھ سے سوال ہوگا۔ تو کہدونگا کہ تیری مخلوق پر سب سے بہتر کو خلیفہ بنا کر آیا ہوں۔

یہ باتیں ہوچکیں تو حضرت عثمان کو عہد نامہ خلافت عمری لکھوانے کے لئے تنہائی میں بلایا اور فرمایا لکھو۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

ھٰذَا مَا عَھِدَ اَبُوْبَکْرِ ابْنُ اَبِیْ قُحَافَۃَ اِلَی الْمُسْلِمِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ۔

یہ وہ عہدنامہ ہے جو ابوبکر ابن ابی قحافہ نے مسلمانوں کے لئے لکھا۔ بعد حمد وصلوٰۃ کے

اس قدر لکھوانے پائے تھے کہ آپ پر غشی طاری ہوگئی لیکن حضرت عثمان کو چونکہ منشا معلوم تھا۔ اس لئے اما بعد کے بعد یہ عبارت تحریر فرمادی:۔

فَاِنِّیْ قَدِ اسْتَخْلَفْتُ عَلَیْکُمْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَلَمْ اٰلُکُمْ خَیْرًا۔

یہ ہے کہ میں نے عمر بن الخطاب کو خلیفہ بنایا۔ اور تمہاری خیر اندیشی میں کوتاہی نہیں کی۔

تھوڑی ہی دیر میں آپ کو ہوش آیا۔ تو حضرت عثمانؓ سے فرمایا کیا لکھا ہے۔ اُنہوں نے پوری عبارت جو لکھی تھی سنادی۔ آپ نے حضرت عثمانؓ کی دانشمندی اور دوراندیشی سے خوش ہوکر فرمایا اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ حضرت عثمان رضؓ نے عرض کیا شاید آپ کو یہ خیال تھا کہ عہد نامہ ناتمام رہ گیا ہے اگر اسی بیہوشی میں میرا انتقال ہوگیا تو لوگوں میں اختلاف پیدا ہوجانے کا احتمال ہے۔ فرمایا بیشک یہی بات تھی حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا:۔

جَزَاکَ اللّٰہُ خَیْرًا عَنِ الْاِسْلَامِ وَاَھْلِہٖ

اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام اور اہل اسلام کیطرف سے جزائے خیر عطا فرمائے

جب عہدنامہ مرتب ہوچکا تو لوگوں کو جمع کرکے اُسکو برسر مجمع سنادینے کا حکم دیا سب نے سنکر تسلیم کرلیا۔ اسکے بعد پھر خود آپ نے سب سے خطاب کرکے فرمایا۔ کیا تم اُس شخص سے راضی ہو جسکو میں نے خلیفہ بنایا ہے۔ دیکھو میں نے اپنے کسی عزیز رشتہ دار کو خلیفہ نہیں بنایا۔ بلکہ عمرؓ کو بنایا ہے میں نے اپنی طرف سے غور وتامل میں کوتاہی نہیں کی۔ تم سب کو اُن کی اطاعت کرنی چاہیے۔ سب نے جواب دیا ہم خوشی سے اطاعت کو تیار ہیں۔ اس قصہ سے فراغت پاچکے تو

حضرت عمرؓ کو بلاکر بہت کچھ نصیحتیں اور وصیتیں فرمائیں۔

سمجھنے اور غور کرنیکی بات ہے کہ وہ ذات مقدس جو مسئلہ تقدیر پر اُس معنی میں جو جمہور اہل سنت کے نزدیک علم ہے۔ اس درجہ ایمان کامل رکھتی ہے کہ ہر چیز میں فاعل و متصرف ذات باری کو سمجھتی ہے اور جو اپنے خاص معاملہ میں تدبیر کو ساقط کئے ہوئے تقدیر پر شاکر ہے۔ معاملہ خلافت کے سرانجام میں جس کا تعلق عام مسلمانوں کی بہبودی و فلاح سے ہو کسقدر منہمک ہو اور کس حسن تدبیر و دانشمندی سے انجام دیا ہو کیا ایسے حالات کے بعد کوئی شخص یہ کہدینے کا مجاز ہے کہ ایمان بالقدر ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھنے اور تدبیر کو چھوڑ کر ذرائع کسب معاش اور ترقی سے روکنے کی طرف داعی ہے معاذ اللہ یہ سراسر نافہمی ہے۔ وہ کونسا زمانہ صدر اوّل سے اسوقت تک ایسا گذرا ہے جس میں مسلمانوں نے تدابیر کا استعمال نہیں کیا۔ صنعت و حرفت تجارت وغیرہ میں جد و جہد سے کام نہیں لیا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اقوام عالم کا حال ہمیشہ یکساں نہیں رہتا۔ جب کسی قوم کے تنزل کا زمانہ آتا ہے تو بمقتضاء مشیت الٰہی تدابیر میں بھی نقصان پڑجاتا ہے۔

البتہ اسلام نے ہم کو یہ تعلیم دی ہے کہ ہم سب کچھ کریں۔ مگر اپنی تدبیر پر بھروسہ نہ کریں۔ بلکہ فاعل و متصرف ہر چیز میں خدائے وحدہ لاشریک لہ کو سمجھیں اور یہ ایسی سچی تعلیم ہے کہ اس کے خلاف کا مدعی بنکر کوئی خالق و مخلوق کا رابطہ قائم نہیں رکھ سکتا۔

رہی یہ بات کہ بہت سے لوگ اپنے کیرکٹر کے نقصان کو چھپانے کیلئے مسئلہ تقدیر کو آڑ بناتے یا اس گھمنڈ پر ارتکاب معصیت میں دلیر ہو جاتے ہیں۔ سو یہ احمقانہ خیال اسلام کی تعلیم کے بالکل خلاف ہے یہی لوگ اپنی بہت ہی حقیر اور جزئی منفعت پر تمام ممکن تدبیریں خرچ کرانے میں کوتاہی نہیں کرتے۔ لیکن معاملات خداوندی میں محض مخلوق کے طعن و تشنیع سے جان بچانے کیلئے ایسی شوخ چشمی سے کام لیتے ہیں ورنہ وہ خود بھی جانتے ہیں کہ آخرت میں ہمارا یہ عذر لنگ کچھ کار آمد نہیں ہے یہ لوگ فی الحقیقت ایمان بالقدر نہیں رکھتے۔ اُنکا حال بالکل اُن راسخ الایمان والوں کے عکس ہے جو ایمان بالقدر میں پختہ ہونیکے ساتھ شرعی اور بہبودی خلق کے معاملہ میں نہایت چست اور پختہ ہوتے ہیں اور اپنے ذاتی و دنیاوی معاملات کی تدبیر میں مشغول و منہمک نہیں ہوتے لیکن کیا ضرور ہے کہ ایسے بیہودہ لوگوں کے خیال و روش سے متاثر ہو کر ہم ایک اسلامی اصول

اور اعتقادی مسئلہ کو بدلنے یا اس کی ایسی تشریح کرنے پر مجبور ہوں جس سے وہ عقیدہ جو تیرہ سو سال سے اہلسنت کا مسلّم مسئلہ ہے اور قرآن وحدیث میں جس کے لئے بیشمار تصریحیں موجود ہیں مٹ جائیں اور اگر مسئلہ تقدیر میں اس جدید تحقیق اور مذہب قدریہ کی تائید کا محرک یہ خیال ہو کہ تقدیر کو مذہب اہل سنت کے مسلک پر جان لینے سے سلسلہ اسباب و مسببات لغو ہوا جاتا ہے حالانکہ اسباب و مسببات کا ارتباط اسکی تاثیر و تاثر ایسا بدیہی اور عقلائے عالم کا مسلّم ہے کہ اُس کے خلاف کوئی دلیل اور کوئی دعویٰ مسموع نہیں ہو سکتا۔ تو یہ خیال بھی سطحی ہے۔ مسئلہ تقدیر اور ایمان بالقدر سے ہرگز سلسلہ اسباب و مسببات منقطع ولغو نہیں ہوتا۔ حق تعالیٰ نے اپنے تصرفات واختیارات کو عالم امکان میں اسباب و مسببات کے پیرایہ میں ظاہر فرمایا ہے۔ امور تقدیری کا ظہور بھی اسی لباس میں ہوتا ہے لیکن اس سلسلہ میں بھی موثر حقیقی وہی ذات پاک ہے تمام اسباب و علل کی علت اُسکا ارادہ و مشیت ہے مسئلہ تقدیر کے متعلق ایک مبسوط و مدلل تحریر ہم علیحدہ لکھیں گے اس جگہ ذیل میں بقدر ضرورت لکھدیا ہے تاکہ مسلمان اس مہلک غلطی میں مبتلا نہ ہوں جس کا اندازہ تہذیب الاخلاق کے مضمون سے ہوتا تھا

ہم منازعت ومخاصمت یا اظہار خلاف کو ہرگز پسند نہیں کرتے مگر تہذیب الاخلاق اور اشاعت اسلام دونوں کا دعویٰ یہ ہے کہ اسلام کے حقیقی مسائل بلا افراط و تفریط مسلمانوں کے سامنے پیش کئے جائیں اور مسلمانوں کو عام گمراہی و غلط فہمی سے بچایا جائے۔ اسلئے ہمارا عرض کرنا محض نیک نیتی پر مبنی ہے۔ ہم کو امید ہے کہ تہذیب الاخلاق اپنے دعوے کا پاس کریگا اور ایسے مسائل پر جو متفق علیہ اہل سنت ہیں قلم فرسائی کر کے مسلمانوں کو مغالطہ اور پریشانی میں نہ ڈالیگا مسلمان بحال محود درماندہ و تباہ ہیں۔ سب کچھ تباہ ہو جانے کے بعد صرف اسلام کا نام باقی ہے۔

ہم کو یا کسی ہمدرد کو یہ مناسب نہیں ہے کہ اسلام کے اصول پر طبع آزمائی کر کے ایک طرف تو مقابلہ نصوص کے مجرم بنیں دوسری جانب اسلام کا نام مٹا کر دنیا سے مسلمانی کو رخصت کر دینے کے سبب بنیں ہماری تحریر و تقریر کے لئے وسیع میدان موجود ہیں۔ ہم کو گنجایش ہے کہ مسلمان کی فلاح و بہبود کیلئے نفیس سے نفیس مضمون قوم کے سامنے پیش کریں اور دنیا و آخرۃ کی بھلائی اور نیک نامی کمائیں۔ خدا تعالیٰ مجھ کو اور سب مسلمانوں کو اُس کی توفیق عطا فرمائے۔

اس ضمنی بحث کو یہیں چھوڑ کر اصل مضمون کی طرف عود کرتے ہیں۔

واقعہ شہادت عمری سے یہ نتیجہ بھی بہت آسانی سے نکلتا ہے کہ مذہب اسلام میں ایک بلند پایہ مسلمان اور معمولی نصرانی یا یہودی غلام کی (جو عہد کے ذریعے سے حریم اسلام کے پرامن فضا میں داخل ہو چکا ہو) حفاظت جان ومال یکساں ہے جس آزادی سے ایک پختہ مسلمان ممالک اسلام میں رہ سکتا ہے اُسی آزادی سے ایک ادنیٰ درجہ کا غلام عیسائی ہو یا یہودی و مجوسی بسر کر سکتا ہے

حضرت عمرؓ کی شہادت معمولی بات نہ تھی۔ آپ جیسی مجموعۂ اوصاف و کمالات کا ایسی بیدردی سے ہلاک کیا جانا خود ایک عظیم الشان حادثہ تھا لیکن جبکہ یہ دیکھا جائے کہ آپ کی ذات فتن و اختلافات کیلئے سدراہ بنی ہوئی تھی اور آپ کے بعد اسلام میں نیا دور شروع ہونیوالا تھا تو یہ مصیبت اور بھی ہولناک صورت اختیار کر لیتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں پر اس حادثہ کا زیادہ اثر تھا۔ اور وہ اس طرح متحیر و پریشان تھے کہ گویا اس سے پہلے اُنپر کوئی حادثہ گذرا ہی نہیں۔ اس حالت کا مقتضا یہ تھا کہ فوراً ایک کمیشن کے ذریعہ سے سازش قتل کی تحقیقات شروع ہو جاتی جس جسپر شبہ بھی ہوتا فوراً زیر حراست لے لئے جاتے اور جو کسی درجہ میں ملوث ثابت ہوتے انکو سخت تر سزائیں دیجاتیں یا جن پر کسی درجہ میں بھی شبہ ہوتا تو اُنپر تعزیری احکام جاری کئے جاتے اور عجب نہیں کہ اس معاملہ کے متعلق فوری تدابیر شروع کی جاتیں۔ مگر عبید اللہ بن عمرؓ کی بے قاعدہ اور خلاف احکام اسلام تعدی نے معاملہ کی صورت ہی بدلدی۔ اور بجائے اس کے کہ حضرت عمرؓ کے قتل کی تحقیقات ہوتی عبید اللہ بن عمرؓ بحیثیت مجرم گرفتار کئے گئے جفینہ و ہرمزان اور ابو لؤلؤہ کی بیٹی کا معاملہ پیش ہو گیا۔

تھوڑے سے تامل کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر حضرت عمرؓ کی شہادت و مفارقت کا صدمہ تو بے انتہا تھا مگر معاملہ قتل میں دیۃ یا قصاص یا تحقیقات کا اسقدر اہتمام نہ تھا جسقدر ہرمزان جفینہ وغیرہ کے قتل کا جسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ ایک نصرانی کے ہاتھ سے دار الاسلام بلکہ دار الخلافۃ میں شہید ہوئے تھے اُسکی سزا یہ تھی کہ اولیاء مقتول یا قصاص میں اُسکو قتل کرتے یا دیۃ لیکر چھوڑ دیتے یا بالکل معاف کر دیتے۔ لیکن جبکہ قاتل نے خودکشی کر لی تو اب قصاص و دیت کا معاملہ تو ختم ہو چکا۔ صرف یہ بات باقی رہ گئی تھی کہ یہ قتل کسی سازش کا نتیجہ تو نہیں ہے اگر سازش ثابت ہوتی تو مجرموں کو جرم کے موافق سزا دیجاتی۔ خلاصہ یہ کہ از روئے احکام شریعت ایک ذات کے بدلے میں قاتل ہی قتل کیا جا سکتا ہے اسمیں خلیفہ وقت ہوں یا کمتر درجہ کا مسلمان

اور ذمی سب برابر ہیں۔ اس سے تجاوز ہونا تعدی وظلم ہے اسی وجہ سے قاتل کی خودکشی کرنیسے یہ معاملہ تو ظاہری طور پر ختم ہو گیا تھا۔ اور ہرمزان وغیرہ کا قتل چونکہ دار الخلافہ میں ایک مسلمان کے ہاتھ سے بلا وجہ وبلا تحقیق ہوا۔ اسلئے صحابہ خلیفہ وقت اور تمام مسلمانوں میں پریشانی پھیل گئی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر یہ دروازہ کھل گیا تو ذمی لوگ دار الاسلام میں تھوڑے سے شبہ پر بیدھڑک قتل کر دیئے جایا کرینگے اور اسلام نے جو مساوات وآزادی کا عام قانون دیگر ذمی اور مسلمانوں کی جان ومال کو مساوی کر دیا ہے وہ متروک العمل ہو جائیگا۔ اسی وجہ سے یہ اہتمام تھا کہ خلافت کا قضیہ یکسو ہوتے ہی بیعت عامہ سے فراغت کے بعد سب سے پہلے یہی معاملہ پیش ہوا۔ اور یہی وجہ تھی کہ حضرت عثمان رض نے جفینہ اور ہرمزان کے قتل کو اسلام کے اندر رخنہ ڈالنے سے تعبیر کیا حضرت عمر رض کے قتل پر جو فی الحقیقت اسلام کیلئے ناقابل تلافی نقصان تھا ضبط کر لینا اور ایک نصرانی ونو مسلم کے قتل کو رخنہ عظیم سمجھنا اس کیوجہ بجز اسکے اور کچھ نہ تھی کہ اس صورت میں اسلام کے قانون کا متروک ہونا اور ان کے اُن اوصاف کا مٹ جانا لازم آتا تھا جن کیوجہ سے اسلام اور مسلمانوں کو تمام مذاہب اور تمام عالم پر برتری حاصل تھی۔

یہی وجہ تھی کہ جب خلیفہ شہید کے صاحبزادے عبید اللہ بحیثیت مجرم پیش ہوئے تو آزادی کے ساتھ رائے زنی شروع ہو گئی حضرت علی کرم اللہ وجہہ جیسے جلیل القدر اصحاب کی رائے صاف بلا تورِیہ یہ تھی کہ انکو قصاص میں قتل کر دیا جائے اور جو لوگ انکے قتل میں شامل تھے انہوں نے بھی یہ عذر پیش نہیں کیا کہ ایک نصرانی یا نو مسلم کا قتل جنکے اسلام پر بھی اعتماد نہ ہو خصوصاً شبہ کی حالت میں اُس کی سزا یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان کو اسکی عوض میں قتل کر دیا جائے۔ یہ تو سب کے نزدیک مسلم تھا کہ سزا اسکی بجز قصاص یا دیۃ کے اگر اولیاء مقتول راضی ہو جائیں کچھ نہیں مگر وہی صدمہ قتل اور مفارقت عمری جو عام طور پر سوہان روح ہو رہا تھا بہت سے حضرات کو اس کشمکش میں ڈال رہا تھا کہ کل تو حضرت عمر رض بیدردانہ قتل ہوئے اور آج قصاص میں اُنکا بیٹا قتل ہو جائے اور اسمیں اسقدر گنجایش بھی مل گئی تھی کہ خلیفہ وقت کے تسلط سے پہلے کا واقعہ تھا اور باعتبار ولایت عامہ یہ اختیار بھی تھا کہ مقتول کی دیۃ دیکر سزائے قتل جاری کرتے۔ اور آخر اسی پر یہ فیصلہ ہوا حضرت عثمان رض نے یہ فرما کر کہ مجھکو ولایت حاصل ہے میں اپنے مال میں سے اولیاء مقتول کو دیۃ دیکر

قصاص سے درگذر کرتا ہوں۔ معاملہ کو ختم کر دیا۔

مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس فیصلہ پر رضامند نہ ہوئے اور آپ نے اپنے زمانہ میں پھر قصاص جاری کرنا چاہا اور اس اندیشہ سے عبید اللہ بھاگ کر شام چلے گئے۔ یہ سب کچھ ہوا۔ عبید اللہ اپنے عالی مرتبت باپ کے ادب و لحاظ کی بدولت قصاص سے بچ گئے۔ مگر وہ سب کی آنکھوں سے گر گئے اور ہرگز اُنکی وہ وقعت باقی نہ رہی جو اُنکے مرتبہ و حیثیت کے مناسب ہونی چاہیے تھی یا اُنکے برادر عبد اللہ بن عمر رض کو حاصل تھی۔ تواریخ سے ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے لوگوں کو آخر تک یہ فیصلہ کھٹکتا رہا۔ بلکہ شاید وہ اُسوقت قصاص جاری نہ کرنے کو دفع الوقتی اور مصلحت پر مبنی سمجھتے رہے۔ چنانچہ زیاد بن لبید انصاری جب عبید اللہ کو دیکھتے تو کہا کرتے تھے۔

[1] أَلَا يَا عُبَيْدَ اللّٰهِ مَالَكَ مَهْرَبٌ وَ
لَا مَلْجَاءٌ مِنِ ابْنِ أَرْوَى وَلَا خَفَرٌ۔

[2] أَصَبْتَ دَمًا وَاللّٰهِ فِي غَيْرِ حِلِّهِ حَرَامًا
وَقَتْلُ الْهُرْمُزَانِ لَهُ خَطَرٌ۔

[3] عَلَى غَيْرِ شَيْئٍ غَيْرَ اَنْ قَالَ قَائِلٌ
أَتَتَّهِمُونَ الْهُرْمُزَانَ عَلَى عُمَرَ۔

[4] فَقَالَ سَفِيهٌ وَالْحَوَادِثُ جَمَّةٌ نَعَمْ
اتَّهِمْهُ قَدْ اَشَارَ وَقَدْ اَمَرَ۔

[1] اے عبید اللہ خبردار تم کو کوئی ٹھکانا اور کوئی پناہ امن کی جگہ ابن اروی یعنی عثمان رض سے نہیں ہے۔

[2] قسم ہے خدا کی تونے ایک ناحق خون کیا ہے اور ہرمزان کا قتل بڑی بات ہے۔

[3] ایک شخص کی اس بات کہنے سے بلا وجہ قتل کر دیا گیا اتنی بات سے تم ہرمزان کو عمر رض کے بارہ میں متہم سمجھنے لگے

[4] ایک بیوقوف نے کہدیا حالانکہ حوادث کے اسباب بہت ہیں ضرور اسکو متہم سمجھو اسی نے اشارہ کیا اور اسی نے قتل کا حکم دیا۔

عبید اللہ نے حضرت عثمان رض سے اسکی شکایت کی تو آپ نے بلا کر اُنکو منع فرما دیا مگر اسپر بھی یہ معافی کھٹکتی رہی

اب ایک منصف صاحب فہم و بصیرت جسکے آگے تواریخ عالم بھی کھلی ہوئی ہوں اور جو اقوام دنیا کا وسیع تجربہ رکھتا ہو انصافاً کہدے کہ کیا دنیا میں کسی قوم نے ایسی آزادی اور مساوات کا برتاؤ اپنی ایسی رعایا کے ساتھ کیا ہے۔ جو اُن کے ہم مذہب و ہم وطن نہ ہوں کیا کسی قوم نے ایسی ہمت و استقلال سے کسی اس قسم کے واقعہ کا فیصلہ کیا ہے جو مسلمانوں نے کیا۔ اور کیا کسی نے ایسا ضبط و تحمل دکھلایا ہے جو مسلمانوں نے ایسے تلاطم اور سخت حادثہ کے وقت دکھلایا یہی وہ اوصاف تھے جن کی بدولت دنیا اسلام کی مسخر ہو گئی۔

ہرمزان کے قتل اور اداے دیتہ کا یہ فیصلہ تو اُس عام روایت کے موافق ہے جسکو تمام مورخین نے تسلیم کرلیا ہے لیکن اگر ہم ایک دوسری روایت پر نظر ڈالیں جسکو مورخین نے بعض وجوہ سے قابل قبول نہیں سمجھا۔ تو سمجھ لینا چاہئے کہ تمام مباحث کا خاتمہ ہوگیا۔ اور گویا حسب روایت اول جس فیصلہ سے بمقتضا بعض مصالح رکنا ثابت ہوتا تھا۔ اُس کا نفاذ پوری طرح ہوگیا۔

ہرمزان کا بیٹا غماذیان کہتا ہے کہ عجمی لوگ ہموطن ہونے کی وجہ سے باوجود اختلاف مذہب بھی آپس میں ایک دوسرے سے مانوس ہوجاتے تھے (جیساکہ اس زمانہ میں جب دو ہموطن اگرچہ مختلف المذہب ہی کیوں نہ ہوں۔ اجنبی جگہ جمع ہوکر باہم مربوط و مانوس ہوجاتے ہیں۔ ایک دفعہ ابولؤلوہ کا گذر ہرمزان کے پاس ہوا۔ اُس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ ہرمزان نے دیکھنے کیلئے خنجر ہاتھ میں لیا۔ اور پھر اُسکو دیدیا۔ ایک شخص نے خنجر واپس دیتے ہوئے اُسکو دیکھ لیا جب حضرت عمرؓ شہید ہوئے تو اُس شخص نے خنجر کو پہچان کر کہا کہ یہ تو ہرمزان نے ابولؤلوہ کو دیا تھا عبیداللہ بن عمرؓ نے سنکر ہرمزان کو قتل کردیا۔ لیکن جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوگئے اور معاملہ قتل ہرمزان پیش ہوا۔ تو عبیداللہ قصاص کی غرض سے میرے حوالے کئے گئے میں اُنکو قتل کرنے کی غرض سے لیچلا۔ اور جتنے مسلمان تھے سب میرے ساتھ میرے مویدا ور مددگار تھے کوئی مزاحم نہ تھا البتہ اُن کی دلی خواہش تھی کہ میں معاف کردوں۔ میں نے اُنکے میلان قلبی کا خیال کرکے کہا کہ میں اُسکو قتل کرسکتا ہوں۔ سبنے عبیداللہ کو بُرا کہکر بالاتفاق جواب دیا بیشک کرسکتے ہو میں نے کہا کیا تم مجھ کو اُسکے قتل سے روک سکتے ہو۔ سبنے کہا ہرگز نہیں۔ اسطرح پر اطمینان کرچکنے کے بعد میں نے محض اللہ کے واسطے عبیداللہ کو معافی دیدی۔ مسلمان اسقدر خوش ہوئے کہ مجھے اپنے سروں پر اُٹھالیا اور اسی طرح میرے گھر تک لیگئے۔ ایک قدم بھی زمین پر نہ پڑنے دیا۔

اس روایت کو اگر صحیح مان لیا جائے تو یہ مسلمانوں کی استقامت اور تصلب کی انتہائی مثال ہوگی جس میں کسی مصلحت اور رعایت کو ہرگز دخل نہیں۔ اور یہ وہ بات ہوگی جسکی تقلید سے تمام اقوام دنیا عاجز سمجھے جائیں گے۔

لیکن مورخین کو اس روایت کی صحت میں اس وجہ سے کلام ہے کہ اگر ولی قصاص یعنے غماذیان معاف کرچکا ہوتا تو حضرت علیؓ اپنے زمانۂ خلافت میں عبیداللہ کے قتل کا ارادہ

نہ کرتے اور عبید اللہ بھی اس اندیشہ سے بھاگ کر شام میں جاکر امیر معاویہ کے زمرہ میں شامل نہ ہوتے مگر میرے خیال میں یہ وجہ اس روایت کے رد کرنیکے واسطے کافی نہیں ہے۔ کیونکہ جب حضرت عثمان نے اپنے مال میں سے دیت دیکر قصاص کو معاف کر دیا اور یہ فیصلہ نافذ ہوئے بارہ سال گذر گئے تو اس قدر عرصہ کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفۂ وقت کے نافذ شدہ فیصلے کو منسوخ کر کے قصاص لینے کا ارادہ کرتے سمجھ میں نہیں آتا۔

عبید اللہ کا بھاگ کر شام میں چلا جانا تسلیم ہے مگر یہ ضرور نہیں ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے اس ارادہ سے مطلع ہو کر گئے ہوں۔ بلکہ اُنکو معلوم تھا کہ حضرت علیؓ کا خیال میری نسبت اچھا نہیں ہے۔ اُنکے پاس رہنا میرے لئے مضر ہوگا میں یہاں رہ کر کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا اور میں ضرور کسی نہ کسی وقت مورد عتاب بن جاؤنگا۔ اس وجہ سے انکے لئے شام چلے جانا ہی بہتر سمجھا

البتہ روایت اوّل کے مرجح ہونے کی دو وجہیں ضرور ہیں۔ اوّل یہ کہ باعتبار سند کے یہ روایت قوی ہے۔ دوسری یہ کہ اگر عبید اللہ اس طرح معاف کئے گئے ہوتے تو زیاد بن لبید انصاری اپنے اشعار میں اس کا تذکرہ نہ کرتے۔ اور حضرت عثمانؓ کو قصاص لینے پر آمادہ نہ کرتے۔ یا حضرت عثمان رضؓ کو ترک قصاص کی وجہ سے مورد طعن نہ بناتے۔

بہر حال انمیں سے جس روایت کو بھی صحیح مان لیا جاوے ہم جس مدعا کے درپے ہیں وہ دونوں میں بحسن وجوہ حاصل ہے

اس مضمون کو ختم کرنے سے قبل ہم اس کا فیصلہ بھی کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی شہادت کسی گہری اور لمبی سازش کا نتیجہ تھا جس میں ابولوٴلوہ جفینہ۔ ہرمزان اور کعب احبار اور دوسرے اسی قسم کے نومسلم اور ذمی شریک تھے۔ یا صرف ابولوٴلوہ کی ہی خباثت تھی جس کی اطلاع ممکن ہے اُس نے کسی کو دی ہو یا نہ دی ہو۔

زمانہ حال کے بعض مورخین کا خیال ہے۔ ہرمزان وکعب احبار وغیرہ بہت سے مجوسی ویہودی ایسے تھے جو گو مسلمان ہو گئے تھے مگر مجوسیت ویہودیت کی محبت اُن کے اندر سے زائل نہ ہوئی تھی اس کا خواہ یہ مطلب سمجھ لیا جائے کہ اُنکا اسلام محض منافقانہ تھا یا یہ سمجھ لیا جائے کہ مسلمان تو تھے مگر اُدھر سے تعلق منقطع ہو کر اسلام کی محبت پوری راسخ نہ ہوئی تھی۔ اِدھر بہت سے عجمی ورومی غلام جو اپنے اصل مذہب پر قائم تھے مدینہ منورہ میں موجود تھے۔

حضرت عمرؓ کے ہاتھوں سے روم۔ شام۔ عراق و فارس کی سلطنتوں کا تباہ ہونا تازہ ہی قصہ تھا مسلمانوں کا لشکر اطراف عالم میں پھیل کر جس طرح ملکوں کو زیر و زبر کر کے سلاطین و اُمراء کو اسیر بنا رہا تھا اُسکو بھی وہ دیکھ آئے تھے۔ یہ وہ اسباب تھے جنکی وجہ سے بغض و عداوت کی آگ اُن کے اندر مشتعل ہو رہی تھی۔ وہ مسلمانوں کی اس بڑھتی ہوئی قوت اور روز افزوں ترقی کے ساتھ اپنی قوم کی تباہی کو دیکھ نہ سکتے تھے۔ اور چونکہ حضرت عمرؓ کی قوتِ انتظامیہ کے یہ سب ظاہری ثمرات تھے۔ اس وجہ سے اُنکے ساتھ خصوصیت سے بغض و عناد ہونا بھی لازمی بات تھی۔ ابو لؤلؤہ کا غیظ و غضب تو اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ وہ اُس کے چھپانے پر بھی قادر نہ تھا نہاوند کے اسیر جب مدینے میں آئے تو وہ مضطربانہ ہر ایک کے سر پر ہاتھ پھیرتا جاتا اور کہتا جاتا تھا۔ عمرؓ نے میرا جگر کھا لیا۔ ہرمزان اگرچہ مسلمان ہو گیا تھا۔ مگر اول تو وہ خود شاہی کے رتبہ سے قیدیوں کی حیثیت میں مدینہ لایا گیا تھا۔ اُسکے اندر غدر و نقضِ عہد کا مادہ پہلے ہی موجود تھا۔ چند بار مسلمانوں سے معاہدہ کر کے پھر چکا تھا ایسے حالات کو دیکھتے ہوئے قرینِ عقل ہے کہ وہ بھی اپنے دل میں سخت غم و غصہ لئے ہوئے انتقام کی فکر میں ہو۔ کعب احبار بھی گو مسلمان ہو چکے تھے۔ مگر اصل سے یہودی تھے۔ یہود کو جو عداوت اہل اسلام سے تھی ظاہر ہے۔ پھر یہ قیاس کرنا کیوں مستبعد ہے کہ ان سب کی سازش اور شورہ سے یہ واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ یہ بات تو بہت ہی مستبعد تھی کہ تورات میں آپ کی شہادت کا ذکر ہو یا کعب احبار کو اس کے ذریعہ سے علم ہوا ہو بلکہ وہ حقیقتاً اُس راز پر مطلع تھے۔ اور خیر خواہی جتلانے کیلئے بار بار آ کر آپ کو مطلع کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ کعب احبار خود اس سازش میں شریک نہ ہوں۔ مگر اُسی تعلق کی بنا پر جو ان سب میں مشترکاً موجود تھا اس راز پر مطلع ضرور تھے اور آپ سے صراحتاً سازش کا حال نہ کہہ سکے مگر دوسرے پیرایہ میں اُسکو ظاہر کر دیا۔

یہ حاصل ہے اُس مضمون کا جو اس بارہ میں علامہ رفیق بک العظیم مصری نے اشہر مشاہیر اسلام میں لکھا ہے۔ مگر مجھے اس فیصلے سے کچھ اختلاف ہے۔

جفینہ اور ابو لؤلؤہ کا نصرانی ہونا ظاہر ہے اور اُن کو روم و عجم کی سلطنتوں کے تباہ ہونے اور اپنی غلامی اور جلا وطنی کا بے انتہا صدمہ بھی مسلم ہے۔ اور ابو لؤلؤہ کا غم و غصہ کو اپنے حرکات و افعال سے ظاہر کرنا بھی تسلیم ہے اور اس لئے یہ امر بالکل قرینِ قیاس ہے کہ اس کے ارادہ پر

جفینہ بھی مطلع یا شریک رائے ہو۔ اگرچہ جفینہ کا ارتکاب جرم میں کسی درجہ بھی حصہ نہ لینا بتلا رہا ہے کہ جو خباثت و شرارت ابو لؤلؤہ کے دل میں بھری ہوئی تھی اُس سے وہ خالی تھا ورنہ اگر دونوں ابتدا سے اس سازش میں مساویانہ شریک ہوتے تو جفینہ کچھ نہ کچھ عملی حصہ بھی لیتا اور اسطرح الگ تھلگ نہ رہتا۔

مگر ہرمزان اور کعب احبار کو سازش قتل میں شریک سمجھنا یا کم از کم مطلع ہونا قابل تسلیم نہیں ہے۔ ہرمزان بیشک مجوسی تھا مسلمانوں کے ہاتھوں اسکی ریاست بھی برباد ہوئی تھی اور اُسکو عہد شکنی کی عادت بھی پڑی ہوئی تھی لیکن یہ کیا ضرور ہے کہ صدق دل سے مسلمان ہو جانیکے بعد بھی اُسکے اندر دغا بازی و مضرت رسانی کا مضمون باقی رہ گیا ہو۔ دیکھو طلیحہ اسدی اور عمرو ابن معدی کرب دونوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام لائے لیکن بعد وفات مرتدین کے سرگروہ بن گئے طلیحہ نے تو دعویٰ نبوت ہی کر دیا اور عمرو نے اپنی ذاتی شجاعت سے اس فتنہ میں بہت کچھ حصہ لیا اور جب پختہ کار مسلمان ہو گئے تو وہ کارنمایاں کیے جن سے صفحات تاریخ بھرے پڑے ہیں۔

اُن دونوں کی حالتوں میں یہ انقلاب اُس انقلاب سے بہت زیادہ ہے۔ جو ہرمزان کی حالت میں ہوا تھا۔ ہرمزان نے مسلمانوں سے مصالحت کی تھی اور وہ بھی اسطرح کہ جس قدر ملک اس کے قبضے میں ہے اُسپر آزادانہ قابض و متصرف رہے۔ مذہب نہیں بدلا تھا۔ ایسی صورت میں اُسکو تھوڑا سا موقع ملتے ہی سب معاہدوں کو توڑ کر رکھدینا مستبعد بات نہ تھی۔ دنیا کے تمام بہادر و مدبر ایسا ہی کرتے ہیں۔ ضرورت پڑ جانے پر دب جاتے اور صلح کر لیتے ہیں اور وقت ہاتھ لگنے پر پھر خم ٹھونک کر مقابلہ کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب وہ اسیر ہو کر مدینے میں لایا گیا۔ اور ایک عجیب حیلہ سے امن حاصل کر کے مطمئن ہو گیا۔ اور پھر اپنے ارادہ و اختیار سے مسلمان ہوا تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اُس کے اسلام کو نفاق پر محمول کریں۔

ہرمزان خلافت فاروقی کے چوتھے یا پانچویں سال مسلمان ہوا تھا۔ اگر اُس کا اسلام نفاق پر مبنی ہوتا تو اس پانچ چھ سال کے عرصہ میں ضرور اس کی حالت کا اندازہ مسلمانوں کو ہو جاتا اور وہ اُن کی نظروں میں مشتبہ رہتا لیکن تاریخ ہمیں بتلا رہی ہے کہ اُس پر کبھی کوئی اشتباہ نہیں ہوا ہم نہیں سمجھتے کہ جب وہ امن حاصل کر چکنے کے بعد اپنے قدیم مذہب پر قائم رہ کر آزادی سے

رہ سکتا تھا جیسا کہ جفینہ اور ابولولوہ ہے تو اُس کو منافقانہ مسلمان ہو کر خطرہ میں پڑنے کی کیا وجہ تھی کیونکہ مسلمان ہو جانے کے بعد اسلام سے پھر کر مرتدین کی سزا کا مستوجب ہوتا۔

کیا بہت سے اور بجو سی مسلمان ہو کر اپنے اسلام پر آخری دم تک صداقت سے قائم نہیں رہے بیشک جو مسلمان ہوئے صدق دل سے ہوئے۔ اور جو مسلمان بھی نہیں ہوئے مگر مسلمانوں کے زیر سایہ رہے وہ اُنکے حسنِ معاملہ۔ عدل و انصاف، قانونِ مساوات کے ایسے گرویدہ رہے کہ کوئی حرکت خلاف نہ کر سکے الا ماشاء اللہ۔ اس لیئے ہم ہرگز ہرمزان کے اسلام پر شبہ کرنے اور سازش قتل میں شریک سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں سمجھتے۔

یہی وجہ ہے کہ جب عبید اللہ سے قصاص لینے کی تیاری تھی تو کسی نے اُنکو بچانے کیلیئے یہ عذر پیش نہ کیا کہ ہرمزان مسلمان ہی نہ ہوا تھا۔ یا گو بظاہر مسلمان تھا مگر دل سے مسلمانوں اور اسلام کا دشمن تھا قتل کی سازش میں وہ ضرور شریک تھا۔ کیا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ دار الخلافہ میں ایک ایسے شخص کی حالت پر (جہاں اس قسم کے لوگوں کی تعداد بھی زیادہ نہ ہو۔ اور جو ہر وقت اُن پختہ کار بیدار مغز اور ذی ہوش مسلمانوں کے ساتھ شب و روز بسر کرتا ہو) کسی کو بھی کسی قسم کا اشتباہ نہ ہوتا اور کوئی عبید اللہ کا ہمدرد اس موقعہ پر اس عذر کو پیش نہ کر سکتا بلکہ برخلاف اُس کے زیاد بن لبید نے اس اشتباہ کا دفعیہ کیا اور کہا۔ (اتتہمون الہرمزان علی عمر)۔

اگر فقط ابولولوہ جفینہ اور ہرمزان کو سرگوشی کرتے دیکھنا اور عبد الرحمن ابن ابی بکر کو دیکھکر متفرق ہو جانا یا خنجر کا اُنکے پاس سے گرنا اسکی دلیل ہے۔ تو یہ ہرگز کافی نہیں ہے۔ ابولولوہ تو یہ ارادہ پختہ کیئے ہوئے تھا۔ اور اس غرض کیلیئے اُس نے خنجر زہر آلود تیار کیا تھا جفینہ کو بھی اُسکا ہمراز مان لو۔ ان دونوں کا گزر ہرمزان کے پاس ہوا اور اُنہوں نے دیکھنے کو خنجر ہاتھ میں لیا۔ دیکھ کر واپس کر رہے تھے کہ عبد الرحمن بن ابی بکر سامنے آ گئے۔ اُن دونوں کے دلوں میں چور تھا اور چور کو اضطراب ہونا لازمی امر اور فطرت کے موافق ہے۔ اس لیئے گھبرا کر متفرق ہونے لگے اور اسی اضطراب میں خنجر بھی گر گیا۔ لیکن یہ کیسے معلوم ہوا کہ ہرمزان پر بھی کوئی اثر اضطراب کا ظاہر ہوا تھا۔ جو اضطرابی حرکت ہوئی اُن دونوں کی طرف سے ہوئی خنجر بھی اُن دونوں کے پاس سے گرا۔ الغرض اس قرینہ کی وجہ سے بھی ہرمزان مشتبہ ہو سکتا ہے نہ مجرم بنایا جا سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ زیاد بن لبید نے اس قرینہ پر اسکو مشتبہ قرار دینا سفاہت سے تعبیر کیا۔ اور اپنے اُس شعر میں جسکو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ بتلا دیا کہ حوادث کے لئے مختلف سبب ہوتے ہیں۔ کسی ایک واقعہ کے لئے ایک ہی سبب قرار دینا دانشمندی نہیں ہے۔

حاصل یہ کہ ہرمزان کے کسی طرزِ عمل سے مسلمانوں کو اُس کی نسبت کچھ اشتباہ نہیں ہوا تھا۔ اور فقط اس قرینہ سے جو عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے بیان کیا تھا۔ اُس کو مشتبہ نہیں سمجھا گیا اس لئے ہم کوئی وجہ نہیں دیکھتے کہ ہرمزان کو اس سازش میں شریک سمجھا جائے۔

بلکہ حضرات صحابہ اور خود حضرت عمرؓ کے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ ہرمزان کے صادق الایمان ہونے پر انکو اعتماد تھا۔ اس کے اخلاص و نیک نیتی پہ بھروسہ کرکے امور عظام میں امیر بناتے مشورہ طلب کرتے اور اس کی رائے پر عمل پیرا ہوتے۔

بخاری شریف جلد اوّل صفحہ ۴۴۶ میں جبیر بن حیہ سے روایت ہے۔

قال بعث عمر الناس فی افناء الامصار یقاتلون المشرکین فاسلم الہرمزان فقال انی مستشیرک فی مغازیّ ھذہ قال نعم مثلہا ومثل من فیہا من عدو المسلمین مثل طائر لہ راس ولہ جناحان ولہ رجلان فان کسر احد الجناحین نہضت الرجلان والراس وان کسر الجناح الآخر نہضت الرجلان والراس وان شدخ الراس ... ... ذہب الرجلان والجناحان والراس فالراس کسریٰ والجناح قیصر والجناح الآخر فارس فمر

حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو مختلف بلاد میں کفار کے مقابلہ کیلئے بھیجا تھا جب ہرمزان مسلمان ہو گئے تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ میں تم سے اس بارہ میں مشورہ کرتا ہوں کہ مسلمان کسطرف کو زیادہ متوجہ ہوں۔ ہرمزان نے جواب دیا کہ مسلمانوں کے جس قدر دشمن اور مدمقابل ہیں اُنکی مثال ایک جانور کیسی ہے جس کے ایک سر دو بازو اور دو پیر ہوتے ہیں۔ اگر اسکی ایک بازو توڑ دی جائے تو دوسری بازو اور پیروں سے نقل و حرکت کر سکتا ہے اور اگر دوسری بازو بھی توڑ دی جائے تو پیروں اور سر کے ذریعہ سے کھڑا ہو سکتا ہے اور حرکت کر سکتا ہے۔ لیکن اگر سر کچل دیا جائے تو بازو اور پیر سالم بھی رہیں تب بھی کچھ نہیں کر سکتا اسی طرح کسریٰ بمنزلہ سر کے ہے اور ایک بازو قیصر روم ہو دوسری بازو فارس۔ مناسب یہ ہو کہ مسلمان پہلے کسریٰ

المسلمین فلینفر والی کسریٰ۔ | کی طرف متوجہ ہوں۔

تھوڑے سے تامل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ہرمزان کا یہ مشورہ سراسر اخلاص و ہمدردی سے تھا یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے اس رائے پر عمل فرما کر نعمان بن مقرن کو کسریٰ کی طرف بھیجا۔

اس حدیث میں واقعات کا بہت اختصار و اجمال کیا ہے۔ اور راس وجناحین کے اس طور سے تشخص کرنے میں جو ہرمزان نے بیان کیا مورخین و محدثین نے تفصیلی بحث بھی کی ہے مگر مفصل واقعات اور جناح وراس کی تحقیق ہمارے مبحث سے علٰحدہ ہے۔ اس لئے ہم اس کو ترک کرتے ہیں ورنہ اس کی بھی مکمل بحث کردی جاتی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں بذیل شرح حدیث مذکور ہرمزان کے تذکرے میں تحریر فرماتے ہیں

فاسرہ ابوموسیٰ الاشعری وارسل بہ الی عمر مع انس فاسلم فصار یقربہ ویستشیرہ ثم اتفق ان عبید اللہ ابن عمر بن الخطاب اتھمہ بانہ واطاء ابالؤلؤہ علی قتل عمرؓ فعدا علی الھرمزان فقتلہ بعد قتل عمرؓ۔

ابوموسیٰ اشعری نے ہرمزان کو قید کر کے انس بن مالک کے ساتھ حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیجدیا۔ وہاں جا کر وہ مسلمان ہوگیا حضرت عمرؓ اسکو مقرب بنا کر معاملات میں مشورہ فرمانے لگے۔ پھر اتفاق یہ ہوا کہ عبید اللہ بن عمرؓ نے اسکو ابولؤلؤہ کی موافقت اور سازش قتل عمر رضی اللہ عنہ کی شرکت میں متہم سمجھا اور زیادتی کر کے اس کو قتل کردیا۔

حافظ ابن حجر کی تحریر سے دو باتیں صاف معلوم ہوگئیں۔ اوّل یہ کہ حضرت عمرؓ نے اس کو قابل اعتماد سمجھ کر مقرب، اور رازداری کے امور میں اپنا مشیر بنالیا۔ کیا حضرت عمرؓ جیسے مدبر اور صاحب فراست کی نسبت کوئی شخص یہ خیال کرنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ آپ نے ایک منافق اور نمک حرام عہد شکن پر اعتماد کیا تھا۔ ممکن تو ہے مگر حالات اور واقعات اسکی تکذیب کرتے ہیں دوسرے یہ کہ ابولؤلؤہ کی موافقت کے اشتباہ کو اتہام سے تعبیر کرتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ کسی کے نزدیک بھی ان کی حالت مخدوش نہ تھی۔

حافظ موصوف الصدر تقریب میں بھی اس کی نسبت ایسے ہی لفظ لکھتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد اس واقعہ کے بھی قرون مابعد میں اس کو مشتبہ سمجھا گیا تقریب التہذیب کی عبارت یہ ہے۔

بخاری میں ہرمزان سے کلام موقوف منقول ہے وہ مخضرم یعنی آپ کا زمانہ پایا۔ مگر مسلمان بعد میں ہوا طبقہ ثانیہ سے ہے حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ اور جس دن شہید ہوئے اُسی روز مقتول ہوا۔	وقع فی البخاری عنہ کلام موقوف وھو مخضرم من الثانیۃ اسلم علی ید عمر وقتل یوم قتل۔

ہرمزان کے متعلق جس قدر بیان ہوا اُس سے اس قدر ثابت ہوگیا کہ اس کو مشتبہ و متہم سمجھنے کے لئے کوئی وجہ اور قرینہ صحیح نہیں۔ اس لئے اس مضمون کو ختم کر کے کعب احبار کے متعلق بھی کچھ لکھ دینا چاہتے ہیں۔

ہرمزان کی نسبت تو ایک ظاہری بات ایسی بھی تھی جس کی وجہ سے اس پر کسی کو کچھ اشتباہ کی گنجایش ہوتی۔ مگر کعب احبار کی شرکت سازشِ قتل یا کم از کم سازش کے حال سے خبردار سمجھنے کی تو کوئی وجہ ہی نہیں۔

کعب احبار تورات کے عالم تھے۔ اور مسلمان ہو جانے کے بعد صحابہ کو ان پر کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہا تھا بلکہ کتبِ احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ ان کو وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور خوب اختلاط و ارتباط سے معاملہ کرتے تھے۔ مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ امام مالک و ابوداؤد و ترمذی و نسائی ابوہریرہؓ کی حدیث نقل کی ہے۔

ابوہریرہ رضؓ فرماتے ہیں کہ میں طور کی جانب گیا۔ وہاں کعب احبار سے ملاقات ہوئی۔ ہم دونوں کی آپس میں بات چیت شروع ہوگئی۔ وہ مجھ کو توراۃ کی باتیں سُناتے تھے اور میں احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتا تھا۔ میں نے اسی دوران گفتگو میں وہ حدیث بیان کی جسمیں یہ آیا ہے کہ جمعہ کے روز ایک ساعت ہے جسکے اندر مسلمان کی دعا قبول ہوتی ہے۔ کعب نے کہا یہ ساعت ہر جمعہ کو نہیں بلکہ سال بھر میں ایک دفعہ ہوتی ہے میں نے کہا ہرگز نہیں۔ بلکہ ہر جمعہ کو ہوتی ہے۔ کعب نے توراۃ کو دیکھکر کہا بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہر جمعہ کو ہوتی ہے

ابوہریرہ رضؓ فرماتے ہیں۔ اسکے بعد میری ملاقات عبداللہ بن سلام سے ہوئی۔ اور میں نے کعب احبار کی ملاقات اور گفتگو کا تذکرہ کیا۔ جب میں نے کعب کا یہ مقولہ ذکر کیا کہ وہ ساعت

سال بھر میں ایک دفعہ ہوتی ہے تو انہوں نے کہا کذب کعب (کعب غلط کہتے ہیں) اور جب میں نے ذکر کیا کہ تورات کو دیکھکر کعب نے کہا کہ بیشک ہر جمعہ کو ہوتی ہے تو فرمایا صدق کعب (کعب نے ٹھیک کہا)

مذکورہ بالا احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ اُن سے علمی باتیں کرتے اور توراۃ کی باتیں پوچھتے تھے توراۃ میں حضرت عمرؓ کے قتل کی پیشین گوئی مذکور ہونا تعجب کی بات نہیں ہے۔ تورات آسمانی کتاب تھی اور اُس میں گذشتہ واقعات کے ساتھ زمانہ آئندہ کے متعلق بھی خبریں دی گئی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اسمیں بشارت کا ہونا تو محقق امر ہے اگر خلفاء راشدین کا تذکرہ بھی بذیل واقعات کسی ایسے پیرایہ میں ہو جسکو علماء توراۃ خوب سمجھتے ہوں تو اسمیں انکار کی کیا بات ہے

آخر احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں بھی تو قیامت تک کے پیش آنیوالے حوادث کی نسبت تذکرے ہیں۔ خود حضرت عمرؓ کی شہادت کے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ گو اس طرح پر نہ فرمایا کہ عمرؓ شہید ہونگے مگر جس اشارہ سے اس مضمون کو ادا فرمایا وہ صراحۃ سے کم نہ تھا

عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صعد احدا وابوبکرؓ وعمرؓ و عثمانؓ فرجف بھم فضربہ برجلہ فقال اثبت احد فانما علیک نبیٌّ و صدیق و شھیدان۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معہ ابوبکر صدیق اور حضرت عمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے جبل احد پر تشریف لیگئے۔ پہاڑ لرزنے لگا۔ تو آپ نے پیر مار کر فرمایا۔ احد ساکن ہو جاؤ۔ تمہارے اوپر سوائے ایک نبی اور ایک صدیق اور دو شہیدوں کے اور کوئی نہیں

ظاہر ہے کہ دو شہید حضرت عمر و عثمان تھے۔ یہ کنایہ صراحۃ عمر و عثمان و شہیدان کہدینے سے زیادہ بلیغ ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ تورات میں تحریف و تبدیل ہوگئی ہے تو ہم کو اسکے تسلیم کرنے میں کچھ تامل نہیں مگر یہود میں تورات کے ایسے عالم بھی موجود تھے جو صحیح کو سقیم سے جدا کرکے بتلا سکتے تھے احادیث میں بھی ضعیف اور موضوع روایتیں شامل کردی گئیں مگر حفاظ اور نقاد احادیث نے (جزاھم اللہ خیر الجزاء) سب کو الگ کرکے رکھ دیا۔

اگر کعب احبار اس وجہ سے مشتبہ سمجھے جاتے ہیں کہ وہ اصل سے یہودی تھے۔ اور یہود کی بغض و عداوت معلوم ہے۔ تو یہ نہایت ہی پوچ بات ہے یہودی الاصل ہونا اگر وجہ اشتباہ قرار دیا جاسکتا ہے تو عبداللہ بن سلام بھی یہودی تھے۔ کیا کوئی شخص فقط اس وجہ سے کہ وہ

یہودی تھے اُن کے تمام فضائل وکمالات سے قطع نظر کرنے کی جرأت کرسکتا ہے۔ سلمان فارسی بھی اصل سے مجوسی تھے۔ اور پھر نصرانی ہوکر یہود مدینہ میں آکر رہے تھے۔ گویا اس اعتبار سے اُن کی عداوت سہ آتشہ تھی سلمان منا اھل البیت (سلمان ہم اہل بیت میں سے ہیں) کے عالیشان ارشاد سے اُنہیں کی سرفرازی فرمائی گئی تھی اور پھر ہم جب یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بھی اُنکی بات پر اعتماد کرتے تھے۔ اور خاص اس قصہ میں بھی سُنکر یہ فرمایا کہ کیا توراۃ میں میرا نام ہے۔ تورات کی آیات سُننے سے اکراہ وانکار نہیں کیا تو اسوقت انکو مشتبہ قرار دینے کا مطلب صاف یہ ہے کہ تمام صحابہ اور خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دانائی۔ ہوشمندی عقل وفراست پر دھبہ لگایا جائے۔

معمولی سا معمولی شخص بھی حرکات وسکنات اقوال وافعال سے اپنے ہمنشین کی حالت کا اندازہ کرسکتا ہے۔ مگر صحابہ اور حضرت عمرؓ باوجود اس فراست کے ایسے بھولے بھالے سیدھو سادھے تھے کہ کعب احبار انکو ساری عمر دھوکا دیتے رہے اور انمیں سے ایک بھی کبھی متنبہ نہ ہوا بلکہ برابر انکے اخلاص پر اعتماد کرتے رہے۔ اور عبداللہ بن سلام نے بھی جو کعب احبار سے واقف ہونیکے ساتھ تورات کے بڑے عالم تھے کبھی اس دھوکہ سے بچانے کی فکر نہ کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی کعب احبار کے ہم خیال ہونگے۔ لیکن میرے خیال میں شاید ہی کوئی شخص حضرت عبداللہ بن سلام کی بنسبت اس قسم کا خطرہ یا وہم بھی دل میں لانے کی جرأت کرسکے گا۔ اور جب یہ نہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ عبداللہ بن سلام کو تو مشتبہ نہ سمجھا جائے اور کعب احبار کو متہم بنانے میں محض ایسے قیاسات سے جن کے لئے کوئی منشا صحیح موجود نہ ہو کام لیا جائے۔

ہرمزان اور کعب احبار کے متعلق جو کچھ لکھا گیا۔ اگرچہ اصل مضمون سے غیر متعلق ہے مگر میرے نزدیک اس کا صاف کردینا ضرور تھا۔ اس لئے بہت ہی اختصار کے ساتھ اسقدر عرض کردیا گیا۔ مجھے اُمید ہے کہ باخبر اور فہمیدہ اصحاب کیلئے یہ بیان کافی ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جبلۃ بن الایہم کا مرتد ہونا۔

اس مضمون کو مسلسل دیکھنے والے سخت متعجب وپریشان ہونگے کہ سلسلہ مضمون میں اسلام کے پھیلنے غیر اقوام کا حلقۂ اسلام میں داخل ہونے اور اسلام کے محاسن کا بیان ہوتا چلا آتا ہے مسلمان ہوکر مرتد ہوجانے کو اس عنوان سے کیا تعلق ہے لیکن فہمیدہ اور سخن شناس کبھی متعجب نہ ہونگے کیونکہ انکو معلوم ہے کہ ہماری غرض اس عنوان کے تحت میں یہ

امر ثابت کرتا ہے کہ اسلام نے کسی کو بزور اپنے حلقہ میں داخل نہیں کیا۔ اُس نے دنیا کے سامنے اپنی خوبیاں اور اپنے متبعین کے اخلاق و معاملات پیش کئے ہیں جس شخص میں قابلیت اور اہلیت قبول حق کی تھی بخوشی داخل ہوا۔ اسلام نے نہ کسی کو بجبر و اکراہ اپنے اندر بلایا اور نہ ایسے افراد کو جنکے اسلام کی بنیاد مستحکم نہ تھی۔ یا جو اسلامی قوانین کے قبول کرنے اور ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔ جن کے دماغ میں سے سابق خیالات و اعتقادات محو نہ ہوئے تھے۔ اور ان میں اس کی قابلیت بھی نہ تھی کہ کسی وقت سچّے مسلمان بن جائیں اُنکو اپنے حلقہ سے نکال کر باہر پھینک دیا۔

جبلہ کا واقعہ فی الحقیقت ہمارے عنوان کی جس کے ذیل میں یہ حالات و واقعات بیان ہوتے چلے آتے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کی تائید ہے۔ اسی لئے ہم اسکو یہاں لکھنا چاہتے ہیں۔

ناظرین کو معلوم ہو جائیگا کہ جبلہ کے مرتد ہو جانے اور اسلام کے حلقہ اثر میں داخل ہو کر نصرانیت کے حصار میں پناہ پکڑنے سے اسلام کی وہ برتری ثابت ہوتی ہو کہ جبلہ جیسے بہت سے تاجداروں کے اسلام قبول کرنے سے نہ ہوتی اور اس کے اعلیٰ قوانین اعلیٰ و ادنیٰ طبقات کی مساوات خلفاء اسلام کی معدلت و نصفت اور بلا مداہنت تعمیل احکام کا ایسا ثبوت ملتا ہے جسکا وجود زمین کے کسی حصہ پر باقی نہ تھا۔ اور جو صرف اسلام اور محض اسلام کی تعلیم کا اثر تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم اس خاص واقعہ کو لکھیں ملوک غسان کا مختصر تذکرہ اور ان کی اقتدار و سطوت کی اجمالی حالت دکھلا کر جبلہ سے روشناس کرا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سیل عرم[1] کے بعد بنی قحطان کے بہت سے قبیلے یمن کو چھوڑ کر دوسرے اطراف و اکناف میں آباد ہو گئے بنی لخم کے بعض افراد نے یمن سے ہجرت کر کے ملک عراق میں فرات کے قریب حیرہ اور انبار پر آبادی قائم کر کے ایک جدید سلطنت کی بنیاد ڈالی اور یہ سلاطین مناذرہ کے لقب سے مشہور ہوئے اسی طرح اوس و خزرج کے بعض قبیلوں نے ملک شام میں ایک چشمہ پر جس کا نام غسان تھا ڈیرہ ڈالا اور حوران و بلقاء پر قبضہ کر کے عظیم الشان سلطنت قائم کر دی اور ملوک غسانیہ کے معزز اور باسطوت نام سے مشہور ہوگئی۔

عرب کی یہ دونوں سلطنتیں ایک عراق میں اور دوسری شام میں اگرچہ بجائے خود نہایت زبردست اور باسطوت و جبروت تھیں اور اندرونی انتظامات میں خود مختار و آزاد بھی تھیں

[1] غالباً بہت سی حضرات کو سیل عرم کے حالات معلوم کرنیکا خیال پیدا ہو جائے۔ اسلئے ہمارا خیال ہو کہ مضمون زیر عنوان ختم ہونیکے بعد اس کے واقعات بھی اختصار کے ساتھ بیان کردیئے جائیں - ۱۲

مگر اصولی طور پر اول الذکر تو کسریٰ فارس کی اور دوسری قیصر روم کی ماتحت تھیں۔ بغیر منظوری مرکزی سلطنت کے بادشاہ کی تخت نشینی اور اُمور عظام طے نہ ہو سکتے تھے۔ فارس اور روم میں جب کبھی مقابلہ ہوتا تھا تو ہر ایک سلطنت اپنے اپنے ماتحت ریاست سے امداد لیتی تھی۔ اور اس اعتبار سے گویا ملوک حیرہ یعنی مناذرہ اور ملوک غسان میں بھی مقابلہ رہتا تھا۔ ملوک غسان میں سب سے پہلا بادشاہ جفنہ ہوا ہے اور سب سے آخری بادشاہ جبلۃ بن الایہم ہے جسکا تذکرہ اس عنوان میں کیا جائیگا۔

حسان بن ثابت[1] نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر خاص اور مؤید بروح القدس تھے ایک سو بیس برس کی عمر پائی جس میں سے ساٹھ برس زمانۂ جاہلیت میں گذرے اور ساٹھ اسلام میں زمانۂ جاہلیت میں آپ کا تعلق دربار آل جفنہ سے بہت کچھ تھا۔ جبلہ بن الایہم کے یہاں سے نابغۂ ذبیانی جیسے مشہور شعراء جاہلیت کے مقابلہ میں بڑے بڑے انعام وخلعت پائے تھے۔

ملوک غسان نے قیاصرہ روم کے ساتھ تعلق وارتباط کی وجہ سے اپنا قدیم مذہب بت پرستی چھوڑکر عیسائیت اختیار کرلی تھی۔ اور اسی وجہ سے شام کے اکثر قبائل میں نصرانیت کے قدم جم گئے تھے اور یہ قبائل عرب متنصرہ کہلائے جاتے تھے۔

اسلام کی روز افزوں ترقی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صدائے حق بلند و بالا تر ہونے کا تمام ملک عرب پر اثر تھا اور جب تک یہ لوگ اس کے ذائقہ سے واقف نہ ہو گئے، ان کی کوشش یہی رہی کہ اسلام کی اُٹھتی ہوئی قوت کو وہیں دبا دیا جائے۔ اس عالم کے مہکا دینے والے پھول کو کھلنے سے پہلے کلی ہی میں مسل دیا جائے۔ اسی بنا پر جس سے جس قدر ہو سکا اپنا اپنا زور ختم کرکے بیٹھ رہے لیکن قریش مکہ کے بعد سب سے زیادہ جنکو اسلام کی قوت توڑ دینے اور اس کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی فکر تھی وہ ملوک غسان تھے۔ قبائل عرب اگرچہ مقابلہ پر آمادہ ہوتے تھے۔ مگر اُن کے پاس نہ باقاعدہ لشکر تھا اور نہ کسی قسم کا ساز و سامان تھا۔ غسانیوں کی سلطنت نہایت باقاعدہ اور زوردار تھی اُن کا لشکر بھی آراستہ تھا اور سب سے زیادہ یہ کہ ایک زبردست سلطنت سے اُن کے تعلقات وابستہ تھے قیصر روم ہر وقت اُن کی امداد پر آمادہ اور مستعد تھا۔ ملک غسان دل میں اس خیال کو لئے ہوئے بیٹھا اور اسی کشمکش و پیچ میں مبتلا تھا کہ اسی درمیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد شجاع بن وہب الاسدی

[1] ویقال لہ شاعر رسول اللہ صلعم و وصفت عائشۃ رسول اللہ صلعم فقالت کان واللہ کما قال حسان ؎ متی یبد فی الدجی البہیم جبینہ - یلح مثل مصباح الدجی المتوقد ؎ فمن کان او من قد یکون کاحمد - نظام لحق او نکال لملحد

وقد کان رسول اللہ صلعم ینصب لہ منبرا فی المسجد یقوم علیہ قائما یفاخر عن رسول اللہ صلعم و رسول اللہ صلعم یقول ان اللہ یؤید حسان بروح القدس ما نافح عن رسول اللہ صلعم اسد الغابۃ صفحہ ۶ ج ۲

نامۂ مبارک لیکر اسکے نام ایسے وقت پہنچے جبکہ قیصر روم کسریٰ کے مقابلہ سے فارغ ہوکر دوگانۂ شکر ادا کرنے بیت المقدس آیا ہوا تھا اور شاہِ غسان اُنکی دعوت کے انتظام میں مشغول تھا۔ اسی وجہ سے کئی روز حضرت شجاع کو وہاں قیام کرنا پڑا اور رسائی نہ ہوئی۔ مگر اس درمیان میں بادشاہ کا حاجب (اڈیکانگ) اُن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور اسلام کی حقیقت دریافت کرتا رہا۔ اور جب وہ بیان فرماتے تو اس پر رقت طاری ہوتی۔ اور کہتا کہ میں نے انجیل میں پیغمبرِ آخرالزماں کے حالات دیکھے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ وہ شام میں مبعوث ہونگے۔ مگر معلوم ہوا کہ عرب کے بے آب وگیاہ ملک میں مبعوث ہوئے ہیں۔ میں تو ایمان لے آیا۔ البتہ اظہار میں اسکا اندیشہ ہے کہ بادشاہ مجھے قتل کردیگا۔ آخر ایک روز قاصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملک غسان کے سامنے پیش ہوئے۔ اور اُنہوں نے نامۂ مبارک اُسکو دیا جسکا مضمون یہ تھا۔

فانی ادعوک الی ان تومن باللہ وحدہ یبقی لک ملکک۔	میں تم کو فقط ایک خدا پر ایمان لانیکی طرف بلاتا ہوں اگر تم ایمان لاؤ تو تمہارا ملک بحالہ تمہارے لئے رہیگا۔

شاہ غسان نامۂ مبارک کو پڑھ کر بھڑک اُٹھا۔ اور غصہ سے یہ بات کہی کہ میرا ملک کون چھین سکتا ہے میں خود مدینہ پر چڑھائی کرونگا۔ اور اُسی وقت فوجی افسروں کو آراستگی لشکر کا حکم دیا اور قاصد سے کہا جواب خط یہی ہے کہ جو کیفیت تم نے دیکھی ہے بیان کردینا۔ چلتے وقت حاجب نے پیام دیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام کے بعد عرض کردینا کہ میں ایمان لے آیا ہوں۔ حضرت شجاع فرماتے ہیں میں نے ملک غسان کی پوری کیفیت بیان کی تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ باد ملکہ، (اُس کا ملک تباہ ہوگیا) اہلِ سیر نے اسمیں اختلاف کیا ہے کہ نامۂ مبارک کس کے نام لکھا تھا۔ حارث بن ابی شمر غسانی کے نام جو منجانب قیصر روم دمشق کا گورنر تھا یا جبلہ ابن الایہم کے نام جو حوران وبلقار کا تاجدار اور مالک تاج ونگین تھا۔ سیرۃ حلبی میں تو اصل اسکو قرار دیا گیا ہے کہ نامۂ مبارک حارث کے نام تھا۔ اور ابن ہشام وغیرہ دوسرے مصنفین نے لکھا ہے کہ شجاع بن وہب جبلہ کے یہاں نامۂ مبارک لیکر گئے تھے اور بعض نے یہ کہا ہے کہ دونوں کے نام علیحدہ علیحدہ نامہ لیکر گئے تھے۔ میرے خیال میں بھی یہی صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ اصل بادشاہ تو جبلہ تھا۔ اسلئے لازم تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب چھوٹے بڑے ملوک

اور روسار عرب کے نام خطوط بھیجے تو جبلہ کے نام جو سب سے زیادہ طاقتور اور بانخوت تھا کیوں نہ بھیجے
البتہ یہ امر قرین قیاس تھا کہ حارث کے نام خط نہ بھیجا جاتا کیونکہ وہ خود مستقل بادشاہ نہ تھا
بلکہ قیصر روم کا گورنر اور ایک خاص صوبہ پر مامور تھا۔ اور گو مستقل بادشاہ نہ تھا۔ مگر اپنے اقتدار
اور اُس تقرب کی وجہ سے جو دربار قیصر میں اُسکو حاصل تھا۔ جبلہ سے بھی زیادہ باوقعت سمجھا
جاتا تھا۔ کیونکہ گورنر شام سلطنت غسان کا رزیڈنٹ بھی ہوتا تھا۔ قیصر کے احکامات شاہ
غسان تک بواسطہ گورنر شام پہنچتے تھے۔ اس لئے اسکے نام بھی نامہ مبارک بھیجا جانا چاہیے۔

الغرض اس مراسلت کا یہ اثر ظاہر ہوا کہ جو آگ اندر ہی اندر سُلگ رہی تھی اب مشتعل ہو گئی
اور ملک غسان اپنی تمام قوت سے آمادہ پیکار ہو کر مدینہ پر حملہ کرنیکی تیاری میں مصروف ہو گیا۔

غسانیوں کے اسی دیرینہ اور مضمر عداوت اور حال کے اشتعال ہی کا ایک ثمرہ معرکہ موتہ
بھی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل قیصر روم کے نام ایک خط حارث بن عمیر کے ہاتھ
بھیجا۔ ملک شام کے ایک صوبہ پر شرجبیل بن عمرو غسانی منجانب قیصر حاکم تھا۔ حارث جب
اُس موضع میں پہنچے جسکا نام موتہ تھا تو شرجبیل نے حارث سے دریافت کیا شاید تم بھی محمد
(صلے اللہ علیہ وسلم) کے قاصد ہو۔ اُنہوں نے اقرار کیا تو شرجبیل نے اُسی وقت اُنکی گردن ماردی
اس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قاصد کسی جگہ مقتول نہ ہوا تھا اور نہ دنیا کے
قانون میں قاصدوں کا قتل کرنا جائز تھا۔ آپ کو اطلاع پہنچی تو نہایت سخت صدمہ ہوا
اور آپ نے تین ہزار کی جمعیت انتقام کی غرض سے بھیجی[1] اور زید بن حارثہ کو سپہ سالار مقرر فرمایا
لیکن یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر زید مقتول ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب امیر بنائے جائیں
اور وہ بھی مقتول ہوں تو عبد اللہ بن رواحہ امیر مقرر کئے جائیں وہ بھی مارے جائیں تو مسلمان
خود کسی کو منتخب کر لیں ایک یہودی نے جو اس مجلس میں بیٹھا ہوا تھا سُنکر کہا کہ انبیاء بنی
اسرائیل جب ایسا فرماتے تھے تو سب کے سب مقتول ہوتے تھے۔ آپ بھی اگر نبی ہیں
تو یہ تینوں ضرور مقتول ہونگے۔ پھر اس یہودی نے زید بن حارثہ کی طرف مخاطب ہو کر
کہا کہ اگر یہ نبی ہیں تو یاد رکھو کہ تم اب یہاں لوٹ کر نہ آؤ گے جو کچھ کہنا سننا ہے کہہ لو اسپر
حضرت زید نے بلا کسی قسم کے خوف و تردد کے فرمایا (اشہد انہ نبی)۔ (میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نبی ہیں)

[1] بعث رسول اللہ صلعم بعثہ الی موتہ فی جمادی الاولی من سنۃ ثمانیۃ واستعمل علیہم زید بن حارثۃ وقال ان اصیب زید بن حارثۃ فجعفر بن ابی طالب علی الناس فان اصیب جعفر فعبد اللہ بن رواحۃ علی الناس فتجہز الناس۔ ثم تہیئوا فخرج وہم ثلاثۃ آلاف طبری صفحہ ۱۰۴ ج ۳

یہ تین ہزار کی جمعیت جو مسلمانوں کے اعتبار سے تو بھاری لشکر سمجھا جاتا تھا مگر دشمن کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہ رکھتا تھا روانہ ہوئے اور موتہ پہنچکر مسلمانوں کو خبر پہنچی کہ خود قیصر ایک لاکھ رومی لشکر کے ساتھ موجود ہے اور اُسکے ساتھ ڈیڑھ لاکھ عرب متنصرہ اور دوسرے قبائل ہیں۔ غرض اڑھائی لاکھ کی جمعیت سے مقابلہ ہے۔ اس خبر سے مسلمانوں میں تردد پیدا ہو گیا اور دو روز اس مشورہ میں گذر گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اصل حال کی اطلاع بھیجدی جائے اُسپر آپ یا امدادی لشکر بھیجیں گے یا ہم کو واپسی کا حکم دیں گے۔ مگر تیسرے روز عبداللہ بن رواحہ نے مسلمانوں کی ہمتیں بندھوائیں۔ اور کہا کہ ہم آجتک لشکر کی کثرت اور سامان کی عمدگی پر بھروسہ کر کے کبھی نہیں لڑے ہم تو ہمیشہ اپنے دین کی سچائی اور وعدہ ہائے خداوندی پر بھروسہ کر کے میدان میں جاتے ہیں۔ بات ہی کیا ہے یا غالب آجائیں گے یا شہید ہو جائیں گے۔

یہ گفتگو سُنکر سب مسلمان آمادہ ہو گئے۔ لڑائی شروع ہو گئی۔ یہاں تو معرکہ کارزار گرم ہوا وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب حال منکشف ہوتے گئے۔ آپ نے مجمع صحابہ میں فرمانا[1] شروع کیا زید مقتول ہوئے۔ اور جھنڈا جعفر نے سنبھالا جعفر مقتول ہوئے اور جھنڈا عبداللہ بن رواحہ کے سپرد ہوا عبداللہ بن رواحہ بھی مقتول ہوئے اور اب جھنڈا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے یعنی خالد نے ہاتھ میں لیا اور اسکے ہاتھ پر فتح ہوئی۔ تینوں جلیل القدر صحابہ اور سپہ سالاروں کے بعد حضرت خالد امیر ہوئے تو اُنہوں نے لشکر کی ترتیب کو بدل کر جنگ کی ابتدا کی اور دشمن نے یہ سمجھا کہ مسلمانوں کو جدید امداد پہنچگئی۔ اس طرح ایک سخت خونریز معرکہ کے بعد ہر فریق اپنی اپنی موقعہ پر ہٹ گیا اور لڑائی بند ہو گئی مسلمانوں کیلئے فی الحقیقت صحیح وسالم بچکر نکل آنا ہی فتح عظیم تھی۔ کیونکہ مٹھی بھر آدمی اس بے تعداد لشکر سے کیونکر جان بچا سکتے تھے۔ اور اس لئے اُس کو فتح فرمانا بالکل درست تھا۔

لیکن بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت خالد کے حملہ کی تاب نہ لاکر رومی لشکر کو سخت ہزیمت اختیار کرنی پڑی اور اُن میں سے بے انتہا مقتول و مجروح ہوئے۔

فی الحقیقت ان دونوں روایتوں میں کچھ تخالف نہیں ہے حضرت خالد نے لشکر کی ترتیب بدلکر اول بار حملہ کیا تو ایک سخت لڑائی کے بعد ہر دو فریق بلا ہزیمت لڑائی کو ختم کر کے اپنی اپنی موقع پر ہٹ آئے ہوں اور جب حضرت خالد کو یہ معلوم ہوا کہ رومی لشکر میں آثار مرعوبیت پیدا ہو گئے ہیں تو

[1] اخبرکم عن جیشکم ہذا الغازی انہم انطلقوا فلقوا العدو فقتل زید شہیدا فاستغفر لہ ثم اخذ اللواء جعفر فشد علی القوم حتی قتل شہیدا فشہد لہ

دوسرا زبردست حملہ کیا ہو جس سے اُن کے پیر اُکھڑ گئے کیونکہ لڑائی سات روز تک جاری رہی تھی اور اس درمیان میں متعدد بار حملوں اور مدافعت کی نوبت آئی تھی۔

الغرض موتہ کا سخت ترین معرکہ جو حقیقت میں اپنی نوعیت کے اعتبار سے سب سے پہلا معرکہ تھا اور مسلمانوں کا اس وقت تک کسی باقاعدہ لشکر سے مقابلہ نہ ہوا تھا۔ اور سلاطینِ عظام میں کسی کے ساتھ نبرد آزمائی کی نوبت نہ آئی تھی۔ غسانیوں ہی کی عداوت اور سخت تر بغض کا نتیجہ تھا۔

غزوہ تبوک جو سخت ترین غزوہ تھا جس نے کھرے اور کھوٹے کو علیحدہ کرکے رکھدیا جس نے منافقوں کی پوری حقیقت کھولدی۔ اور اسی وجہ سے اسکو فاضحہ یعنی رسوا کرنیوالا بھی کہتے ہیں اسمیں گو معرکہ کارزار کی نوبت نہیں آئی مگر تھا وہ غسانیوں ہی کی عداوت کا ایک شوشہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچائی گئی کہ عرب متنصرہ اور غسانیوں نے ہرقل قیصر روم کو اطلاع دی کہ یہ شخص (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) جو دعوۂ نبوت کرتا تھا ہلاک ہوگیا اور اسکی اُمت کے لوگوں پر قحط سالی کی سخت مصیبت نازل ہے۔ اس وقت سے بہتر دوسرا کوئی وقت اُنکے استیصال کا نہ ملیگا۔ قیصر نے یہ خبر سنکر لشکر عظیم ملک شام میں جمع کیا اور مقدمۃ الجیش کو بلقا یعنی پایۂ تخت ملوک غسان میں بھیجا۔

اس خبر کو سنکر آپ نے بھی بہ نفس نفیس مسلمانوں کی بھاری جمعیت کے ساتھ شام کا قصد فرمایا اس غزوہ میں مقابلہ کی نوبت نہیں آئی۔ بلکہ تبوک پہنچکر معلوم ہوا کہ یہ خبر بالکل بے اصل تھی۔

ان واقعات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ملوک غسان اور عرب متنصرہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے کسقدر بغض تھا۔ اور گویا تمام مخالفین کی منتشر قوتیں سمٹ کر بلقا میں جمع ہوگئی تھیں اور اسی وجہ سے مسلمان بھی اِن کو اہمیت اور اندیشہ کی نظر سے دیکھتے تھے۔

مسلمانوں میں غسان کے حملہ کا جس قدر چرچا تھا اُس کا حال اُس طویل حدیث سے معلوم ہوسکتا ہے جو بخاری وغیرہ کتب حدیث میں عبداللہ بن عباس سے مروی ہے۔

ہم اُس حدیث کو تمامہ نقل کرنا مناسب مقام نہیں سمجھتے۔ البتہ وہ فقرے جو اس غرض سے متعلق ہیں یہاں لکھتے ہیں

حضرت عبداللہ بن عباس نے حضرت عمر رضہ سے دریافت فرمایا تھا ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے وہ دو کونسی ہیں جنکے بارے میں ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما نازل ہوا ہے اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب قصہ بیان فرمایا منجملہ اُس کے یہ ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ کے عوالی[1] میں سے بنی امیہ بن زید میں رہتا تھا۔ ایک انصاری میرے رفیق تھے انکی اور میری یہ قرارداد ہو چکی تھی کہ ہم میں سے ایک شخص اپنی اپنی باری سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرے اور وہاں کے واقعات آکر دوسرے سے بیان کردے۔ اور دوسرا امور خانہ داری وغیرہ ضروریات میں مصروف رہے ہم برابر سنتے تھے کہ غسان مدینہ پر چڑھائی کرنیوالا اور اس کے سامان میں مصروف ہے۔ ہم کو اسکے حملہ کا خوف اور آمد کا اندیشہ لگا ہوا تھا۔ اسی درمیان میں ایک روز میرا رفیق انصاری اپنی باری کے دن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے عشاء کے بعد لوٹا۔ تو اس نے نہایت زور و شدت سے دروازہ کو کوٹا۔ اور کہا کیا عمر گھر میں ہیں۔ اسکے اس خلاف عادت انداز سے میں گھبرا کر نکلا۔ تو اس نے کہا غضب ہو گیا۔ سخت حادثہ پیش آیا۔ میں نے کہا اجاء غسان (کیا غسان آپہنچا)۔

قال لا بل اعظم من ذلك واهول۔ — کہا نہیں اس سے بھی بڑھکر حادثہ پیش آیا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ازواج کو طلاق دیدی ہے۔

حضرت عمرؓ صبح ہی اٹھکر آپ کی خدمت میں پہنچے اور وہاں جاکر معلوم ہوا کہ طلاق کی خبر غلط ہے البتہ آپ کسی وجہ سے رنجیدہ اور یکسو ہو کر بالاخانہ میں تشریف رکھتے ہیں۔

اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غسان کی چڑھائی کا مدینہ کے گھر گھر میں چرچا تھا چھوٹے بڑے سب کو اس کا کھٹکا لگا ہوا تھا۔ گویا ہر وقت اس کی آمد کے منتظر تھے۔ اسی لئے حضرت عمرؓ نے حادثہ کا لفظ سنتے ہی یہ خیال کر لیا کہ غسان آپہنچا۔

یہاں پر یہ خدشہ نہ کیا جائے کہ صحابہ کو جبکہ اپنے غلبہ اور دین اسلام کی کامل اشاعت اور فتح کا یقین تھا انکو ہر قسم کا اطمینان دلایا گیا تھا۔ تو انکو غسان کی وجہ سے اسقدر خوف اور اندیشہ کیوں تھا کیونکہ بیشک انکو اسلام کی برتری اور غلبہ کا یقین کامل تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعادی کو مو بمو سچا سمجھتے تھے انکو یقین تھا کہ ایک دن کسریٰ و قیصر کی سلطنتیں اسلامی علم کے سایہ میں ہونگی غسان بیچارہ کی کیا حقیقت ہے۔ مگر انسانی طبیعت آثار سے ضرور متاثر ہوتی ہے اور ظاہری طور پر سرور و غم۔ شدۃ و رخاء۔ وسعت و تنگی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔

---

[1] عوالی ان محلوں کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے جانب مشرق واقع تھے اور قبیلہ اوس کی منازل انہیں واقع تھیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ امر بھی باعث تشویش ہو تو عجب نہیں کہ اگرچہ انجام کار غسانی خائب و خاسر ہی رہیں۔ مگر معلوم نہیں کہ ایسے سخت معرکہ میں کتنی جانیں ضائع ہوں گی کتنے گھر ویران و برباد ہو جائیں آخر موتہ کے سخت اور عظیم الشان معرکہ میں انہیں غسانیوں کی بدولت مسلمانوں کو کس قدر نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ اُن کے چیدہ برگزیدہ سپہ سالار کام آئے تھے۔ اور اس لشکر کو خواہ اس وجہ سے کہ لڑائی کا اختتام کامل فتح پر نہ ہوا تھا۔ بلکہ حضرت خالد کے حسن تدبیر سے لڑائی اس طرح ختم ہو گئی تھی کہ ہر دو فریق ہٹ گئے تھے۔ یا اس وجہ سے کہ بعض لوگ میدان سے بھاگے تھے (فرارون) (یعنی بھاگنے والے) کہا گیا جس کے دفعیہ کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے (بل انتم الکرارون)۔ (تم بھاگنے والے ہرگز نہیں ہو بلکہ لوٹ کر حملہ کرنے والے ہو)۔

الغرض فتح و غلبہ کے تیقن کے ساتھ ہر ہر شخص میں انفراداً تشویش کا پیدا ہو جانا۔ اور اپنے نفس پر بھروسہ نہ کرنے کی وجہ سے یا ہر شخص خاص کو اپنے انجام کی فکر ہونے سے خوف و اندیشہ کا محسوس ہو جانا صحابہ کے علوم مرتبت۔ توکل اور رسوخ ایمانی کے بالکل منافی نہ تھا۔

یہاں ایک دوسرا شبہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ غسانی کا مدینہ پر چڑھائی کرنا۔ اور مسلمانوں کے استیصال کے ارادہ سے آنا حقیقت میں اسلام کے لئے بھاری اور سخت وقت تھا۔ اگر خدانخواستہ وہ اپنے ارادہ میں کسی درجہ بھی کامیاب ہوتا تو نہ اسلام کی خیر تھی۔ نہ مسلمانوں کا کہیں ٹھکانا تھا۔ پھر حضرت عمرؓ کے رفیق انصاری کا یہ کہنا۔ بل اعظم من ذالک و اھول (بلکہ اُس سے بھی بڑا اور خوفناک حادثہ پیش آیا) کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ غسانی کا فتنہ عام تھا اور یہ صورت خاص تھی جسکا اثر ازواج مطہرات یا اُنکے قریبی رشتہ داروں تک پہنچتا تھا۔ اور وہ اس قسم کا صدمہ تھا جس سے کسی زندگی کے مراحل طے کرنیوالے اور تاہل و معاملات دنیا میں مشغول رہنے والے کا بالکل محفوظ رہنا دشوار اور قریب ناممکن کے ہے اسی وجہ سے اس قسم کے واقعات معمولی سمجھے جاتے ہیں اور انکی مضرت ایک خاص احاطہ سے متجاوز نہیں ہوتی،

اس شبہ کا جواب دیا گیا ہے کہ چونکہ حضرت عمرؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ بھی ازواج مطہرات میں تھیں۔ اسلئے اس صدمہ کا اثر خاص حضرت عمرؓ کی ذات تک زیادہ پہنچتا تھا۔ اور اسی بنا پر اُنکے رفیق انصاری نے اُسکو اعظم قرار دیا۔ یعنی آپ کیلئے غسانی کے حادثہ سے بھی زیادہ ہے۔ یہ جواب بجائے خود صحیح ہے۔ اُس تعلق کی وجہ سے جو آدمی کو اپنی اولاد کیساتھ ہوتا ہے اور اُس

دائمی شرف و فخر کے فوت ہو جانے سے جو در صورت ظہور طلاق تیقن تھا رفیق انصاری کا بہ نسبت حضرت عمر اسکو اعظم و اہول قرار دینا سراسر قرین قیاس اور مطابق عقل تھا۔

لیکن اگر اس وجہ کے ساتھ اسکو بھی ملا لیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو محبت اور عشق ذات مقدس حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا اسکی بنا پر کوئی حادثہ اور کوئی صدمہ اور کوئی مصیبت اگرچہ کتنی ہی بڑی ہو اس سے زیادہ نہ ہو سکتی تھی کہ آپکے قلبِ مبارک کو کسی قسم کی کلفت یا کوئی ملال و صدمہ پہنچے غسانی کا فتنہ ایک ظاہری طور پر تشویش میں ڈالنے والی بات تھی اور حضور کے قلبِ مبارک کا ملال صحابہ کے خرمنِ صبر کو جلا دینے والا۔ اُن کی عافیت و راحت کو برباد کرنیوالا۔ اُن کی زندگی کو تلخ کر دینے والا تھا۔

اس بنا پر سب پریشانیوں پر یہ پریشانی غالب آگئی غسانی کی آمد آمد کی خبریں سب صحابہ صبر و سکون کیساتھ سن رہے تھے فکر تھا تو بمقتضائے بشریت اسی قدر تھا جیسا کہ اس قسم کے واقعات میں ہونا چاہئے ظاہری طور پر نہ کچھ اُسکا اہتمام تھا نہ ایسی ہل چل تھی جسے کوئی اجنبی شخص محسوس کر سکے۔ برخلاف اس صورت کے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو ذرا اندوہگین دیکھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم بے اختیار ہو رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو صبح کی نماز پڑھا کر بالاخانہ پر تشریف لیگئے اور صحابہ کی ایک جماعت منبر شریف کے گرداگرد گریہ و زاری میں مشغول تھی۔

صحابہ کی اس حالت کو دیکھکر ہر شخص خیال کر سکتا ہے کہ یہ صدمہ اُنکے نزدیک بھی اور فی الواقع بھی اُس فتنہ سے جو غسانی کی آمد میں متصور تھا بہت زیادہ تشویش ناک اور خطرناک تھا۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ غسانی جس کے مدینے پر حملہ کرنے کی خبر گرم تھی۔ حارث ابن ابی شمر گورنر دمشق تھا یا جبلہ ابن الایہم تاجدار حوران و بلقاء۔

طبرانی میں عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ یہ غسانی جبلہ ابن الایہم تھا یہی روایت قرین قیاس بھی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ جبلہ خود مستقل بادشاہ او اندرونی انتظامات میں خود مختار تھا۔ اگر قیصر روم کے ایماء سے بھی ایسی صورت پیش آئی ہو تب بھی ظاہر یہ ہو کہ جبلہ ہی آگے کیا گیا ہوگا اور ممکن ہو کہ حارث و جبلہ دونوں کے اتفاق و اتحاد سے ایسا عزم کیا گیا ہو۔ اُدھر قیصر روم نے حارث کو مامور کیا اور ادھر جبلہ آمادہ ہوا ہو۔ واللہ تعالیٰ بالصواب۔

ناظرین ان واقعات سے آپ کو ملوکِ غسان اور اُسکے سب سے آخری بادشاہ جبلہ کا حال بالاجمال معلوم ہوگیا اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ اُنکے تعلقات مسلمانوں سے کس قدر کشیدہ تھے اور یہ کہ قریش مکہ کے بعد جو مدینہ منورہ کا محاصرہ کرکے بے نیل مرام واپس گئے تھے اب اسلام کی شوکت اور عروج کے زمانہ میں باقاعدہ اور جرار لشکر کے ساتھ حملہ کا ارادہ کیا تو صرف ملوک غسان نے اس سے اُنکی عداوت اور قوت دونوں کا اندازہ ہوسکتا ہی

ناظرین یہ ہے وہ جبلہ بن الایہم جس کا تذکرہ اس عنوان میں کرنا چاہتے ہیں۔

جبلہ بن الایہم نے اظہار عداوت میں کوئی کمی نہیں رکھی۔ مگر بایں ہمہ وہ اسلام کے محاسن سے واقف تھا اُسکے کانوں تک اسلام کی خوبیاں پہنچتی رہتی تھیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق اور مرسل من اللہ ہونیکے دلائل و علامات کا بھی اُسکو علم ہوتا رہتا تھا۔ انصار کا مسلمان ہوکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے یہاں ٹھہرانا اور حمایت اور حفاظت کے لئے کمربستہ ہوکر جان ومال کو فدا کردینا بھی رفتہ رفتہ اُسکے اندر اسلام کی تحریک پیدا کررہا تھا کیونکہ انصار اُس کے ہم جد تھے۔

بالآخر یہ تحریک قوی ہوتی گئی اور گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تو گذر گیا۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ خیال اُسکے قلب میں اسدرجہ راسخ ہوا کہ اُس نے خود ہدایت کرکے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں آپ نے نہایت مسرت سے تحریر فرمایا تم بے تکلف چلے آؤ۔

لك مالنا و عليك ما علينا | ہر حال میں تم ہم جیسے بن جاؤگے۔

جبلہ اپنے قبیلہ عک وغسان کے پانسو آدمیوں سمیت روانہ ہوا۔ مدینہ سے دو منزل رہگیا تو حضرت عمرؓ کی خدمت میں اطلاع بھیجی اور اپنے لشکر کے دوسو سواروں کو حکم دیا کہ زربفت وحریر کی سرخ وزرد وردیاں پہنیں اور گھوڑوں پر دیباج کی جھولیں ڈالکر سونے کے طوق اُنکو پہنادیں اور خود اپنا تاج سرپر رکھا اور پوری شان دکھلانے کو اپنے خاندان کی بہترین اور مایہ فخر یادگار قرطِ ماریہ[۱] تاج میں لگائیں اور اس شان سے مدینہ میں داخل ہونے کے لئے تیار ہوا۔

[۱] ماریہ بنت ظالم۔ حجر اکل المرار کی زوجہ اور ہند الہنود کی بہن تمام ملوکِ غسان کی دادی ہو اُسکے پاس دو بالیاں تھیں جنمیں دو موتی کبوتر کے بیضہ کی برابر لگے ہوئے تھے۔ یہ بالیاں اپنی خوبصورت اور بیش قیمت موتیوں کی وجہ سے بے مثل سمجھی جاتی تھیں کہا جاتا تھا کہ روئے زمین کے بادشاہوں کے خزانہ میں ایسے موتی اور ایسی بالیاں نہیں ہیں۔ ملوک غسان کو اُنپر فخر تھا اور وہ اُنکو بیش قیمت اور نادر ہونیکے علاوہ اپنی صاحب اقبال دادی کی

(بقیہ بر صفحہ ۲۲۱)

حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو اُسکے استقبال اور باعزاز و تکریم اُتارنیکا حکم دیا۔ مدینہ منورہ میں ایک عام مسرت اور خوشی کا جوش پھیلا ہوا تھا۔ بچے اور بوڑھے اس جلوس کے نظارہ کے دیکھنے کو نکل کھڑے ہوئے۔ اور نہ صرف مردوں ہی اس پرُ اثر نظارہ کو دیکھنے کا شوق تھا بلکہ بوڑھیاں اور جوان عورتیں کنواری لڑکیاں اور چھوٹی بچیاں سب کی سب جھروکوں اور کھڑکیوں میں دیکھنے کے لئے کھڑی ہو گئیں حقیقت میں مسلمانوں کے لئے اس سے بڑھکر خوشی کی کونسی بات ہو سکتی تھی کہ دین اسلام جسکے پھیلانے کی خدمت اُنکے سپرد ہوئی تھی اُسکے اندر اسطرح رضا و خوشی سے بڑے بڑے تاجدار داخل ہوں لیکن اسوقت یہ خوشی اس وجہ سے بھی دوبالا ہو رہی تھی کہ وہی شاہ غسان جس کے حملہ کا چرچا گھر گھر تھا اور جس کے خوف سے سب سہم رہے تھے آج اس طرح سر تسلیم جھکائے حصار مدینہ میں داخل ہوتا ہے۔ یہ خدا کی قدرت کا ایک تماشا اور اسلام کی ایک کرامت تھی اور اسی وجہ سے سب چھوٹے بڑے بیتابانہ اس جلوس کو دیکھنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔

الغرض اس عزت و تکریم شان و شوکت اور استقبالیہ جماعت کی جھرمٹ میں شاہانہ جلوس کے ساتھ جبلہ مدینہ کے اندر داخل ہوا حضرت عمرؓ نے مراسم مہمانداری میں کوئی کسر نہ رکھی اور مدینہ منورہ میں چند روز ان نئے مہمانوں کی آمد سے خوب چہل پہل رہی۔

زمانہ حج قریب تھا حضرت عمرؓ ہر سال بہ نفس نفیس حج کو تشریف لیجایا کرتے تھے۔ اس سال ارادہ کیا تو جبلہ بھی ہمرکاب روانہ ہوا۔ بدقسمتی سے وہاں یہ بات پیش آئی کہ طواف کی حالت میں جبلہ کے تہبند پر جو بوجہ شان امارت زمین پر گھسٹتا ہوا جاتا تھا قبیلہ فزارہ کے ایک شخص کا پیر رکھا گیا۔ جسکی وجہ سے تہبند کھل گیا جبلہ کو غصہ آیا اور اُسنے اس زور سے تھپڑ مارا کہ اُسکی ناک ٹیڑھی ہو گئی۔

مقدمہ خلافت کی عدالت میں پہنچا حضرت عمرؓ نے جبلہ سے فرمایا کہ یا تم مدعی کو رضامند کرو ورنہ قصاص دینے پر رضامند ہو جاؤ جبلہ کو یہ خلاف توقع فیصلہ سخت ناگوار گذرا۔ اُسنے کہا کہ ایک معمولی شخص کے عوض مجھ سے قصاص لیا جائیگا۔ میں بادشاہ ہوں اور وہ عام رعیت کا ایک فرد آپ نے فرمایا کہ اسلام نے تمکو اور اُس کو بادشاہ اور رعیت کو اپنے احکام میں مساوی کر دیا ہے

(بقیہ صفحہ ۲۲۰) یادگار سمجھکر اُسکا نہایت احترام کرتے تھے۔ اور اسی وجہ سے جبلہ نے یہ دکھلائے کو کہ اپنی اس شاہانہ حیثیت حالت آزادی خود مختاری کو چھوڑ کر دین اسلام میں داخل ہو کر خلیفۃ المسلمین کی اتباع کو گوارا کرتا ہوں۔ ان بالیوں کو بھی اپنے تاج میں لگا لیا تھا ۱۲

کسی کو کسی پر فضیلت ہے تو اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کی وجہ سے۔

جبلہ نے کہا کہ میں تو یہ سمجھکر مسلمان ہوا تھا کہ پہلے سے زیادہ باعزت و محترم ہو کر رہونگا۔ آپنے فرمایا اسلامی قانون کا فیصلہ تو یہی ہے جسکی پابندی ہم پر اور تم پر لازمی ہے۔ اسکے خلاف کچھ نہیں ہوسکتا عزت قائم رکھنی ہے تو اُسکو راضی کر لو۔ ورنہ مجمع عام میں بدلہ دینے کو تیار ہو جاؤ۔

جبلہ نے کہا تو میں عیسائی بنجاؤنگا۔ آپ نے فرمایا تو اب تیرا قتل ضروری ہوگا۔ کیونکہ مرتد کی سزا یہی ہے۔ جبلہ نے کہا تو آپ مجھے اپنے معاملہ میں غور کرنے کے واسطے رات بھر کی مہلت دیجئے۔ یہ درخواست منظور ہوئی۔ جبلہ رات کو لشکر سمیت خفیہ مکہ سے نکل بھاگا اور قسطنطنیہ پہنچکر نصرانی بنگیا۔ قیصر نے اُس کے اکرام میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ عہدہ اور جاگیریں اسکو دیں۔ عزت و احترام میں اپنے مساوی بنا دیا۔

اس عرصہ میں حضرت عمرؓ نے ایک قاصد دعوت اسلام دینے کیواسطے قیصر کے پاس بھیجا قیصر نے اسلام سے تو انکار کیا۔ مگر مصالحت پر رضامند ہوگیا۔ اور اس قاصد سے کہا کہ تمہارا ایک بھائی جو اسلام سے بیزار ہو کر عیسائی بنگیا ہے یہاں موجود ہے اُس سے بھی ملو۔ یہ قاصد جبلہ کے یہاں پہنچے تو قیصر کے دروازہ پر جو ساز و سامان جاہ و جلال نہ دیکھا تھا وہ یہاں دیکھا۔ اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ جبلہ اعلیٰ درجہ کے بلوریں تخت پر جلوہ گر ہے اُس نے مجھکو پہچانا تو اپنے برابر تخت پر بٹھلایا۔ اور مسلمانوں کے حالات پوچھنے شروع کئے میں نے کہا اب تو بہت زیادہ ہوگئے۔ حضرت عمرؓ کو دریافت کیا۔ میں نے کہا بہت اچھی طرح سے ہیں۔ حضرت عمرؓ کی خیریت اور سلامتی کا حال سُنکر اُس کے چہرہ پر انقباض کے آثار ظاہر ہوئے۔ مجھ کو بیٹھنے کے وقت معلوم نہ تھا کہ میں سونے کی کرسی پر بیٹھا ہوں۔ جب معلوم ہوا تو تخت سے نیچے اُتر کر بیٹھ گیا۔ جبلہ نے کہا تم اس اعزاز کو کیوں چھوڑتے ہو۔ میں نے کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایسی جگہ بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ کے نام مبارک کے ساتھ مجھ سے صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سُنکر اُس نے بھی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ زبان سے ادا کئے۔ بعد میں مجھ سے کہا کہ دل صاف ہونا چاہیے پھر کسی جگہ بیٹھنے میں کیا حرج ہے۔

قاصد کہتے ہیں کہ اُس کی زبان سے صلی اللہ علیہ وسلم سُنا تو مجھے اُس کے

مسلمان بنجانے کی طمع ہوئی۔ میں نے کہا کہ جبلہ تم مسلمان کیوں نہیں ہوجاتے۔ کہا کیا ان حرکتوں کے بعد بھی میں مسلمان ہو سکتا ہوں۔

میں نے کہا ایک فزاری شخص نے اس سے بھی بڑھ کر جرم کیا تھا۔ مسلمانوں پر تلوار چلائی تھی پھر وہ مسلمان ہوگیا۔ میں اُس کو مدینہ میں مسلمان چھوڑ کر آیا ہوں۔

جبلہ نے کہا اتنی بات پر تو مسلمان نہیں ہوتا۔ اگر حضرت عمر اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کریں۔ اور اپنے بعد مجھے ولی عہد خلافت بنادیں تو بیشک مسلمان ہو جاؤنگا۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے نکاح کی ذمہ داری تو کرلی۔ مگر ولیعہدی کی ذمہ داری نہ کی اس کے بعد جبلہ نے ایک خادم کو اشارہ کیا۔ فوراً ہی چاندی کی رکابیوں میں کھانا آنا شروع ہوا۔ اور ایک سونے کے خوان میں میرے سامنے بھی رکابیاں رکھی گئیں۔ میں نے ہاتھ کھینچ لیا اُس نے سبب پوچھا۔ میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اُس نے بھی میرے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ادا کئے۔ اور پھر یہی کہا کہ دل پاک ہونا چاہیئے کسی برتن کے اندر کھانے میں کیا ڈر ہے۔

کھانے سے فارغ ہوکر پھر خادم کو اشارہ کیا تو فوراً سونے کی مرصع بجواہر کرسیاں دس اُسکے داہنی جانب اور دس بائیں جانب بچھادی گئیں۔ اور پھر بیس خوش گلو گانے والیاں زیور سے لدی ہوئی قیمتی لباسوں میں نازو انداز سے آکر داہنے بائیں بیٹھ گئیں۔ اور پھر ایک باندی آئی جس کے سر پر ایک خوبصورت چھوٹی سی چڑیا بیٹھی تھی۔ اور دونوں ہاتھوں میں دو پیالیاں تھیں۔ ایک میں مشک اور عنبر باریک پسا ہوا۔ دوسری میں گلاب کا عرق۔ خادمہ نے ایک سیٹی دی جس کو سنکر وہ چڑیا اُڑی اور گلاب کے عرق میں غوطہ لگا کر دوسری پیالی میں لت پت ہوگئی اور جبلہ کے تاج پر جو صلیب تھی اُس کے اوپر جاکر بیٹھی۔ اور اپنے پروں کو اس خوبصورتی سے ہلایا کہ مشک و عنبر کے چھینٹے جبلہ کے چہرے اور ڈاڑھی پر گرے جبلہ غایت سرور سے بہت ہنسا۔ اور ان باندیوں کو گانے کا اشارہ کیا۔ داہنی طرف کی جماعت نے اس خوبی سے گایا کہ جبلہ پر سرور کی کیفیت طاری ہوگئی۔ پھر دوسری جماعت کو اشارہ کیا اُنکے گانے سے اُسپر گریہ طاری ہوا۔

یہ حالت تھی یہ جاہ و جلال تھا۔ یہ احترام و اکرام تھا۔ قیصر کو جو بات نصیب نہ تھی وہ جبلہ کو تھی۔

جبلہ خود بھی بادشاہ تھا اور قیصر کیلئے ایسے باعزاز شخص کا نصرانی بنجانا غنیمت کیا عزت کا باعث تھا۔ اس لئے اپنی ذات سے بھی اُس کو مقدم سمجھتا تھا۔

مگر جبلہ اسلام کی ایک جھلک دیکھ چکا تھا مسلمانوں کے معاملات اُنکے اخلاق اور برتاؤ کا خود تجربہ کیا تھا۔ رہ رہ کر اپنی حرکت پر پشیمان ہوتا تھا۔ اور اسلام کو چھوڑ کر عیسائیت میں داخل ہونے سے سخت بیزار تھا۔

سفیرِ اسلام کو سب کچھ اپنا تزک واحتشام دکھلانے کے بعد نہایت حسرت واندوہ کے ساتھ اشعار ذیل اُس کی زبان پر جاری ہوئے۔

تَنَصَّرَتِ الْاَشْرَافُ مِنْ خَوْفِ لَطْمَةٍ	وَمَا کَانَ فِیْهَا لَوْ صَبَرْتُ لَهَا ضَرَرْ
خاندانی شریف تھپڑ کے خوف سے نصرانی بنگئے	اگر میں اُس پر صبر کرتا تو کچھ نقصان نہ تھا
تَکَنَّفَنِیْ فِیْهَا لَجَاجٌ وَ نَخْوَةٌ	وَ بِعْتُ بِهَا الْعَیْنَ الصَّحِیْحَةَ بِالْعَوَرْ
نخوت اور ہٹ نے مجھ کو گھیر لیا	اور میں نے تندرست آنکھ کو عیب ناک کے بدلے فروخت کیا
فَیَا لَیْتَ اُمِّیْ لَمْ تَلِدْنِیْ وَ لَیْتَنِیْ	رَجَعْتُ اِلَی الْاَمْرِ الَّذِیْ قَالَ لِیْ عُمَرْ
اے کاش میری ماں مجھکو نہ جنتی اور کاش	میں حضرت عمرؓ کے حکم کو مان لیتا
وَ یَا لَیْتَنِیْ اَرْعَی الْمَخَاضَ بِقَفْرَةٍ	وَ کُنْتُ اَسِیْرًا فِیْ رَبِیْعَةَ اَوْ مُضَرْ
اور کاش میں کسی جنگل میں اونٹ چراتا	اور ربیعہ ومضر میں غلام بنا ہوا ہوتا
وَ یَا لَیْتَ لِیْ بِالشَّامِ اَدْنٰی مَعِیْشَةٍ	اُجَالِسُ قَوْمِیْ ذَاهِبَ السَّمْعِ وَالْبَصَرْ
اور کاش ملک شام میں تھوڑا سا روزینہ ہوتا	اور اپنی قوم میں اندھا بہرا ہوکر گذار دیتا

ہر شخص جبلہ کی اس حالت اور اشعار کے مفہوم کو ملا کر اندازہ کر سکتا ہے کہ شاہی جاہ و جلال میں بھی اُسکو اسلام کی سادگی اور برتری رہ رہ کر یاد آتی تھی اور اُس کے دلمیں حسرت اور یاس کے نشتر چبھوتی تھی۔ وہ پشیمان تھا کہ ایک تھوڑی سی بات پر میں نے اسلام کی لازوال دولت کو ہاتھ سے کھو دیا اور دنیا کی ہی حقیقی راحت اور آسایش کو جو حرّیت ومساوات کے سوا کہیں حاصل نہیں ہو سکتی برباد کر کے اس چند روزہ عیش وآرام اور تزک وشان کو خرید لیا۔ مسلمانوں کے اخلاق واوصاف خلیفہ سے لیکر ادنی رعیت تک ایک رنگ میں رنگے ہونا اور تفوق وامتیاز کا نام

تک نہ ہونا آنکھوں میں پھرتے تھے اور وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح پھر اُنمیں جا ملوں۔ مگر بدبختی سد راہ تھی،
راوی کہتے ہیں کہ میں نے واپس ہو کر سب حال حضرت عمرؓ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپنے
ارشاد فرمایا تم نے اُسکی تمام شرطیں کیوں نہ مان لیں وہ اسلام لے آتا۔ ہوتا وہی جو اللہ کو منظور تھا۔

دوسری مرتبہ جب پھر حضرت عمرؓ نے قیصر کے پاس قاصد کو بھیجا تو اُسکو ہدایت کردی کہ جبلہ جو شرطیں کرے اُنکو مان لیا جائے۔ مگر جب یہ قاصد قسطنطنیہ پہنچے تو لوگ جبلہ کو دفن کرکے واپس آرہے تھے۔ سریشی نے شرح مقامات میں جبلہ کے واقعہ کو اسی طرح لکھا ہے۔ مگر اغانی کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیصرِ روم کے یہاں قاصد کا بھیجنا اور جبلہ سے ملاقات کا ہونا متعدد بار ہوا ہے حضرت امیر معاویہ نے بھی ولایتِ دمشق کے زمانہ میں قاصد بھیجا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی بھیجا ہے۔ اور جبلہ سے دونوں قاصدوں کی گفتگو ہوئی ہے۔ حضرت عمر نے جثامہ بن مساحق الکنانی کو بھیجا تھا۔ اور حضرت معاویہ نے عبد اللہ بن مسعدۃ الفزاری کو۔ ایک دوسرا فرق سریشی اور اغانی کی روایات میں یہ ہے کہ مذکورہ بالا شرائط کی گفتگو کو جو جبلہ نے اپنے اسلام کے لئے پیش کی تھیں۔ سریشی نے حضرت عمر کے قاصد کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور اغانی میں حضرت عمرؓ کے قاصد کا سارا واقعہ ملاقات اسی طرح لکھا ہے جس طرح سریشی نے۔ مگر شرائطِ اسلام اور حضرت عمرؓ کی طرف سے اُسکے جواب کا تذکرہ اُسمیں نہیں ہے۔ بلکہ یہ گفتگو حضرت امیر معاویہ کے قاصد عبد اللہ بن مسعدہ کے ساتھ لکھی ہے۔ اور شرائط بھی وہ نہیں جو حسب بیان سریشی ہم نے اوپر بیان کی تھیں بلکہ حسب ذیل شرائط پیش کی تھیں۔

(۱) بیس گاؤں جو غوطہ دمشق میں واقع اور ہماری ملک تھے۔ ہم کو واپس دیدیئے جائیں
(۲) میری تمام جماعت کے لئے بیت المال سے روزینہ مقرر کیا جائے۔
(۳) ہم کو بیش قیمت خلعت و انعامات دیئے جائیں۔

حضرت امیر معاویہ نے اِن شرائط کو قاصد سے سُنکر کہا کہ تم نے کیوں نہ ان شرطوں کو منظور کر لیا۔ میں پورا کرتا اس کے بعد آپ نے اس مضمون کا خط لکھا کہ تمہاری سب شرائط منظور ہیں۔ لیکن اُس کا انتقال ہو چکا تھا۔

ان روایات میں اگرچہ بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ مگر حقیقت میں تعارض نہیں ہے،

یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ حضرت امیر معاویہ نے بھی اُسوقت جبکہ حضرت عمرؓ کی جانب سے ولایت دمشق کے گورنر اور سرحد روم وشام کے محافظ تھے قیصر روم سے مراسلت کی ہو۔ اور اُنکے قاصد کو جبلہ سے ملنے کی نوبت آئی اور اُسکی طرف سے ایسی شرائط پیش کیگئی ہوں جو حضرت امیر معاویہ کے حد اختیار میں ہوں۔ اور جو گو مالی اعتبار سے بھاری ہوں مگر اُنکے تسلیم میں بظاہر عذر وانکار کی کوئی وجہ نہ ہو۔ اور حضرت عمرؓ کے قاصد کے سامنے ایسی سخت شرائط پیش کیں جنکا تسلیم کرنا بظاہر ممکن نہ تھا۔ مگر حضرت عمر نے بکمال دور اندیشی وشفقت اُنکو منظور کر لیا ہو اور دونوں کی طرف سے منظوری کی اطلاع اُسوقت پہنچی ہو کہ اُسکا انتقال ہوچکا تھا۔ ہاں اگر ہم حضرت امیر معاویہ کی مراسلت کو اُس زمانہ کے واقعات میں درج کریں جسوقت وہ مستقلاً دمشق کو دار الخلافت بناکر مسندِ خلافت پر متمکن تھے تو یقیناً دونوں روایتوں میں سے ایک کو غلط کہنا پڑتا ہے۔ مگر یہ احتمال خلاف واقع ہے۔ کیونکہ جبلہ کا انتقال ۲۰ھ یعنی خلافت عمری میں ہوچکا تھا۔

آغانی کی روایت میں اگر حضرت عمرؓ کے قاصد کے ساتھ کسی قسم کے شرائط اور اُنکے جواب کا تذکرہ نہیں ہے تو کچھ ہرج نہیں۔ راوی اکثر روایات میں اختصار کر دیتے ہیں۔ اغانی کے اس ایک ہی واقعہ میں مختلف روایات ہیں۔ بعض روایات مجمل ہیں۔ اور بعض مفصل۔ الغرض جبلہ کے واقعہ میں ہم سرپیشی کی روایات کو قابل اعتماد ٹھیرالیں تو کچھ خرابی لازم نہیں آتی۔

جبلہ کے اس مفصل واقعہ سے ہم کو بہت سے اہم نتائج حاصل ہوتے ہیں۔

نتیجہ اوّل

اسلام نے جو مکمل قانون دنیا کے سامنے پیش کیا اُس کی ایک چمکتی ہوئی اور روشن دفعہ اصول مساوات وحریت کے بھی تھی۔ اسلام نے اپنے اُصول میں شریف۔ رذیل۔ امیر۔ غریب۔ حاکم ومحکوم کو ایک شاہراہ مساوات پر چلایا اور شیر بکری کو ایک گھاٹ پانی پلایا۔ اس مساوات میں مسلم وغیر مسلم کا امتیاز بھی نہ تھا کیونکہ مسلمانوں کے عہد میں داخل ہو کر غیر مسلموں کے حقوق بھی مسلمانوں کے حقوق کے برابر ہوجاتے تھے اور اسلام کے یہ اُصول محض نمایشی نہ تھے بلکہ حقیقی تھے جن پر عملدرآمد کرنا خلیفہ وقت اور اُس کے عُمّال کا فرضِ عین تھا۔

نتیجہ دوم

اسلام کے اعلیٰ اور برتر قانون نے جہاں اسکی اجازت نہیں دی کہ کسی کو بزور وجبر مسلمان بنایا جائے وہیں اُس نے یہ بھی گوارا نہیں کیا کہ جو شخص قوانین اسلام کو حقارت کی نظر سے دیکھے یا کسی قانون سے اپنے آپ کو مستثنےٰ سمجھے وہ اُس کے حلقہ اثر میں رہ سکے۔ اسلام کی حقیقی کسوٹی پر جو پورا اُترتا تھا وہی اُس کے اندر رہ سکتا تھا۔ ورنہ جبلہ کی طرح نکال باہر کردیا جاتا تھا۔

نتیجہ سوم

صحابہ کو اسلام کی اشاعت کا حکم تھا۔ اور وہ اس حکم الٰہی کی نہایت رغبت وشوق سے تعمیل کرتے تھے۔ اُنکو اس سے زیادہ کوئی امر محبوب نہ تھا۔ ایک شخص بھی اُنکے ذریعہ سے اسلام میں داخل ہوجائے تو دنیا کی تمام نعمتوں اور راحتوں سے اُسکو بہتر اور مقدم سمجھتے تھے۔ لیکن باایں ہمہ شغف ورغبت احکام اسلام کے بھی اس درجہ پابند تھے (یا آجکل کی اصطلاح میں اسقدر متعصب اور تنگ خیال تھے) کہ اگر دنیا بھی اسلام یا مسلمانوں کے مخالف بنجائے تب بھی کسی ایک حد شرعی کو چھوڑنا یا کسی اسلامی قانون کو بدلنا گوارا نہ کرتے تھے۔

ایک وہ دن تھا کہ جبلہ نہایت احتشام اور عزت کے ساتھ مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔ مدینہ کی مرد وعورت بچے بوڑھے اُس کے دیکھنے کیلئے گھروں سے نکل پڑے تھے۔ کنواری لڑکیاں بھی جھروکوں میں سے اس اسلامی شان کو دیکھنے کے واسطے چھتوں پر چڑھ گئی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے بھی اُسکے ساتھ وہی معاملہ فرمایا جو ایک بادشاہ کیساتھ ہونا چاہیے۔ اُسکے استقبال کیلئے جلیل القدر صحابہ بھیجے گئے۔ اور اس احترام وشان کے ساتھ وہ ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اور شایان شان اُسکی مہمانی کیگئی۔ لیکن ایک دن وہ آیا کہ اُس نے بادشاہی کی نخوت میں غریب مسلمان کو ذلیل سمجھ کر دست تعدی دراز کیا۔ اور حضرت عمرؓ کے ارشاد لك مالنا تیرے لئے وہی ہے جو ہمارے یعنی مسلمانوں کیلئے کو یاد رکھکر اپنی رفعت وعزت کو بڑھانا اور دوسرے جملہ علیك ما علینا تجھپر وہی باتیں لازم ہیں جو ہمپر کو نظر انداز کرکے اپنی برتری کو قائم رکھنا چاہا۔ تو حضرت عمرؓ نے کچھ بھی پروا نہ کی اور اُسکے ساتھ مثل عام رعایا کے معاملہ کرکے برسر مجمع قصاص کے طالب ہوئے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بدبخت راتوں رات مع اپنے لشکر کے مکہ معظمہ سے نکل بھاگا اور ہرقل کے پاس جاکر نصرانی بنگیا۔ نار کو عار پر ترجیح دی ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ کے اس تشدد کو کوئی شخص تعصب وتنگ خیالی پر محمول کرے یا انکو

سوء تدبیر اور ناعاقبت اندیشی کا مجرم بنانے کو تیار ہو جائے۔ اور یہ کہہ گذرے کہ تھوڑے سے تشدد پر ایک بادشاہ اور اُسکے ساتھ کے سو مسلمانوں کو اسلام کی دولت سے محروم کر دیا۔ اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ایک ایسا دشمن پیدا کر دیا۔ جو اُنکا ہم قوم تھا۔ اور جو اُنکے ماز اُنکے طور و طریق اور اُنکے خصائل وعادات پر مطلع تھا لیکن سچ یہ ہے کہ اس سے اسلام کو کچھ بھی ضعف نہیں پہنچا بلکہ اس اعلیٰ و برتر قانون نے لاکھوں غیر مسلموں کو مائل باسلام کر دیا۔

جبلہ کے مرتد ہو جانے سے جسقدر نقصان متصور ہو سکتا تھا اُس سے ہزار گونہ فائدہ پہنچگیا اور اُس وقت سے اِس وقت تک اسلام کا قانونِ مساوات دنیا بھر کے واسطے رہبر بنگیا۔ جو لوگ معاملاتِ دین پر پختہ کاری اور حدود شرعی سے متجاوز نہ ہونے کو تعصب و تنگ خیالی سمجھتے ہیں اُن کو ذرا غور و فکر سے کام لینا چاہیئے۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت عمرؓ کو جبلہ کے مرتد ہو جانے کا قلق تھا۔ اور جبلہ بھی اسلام کی خوبیوں سے فی الجملہ آشنا ہو گیا تھا۔ اسی وجہ سے جب جبلہ نے دوبارہ مسلمان ہونیکی خواہش ظاہر کر کے سخت شرائط پیش کیں جنمیں ایک یہ بھی تھی کہ حضرت عمرؓ اپنی صاحبزادی کا نکاح مجھ سے کر دیں تو حضرت عمرؓ نے کل ایسی شرطوں کو جن سے اسلام کے کسی ایک حکم شرعی پر مضر اثر نہ پڑتا تھا اور عام مسلمانوں کو بددلی نہ ہوتی تھی قبول فرما لیا۔ مگر بدبختی نے جبلہ کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اور قبل اُس کے کہ اُس کی شرائط کی منظوری کی اطلاع پہنچے راہی عدم ہو گیا۔

نتیجہ چہارم

یہ بھی ممکن تھا کہ حضرت عمرؓ فزاری کو مالی معاوضہ لینے یا معاف فرمانے پر آمادہ فرما دیتے اور اس میں ذرا بھی تردد نہ تھا کہ اگر جبلہ ہمت کر کے قصاص دینے پر رضامندی ظاہر کر دیتا تو حضرت عمرؓ اس معاملہ کو بہ تراضی طے فرما دیتے۔ اور نوبت قصاص نہ پہنچتی۔

یہ بھی ممکن تھا کہ آپ کی فہمایش پر فزاری اول ہی معاف کر دیتا اور یہاں تک نوبت نہ پہنچتی مگر آپ اپنی شانِ محدثیت و فراست سے اس امر کو بخوبی جانتے تھے کہ جبلہ میں غرور سلطنت و نخوت کفر ابھی موجود ہے۔ اسکا علاج اگر ابھی نہ ہوا تو یہ مادہ ترقی پذیر ہو کر انجام کار اس سے زیادہ بری صورت میں ظاہر ہوگا جس کا تدارک دشوار یا ناممکن ہو جائیگا۔ اس لئے آپ نے اُسکو

قصاص دینے پر مجبور کیا۔ اگر جبلہ اوّل ہی مرتبہ اس تلخ گھونٹ کو حلق سے اُتار لیتا تو دین دنیا کی عزت اسکو نصیب ہوتی۔ عوام وخواص کی نظروں میں زیادہ وقعت سے دیکھا جاتا اور انجام کار اُسکو پچھتانا نہ پڑتا اور جہانتک حضرت کی فراست و حسن تدبیر کی طرف خیال کیا جاتا ہے یہ یقینی بات تھی کہ جبلہ کو قصاص دینے کی نوبت نہ آتی فقط اُس کی آمادگی ظاہر ہونے پر فزاری کو معاف کر دینے کا فوراً خیال ہوتا یا آپ کا ایما ہو جاتا اور جبلہ پر کسی قسم کا بدنما دھبّہ نہ لگتا۔

جبلہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے قاصد سے منجملہ شرائط قبول اسلام ایک شرط یہ بھی کی تھی کہ حضرت عمرؓ اپنی صاحبزادی سے میرا نکاح کر دیں۔ اسکا منشا بظاہر یہ تھا کہ امیر المومنین کی جانب سے جو قصاص کا حکم اور ارتداد کی سزا کی دھمکی دی گئی تھی جس سے جبلہ نے اپنی ہتک سمجھی تھی وہ اس طرح زائل ہو جائے۔ نکاح کی شرط اوّل تو فی نفسہ اکثر اوقات ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ ایسے شرائط کا پورا ہونا تو درکنار سننا بھی بسا اوقات گرانی سے خالی نہیں ہوتا خصوصاً ایسی حالت میں کہ خود شرط لگانیوالا خلیفہ اسلام کے فیصلہ سے روگردانی بلکہ حدود اللہ کو توڑ کر نکل بھاگا ہو۔ اس کیلئے تو یہ شرط جسقدر بھی ناممکن العمل ہوتی کم تھا۔ لیکن فاروق اعظم کا بلا کسی ناگواری کے اس شرط کو تسلیم فرمالینا صاف طور سے اسکو بتلا رہا ہے کہ انہیں اسلام سے بڑھکر پیاری کوئی چیز نہ تھی۔ یوثرون علیٰ انفسھم کے سچّے مصداق اور اشداء علی الکفار رحماء بینھم کے واقعی نشان تھے[1] چونکہ اس شرط کا تعلق صرف حضرت عمر کی ذات سے تھا۔ خلافت و امامت سے اسکا کوئی علاقہ نہ تھا اسلئے حضرت عمرؓ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ میرے کسی ذاتی معاملہ کی وجہ سے جبلہ دولت اسلام سے محروم رہے اور وہ جو حدیث میں آتا ہے کہ مومن کامل انسان اُسوقت تک نہیں ہوتا جبتک ماں سے اور باپ سے بیوی سے اور بچوں سے اور کل انسانوں سے زیادہ خدا کے رسول سے محبّت نہ کرے۔ اُسے حضرت عمرؓ نے اس واقعہ میں کر کے دکھلا دیا۔ الآن یا عمر تو ایمانک کی جو بشارت حضرت ترجمان وحی الٰہی کی زبان فیض نشان سے دی گئی تھی۔ وہ ہو بہو پوری ہوئی۔ اس واقعہ سے جہاں ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ دربارہ دین کسی بڑے سے بڑے کی ذرا بھی پرواہ نہ کرتے تھے وہیں یہ بھی نکلتا ہے کہ دین کی ترقی وعروج کے لئے وہ مال و زر فرزند و زن کی بھی کوئی حقیقت نہ سمجھتے تھے اور اُن کے ہر کام میں للّٰہیت نفسانیت پر مقدم رہتی تھی۔

[1] والمعنیٰ ان فیھم غلظۃ و شدۃ علی اعداء الدین ورحمۃ ورقۃ علی اخوانھم المومنین ومدح صفھم بالرحمۃ بعد وصفھم بالشدۃ تکمیل واحتراس فانہ

حضرت عمرؓ مسلمانوں کے جسمانی اور روحانی خلیفہ تھے۔ آپ جس طرح اُنکے ظاہری اخلاق اطوار کی پابندی۔ احکام شرع کی نگہداشت کرتے تھے اُسی طرح یہ بھی چاہتے تھے کہ اُن کے باطنی اوصاف وملکات میں جن پر حقیقتاً اسلام کا مدار ہے۔ نقصان نہ آئے۔ وہ دنیا میں پڑکر اپنے برتر اخلاق وکمالات کو نہ کھو بیٹھیں۔ اس لئے آپ مسلمانوں کو برابر ایسی ہدایت فرماتے تھے جن سے اُن کے حقیقی اسلامی کمالات میں کمی نہ آئے۔ اور بجائے اخلاق فاضلہ کے اوصاف رذیلہ متمکن ہو جائیں اور خود بھی اپنے نفس کے ساتھ وہی معاملہ فرماتے تھے۔

آپ اگر ایک طرف جلیل القدر صحابہ کی خدمت میں ہزاروں اشرفیاں بھیجکر اس امر کو آزماتے تھے کہ کہیں دنیا کی محبت تو اُنکے قلب میں جاگزین نہیں ہوگئی۔ اسی طرح ذرا ذرا سی بات پر اپنے نفس سے بھی مطالبہ کرتے تھے۔ اور ہر خطرہ اور اندیشے کے وقت اپنے نفس کا علاج فرماتے تھے۔ ایک دفعہ قبائلِ عرب کے وفود (ڈیپوٹیشن) اپنے معاملات پیش کرنے بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے۔ تمام معاملات کو طے کرنے کے بعد دربار برخاست ہوا تو خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ کندھے پر مشکیزہ اُٹھا کر ایک غریب مسلمان کے یہاں پانی بھرنے تشریف لیگئے۔ کسی نے اس خصوصیت کا سبب دریافت کیا کہ آپ بہ نفس نفیس خود کیوں تشریف لیگئے۔ اگر اُسکے یہاں پانی کی ضرورت تھی تو کسی خادم کو حکم فرما سکتے تھے۔ فرمایا کہ وفود کے آنے سے جو ایک قسم کی بڑائی پیدا ہونیکا اندیشہ تھا اُسکے معالجہ اور نفس کی اصلاح کے واسطے ایسا کیا۔

یہ تھی حقیقی سیاست اور تہذیب جس سے فقط معاملاتِ باہمی ہی کی اصلاح مقصود نہ تھی بلکہ اصل مقصود اخلاق وملکات کی تہذیب تھی جنکی اصلاح پر کل معاملات کی درستی موقوف ہے اور جن کے فاسد ہو جانے پر کل حالات بدلتے اور معاملات بگڑ جاتے ہیں۔

حضرت عمرؓ خود اپنے نفس کے ساتھ یہ معاملہ فرما کر رعایا کی اصلاح کی فکر فرماتے تھے اور یہی وہ گُر تھا جس سے اسلام نے دلوں پر قبضہ کیا۔

سد مارب یا سیل عرم

اس سے قبل حالاتِ جبلۃ بن الایہم کو بیان کرتے ہوئے سیلِ عرم کا تذکرہ بھی آیا تھا چونکہ دنیا کی تاریخ میں یہ واقعہ بہت سی حیثیتوں سے عجیب اور عظیم الشان گذرا ہے اسلئے ہم نے وعدہ کیا تھا کہ اُسکا حال بھی بیان کیا جائیگا۔ اگرچہ اُس وقت یہ خیال تھا کہ

صرف اسقدر بیان کر دینا کافی ہوگا جس سے ناظرون کو اصل واقعہ کا علم ہوجائے۔ لیکن چونکہ اُس میں اصل مضمون اشاعت اسلام کی تائید بھی ہوگی اس لئے اب ہمارا خیال یہ ہے کہ اُس کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ عرض کریں۔

زمانہ کے انقلاب اگر سبق آموز ہیں۔ قوموں کا عروج و نزول اگر عبرت انگیز ہے۔ دنیا کے تغیرات سے اگر ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ وہ ڈھلتے ہوئے سایہ کی طرح ہے کسی کی مستقل جاگیر نہیں ہے اور کسی کے لئے اس کا دوامی پٹہ نہیں لکھدیا گیا ہے تو یہ واقعہ اُسکی بہترین مثال ہے

خدا تعالیٰ نے اپنے مضبوط قوانین سے دنیا میں عروج و زوال کو دوش بدوش بنا دیا ہے پست سے پست شے کو ایک وقت میں عروج نصیب ہوجاتا ہے اور بلند و بالا تر بھی کسی وقت گمنامی و ذلّت کے غار میں پڑا ہوا نظر آتا ہے۔ مال و دولت، تخت و تاج سب کی یہی حالت ہے کسی کے گھر کو آباد ہوتے دیکھ کر فوراً یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ کسی کا کاشانہ دولت ضرور ویران ہوا ہے اور کسی پر تاج شاہی نظر آئے تو یہ قیاس کر لینا بجا ہے کہ کسی کو الوداع کہکر یہاں آیا ہے۔ اگر کوئی جگہ اسوقت گلزار بنی ہوئی ہے تو ضرور وہ کسی وقت کھنڈر تھے۔ اور جو آج خشک میدان ہیں وہ ضرور ایک زمانہ میں سرسبز اور پر فضا گلزار تھے یہ حالت نہ ہوتی تو آج رومۃ الکبریٰ کی عظمت کی داستان زبان زد نہ ہوتی اور کسریٰ کا مشہور عالم ایوان یوں وحشیوں کا مسکن نہ بنتا۔ امریکہ کے وحشی تہذیب و تمدن کے اُستاد نہ مانے جاتے اور جاپان جیسا حقیر ٹکڑا روس جیسی باجبروت سلطنت کو نیچا دکھلا کر دنیا کے دولِ عظام میں شمار نہ کیا جاتا۔

عرب کے شعراء نے اس مضمون کو خوب ادا کیا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

ولو دامت الدولات کانوا کغیرھم	رعایا ولکن مالھن دوام

اگر دولت و سلطنت ہمیشہ ایک ہی کے پاس رہا کرتی تو اب جو بادشاہ ہیں بھی دوسروں کی طرح رعیت ہوتے لیکن دنیا کی دولت کو دوام نہیں ہے

دوسرا کہتا ہے :-

ھی المنیۃ من یوم الی یوم	دنیا تنتقل من قوم الی قوم
یہ موت ہے کسی کے لئے آج اور کسی کے لئے کل	دنیا ہی جو ایک قوم سے منتقل ہو کر دوسرے کے پاس آتی ہے

متنبی نے ایک مصرعہ میں ساری دنیا کا خلاصہ بیان کر دیا ہے۔

مصائب قوم عند قوم فوائد[لہ]

ایک گروہ کی مصیبت میں دوسرے کے فائدے مضمر ہوتے ہیں

لیکن دنیا کی بے ثباتی اقوام کے عروج و نزول آبادی کے بعد بربادی اور حیوۃ مستعار کے بعد قبر کی گوشہ نشینی کو جس موثر اور پردرد طرز ادا میں حضرت اسد اللہ الغالب کرم اللہ وجہہ نے ادا فرمایا ہے اس خوبی سے کسی نے نہ کیا ہوگا۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں:۔

باتوا علیٰ قلل الاجبال تحرسہم ــ غلب الرجال فلو ینفعہم القلل

بادشاہان جہاں کے کچھ بھی تو آئے نہ کام ــ وہ قوی ہیکل سپاہی اور وہ اونچے مکان

واستنزلوا بعد عز عن معاقلہم ــ الیٰ مقابرہم یا بئس ما نزلوا

چھوڑ کر عیش و طرب کے ساز و ساماں ہائے ہائے ــ آپڑے کنج لحد میں بادشاہان جہاں

ناداہم صارخ من بعد ما دفنوا ــ این الاسرۃ والتیجان والحلل

ہو چکے جب دفن تو ہاتف نے اُنسے یوں کہا ــ تخت طاؤسی کہاں ہے تاج زریں ہے کہاں

این الوجوہ التی کانت محجبۃ ــ من دونہا تضرب الاستار والکلل

وہ سہری چقیں وہ ساز و ساماں کیا ہوئے ــ ہیں کہاں وہ چہرے جو پردوں میں رہتے تھے نہاں

فافصح القبر عنہم حین سائلہم ــ تلک الوجوہ علیہا الدود تنتقل

قبر بولی پوچھتا کیا ہے سروش غیب سن ــ ہیں لحد کے کیڑے اُن پاکیزہ چہروں پر رواں

قد طال ما اکلوا فیہا وما شربوا ــ فاصبحوا بعد طول الاکل قد اکلوا

عمر بھر کھاتے رہے پیتے رہے اور بعد مرگ ــ بن گئے روزی مار و مور اُف اُف الاماں

وطالما کنزوا الاموال وادخروا ــ تخلفوہا علی الاعداء وارتحلوا

عمر بھر جس مال کی دھن میں رہے آشفتہ حال ــ دشمنوں کو دے کے خالی ہاتھ آئے ہیں یہاں

وطالما شیدوا دورا لتحصنہم ــ ففارقوا الدور والاہلین وانتقلوا

چھوٹے آخر پڑے اُن کو مع اہل و عیال ــ جو حفاظت کے لئے پختہ بنائے تھے مکان

اضحت مساکنہم وحشا معطلۃ ــ وساکنوہا الی الاجداث قد رحلوا

ہوگیا ویران اور ہوگا مکاں وہ شہ نشیں ــ جب مکیں کنج لحد میں ہوگئے جاکر نہاں

لہ اس کا پہلا مصرعہ حسب ذیل ہے:۔ بذا تقضت الایام ما بین اہلہا۔

سَلِ الْخَلِیْفَةَ اِذْ وَافَتْ مَنِیَّتُہٗ
اَیْنَ الْجُنُوْدُ وَاَیْنَ الْخَیْلُ وَالْخَوَلُ

کوئی پوچھو تو شہِ عالم سے جب پائی وفات
کیا ہوئی وہ فوج وہ گھوڑے وہ خادم ہیں کہاں

اَیْنَ الْکُنُوْزُ الَّتِیْ کَانَتْ مَفَاتِحُہَا
تَنُوْءُ بِالْعُصْبَةِ الْمَقْوِیْنَ لَوْ حَمَلُوْا

وہ خزانے ہیں کہاں فرمایئے تو کچھ حضور
تالیاں جن کی اُٹھاتے تھے بمشکل پہلواں

اَیْنَ الْعَبِیْدُ الَّتِیْ اَرْصَدْتَہُمْ عُدَدًا
اَیْنَ الْحَدِیْدُ وَاَیْنَ الْبِیْضُ وَالْاَسَلُ

کیا ہوئی شانِ امارت ہیں کہاں اب وہ غلام
وہ زرہ وہ خود وہ نیزے وہ ترکش وہ کمان

اَیْنَ الْفَوَارِسُ وَالْغِلْمَانُ مَا صَنَعُوْا
اَیْنَ الصَّوَارِمُ وَالْخَطِّیَّةُ الذُّبُلُ

ہیں کہاں اب وہ سوار اور آپ کے خدمتگذار
ہیں کہاں باریک نیزہ اور تیغ خوں چکاں

اَیْنَ الْکُفَاةُ اَلَمْ یَکْفُوْا خَلِیْفَتَہُمْ
لَمَّا رَاَوْکَ صَرِیْعًا وَّہُوَ یَبْتَہِلُ

ہیں کہاں مردانِ کاری کیوں نہ آئے آج کام
جب پڑا دیکھا زمیں پر شاہ کو زاری کناں

اَیْنَ الْکُمَاةُ الَّتِیْ مَاجُوْا لِمَا غَضِبُوْا
اَیْنَ الْحُمَاةُ الَّتِیْ تُحْمٰی بِہَا الدُّوَلُ

جوش زن ہوتے تھے غصہ میں کہاں ہیں وہ دلیر
ہائے ہائے ملک دولت کے نگہباں ہیں کہاں

اَیْنَ الرُّمَاةُ اَلَمْ تُمْنَعْ بِاَسْہُمِہِمْ
لَمَّا اَتَتْکَ سِہَامُ الْمَوْتِ تَنْتَضِلُ

تیر اندازوں کی رکھی رہ گئی تیر افگنی
جب لگے تیرِ اجل تم پر برسنے ناگہاں

ہَیْہَاتَ مَا صَنَعُوْا شَیْئًا وَلَا دَفَعُوْا
عَنْکَ الْمَنِیَّةَ اِذْ وَافٰی بِکَ الْاَجَلُ

موت کے جنگل سے بچنا واقعی دشوار تھا
وائے ناکامی نہ کچھ کام آسکے گبرو جواں

وَلَا الرُّشٰی دَفَعَتْہَا عَنْکَ لَوْ بَذَلُوْا
وَلَا الرُّقٰی نَفَعَتْ فِیْہَا وَلَا الْحِیَلُ

دفع کر سکتے نہ تھے وہ دیکے رشوت موت کو
کوئی منتر کوئی حیلہ چل نہیں سکتا یہاں

مَا سَاعَدُوْکَ وَلَا وَاسَاکَ اَقْرَبُہُمْ
بَلْ سَلَّمُوْکَ لَہَا یَا قُبْحَ مَا فَعَلُوْا

جو مقرب تھے انہوں نے خاک غمخواری کی
چھوڑ کر دستِ اجل میں چلدیئے سب مہرباں

مَا بَالُ قَبْرِکَ لَا یَاْتِیْ بِہٖ اَحَدٌ
وَلَا یَطُوْفُ بِہٖ مِنْ بَیْنِہِمْ رَجُلُ

فاتحہ خوانی کو کوئی قبر پہ آتا نہیں
شمع بھی افسوس تربت پر نہیں ہے سوز خواں

مَا بَالُ ذِکْرَاکَ مَنْسِیًّا وَّمُطَّرَحًا
وَکُلُّہُمْ بِاقْتِسَامِ الْمَالِ قَدْ شُغِلُوْا

اقربا کو بھول کر بھی آپ یاد آتے نہیں
مال کی تقسیم میں مشغول ہیں پیر و جواں

مَا بَالُ قَصْرِكَ وَحْشَۃً لَا اَنِیْسَ بِہٖ ۔۔۔ یَغْشَاکَ مِنْ کَنَفَیْہِ الرَّوْعُ وَالْوَھَلُ

خاص ویرانی کے حصہ میں ہوا دیوان عام ۔۔۔ آپ کا قصر ہمایوں ہو گیا ہو کا مکاں

کنج مدفن میں بجز وحشت نہیں کوئی انیس ۔۔۔ خوف و دہشت کے سوا کوئی نہیں ہے پاسباں

لَا تُنْکِرَنَّ فَمَا دَامَتْ عَلٰی مَلِکٍ ۔۔۔ اِلَّا اَنَاخَ عَلَیْہَا الْمَوْتُ وَالْوَجَلُ

موت کا انکار مت کر کھا نہ دنیا کا فریب ۔۔۔ زال دنیا کو غضب کی آتی ہیں عیاریاں

وَکَیْفَ یَرْجُوْ دَوَامَ الْعَیْشِ مُتَّصِلاً ۔۔۔ وَرُوْحُہٗ بِحِبَالِ الْمَوْتِ مُتَّصِلُ

روح کی جب موت سے مڈبھیڑ ہوتی ہے ضرور ۔۔۔ آرزو مند بقا کیونکر ہو کوئی نکتہ داں

وَجِسْمُہٗ لِبُنَیَّاتِ الرَّدٰی عَرَضٌ ۔۔۔ وَمُلْکُہٗ زَائِلٌ عَنْہُ وَ مُنْتَقِلُ

ملک پر غرّہ نہ کر یہ دوسروں کی ارث ہے ۔۔۔ جسم انساں ہے ہلاکت کا نشانہ بیگماں

دنیا کی سب حالتیں منقلب ہونے والی نعمتیں زائل اور حالات بدلنے والے ہیں۔ خواہ موت اُسکو سب جاہ و جلال مال و منال چھوڑنے پر مجبور کرے۔ یا سلب نعمت ہو کر حور بعد الکور کا مصداق بنے۔ سلب نعمت بہت سخت اور عبرت انگیز ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ بطور ابتلاء و امتحان بغرض رفع درجات ہے جیسا مومن کامل ایمان کو بھی خاص خاص صورت میں پیش آ جاتا ہے تو بمقابلہ اُن مراتب رفیعہ کے جو اس کیلئے مقرر کئے گئے ہیں اور بوجہ اُس طمانیت و انشراح صدر کے جو مومن کو حاصل ہے یہ سلب نعمت کچھ افسوسناک امر نہیں ہوتا بلکہ موجب ازدیاد مسرت بنجاتا ہے۔ البتہ اگر بوجہ سرکشی و کفران نعمت یہ سزا دی جائے اور اُسکا ظہور عذاب الٰہی کی صورت میں ملک کے ملک کو تباہ اور عالم کو برباد کر دے تو یہ واقعات جیسا کہ موجودہ زمانہ کے لئے سخت تازیانہ کا کام دیتے ہیں۔ ایسے ہی آنیوالی نسلوں کیلئے عبرۃ اور نصیحت حاصل کرنے کیلئے اپنی ہولناک صورت پیش کرتے رہتے ہیں۔

قوم سبا اور شہر مارب کے وہ عجائب حالات جو ہم تک پہنچے ہیں۔ ایسے ہیں جنپر اوّل وہلہ میں یقین کر لینا عقل انسان سے مستبعد تھا۔ مگر کلام الٰہی میں چونکہ ان واقعات کو خاص شان اور اہتمام سے بیان فرمایا گیا ہے۔ اسلئے اب اُنکی تصدیق میں کچھ بھی تامل نہیں ہو سکتا۔

ہمارا خیال ہے کہ اوّل ہم ان واقعات کو مسلسل بیان کر دیں اور پھر جو نتائج اُس سے مفہوم ہوتے ہیں اُنکو ظاہر کریں اور آخر میں قوم سبا کے متعلق کلام الٰہی میں جو کچھ ارشاد ہے اُسکے ضروری

مباحث بھی درج کردیں اُمید ہے کہ ناظرین اس مضمون سے بہت کچھ فائدہ حاصل کرینگے۔

زمانہ قدیم میں یمن کا ملک سرسبزی و شادابی میں وہ درجہ رکھتا تھا جو آج بڑے سے بڑے متمدن ملکوں کو نصیب نہیں ہے۔ اُسمیں نہایت خوبصورت اور دلربا شہر آراستہ اور عالیشان قصر و محلات موجود تھے صنعا بھی ملک یمن کا ایک خوش منظر شہر تھا جو سرسبزی و شادابی عالیشان عمارات خوش وضع مکانات اور ہر قسم کے دلفریب مناظر و محاسن کے لحاظ سے دمشق کی نظیر سمجھا جاتا تھا۔ اُسکی آب و ہوا ایسی صحت بخش اور خوشگوار تھی کہ موسم سرما میں اگرچہ سردی سخت ہوتی تھی۔ مگر ایسی راحت رساں کہ کسی کو کسی قسم کی بھی تکلیف اُس سے نہ پہنچتی تھی اُسکے باشندے لباس وغیرہ امور کے اعتبار سے نہایت تنعم میں گذارتے تھے۔

قصر غمدان بھی ملک یمن کی کمال صناعی کا ایک بے مثل نمونہ تھا۔ یہ محل قحطان جد امجد اہل یمن کے بیٹے ازال کی زیر نگرانی تعمیر ہوا تھا۔ یہ قصر بیس منزل کا بنایا گیا تھا۔ ہر ایک منزل کا ارتفاع بیس ذراع یعنی بقدر دس گز معماری کے تھا اور سب سے اوپر کی منزل موٹے اور دلدار آئینوں سے مسقف کی گئی تھی اس قصر میں سو کمرے تھے۔

یہ ایک قصر کا حال ہے جسکی وسعت اور تکلفات کا اندازہ اس مختصر بیان سے ہو سکتا ہے اسکے علاوہ اور بھی بہت سے مشہور اور عالیشان قصر محلات اور قلعے تھے جنکی عظمت و خوبصورتی کے افسانے زبانوں پر جاری اور صفحات تاریخ میں درج ہیں مگر ہم اُنکا بیان کرکے طول دینا نہیں چاہتے۔

سبا ابن یشجب بن یعرب بن قحطان یمن کا سب سے پہلا بادشاہ گذرا ہے اُسنے چار سو چوراسی سال سلطنت کی ہے۔ اُسکا اصلی نام عبد شمس تھا مگر چونکہ اُسنے اقوام عرب میں غلامی کا طریقہ جاری کیا اسلئے اُسکو سبا کا لقب دیا گیا اور اُسکی شہرت اس لقب کے ساتھ ایسی ہوگئی کہ اصلی نام گویا فراموش ہوگیا۔

مورخین اور بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ سبا مسلمان تھا اور وہ اپنے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ہزاروں برس پہلے ہی آپ پر ایمان لے آیا تھا اُسکی طرف جو اشعار منسوب ہیں اُس میں صاف صاف اقرار کرتا ہے۔ ان اشعار میں اوّل حضرت سلیمانؑ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ بلقیس[۲] کا واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کے ساتھ ہوا ہے

[۱] لما توفی داؤد ملک بعدہ ابنہ سلیمان علی بنی اسرائیل وکان ابن ثلاث عشر سنۃ وآتاہ مع الملک النبوۃ وسأل اللہ ان یؤتیہ ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی) فاستجاب لہ وسخر لہ الانس والجن والشیاطین والطیر والریح فکان اذا خرج من بیتہ الی مجلسہ عکفت علیہ الطیر وقام لہ الانس والجن حتی یجلس - کامل ابن اثیر صفحہ ۱۲۰

[۲] وتزوجہا سلیمان و احبہا حبا شدیدا وردہا الی ملکہا بالیمن فکان یزورہا کل شہر مرۃ یقیم عندہا ثلاثۃ ایام وقیل انہ امرہا ان تنکح رجلا من قومہا فامتنعت وانفت من ذالک فقال لا یکون فی الاسلام الا ذالک فقالت ان کان ولا بد من ذالک فزوجنی ذا تبع ملک ہمدان فزوجہا ثم ردہا الی الیمن - کامل ابن اثیر صفحہ ۱۲۰

اور انبیار میں سے آپ ہی یمن کے بادشاہ ہوئے ہیں۔ وہ کہتا ہے۔

سیملکؔ بعدنا ملِکٌ عظیم	نبی لا یرخص فی الحرام
ہمارے بعد ایک بڑا بادشاہ مالک ہوگا	جو نبی ہونگے اور کسی فعل حرام کی اجازت نہ دینگے
ویملک بعدہو منا ملوکٌ	یصیر الملک فینا باقتسام

اور اُن ملوک کے بعد جو حضرت سلیمان کے بعد ہونگے ہم میں سے بہت بادشاہ مالک ہونگے۔ اور ملک باہم تقسیم ہوجائیگا

ویملک بعد قحطان نبیؐ	تقی مخبت خیر الانام
اور قوم قحطان کے بعد ایک نبی مالک ہونگے	جو متقی شب بیدار اور تمام مخلوق سے بہتر ہونگے
یسمی احمد ایا لیت انی	اعمر بعد مبعثہ بعام

اُن کا نام احمد ہوگا۔ اے کاش میں اُن کی بعثت کے ایک برس کے بعد تک زندہ رہتا

فاعضدہ واحبوہ بنصری	بکل مدجج وبکل رامی
تو میں اُنکی اعانت کرتا اور انکی نصرت کیلئے	ہر مسلح کامل تیر انداز کو لے جاتا
متی یظہر فکونوا ناصریہ	ومن یلقی یبلغہ سلامی
جب وہ ظاہر ہوں تو اُن کا مددگار رہنا	اور جو اُن سے ملے میرا اسلام پہنچا دے

شہر مارب جس کے حالات یہاں بیان ہونگے اسی بادشاہ سبا کا بنا کردہ تھا۔ بانی کے نام کی وجہ سے اُس شہر پر بھی سبا کا اطلاق ہوجاتا ہے اور اُس قوم کو جو وہاں موجود تھی سبا کہتے ہیں۔ کلام اللہ میں قوم سبا اور سیل عرم کے واقعہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ٥ فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ ٥ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوا وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ ٥ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ ٥ فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ٥

لہ اس میں اشارہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف ہے ۱۲

مطلب یہ ہے کہ قوم سبا کے لئے خاص اُن بستیوں اور وطن میں خدا تعالیٰ کی قدرت اور غیر متناہی نعمتوں کی عجیب نشانی تھی۔ اُنکے گرداگرد دائیں اور بائیں باغوں کی دو قطاریں تھیں اُنکو عام اجازت اور ہماری طرف سے بطور امتنان یہ حکم تھا کہ تم کو جو انواع و اقسام کی نعمتیں دی گئی ہیں۔ اُنکو بے تکلّف کھاؤ اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو اُنکا شہر جسمیں وہ رہتے تھے ایک شہر تھا نہایت پاک و صاف ہر قسم کی تکالیف اور موذیات سے خالی۔ اور رب تھا مغفرت کرنیوالا لیکن اُنہوں نے شکر گذاری اور اطاعت سے انکار کیا۔ بجائے شکر گذاری کے مرتکب کفرانِ نعمت ہوئے تو ہم نے اُنپر سخت اور برباد کن رو کو مسلط کر دیا اور اُنکے سر سبز و شاداب باغوں کے عوض میں دو باغ دیئے گئے جنکے پھل کڑوے بدمزہ تھے اور جنمیں کچھ تھوڑے سے درخت بیری کے تھے۔ یہ سزا اُنکو کفرانِ نعمت کی دی گئی اور ہم ناسپاسوں ہی کو ایسی سزا دیتے ہیں۔ اہلِ سبا پر ہمارے انعام اسی حد تک ختم نہیں ہو گئے تھے۔ بلکہ ہمنے راحت اور آسانی سفر کیلئے اُنکے اور ملک شام کی درمیانی مسافت میں قریب قریب مسافت معین پر گاؤں اور منزلیں بنا دی تھیں جسکی وجہ سے وہ رات اور دن امن و اطمینان کے ساتھ سفر کرتے تھے لیکن اُنہوں نے اس نعمت کی بھی قدر نہ کی بلکہ دعا کی کہ الٰہی ہمارے سفر کی منزلوں میں دوری پیدا کر دے۔ کیونکہ سفر کا لطف بھوک اور پیاس ہی میں حاصِل ہوتا ہے اور ایسی خواہش کرکے اُنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ ہمنے اس ناشکر گذاری کی سزا میں اُنکو ایسا تباہ و برباد کر دیا کہ لوگوں کی زبانوں پر صرف اُنکی کہانیاں باقی رہ گئیں اور وہ متفرق و پریشان کر دیئے گئے اور تمام واقعہ میں صبر کرنیوالوں کے لئے بڑی بڑی علامات اور نشانیاں ہیں۔"

آیات مذکورہ بالا میں قوم سبا کے حالات آبادی کے بعد بربادی، اتمام نعمت کے بعد ناسپاسی اور اُسکی سزا کا اجمالاً بیان ہوا ہے مگر جس انداز سے ہوا ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ دنیا کے عجیب ترین واقعات میں سے ہے اب ہم اُسکی تفصیل مورخین و مفسرین کے اقوال سے منتخب کرکے لکھتے ہیں۔

قوم سبا جن بستیوں میں آباد تھی اُنمیں زراعت کیلئے ندی اور نالوں کا پانی کام میں آتا تھا ستر چھوٹے بڑے ندی اور نالے ایسے تھے جنمیں خاص اوقات کے اندر پانی کی آمدنی ہوتی تھی۔ جیسے برساتی نالوں میں ہوتا ہے۔ اور سال کے سال جو پانی آتا تھا وہ تھوڑا ہوتا تھا جس کی تقسیم میں باہم خوب جنگ و جدل اور قتل و قتال تک نوبت پہنچ جاتی تھی اور جو ایام برسات کے ہوتے تھے اُنمیں رو کے پانی سے جان و مال عمارت و زراعت کا نقصان ہوتا تھا۔ ایک زمانہ اسی حالت میں گذر گیا۔ مگر بلقیس؏ تخت شاہی پر متمکن ہوئی تو اُنکو باہمی مجادلہ اور مقاتلہ سے منع کیا لیکن پانی ایسی حاجت کی چیز ہے جس کے بدون گذارا نہیں ہوسکتا۔ وہ اپنی حالت میں مجبور تھے، بلقیس کے حکم کی اطاعت نہ کرسکے اور اسی لڑائی جھگڑے میں مبتلا رہے بلقیس نے جب یہ دیکھا تو وہ تخت سلطنت سے کنارہ کش ہوکر گوشہ نشین ہوگئی اور ملک بے سرہ گیا اُن لوگوں نے یہ حالت دیکھکر ملکہ سے بملاطفہ درخواست کی کہ زمامِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لیلے۔ مگر اُس نے صاف انکار کردیا۔ جب کسی طرح اُسنے منظور نہ کیا تو ان لوگوں نے دھمکی دیکر کہا کہ یا تو تخت شاہی پر متمکن ہوکر سلطنت کے کام کو سنبھالو ورنہ ہم تم کو قتل کردیں گے۔ ملکہ نے کہا تم عجیب

؏ یہ وہی بلقیس ہو جسکا تذکرہ کلام مجید کی سورہ نمل میں ان آیات کے اندر کیا گیا ہے۔
وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ۝ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ (الی آخر آیۃ) وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ خلاصہ مطلب ان آیات کا جس سے ہماری غرض کو تعلق ہے یہ ہو کہ جن و انس اور طیور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں داخل تھے جب آپ سفر کرتے تو یہ تینوں لشکر ہمراہ ہوتے اور ان لشکروں کی ترتیب بالکل علیحدہ علیحدہ ہوتی تھی ہر ایک لشکر اور جنس کا افسر اعلےٰ اپنے ماتحت حصہ فوج کا ذمہ دار و اُنکی ترتیب کا جوابدہ ہوتا تھا یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی اپنی جگہ سے ٹل جائے یا آگے پیچھے بڑھ جائے۔ جن و انس اور طیور میں سے ہر ایک کیلئے جُدا جُدا خدمتیں معین تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام خود اسکی نگرانی اور پڑتال فرماتے رہتے تھے۔ اسی طرح اس ترتیب اور جلوس کیساتھ آپ نے ایک بار ملک شام سے حجاز کا سفر کیا۔ مکہ معظمہ میں قیام فرمانے کے بعد ملک یمن کا ارادہ کیا اور صنعا پہنچکر قیام فرمایا جہاں سے شہر مارب صرف تین منزل رہ جاتا ہے۔ ہدہد کے یہ خدمت سپرد تھی کہ پانی کے مواقع کی جستجو رکھے اور جس وقت ضرورت ہو فوراً بتلادے۔ صنعا پہنچکر آپ کو پانی کی ضرورت ہوئی ہدہد کو طلب کیا تو وہ موجود نہ تھا آپ نے ناراض ہوکر فرمایا کہ اگر وہ اپنی غیر حاضری کی معقول وجہ نہ بیان کرسکے تو اُسکو سخت عذاب دیا جائے گا۔ تھوڑی دیر میں ہدہد حاضر ہوا اور اُسنے نہایت جرأت کیساتھ غیر حاضری کی وجہ بیان کی کہ میں ایسی بات دریافت کرکے آیا ہوں جس کی آپ کو اطلاع نہیں ہے میں ملک سبا سے آیا ہوں (بقیہ بر صفحہ ۲۳۹)

احمق اور بے عقل ہو مجھکو مجبور بھی کرتے ہو اور میری اطاعت بھی نہیں کرتے۔ اسپر سب نے عہد کرلیا کہ ہم ضرور فرمانبرداری کرینگے۔ تب ملکہ نے پھر کاروبارِ سلطنت کو سنبھالا۔ اور دو پہاڑوں کی درہ کو جسکا طول تین میل اور چوڑائی بھی تین میل تھی بڑی بڑی چٹانوں سیسے اور لوہے کے ذریعہ سے جوڑکر آہنی سد بنادی اور تمام ندی نالوں کے پانی کو باختیار خود بہنے سے روکدیا۔ اس دیوار میں تین دروازے اوپر نیچے ایسے قاعدے اور حساب سے قائم کردیئے کہ جب چاہا دروازہ کھولدیا اور جب چاہا بند کردیا۔ اور نیچے ایک بہت بڑا حوض بنادیا پہلے سب سے اوپر کا دروازہ کھولا جاتا تھا اور جب تک پانی اونچا رہتا اُس دروازہ سے حوض میں آتا۔ اور جب نیچا ہوجاتا دوسرا دروازہ کھول دیا جاتا۔ علیٰ ہذا پھر ضرورت ہوتی تو تیسرا کھولا جاتا۔ مگر اسکی نوبت غالباً کم آتی تھی کیونکہ پانی اس کثرت سے ہوتا تھا کہ اُس کے کم ہونے سے پہلے دوسری برسات آجاتی تھی۔

مورخین اور مفسرین نے یہی لکھا ہی کہ تین دروازے اوپر نیچے بنائے تھے لیکن یہ امر قرین

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۸) جہاں ایک عورت حکمران ہے جس کے پاس تمام لوازم سلطنت اعلیٰ درجہ کے موجود ہیں اور نہایت عظیم الشان تختِ شاہی ہو۔ مگر باایں ہمہ بجائے شکرگذاری کے کفر میں مبتلا ہے۔ وہ اور اُسکی تمام فوج آفتاب کی پوجا کرتی ہے اور میری غرض اس عرض سے یہی ہے کہ وہ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوجائے۔ آپنے سنکر فرمایا کہ ہم اسکی تصدیق کرینگے۔ یہ ہمارا خط لیجاکر اُسکے پاس ڈالدے۔ دیکھیں وہ کیا جوابدیتی ہے۔ ہدہد نے خط لیجاکر ڈالدیا بلقیس نے اپنے اعیان سلطنت کو جمع کرکے سُنایا کہ یہ خط حضرت سلیمان کا ہی وہ تحریر فرماتے ہیں کہ تم مسلمان ہوکر فوراً یہاں حاضر ہوجاؤ۔ اب تم سب مجھ اس بارہ میں مشورہ دو کیا کروں۔ سبنے کہا ہم بڑی قوت اور شوکت والے ہیں ہم خوب مقابلہ کرینگے لیکن کرینگے وہی جو تمہاری رائے ہوگی۔ ہم سب مطیع ہونگے۔

ملکہ نے کہا بادشاہ جب کسی شہر کو فتح کرتے ہیں تو اُسکو ویران کردیتے اور وہاں کے معززین کو ذلیل وخوار کردیتے ہیں۔ میں ایک تدبیر کرتی ہوں اُن کے پاس قیمتی ہدایا اور تحفے بھیجتی ہوں شاید وہ اس طرح نرم ہوجاویں اور بغیر کسی جھگڑے کے مصالحت ہوجائے۔

یہ ہدایا حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے فرمایا کیا تمہارا یہ خیال ہی کہ میں مال و دولت کا طالب ہوں۔ میرے پاس اس سے بدرجہا زائد اور بہتر موجود ہے ان ہدایا کو واپس لیجاؤ۔ ہم ایسے عظیم الشان لشکر سے چڑھائی کرینگے جسکی تابِ مقاومت وہ نہ لاسکیں گے اور ذلیل کرکے اُن کو وہاں سے نکالدیں گے۔

ملکہ کے پاس یہ جواب پہنچا تو وہ سمجھ گئی کہ یہ بادشاہ نہیں بلکہ نبی ہیں ہم کسی طرح اُنکا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ وہ معہ تمام اعیان سلطنت امراء وزراء اور لشکر کے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونیکے لئے روانہ ہوئے۔ جب قریب پہنچگئے تو آپ کو اطلاع ہوئی آپ نے فرمایا کہ کون شخص بلقیس کے پہنچنے سے پہلے

(بقیہ بر صفحہ ۲۴۰)

قیاس نہیں ہے کہ اس قدر طویل دیوار میں پانی کا صرف ایک ہی دروازہ ہو۔اس لئے میری خیال میں تین دروازوں سے یہ مراد ہے کہ پانی کے نکلنے کے تین درجے مقرر کیئے ہر ایک درجہ میں اگرچہ کئی منفذ ہوں مگر اُن سب پر ایک ہی دروازہ کا اطلاق کر دیا گیا۔

حوض کے اندر سے بارہ نہریں نکالی تھیں اور اُن میں صناعی اور انجنیری کا ایسا کمال دکھلایا کہ آن واحد میں اگر سب نہروں میں پانی جاری کر دیا جاوے تو ہر ایک نہر کے اندر ایک رفتار سے جاوے۔ اسکی جانچ اسطرح کی کہ حوض میں مینگنیاں ڈالکر دیکھا گیا۔اور جب دیکھا گیا کہ سب نہروں کی طرف اُنکی رفتار یکساں نہیں ہے بلکہ کسی سمت کو مینگنی سُرعت کیساتھ گئی اور کسی جانب آہستہ تو زمین کی سطح کو ہر جانب ایسا یکساں ہموار کر دیا کہ یہ فرق باقی نہ رہا ان بارہ نہروں سے تمام ملکِ سبا کی آبپاشی ہوتی تھی اور اُسمیں یہ کمال دکھلایا کہ ہر شخص

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۹) اُس کے تخت کو یہاں لاسکتا ہے۔ بقول اکثر مفسرین آصف ابن برخیا نے برکت اسم اعظم اور بقول بعض ایک فرشتے نے جو آپ کے ساتھ رہتے تھے اُسکو آنکھ جھپکنے سے پہلے لاکر سامنے رکھدیا جب بلقیس پہنچی تو آپ نے فرمایا تمہارا تخت ایسا ہی ہے۔ وہ سمجھ چکی تھی کہ وہی تخت ہے۔ مگر احتیاط کے طور پر جواب دیا کہ یہ بالکل اُس ہی جیسا ہے۔ اور مجھے اب ایسے معجزے دکھلانے کی اب ضرورت نہیں رہی مجھے تو اوّل ہی آپ کی نبوت کا احساس اور علم حاصل ہو چکا اور میں تو اسلام لا چکی ہوں۔

یہ مختصر بیان ہے بلقیس کے مسلمان ہونے اور حضرت سلیمان علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہونیکا۔ واقعات کی تفصیل اور تشریح کا یہ موقع نہیں ہے۔ البتہ یہ بیان کر دینا کہ مسلمان ہونیکے بعد اُسکے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا مناسب ہے۔ اکثر مفسرین یہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے فوراً اُس سے نکاح کر لیا اور اُس کو بدستور سلطنت پر برقرار رکھا۔ ہر مہینہ میں ایک بار خود اُس کے پاس تشریف لیجاتے اور تین دن قیام کے بعد واپس تشریف لاتے۔ بلقیس سے آپ کی اولاد بھی ہوئی۔

اور بعض یہ کہتے ہیں کہ مسلمان ہوجانیکے بعد آپ نے اُس سے فرمایا کہ تم اپنی قوم میں سے کسی شخص کو منتخب کرلو جس سے تمہارا نکاح کر دیا جاوے اُسنے کہا کہ مجھ جیسا شخص نکاح کر کے کسی مرد کا تابع اور مطیع بنے۔ نہایت نازیبا بات ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اسلام لانیکے بعد ایسا کرنا ضروری ہے۔ اُسنے کہا کہ اگر نکاح کرنا ضروری ہے تو آپ میرا نکاح ہمدان کے بادشاہ ذاتبع سے کر دیجئے۔ چنانچہ نکاح کر دیا گیا اور ملک یمن بدستور اُن کے حوالے کر دیا گیا۔ ذاتبع نے سلطنت سنبھالی اور جب حضرت سلیمان علیہ السّلام کی وفات ہوئی تو اُنکی سلطنت کا بھی خاتمہ ہوگیا ان دونوں اقوال میں سے جسکو بھی صحیح مان لیا جائے اُسنے اتنی بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد ملکہ بلقیس اپنے ملک میں بحیثیت سلطان مقیم رہی اُس کا ملک زائل نہیں ہوا۔۱۲

اپنی زمین کے لئے ایک آن واحد میں پانی لے سکے۔ اور ظاہر ہو کہ پانی کی ایسی عجیب و غریب تقسیم جب ہی ہو سکتی ہے کہ ملک بھر کو نہایت قرینے کے ساتھ مساوی بارہ حصوں پر منقسم کیا گیا ہو۔ اور نہر میں سے ٹھیک حساب کے مطابق بڑے راجبہے اور اُس میں سے گولیں اور گولوں میں سے نالیاں اس قرینے سے نکالی ہوں کہ ہر کھیت میں وقت واحد کے اندر پانی پہنچ سکے اور پھر ہر نہر کے اندر پانی اس حساب سے لیا گیا ہو کہ تمام چھوٹے بڑے راجبہے کھول دیئے جائیں تو سب کیلئے کافی اور ہر ایک میں بقدر اُس کے اندازے کے جاری ہو سکے۔

یہ دیوار یا پانی کا بند جو ملکہ بلقیس نے بنایا تھا۔ اسی کو سد مارب کہتے ہیں۔ اکثر مورخین و مفسرین کا بیان ہے کہ سد مارب ملکہ بلقیس کے زمانہ میں اُسکے حکم سے تیار ہوئی۔ لیکن بعض دوسرے مورخین لکھتے ہیں کہ سد مارب خود سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان کی بنائی ہوئی ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ لقمان بن عاد نے بنائی تھی جس میں پانی نکلنے کے تیس منفذ تھے اور بعض کہتے ہیں کہ قبائل یمینہ کے جد امجد قحطان نے اُس کو بنایا تھا۔

اس امر کا فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ فی الواقع کس نے بنایا تھا مگر حضرت عبداللہ بن عباس اور وہب سے یہی روایت ہے کہ بلقیس نے بنایا تھا۔ اور اس وجہ سے اس قول کو ترجیح دیجا سکتی ہے بہر حال کسی نے بنایا ہو مگر پانی کی اس عجیب و غریب تقسیم اور ہر وقت بلا دقت و مشقت دستیابی نے تمام ملک کو گلزار بنا دیا۔ باشندے نہایت خوشحالی اور اطمینان کی حالت میں بسر کرنے لگے۔ خدا تعالیٰ نے اُن پر اپنی نعمتوں کے دروازے کھولدیئے اُنکے ملک کو دنیا میں جنت کا نمونہ بنا دیا۔ انکی بستی کے دونوں جانبوں (شمال و جنوب) میں متصل اور متلاصق باغوں کی قطاریں چلی گئی تھیں۔ جانب شرق و غرب کو اس وجہ سے خالی چھوڑا گیا تھا کہ آفتاب کی گرمی اور دھوپ پہنچنے میں برودت اور رطوبت کے غلبہ کا اندیشہ تھا جسکی وجہ سے مزاجوں کے اعتدال اور جسموں کی صحت میں خلل پڑ جانا۔ پھلوں اور میووں کی یہ کثرت تھی کہ ایک عورت اگر اپنے سر پر ڈلیا رکھکر اسطرح گذرے کہ ہاتھ کسی کام میں مشغول ہوں تو بغیر ہاتھ لگائے اور بغیر درخت کو ہلائے ہر قسم کے میووں سے اسکی ڈلیا بھر جاتی تھی۔ میووں کی طلب اور تحصیل میں ذرا بھی حرکت اور جنبش کرنی نہ پڑتی تھی۔

آب و ہوا ایسی فرحت بخش روح پرور اور صحت افزا تھی کہ کوئی موذی جانور۔ خواہ سانپ۔ بچھو

کھٹمل پسّو وغیرہ از قسم حشرات الارض ہوں یا درندے۔ اُسمیں پیدا نہ ہوتے تھے اور نہ زندہ رہ سکتے تھے۔ اگر کسی نو وارد کے کپڑوں میں پسّو۔ کھٹمل یا جوں ہوتی تھی مارب کے حدود میں داخل ہوتے ہی فوراً فنا ہو جاتی تھی۔ باشندوں کو نہ کبھی کوئی مرض پیش آتا تھا اور نہ کسی قسم کا سوء ہضم ہوتا تھا اور نہ ذائقے خراب ہوتے تھے۔ غرض نعمت کے تمام شعبے اُن کو حاصل تھے نہ ایسی عجیب و غریب نعمتوں کے حصول سے کوئی مانع تھا۔ نہ طلب میں دقت اور مشقت لاحق ہوتی تھی۔ اور نہ استعمال کے بعد اُن کو کسی قسم کی ناگواری یا گرانی پیش آتی تھی۔ اور پھر یہ دنیاوی اور جسمانی ہی نعمتیں اُنکو نہیں دی گئی تھیں۔ بلکہ اُس کے ساتھ اسکا بھی اطمینان دلا دیا تھا کہ جسقدر اور جس طرح چاہو ان ہماری نعمتوں اور لذتوں سے فائدہ اُٹھاؤ تم ہر قسم کے مواخذہ سے بری ہو تم سے کچھ پرسش اور باز پرس نہیں ہے، البتہ یہ سب دنیا و آخرت کی نعمتیں عطا فرما کر اُن کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اپنے رب کو جانتے پہچانتے اور اُس کی شکر گذاری ادا کرتے رہو۔

اس کے علاوہ اُن پر اور بھی قسم قسم کے انعاماتِ خداوندی مبذول تھے۔ اپنے وطن میں مقیم رہکر یہ دولتیں اُن کو میسر تھیں۔ جو دنیا میں کسی قوم اور کسی ملک کو حاصل نہ تھیں۔ اور اگر تجارت و تفریح کیلئے ملک سے باہر جاتے سفر کرتے تو اُس میں بھی اُنپر ایسے ہی انعام مبذول تھے ان لوگوں کو زیادہ تر ملک شام کی طرف سفر کرنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ ملک شام کا خطہ اپنی سرسبزی شادابی برکات ظاہری و باطنی میں مشہور و مسلم تھا۔ مارب اور شام کے درمیان کئی مہینے کی راہ تھی اس طویل مسافت میں خدا تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے برابر کے فاصلے اور قرینے کے ساتھ سرسبز و شاداب بستیوں کا سلسلہ قائم فرما دیا گویا صحیح پیمائش کے بعد مساوی حصہ کر کے ایسی منزلیں بنا دیں جن میں مسافرین کی راحت و آرام کے لئے سرائیں اور ہوٹل موجود تھے۔ صبح سے دوپہر تک چلکر اگر مسافر مقام کرنا چاہے تو اُسکو اتنی مسافت پر ایک اچھی آباد اور پُر فضا بستی ملتی تھی جسمیں ہر قسم کی ضروریاتِ زندگی اور سامانِ آسائش مہیا ہوتے تھے۔ علیٰ ہذا دوپہر سے شام تک چلنے والوں کیلئے امن کی یہ حالت تھی کہ راستہ میں نہ کسی درندے کا خوف تھا اور نہ دشمن کا کھٹکا بلکہ ہر ایک کے اوپر ایسی سکون اور صفائی باطن کی کیفیت طاری ہوتی تھی کہ راستہ میں اگر بیٹا باپ کے قاتل کو بھی دیکھے تو اُس میں کسی قسم کی انتقامی حرکت پیدا نہ ہو۔ ہر جگہ کھانے پینے کا سامان

اور آسائش کے سامان مہیا تھے۔ ایک شخص بلا کسی قسم کا توشہ ساتھ لئے تن تنہا بخوف و خطر رات اور دن سفر کر سکتا اور اسی طرح مہینوں کی راہ کو باطمینان طے کر سکتا تھا۔

اسی طرح آرام و آسائش سے ایک زمانہ تک بسر کرتے رہے مگر بالاخر دولت نعمت کا نشہ اُنپر سوار ہوا اُنہوں نے ہر قسم کی بدمستیاں شروع کر دیں ان انعامات خداوندی کو اپنا خانہ زاد اور اپنی ذات و ملک کی خصوصیات یا اپنے کسب و کمالات کے ثمرات سمجھکر خدا کو فراموش کر بیٹھے اور بجائے شکر گذاری کفران نعمت کے مرتکب ہوتے بعض روایات کے مطابق ۱۳ نبی اُنکی ہدایات و اصلاح کے لئے بھیجے گئے۔ مگر اُنہوں نے ایک نہ سُنی اور اُسی اپنے خیال خام پر جمے ہوئے ارتکاب معاصی میں منہمک رہے اور اب ان بے انتہا اور بے مثل نعمتوں کے سلب اور زوال کا وقت آگیا۔

لیکن قبل اسکے کہ ہم اُنکی بربادی کے حالات کو بیان کریں ایک خلجان کو رفع کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ کلام الٰہی کے سیاق سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قوم سبا ان لذائذ و نعما خداوندی سے متمتع ہوئے کیساتھ ایک زمانہ دراز تک خدا تعالیٰ کی عبادت و طاعت میں مصروف اور اُسکی شکر گذاری میں مشغول رہے کیونکہ جملہ رب غفور اسکا مقتضی ہے کہ اُنکی لغزشوں اور خطاؤں سے جو کسی منہمک لذات یا مبتلا تعلقات سے سرزد ہونا غیر اغلب نہیں درگذر کیا جائے اور جو نعمتیں اُنکو دی گئی ہیں اُنپر دینی و دنیاوی مواخذہ نہ کیا جائے۔ اور یہ بغیر اسکے کہ وہ مومن ہوں ممکن نہیں ہے۔ علیٰ ھذا فاعرضوا بھی اسی کو مقتضی ہے کہ اُنہوں نے کچھ عرصے بعد شکر گذاری سے اعراض و انکار کیا۔ اور اسی کی تائید اُس جملہ سے ہوتی ہے جو ابن جریر نے ضحاک سے روایت کیا ہے۔

فعاشوا زمانا من الدھر ثم انھم عتوا و عملوا بالمعاصی	(یعنی ایک زمانہ تک اسی حال میں رہے اور پھر اُس کے بعد سرکشی شروع کر کے معاصی کے مرتکب ہو گئے۔

اور بلقیس جو بانی اس سد مارب کی ہے اُسکی نسبت کلام اللہ میں صاف موجود ہے کہ وہ اور اُسکی قوم آفتاب کی عبادت کرتی تھی۔ لیکن اگر ہم اُن دوسرے اقوال کو ترجیح دیکر یہ تسلیم کرلیں کہ سد مارب کا بانی سبا بن یشجب یا لقمان یا قحطان تھے تب تو کچھ اشکال ہی نہیں کیونکہ یہ لوگ موحد مومن تھے۔ سبا کے اشعار تو ہم اوّل نقل کر چکے ہیں جن سے اُسکا مومن ہونا معلوم ہوتا ہی لقمان وہی ہیں جو داؤد علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور قحطان کی نسبت گو تصریح نظر سے نہیں

گذری مگر سبا جو اُنکا پڑوتا ہوتا ہے مومن تھا۔ تو یہ اغلب اور یقینی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی مومن تھا۔
البتہ بلقیس کو بانی ماننے میں کچھ اشکال نظر آتا ہے لیکن یہ اشکال بھی تھوڑے سے تامل میں رفع ہو سکتا ہے۔ بلقیس نے سدِ مارب ایسے وقت میں بنائی کہ وہ شرک کی حالت میں تھی۔ لیکن آخر میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ پر وہ مسلمان ہو گئی اور مسلمان ہو کر سلطنت کرتی رہی تو اب یہ نتیجہ نکال لینا کچھ دشوار نہیں ہے کہ قوم سبا پر جس قدر انعام و اکرام ہوئے جنکا ذکر کلام الٰہی میں ہے وہ بلقیس کے مسلمان ہونے کے بعد ہوئے ہیں اور گو سدِ مارب بنانے کے بعد اُس ملک کی حالت درست ہو گئی تھی۔ مگر اُس منتہائے درجہ ترقی عروج پر بعد اسلام بلقیس کے پہنچی تھی۔ اور پھر زمانہ دراز تک قوم سبا اسلام پر ثابت قدم عبادت خداوندی میں مصروف اور نعماء الٰہی سے شکر یہ میں صمیم قلب اور اخلاص قلب سے رطب اللسان رہے ہوں۔ اور اُسکے بعد اُنمیں طغیان کفران کا مادہ پیدا ہوا ہو جس نے انجام کار اس تباہی و بربادی تک پہنچا دیا۔
اس خلجان کو رفع کرنے کے بعد اب ہم اصل واقعہ تباہی قوم سبا کی طرف رجوع کرتے ہیں،
مفسرین اور مورخین کا اسپر تو اتفاق ہے کہ سد مارب کے خراب ہونے اور بند کو توڑ کر سیلاب کے آنے کا ظاہری سبب یہ ہوا کہ چوہوں نے اُسمیں جابجا نقب لگا کر سوراخ کر دیئے تھے مگر واقعات کے بیان اور ترتیب میں اختلاف ہے،
ابن جریر طبری اور ابن حاتم نے وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ قوم سبا جب سرکشی اور تمرد میں حد سے گذرنے لگی تو اُنکی ہدایت کو تیرہ (۱۳) نبی بھیجے گئے مگر اُنپر کچھ اثر نہیں ہوا۔ اُنکو سد پر اعتماد تھا کہ سیل وغیرہ اُن تک نہیں پہنچ سکتی۔ البتہ علم کہانت کے ذریعہ سے اُن کے ذہن میں یہ بات جمی ہوئی تھی کہ اُنکے آہنی سد کو چوہے خراب کر ڈالیں گے اس سے محفوظ رہنے کی تدبیر کر لی تھی کہ اس دیوار پر جہاں دو چٹانوں کے درمیان کچھ ذرا سا بھی سوراخ دیکھا وہاں ایک بلی کو باندھ دیا تاکہ چوہا اُسمیں داخل نہ ہو سکے۔ اور نہ اُسکے قریب آ سکے۔ مگر جب اُسکے ٹوٹنے کا زمانہ آیا تو ایک سرخ چوہے نے بلی پر حملہ کیا جس سے ڈر کر وہ پیچھے کو ہٹی اور چوہے نے اندر گھس کر کھودنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ انجام کار سیلاب نے دیوار کو توڑ دیا۔
اس روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال عام طور پر اُن لوگوں میں پھیلا ہوا تھا کہ

اُسکی تباہی چوہوں سے ہوگی اور اس سے محفوظ رہنے کی یہ تدبیر کی تھی۔

اور ایک روایت یہ ہے کہ قوم سبا نے اپنے بے انتہا ترفہ وتنعم کی وجہ سے اعلیٰ درجہ کی تکلفات اختیار کر رکھے تھے۔ اُنکی ایک عام نشست گاہ تھی جسمیں سنگِ مرمر کا فرش لگا ہوا تھا۔ اس جگہ اُنکا اجتماع ہوتا تھا۔ ایک روز چند نصاریٰ وہاں پہنچے۔ اُنہوں نے اُنکی یہ حالت دیکھکر کہا کہ تم لوگ اُس ذات کی شکر گذاری اور عبادت کرو جس نے تم کو یہ تمام نعمتیں عطا فرمائی ہیں اُنہوں نے جواب دیا ہم کو یہ نعمتیں کسی نے نہیں دیں۔ ہمنے جو کچھ پایا ہے وہ ہمارے باپ دادا کا متروکہ ہے۔ غرض کسی نے اسکی بات پر کان نہ دھرا۔ مگر ذویزن اُس مجلس میں موجود تھا وہ تاڑ گیا کہ یہ بات معمولی نہیں ہے۔ ان لوگوں نے جو کچھ کہا ہے اُسکا نتیجہ نکلنے والا ہے اُس نے اُسی وقت یہاں سے جلاوطن ہوجانیکا قصد کرلیا۔ اور اُسکی تدبیر یہ نکالی کہ اپنے بیٹے سے کہا کہ کل بھری مجلس میں آکر تو میرے چہرے پر تھپڑ مارنا۔ اگر ایسا نہ کریگا تو میں تجھ سے عمر بھر کلام نہ کرونگا۔ بیٹے نے ایسا ہی کیا اُسنے کہا میں ایسی سرزمین پر جہاں بیٹے نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہر گز رہنا نہیں چاہتا میں اپنی جائداد فروخت کرڈالنا چاہتا ہوں۔ لوگوں نے اسکو غنیمت سمجھکر تمام جائداد و مکانات خوب اچھے داموں خرید لیے ذویزن وہاں سے رخصت ہوگیا اور اُس کے بعد چوہوں نے سد کو تباہ کردیا۔

ایک روایت قتادہ اور عکرمہ سے ہے اور اکثر مؤرخین نے اسی روایت کو قابل اعتماد قرار دیا ہے جسکا حاصل باوجود جزوی اختلاف کے یہ ہے کہ عمرو بن عامر جو انصار مدینہ منورہ کے جد امجد تھے یا اُنکے بھائی عمران بن عامر۔ ان دونوں میں سے کسی ایک کا یہ واقعہ ہے اُنکے پاس اسقدر باغات اور جائداد تھی کہ کسی دوسرے کے پاس نہ تھی۔ یہ خود بھی کاہن تھے اور اُنکے یہاں ایک عورت تھی جسکا نام طریفہ تھا یہ عورت علم کہانت میں کمال رکھتی تھی اس عورت نے اُنکو اطلاع دی کہ سد مارب ٹوٹکر سیلاب عظیم آنیوالا ہے جو ملک کو تباہ کردیگا۔ اور اسکی علامت یہ ہے کہ اس میدان میں جو سد کے نیچے ہے ایسے بڑے بڑے چوہے نظر پڑیں گے جو اتنی بڑی چٹانوں کو جنکو بہت سے آدمی بھی ملکر نہیں ہلاسکتے اُٹھاکر پھینکدیں گے۔ یہ سنکر وہ اپنے خواص میں سے چند لوگوں کو لیکر جنگل میں پہنچا تو دیکھا کہ واقعی ایک چوہا اتنے بڑے پتھر کو جسکو ستّر آدمی نہیں اُٹھاسکتے سد میں سے نکالکر پھینکدیتا ہے یہ دیکھکر اُس نے اپنے کنبہ کے تمام سمجھدار لوگوں کو جمع کرکے یہ حال بیان کیا اور کہا اس

 وکانت مساکن الازد بمارب من الیمن الی ان اخبر الکہان عمرو بن عامر ان سیل العرم یخرب بلادھم ویغرق اکثر اہلہا عقوبۃ اللہ تعالیٰ لہم بسل اللہ الیہم فلما علم ذالک عمرو باع مالہ من مال وعقار وسار عن مارب ہو ومن تبعہ ثم تفرقوا فی البلاد فسکن کل بطن ناحیۃ اختارو ہا فسکنت

امر کو بالکل مخفی رکھو ہمارا خیال ہے کہ ہم کسی حیلہ سے اپنی جائداد و باغات اور مکانات فروخت کر کے نکل جائیں اُسنے اپنے برادر زادہ حارثہ کو بلا کر کہا کہ کل جب مجلس میں اشراف و اعیانِ ملک جمع ہوں تو میں تم کو کسی بات کا حکم دونگا تم اُسکے ماننے سے انکار کر دینا میں تم کو مارونگا تم بھی میرے تھپڑ مارنا۔ بھتیجہ نے کہا یہ کیونکر ممکن ہے کہ بیٹا باپ کو مارے اُسنے کہا ایسا ہی کرنا ہوگا۔ اسمیں تمہاری اور ہماری مصلحت ہے۔ اگلے روز جب سردار اور اشراف سلام کی غرض سے حاضر ہوئے تو حسب قرارداد عمران نے حارثہ کو حکم دیا اُسنے تعمیل سے انکار کر دیا۔ عمران نے حارثہ کو لکڑی ماری۔ حارثہ نے بھی عمران کے زور سے تھپڑ رسید کیا اسپر عمران بگڑ گیا اور کہا کہ چھری لاؤ میں اسکو اسی وقت ذبح کرتا ہوں۔ تمام حاضرین نے سفارش کی کہ جرم بیشک سخت ہے مگر قتل سے درگذر کر کے اور کوئی سزا چاہے کتنی ہی سخت ہو دیجائے عمران نے کہا ہرگز نہیں میں اسکو ضرور ذبح کرونگا۔ لوگوں نے جب دیکھا کہ عمران ہرگز نہیں مانتا تو حارثہ کے ننہال میں اطلاع کر دی وہ سب فوراً وہاں پہنچے اُنہوں نے کہا کہ اس جرم کے تاوان ادا کرنے کیلئے ہم ہر طرح سے حاضر ہیں۔ عمران نے ایک نہ مانی اور ذبح کرنے پر مصر رہا۔ اُن لوگوں نے یہ دیکھا تو کہا کہ ہم سب جبتک مر نہ رہینگے تو ایسا نہیں کر سکتا۔ عمران نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو میں ایسے ملک میں ہرگز نہ رہونگا جہاں میری توہین کیگئی ہو میں جاتا ہوں اور اپنی تمام جائداد فروخت کرتا ہوں۔ بنو حمیر نے خوب بڑھ بڑھکر قیمتیں لگائیں اور سب کچھ خرید لیا۔ عمران مع اپنے قبیلہ اور خاندان کے مارب سے رخصت ہو گیا۔

ان تینوں روایتوں میں اگرچہ بظاہر تعارض و تناقض معلوم ہوتا ہے مگر ان سب کو اگر صحیح مان لیا جاوے تو جمع کرنا بھی ممکن ہے۔

یہ ہو سکتا ہے کہ سب سے اوّل عمران بن عامر کو کاہنہ کے ذریعہ سے علم ہوا ہو اور وہ اس حیلہ سے ملک چھوڑ گیا ہو۔ اُس نے چوہونکو بھی دیکھا ہو لیکن وہ کیفیت اس درجہ تک نہ پہنچی تھی کہ دوسرے لوگ بھی اُنکو دیکھکر متنبہ ہو جاتے۔ تواریخ بھی اسپر شاہد ہیں کہ عمران بند کے ٹوٹنے سے زمانہ دراز پہلے مارب کو چھوڑ کر چلے گئے تھے لیکن یہ بات قریب ناممکن کے تھی کہ گو عمران نے کیسا ہی اس راز کو مخفی رکھا مگر وہ ایسا پوشیدہ رہا ہو کہ اُسکے چلے جانیکے بعد بھی کوئی اُسپر مطلع نہ ہوتا۔ عمران کے بعد یہ خیال اُن لوگوں میں ضرور پھیلا اور اسکے دفعیہ کیواسطے اُنہوں نے ہر ایسی جگہ جہاں بند میں شگاف نظر آیا بلیاں بندھوا دیں۔ یہ خیال اُن میں ایک درجہ تک ضرور پھیلا ہوا تھا مگر اس درجہ کا یقین

اُنکو نہ تھا کہ عمران کی طرح گھر بار چھوڑ کر چلے جاتے۔ لیکن چند مسیحی لوگوں نے جو دین حق کے متبع اور علم کتاب سے حصہ وافر رکھنے والے تھے ذویزن کی مجلس میں وہ گفتگو کی جو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں تو اگرچہ اُس میں بند کے ٹوٹنے یا چوہوں کے ذریعہ سے ایسی سخت آفت آنیکا تذکرہ نہ تھا مگر اُنکے انداز بیان اور طرز کلام سے ذویزن پر فوری اثر ہو گیا اور وہ سمجھ گیا کہ یہ کوئی ہونیوالی بات ہے اور جو خیال عام طور پر راسخ تھا ذویزن کے نزدیک اب درجۂ تیقن کو پہنچ گیا۔ اور چونکہ مسیحی علماء کی گفتگو میں کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے کسی کو کھٹکا ہوتا اسلئے اُسکا چرچا بھی نہ ہوا۔ اور ذویزن بھی عمران کی طرح اپنی جائداد وغیرہ فروخت کر کے مارب سے ہجرت کر گیا۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عمران کا واقعہ حضرت مسیح علیہ السّلام سے پہلے کا ہے ذویزن کا قصہ مارب کی بربادی سے قریب کا۔ اس طرح تینوں روایتیں جمع ہو جاتی ہیں اور اُنکا باہمی تعارض باقی نہیں رہتا۔

الغرض عمران تو اپنے خاندان کو ساتھ لیکر وہاں سے رخصت ہو گئے اور چوہوں نے اُس ناممکن التسخیر دیوار میں ایسے شگاف ڈالدیے کہ پانی نے اپنا راستہ کر لیا اور اس زور سے سیلاب آیا کہ تمام باغات، مکانات، زراعات تباہ ہو گئے۔ زمین قابل کاشت نہ رہی۔ ہر جگہ ریت کے تودے لگ گئے۔ اُن سرسبز اور فرحت بخش باغوں کی جگہ تھے اور ناقابل کار درخت رہ گئے اور جو لوگ اُسوقت وہاں موجود تھے وہ ایسے متفرق ہوئے کہ جس کو جہاں موقع ملا وہاں چلا گیا۔ اور اُسوقت سے آجتک عرب میں سبا کی بربادی و تباہی بطور ضرب المثل کے ہے۔ وہ کسی قوم کی بربادی کا نقشہ کھینچنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں تفرقوا ایادی سبا۔ ایادی کے معنی ہیں اولاد کے مطلب یہ ہے کہ مثل اولاد سبا کے متفرق ہو گئے۔ ایک اسلامی شاعر کثیر عزّہ اپنی محبوبہ عزّہ کو خطاب کر کے کہتا ہے ؎[1]

ایادِی سَبَا یَا عَزَّ مَا کُنْتُ بَعْدَکُم	فَلَمْ یَحُلْ بِالْعَیْنَیْنِ بَعْدَکَ مَنْظَرُ

اے عزہ جبتک میں تمسے دور رہتا ہوں مثل اولاد سبا کے پریشان رہتا ہوں اور کوئی خوشگوار منظر آنکھوں میں بھلا نہیں معلوم ہوتا

خدا تعالیٰ نے قوم سبا پر اپنے خاص انعام مبذول فرمائے۔ اور قدرت کے وہ کرشمے دکھلائے کہ کوئی ملک اور کوئی قوم اُنکی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھی اُنکے باغ جنّت کے باغوں کے مثال تھے اُنکی سرزمین ایسی پاک و صاف بنائی گئی تھی کہ اُسکو جنّت کا ٹکڑا کہنا زیبا تھا۔ مگر جب تباہی کا وقت آیا تو اُسمیں بھی قدرت کا تماشا دکھلایا گیا۔ وہ دیوار جسکا عرض ایک فرسخ یعنی تین میل ہے جسمیں سہ

[1] ویقال فی المثل تفرقوا ایادی سبا و ذهبوا ایادی سبا ای تفرقوا تفرقاً لا اجتماع بعده لانه لما غرّق مكانهم و ذهبت جنّاتهم تبدّدوا في البلاد الخ۔ ریقال فی التشیف اذا کان شتّت الشمل و موزع الخاطر کان ایادی سبا و علیہ قول کثیر ایادی سبا یا عز ما کنت بعدکم۔ فلم یحل بالعینین بعدک منظر - درۃ الغواص صفحہ ۱۳۴ ۲۲۵

پلایا گیا ہو جسکی بڑی بڑی چٹانوں کو سینکڑوں آدمی بھی ملکر جنبش نہ دیسکیں چوہے جیسے حقیر جانور سے برباد کرادی گئی۔ وہ دورویہ باغوں کی قطاریں اور وہ عالیشان قصر اور مضبوط حصار آن کی آن میں زمین دوز کردیئے گئے۔ وہ قوم جس کیلئے سفر میں بھی یہ راحت کے سامان تھے کہ تھوڑی تھوڑی مسافت پر سرائیں۔ باغات۔ آرام دہ مکانات۔ ہر قسم کی مکلف غذائیں مہیا تھیں اور وہ اُن سے اُکتا کر یہ دعا کرتے تھے کہ ہماری منزلیں دور کردی جائیں۔ ایسی پریشان کردیئے گئے کہ انمیں سے ایک اگر پورب گیا تو دوسرا پچھم ایک مشرق کی طرف چلا تو دوسرا مغرب کی طرف گویا اُنکی استدعا کا نتیجہ سزا کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اہلِ سبا اگر اول حالت میں اہلِ جنت کی طرح ہر قسم کی نعمتوں میں تھے تو کفران و طغیان کی بدولت اہلِ نار کی طرح سخت عذاب میں مبتلا ہوکر پریشان کردیئے گئے اور آج بجز قصہ کہانی کے کچھ باقی نہیں رہا نہ وہ باغ رہے اور نہ وہ مکانات نہ سڑکیں باقی ہیں اور نہ سرائیں۔ فقط کھنڈر اور ریت کے تودے ہیں۔ یا وہ آبادی یا یہ بربادی۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ۔

اس تمام قصہ میں بڑی بڑی نشانیاں اور عبرت کے قابل باتیں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو خواہشات نفس سے رکنے والے۔ طاعات و عبادات کی شقتوں پر صبر کرنیوالے اور خدا تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرنیوالے ہیں

نفس واقعہ تو ختم ہو چکا لیکن اُسکے نتائج بیان کرنیسے پہلے ہم یہ بھی جتلانا چاہتے ہیں کہ قوم سبا یہاں سے اُٹھ کر کہاں گئی اور اس بربادی میں کتنی آبادیاں مضمر تھیں۔ عمران بن عامر کا حال ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ وہ معہ اپنے اقارب کے سیلِ عرم کے واقعہ سے قبل اپنے وطن کو چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ عمران کا بھتیجہ ثعلبۃ العنباء بن عمرو بن عامر ماء السماء تو حجاز کی طرف متوجہ ہوا اور وہ معہ اپنے اہل و عیال کے ثعلبیہ اور ذی وقار کے درمیان فروکش ہوگیا اور جب کچھ عرصہ میں اُس کی اولاد جوان اور حالت درست ہوگئی تو مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا۔ مدینہ منورہ میں قبائل یہود پہلے ہی سے متفرق طور پر آباد تھے۔

ثعلبہ نے مدینہ منورہ میں قیام کیا اور جب وہاں رہتے رہتے کچھ قوت و شوکت حاصل ہوگئی تو یہود کو خاص مدینہ سے نکالدیا اور وہاں گڑھیاں بنالیں۔ کھجور کے باغات لگائے اور یہ بستی خالص ثعلبہ اور اُسکی اولاد کی ہوگئی۔ ثعلبہ کے بیٹے حارثہ ہوئے اور حارثہ کے دو بیٹے اوس اور خزرج ہوئے۔ تمام انصار مدینہ انہیں دونوں کی اولاد ہیں۔

ثعلبہ کے دوسرے بھائی حارثہ حرم مکہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ مکہ معظمہ میں پہلے قوم جرہم آباد تھی اور یہ وہی قوم ہے جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے وقت یہاں آکر آباد ہوئی تھی۔ لیکن یہ قوم سرکشی اور طغیان میں حد سے متجاوز ہوگئی تھی۔ بیت اللہ کی تعظیم اور حرمت اُنکے دلوں میں باقی نہ تھی اُنہیں میں کے ایک مرد نے جس کا نام اساف تھا اور ایک عورت نے جسکا نام نائلہ تھا خاص بیت اللہ کے اندر زنا کیا تھا جس کی سزا میں وہ مسخ ہوکر پتھر بنگئے اور انہیں عذاب الٰہی کی زندہ تصویر کو زمانہ دراز کے بعد عمرو بن لحی نے معبود بنا کر تمام اقوام عرب کا خدا بنا دیا تھا۔

خدا تعالیٰ کو منظور ہوا کہ قوم جرہم کا حرم سے اخراج کیا جاوے اُس کا یہ سامان ہوا کہ ثعلبہ معہ اپنے متعلقین کے وہاں آباد ہوئے۔ اور یہ قوم خزاعہ کے نام سے معروف وموسوم ہوگئی۔ خزاعہ جب وہاں جا کر جم گئے تو اُنہوں نے جرہم کے ساتھ سخت معرکہ آرائیاں کیں۔ اُن کو حرم سے حل کی طرف نکالدیا۔ اور خود حرم پر قابض اور متمکن ہوگئے۔ قوم جرہم یہاں سے ویران ہوکر جگہ جگہ مارے مارے پھرے۔ اور بالآخر اُنکی نسل منقطع ہوگئی۔ اور آج دنیا اُن کے وجود سے خالی ہے مگر جرہم کو کعبہ سے جلاوطن ہوکر انعامات خداوندی کی قدر یاد آئی اپنی بدافعالیوں پر پشیمان ہوئے۔ چنانچہ اُن کا شاعر حسرت ویاس کے ساتھ کہتا ہے ؎

كَأَنْ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ الْحَجُونِ اِلَى الصَّفَا	أَنِيسٌ وَلَمْ يَسْمُرْ بِمَكَّةَ سَامِرٌ
گویا کہ حجوں اور صفا کے درمیان کوئی آدمی تھا ہی نہیں۔ اور مکہ میں کسی نے رات کو بیٹھ کر باتیں کی ہی نہیں	
بَلَى نَحْنُ كُنَّا أَهْلَهَا فَأَبَادَنَا	صُرُوفُ اللَّيَالِي وَالْخُطُوبُ الزَّوَاجِرُ
کیوں نہیں ہمیں تو وہاں کے ساکن تھے۔ ہمیں کو گردش زمانہ اور حوادث عظیمہ نے تباہ کیا ہے	
وَكُنَّا وُلَاةَ الْبَيْتِ مِنْ بَعْدِ نَابِتٍ	نَطُوفُ بِذَاكَ الْبَيْتِ وَالْخَيْرُ ظَاهِرٌ
نابت کے بعد ہم ہی بیت اللہ کے متولی تھے۔ ہم ہی بیت اللہ کا طواف کرتے تھے اور ہر قسم کی خیر وبرکت ظاہر تھی	

جرہم کے بعد ایک زمانہ تک خزاعہ بیت اللہ کے متولی اور کارکن رہے۔ لیکن انہیں میں کے ایک بدقسمت نے جس کو ابو غبشان کہتے تھے بیت اللہ کو شراب کے ایک مشکیزے کے عوض دیدیا اور یہ بھی وہاں سے رخصت ہوئے اور بیت اللہ کی تولیت قریش کے سپرد ہوگئی۔ عرب میں یہ منحوس معاملۂ بیع وشرا اور وہ بدقسمت شخص ضرب المثل بن گئے۔ کہا جاتا ہے۔

أَخْسَرُ صَفْقَةً مِنْ ابی غیشان۔	ابی غیشان سے بھی زیادہ ٹوٹے والا ہے۔

خزاعہ پر اس معاملہ کی وجہ سے ایسا دھبہ لگ گیا کہ کسی طرح نہیں دُھلتا چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

إِذَا فَخَرَتْ خُزَاعَةُ فِی نَدِیٍّ	وَجَدْنَا فَخْرَهَا شُرْبَ الْخُمُوْرِ
خزاعہ کسی مجلس میں فخر کریں تو اُن کا	فخر شراب پینے کے اندر ہوتا ہے،
وَبَاعَتْ کَعْبَةَ الرَّحْمٰنِ جَهْلًا	لَعَمْرِیْ بِئْسَ مُفْتَخَرُ الْفَخُوْرِ

خدا کے گھر کو اپنے جہل کی وجہ سے فروخت کردیا۔ قسم ہے اپنی جان کی فخر کرنے والے کیلئے یہ بہت بُری بات ہے

ثعلبہ کا تیسرا بھائی عمران بن عمرو بن عامر مار السماء سب سے جدا ہو کر عمان کی طرف چلا گیا۔ وہاں پہلے طلسم وجدیس آباد تھے لیکن اُن کی نسل منقطع ہو چکی تھی۔ عمران نے عمان کو وطن بنایا اور وہ ازدعمان کے نام سے مشہور ہو گئے۔

اور اُس کا چوتھا بھائی جفنہ بن عمرو بن عامر ملک شام کی طرف چلا گیا۔ اور وہاں جاکر مالک بن گئے۔ اور یہی جفنہ جبلۃ ابن الایہم کا جدامجد ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوگیا کہ انصار اور جبلۃ بن الایہم ہم جد تھے جس کی طرف ہم جبلۃ کے بیان میں اشارہ کر آئے ہیں۔ اسی تعلقِ قرابت کی وجہ سے حضرت حسان بن ثابت ملوکِ جفنہ کے یہاں جاتے۔ اُنکی مدح سرائی کرتے اور مہمان بنتے تھے اور آلِ جفنہ بھی اسی وجہ سے اُنکا ادب و لحاظ کرتے تھے۔ باقی قبایلِ یمن بھی اسی طرح جگہ جگہ آباد ہو گئے مگر ہم کو اُسکی تفصیل بیان کرنیکی حاجت نہیں ہے۔ اب ہم واقعہ سیلِ عرم سے مفید اور اہم نتائج اخذ کرکے بیان کرتے ہیں۔

نتیجہ اوّل

قوم سبا کی آبادی۔ انتہائی تنعم اور خوشحالی کا نفس واقعہ کلامِ الٰہی میں جسقدر اہتمام کے ساتھ ذکر فرمایا گیا اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ دنیا کے عجیب ترین واقعات میں سے تھا۔ اگرچہ اُسکے تفصیلی حالات ہم تک نہ پہنچے ہوں۔ اور جو پہنچے اُن میں سے بعض حالات صحیح نہ ہوں مگر نفس واقعہ کی صحت و تسلیم اور اس کے منجملہ عجائب قدرت الٰہی ہونے میں کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ ہو سکتا ہے تو اُسی کو جو خدا تعالیٰ کی وسیع قدرت کا منکر ہو یا جس کو کتب آسمانی کے تسلیم سے انحراف ہو۔

اس واقعہ کی تفصیل میں جس قدر حالات ہم نے مفسرین و مورخین کے حوالہ سے لکھے ہیں اُنسے

ہم کو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دنیا کے حالات ایک تماشہ گاہ کی طرح ہیں جسمیں ایک وقت پر ایسا عجیب منظر دکھایا جاتا ہے جس سے حاضرین محو حیرت رہ جاتے ہیں۔ لیکن تھوڑی دیر میں وہ پردہ اُٹھا دیا جاتا ہے۔ اور جو کچھ دیکھا تھا وہ خواب و خیال بنجاتا ہے۔ اُس کے بعد دوسرا سین سامنے آتا ہے اُسکی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ ہم جس وقت کوئی عجیب سے عجیب تماشہ دیکھیں تو ہم کو یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ خوش قسمتی سے یہ ہمارا ہی حصہ تھا۔ ہم سے پہلے جو گذر چکے ہیں وہ اس سے محروم تھے ممکن ہے کہ اس بعد کے تماشہ میں کوئی جدت ہو۔ لیکن یہ بالکل واقع اور نفس الامری بات ہے کہ پہلا تماشا اس سے ہزار گنا زیادہ بہتر اور نفیس گذر چکا ہو تو جائے تعجب نہیں ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ تماشہ گاہ میں ہمیشہ نئے ہی تماشے ہوتے رہیں بلکہ ایک تماشے کو کئی دفعہ دُہرایا جاتا ہے۔ اگرچہ کسی دُہرائے ہوئے تماشے کو سب سے آخر دیکھنے والا یہ سمجھ سکتا ہے کہ میرے سوا اُس کو کسی نے نہیں دیکھا مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔

دنیا میں ہزاروں تماشے ہوئے۔ اور پردۂ عدم میں چھپ گئے۔ لاکھوں کھیل بنے اور بگڑ گئے اگر آثارِ قدیمہ کے متلاشی کوہ و صحرا اور ہولناک میدانوں کی خاک چھان کر کھوج نہ نکالتے یا تواریخ سے ہم کو اُنکا پتہ نہ لگتا یا کتبِ سماوی میں ایسے حالات کی طرف اشارہ نہ ہوتا تو یقیناً کوئی شخص ایسے دور از قیاس واقعات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوتا اور جس طرح ریل تار وغیرہ کی ایجاد سے پہلے کوئی شخص اُنکو مان لینے کی وجہ سے قابلِ مضحکہ بن سکتا تھا۔ اسی طرح اُنکے تسلیم میں بھی اُنکو مجنون و کم عقل کا خطاب دیا جاسکتا تھا۔ مگر مشکل یہ ہے کہ دنیا کے پردہ پر ضعیف الخلقت انسان کے ہاتھ سے جس قدر عجائب مقدوراتِ الٰہی کا ظہور ہو چکا ہے اب اُن سے کلیتہً انکار کی گنجایش نہیں رہی۔ گو کسی ایک واقعہ کے خاص اسباب سے تکذیب کر دینا ممکن ہے۔

آج تہذیب و تمدن کا زمانہ ہے صنعت و ایجاد معراجِ کمال پر پہنچے ہوئے ہیں فوٹوگراف ٹیلیفون۔ ہیلوگراف۔ تار وغیرہ ہزارہا ایجادات ایسی ہیں کہ اگر اُنکے موجد دعوۂ نبوت کر کے اُنکو اپنے معجزہ میں پیش کرتے تو بہت سے کم عقل حقیقت ناشناس۔ تاثیراتِ اشیائ خواص عناصر سے ناواقف۔ علم طبقات الارض سے جاہل ایمان لانے کو تیار ہو جاتے۔ مگر کون کہہ سکتا ہے کہ جو اکتشافات اب ظہور پذیر ہوئے وہ سب جدید ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ بعض اکتشافات جدید بھی ہوں لیکن ساتھ ہی بھی

ممکن ہے کہ بعض اُن عجائب ایجادات کا جو کسی زمانہ میں صفحۂ روزگار پر جلوہ گر تھے ۔ ابھی تک کسی موجد و محقق کو پتہ بھی نہ لگا ہو۔

تمام علوم کی ابتدا انبیاء علیہم السلام سے ہوئی ہے ۔ صناعتوں کا وجود اُنکے طفیل ظہور میں آیا ہے خواص اشیاء اور تاثیراتِ ادویہ سب اُنہیں کے ذریعہ سے معلوم ہوئی ہیں ۔ غرض اُصول ہر علم کے خواہ علم شرائع و ادیان ہو یا علمِ ریاضی وہندسہ ہیئت و طب یہ اُنکے ذریعہ سے دنیا میں پھیلا ہیں بنیاد ان علوم کی انبیاء علیہم السّلام نے ڈالی اور اُنکی تفصیل حکماء کے ذریعہ سے پھیلی ۔ جنہوں نے ہر زمانہ میں اپنی عمریں اُنکی تحقیق و تفصیل میں صرف کر دیں اور آنیوالی نسلوں کیلئے ایسا ذخیرہ چھوڑ گئے جو ہمیشہ کیلئے کار آمد ہو ۔ ان علوم میں سے بعض ایسے اُصول تھے کہ اُنکی تفصیل میں بھی اختلاف پیدا نہیں ہوا ۔ مثلاً ریاضی ہندسہ اور بعض کی تفصیل میں اختلاف پیدا ہوا ہر ایک محقق اور فلسفی نے اپنے لئے جُدا راہ بنائی ۔ جیسا کہ ہیئت و طب اور دوسرے تجربیات لیکن متاخرین کا جو کمال ہے وہ صرف تفصیل اور تحقیق میں ہے ۔ اُنہوں نے اپنی کوشش سے ایک مادہ کو مختلف ترکیبوں کے سانچے میں ڈھال کر ہزار ہا صورتیں بنا دیں ۔ مگر یہ دعویٰ کرنا کہ تمام یہ اکتشافات بالکل نئے ہیں ۔ اب تک کسی کو وہاں تک رسائی نہیں ہوئی ۔ دعویٰ بلا دلیل ہے ۔

تواریخ اور آثارِ قدیمہ کتب سماوی اُسکے خلاف شہادتیں دیتیں اور تصنیفاتِ متقدمین اُسکی تردید کرتی ہیں ۔ اسلئے ہمکو یہ سمجھنا نہ چاہئے کہ زمین کے تمام خزانے ظاہر ہو چکے اور اُسکے اندر جو مادے پوشیدہ ہیں بالکل نکال لئے گئے ۔ نہیں بہت کچھ نکل چکے اور ابھی بہت کچھ باقی ہیں احادیث اسکی شاہد ہیں اسلئے یہ ممکن ہے کہ بعض اکتشافات بالکل جدید بھی ہوں ۔ مگر یہ بھی بالکل صحیح ہو کہ بعض ایسی عجائب ایجادات زمانہ دیکھ چکا ہے جو حال کے موجدوں کو نصیب بھی نہیں ہوئے اور یہ بھی بالکل صحیح ہے کہ جن بعض اکتشافات کو ہم جدید سمجھ رہے ہیں وہ ایک زمانہ میں رواج پاکر پردۂ عدم میں روپوش ہو گئے ہوں ۔ اور اسمیں تو کوئی کلام نہیں کہ اصول اُنکے اوّل ہی سے موجود ہیں مثال کے طور سے دیکھ لیجئے کہ آواز ہوا کے ذریعہ سے پہنچتی ہے ۔ دھیمی آواز ہے تو تھوڑی دور تک صاف جاتی ہے اور بعد میں منتشر ہو کر گم ہو جاتی ہے ۔ بلند آواز ہے تو میلوں اُسی طرح چلی جاتی ہے ۔ اس سے اسقدر معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی چیز آواز کو ہوا میں منتشر اور متلاشی ہونے سے محفوظ کر دے تو دھیمی آواز بھی اس معتاد حالت سے

بہت دور تک جاسکتی ہے۔ اب اسکے ساتھ یہ بھی دیکھ لیجئے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے ہوا مسخر کردی گئی تھی۔ جو کوئی کہیں گفتگو کرتا ہوا اُسکو پہنچا دیتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہوا میں آواز محفوظ رکھنے کی قابلیت موجود ہے۔ یہ بات حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے خصوصیات میں سے تھی کہ بلا کسی آلہ اور ذریعہ کے آواز دور و نزدیک کی محفوظ پہنچ جاتی تھی۔ مگر یہ ضرور ہے کہ اہلِ علم و دانش کو اُس علمِ نبوت سے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا ہوا تھا اُس کے اصول ضرور معلوم ہوگئے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اُن اصول سے کام بھی لیا گیا ہو۔ مگر اب وہ بھی زمانہ کے ہزارہا عجائب کے ساتھ نسیاً منسیاً ہوگئے ہوں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دُنیا کے صفحات پر قدرت کی عجائب گلکاریاں جو نظر آرہی ہیں اور اُنسے قدرت خداوندی کے عجائب راز آشکارا ہورہے اور ہوتے جاتے ہیں۔ اگرچہ اُنکی نوعیتیں اور صورتیں کچھ متغیر اور متبدل ہوں اور اگرچہ اُن میں بعض صورتیں بالکل نئی بھی ہوں مگر دنیا کی آبادی سے اسوقت تک جسقدر آثار قدرت منصہ ظہور پر جلوہ گر ہوچکے ہیں اُمیں یقیناً بہت سی باتیں ایسی تھیں جو باوجود ہزار کوشش وجانکاہی ابتک کسی کو نصیب نہیں ہوئیں اور بعض ایسی ہیں جنکو ہم جدید سمجھتے ہیں مگر حقیقت میں وہ جدید نہیں ہیں۔ اور بعض جدید ایسی بھی ہیں جنکی طرف ابتک کسی کی فہم کی رسائی نہیں ہوئی ہو۔ گو اصول اُنکے اکتشاف واستخراج کے موجود تھے اور خدا تعالیٰ کی وسیع قدرت اور بے انتہا خزائن معلومات کا اقتضا بھی یہی ہے کہ کسی قوم اور کسی زمانہ پر اُسکو تمام نہیں کردیا گیا

کم ترک الاول للآخر	پہلے پچھلوں کے لئے کس قدر چھوڑ گئے۔

زمانہ موجودہ میں علم وفن۔ صناعت وایجادات منتہائے کمال کو پہنچا ہوا ہے ایک سے ایک اعلیٰ ایجاد سامنے آکر محو حیرت بناتی رہتی ہے جس فن کو دیکھئے اُسکو معراجِ کمال تک پہنچا دیا ہے۔ فن انجنیری تعمیر، آبپاشی ہر ایک کی یہی حالت ہے۔ مگر انصافاً دیکھئے کہ سد مآرب کے بنانے میں انجنیر اور معماری کا جو کمال دکھلایا گیا اُس کا ادنیٰ نمونہ بھی اس ترقی یافتہ زمانہ میں کوئی نہیں دکھلاسکا معلق پل بنائے عالیشان مکانات اور قلعے تعمیر کئے۔ مگر بلقیس کی طرح سد مآرب سے آدھا بند بھی بنایا گیا ہے اور کیا قصرِ غمدان جیسا کوئی قصر بھی اس وقت موجود ہے؟

بلقیس نے پانی کے نکالنے کیلئے جن ہندسہ وریاضی کے قواعد سے کام لیکر اُسکو بالکل اپنے قابو میں کیا زمانہ حال کے ماہران فن اس سے زیادہ کرکے نہیں دکھلاسکے۔ اور آبپاشی کیلئے جو طریقے اور قواعد اُس نے

استعمال کئے اور نہروں کے کاٹنے میں جو کمال اُسنے دکھلایا اُسکی مثال بھی دنیا میں اسوقت موجود نہیں ہے۔

دنیا میں کسی ماہر فن نے کوئی نہر ایسی نہیں نکالی جس سے وقت واحد میں ہر شخص کو پانی مل سکے۔ چہ جائیکہ ایک بڑے حوض سے مساوی درجہ کی بارہ نہریں نکالی جائیں۔ ہر ایک نہر میں پانی کی رفتار و مقدار بھی ایک ہو سب نہروں کا علاقہ بھی بالکل مساوی ہو اور وہ سب وقت واحد میں ہر ایک شخص کو پانی دیکیں یہ میں نہیں کہتا کہ ایسا کرنا امکان میں نہیں ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ ایسی سعیِ بلیغ کے آثار کسی جگہ موجود نہیں۔

یہ حالت ہے تو مادہ پرستوں اور مادی ترقیات کے دلدادوں کو ترقیات کی چکاچوند اور اکتشافات و ایجادات کے عجیب و دلپسند مناظر پر مغرور نہ ہونا چاہئے۔ اور اُنکو ایسی بھول بھلیاں میں پڑ کر ہدایت کے طریقِ مستقیم کو چھوڑ کر خالق و مالک کی یاد کو بھلانا نہ چاہئے۔ ہر ایجاد میں اُسی قدرت کا ظہور ہے ہر ایک اکتشاف میں اُسی کی قدرت کے مکنونہ راز ظاہر ہوتے ہیں۔

بجلی کی طاقت کسی کی مخلوق نہیں ہے۔ تمہارا بڑا کمال یہ ہے کہ اُس کے استعمال کے طریقے ایجاد کرو۔ بھاپ کی قوۃ تم نے نہیں پیدا کی ہاں اُس سے کام لینا تم کو بتلایا گیا ہے۔ یہی مظاہر قدرت اگر تھوڑے سے غور سے کام لیتے تو تم کو اُس قدیم لم یزل و لایزال کی ہستی کا پتہ دیتے جسکے وجود سے زمین۔ آسمان۔ آفتاب۔ ماہتاب۔ جمادات۔ نباتات قائم ہیں اور جس کے ادنیٰ اشارے پر سب گردن جھکانیوالے ہیں۔ بلکہ یہی اکتشافات تمہارے لئے بجائے مضل ہونے کے ہادی بن جاتے۔

دیکھو تم سے پہلے کیسے کیسے باکمال موجد گذر چکے۔ اُنہوں نے دنیا میں کیسی کچھ ترقیات کیں کیا کیا ایجادیں۔ اور کیسے دقیق علوم یادگار چھوڑے۔ لیکن آج اُنکا نام ہی نام باقی ہے اور جن قوموں نے اپنی ترقیات پر گھمنڈ کر کے سرکشی و سرتابی کی اپنے خالق و مالک کو بھول گئے اُن کا تو نشان بھی باقی نہیں اگر کچھ ہے تو کہیں کہیں تھوڑے بہت کھنڈر پڑے نظر آتے ہیں۔

یہ حال ہے دنیا کی آبادی۔ سرسبزی و شادابی کا یہ انجام ہے دنیا پر غرور و بدمستیاں کرنیوالوں کا۔

نتیجۂ دوم

خیر و شر کا تناسب و تعلق خیر و شر دو متضاد صفتیں ہیں۔ خیر کا شر کی طرف مفضی ہونا یا شر سے خیر کا نتیجہ برآمد ہونا بظاہر بعید اور غیر ممکن معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اسمیں کسی قدر تفصیل ہے۔ جسکی تحقیق ہم بیان

کرنا چاہتے ہیں۔ خیر محض جو یقیناً خیر ہے جسمیں شر کا کچھ بھی شائبہ نہیں ہے شر کی طرف مفضی نہیں ہوتی۔ اور نہ اُس سی بُرا نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔ ایمان خالص اور معرفت حقیقی جسمیں ادنیٰ شائبہ کدورت ومعصیت۔ نافرمانی وناسپاسی کا نہ ہو۔ کبھی منجر انجام بد کی طرف نہیں ہوتی۔ علیٰ ہذا شر محض جو حقیقتاً شر ہے۔ مثمر خیر وبرکت نہیں ہوتا حقیقی کفر پر نجات مرتب نہیں ہوتی۔ البتہ حقیقی ایمان کے ساتھ کچھ عارضی کدورت معاصی وبداعمالی جمع ہوجائیں تو اُسی قدر بُرا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے لیکن حقیقی ایمان اُس کو نجات کے ٹھکانے پر پہنچا کر رہتا ہے۔

کفرِ حقیقی کیساتھ اخلاقِ حسنہ۔ نیکوکاری۔ حُسن معاملات جمع ہوجائیں تو اسی قدر حصہ اُسکو بھلائی کا ملسکتا ہے جتنی کہ عارضی اور بالائی خوبیاں تھیں۔ مگر حقیقی نجات اسکو میسر آئیگی اور کبھی ایک شے خیر ہوتی ہے۔ لیکن حدودِ فعلیتہ سے متجاوز ہوکر وہ شے خیر نہیں رہتی۔ یا جسقدر متجاوز ہوتی ہے اُسکی خیریت میں کمی آجاتی ہے۔ مثلاً رحمت وغضب دونوں بجائے خود اپنے اپنے موقعہ پر محمود ہیں اور اسی لئے صحابہ کی شان میں اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ فرمایا گیا اور مومن جب تک اُسمیں یہ دونوں صفتیں موجود نہ ہوں مومن کامل نہیں ہے۔ لیکن اگر شدۃ حد سے متجاوز ہوجائے یا رحمت ہی رحمت کا غلبہ ہوجائے اور شدۃ معدوم یا ضرورت کے موقعہ پر بھی کارآمد نہ ہو تو جس درجہ یہ صفات مغلوب یا معدوم ہوجائیں گی ان محمودہ صفات پر نتائج بد مترتب ہوتے جائیں گے۔ بعض سلاطین وُلاۃِ امر۔ علماء۔ کی غایت نرمی اور درگذر سے بد نتائج کا پیدا ہونا اور انجام کار فتن عظیمہ کا آشکارا ہوجانا اسی وجہ سے تھا۔ اور بعض مسلمان بادشاہوں کی جباری اور شدت سے انواع واقسام کی خرابیاں دین ومذہب میں پڑجانا اسی کا ثمرہ ہے۔

اور کبھی ایک شے بظاہر شر ہوتی ہے لیکن اُس کے مرتکب کی نیت بخیر اور مطمح نظر کوئی اہم اور ارفع مقصود ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں اُسپر اگرچہ ظاہراً ایسا ثمرہ مترتب ہوتا ہے جسکا عنوان پسندیدہ نہ ہو۔ لیکن حقیقۃً وہ خیر ہوتا ہے اور اُسکا مرتکب جیسا مقرب بارگاہِ الٰہی تھا ویسا ہی رہتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السّلام نے جنت میں شجرہ کو تناول فرمایا۔ جو ارشادِ خداوندی کے خلاف تھا لیکن اُنکی غرض اس تناول سے کسی خواہش نفسانی کو پورا کرنا نہ تھا۔ بلکہ رضاء باری تعالیٰ اور رویۃ حق کی دائمی نعمت مطلوب تھی کیونکہ جنت میں بڑی نعمتیں رضاء الٰہی اور رویۃ حق ہیں۔

ایسی حالت میں اگرچہ تھوڑی مدت کے لئے قیام جنت سے محروم کردیئے گئے۔ اور یہ امر اُس وقت خلاف طبع بھی تھا۔ مگر اس کا نتیجہ یہ مرتب ہوا کہ زمین پر اُنکو خلافتِ خداوندی کا وہ مرتبہ مل گیا جس کو سُنکر ملائکہ میں غبطہ پیدا ہوا تھا۔ اور بصورت اعتراض اپنے رب سے یہ کہنے پر مجبور ہوئے تھے۔

اتجعل فیہا من یفسد فیہا۔	لے رب کیا زمین پر ایسی مخلوق کو خلیفہ بناتا ہے جو اسمیں فساد برپا کریگا

ایسی ہی کبھی ایک چیز صورۃً خیر ہوتی ہے لیکن اُسکے مرتکب کی نیت بخیر نہیں ہوتی بلکہ خدا اور رسول کا مقابلہ حقیقی خیر کا مٹانا اور محو کرنا مقصود ہوتا ہے۔ منافقین نے مدینہ میں مسجد بنائی تھی جو بظاہر بڑا عمل صالح تھا۔ مگر حقیقۃً اُس سے مسلمانوں کی ایذا رسانی اور اسلام کا نیست و نابود کرنا مقصود تھا۔ اس وجہ سے اُس پر وہی ثمرات مرتب ہوئے جو شر محض پر ہوتے وہ مسجد گرادی گئی اور قیامت تک اُس کا نام مسجد ضرار پڑ گیا۔

اور کبھی خیر و شر محض اضافی ہوتے ہیں۔ ایک شے ایک اعتبار سے خیر ہوتی ہے اور دوسرے اعتبار سے شر ہوجاتی ہے۔ وطن مالوف اہل وعیال کے اندر رہنا جیسا کچھ راحت رساں اور اطمینان بخش ہے ظاہر ہی۔ لیکن اگر وہ افلاس اور ذلۃ کا موجب بنجائے تو سراسر نقصان دہ اور مضر ہے علی ہذا سفر کلفتوں اور مشقتوں کا مجموعہ ہوتا ہی مگر ثروت و غنا عزت اور عظمت کا سبب بنجائے تو سراسر مفید اور کارآمد ہے

کبھی خیر و شر کے سمجھنے میں مغالطہ ہوتا ہی۔ ایک چیز کو آدمی خیر سمجھتا ہے اور وہ حقیقۃً میں شر ہوتی اور کبھی کسی شے کو شر سمجھتا ہے مگر وہ خیر ہوتی ہے۔ ارشاد خداوندی عَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ میں اسی کو بیان فرمایا ہے۔

بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم کو خیر و شر کے باہمی ربط و انتاج میں اس قسم کا اشکال پیش آیا تھا اور اسی بنا پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال پیش کیا جسکا وہ جواب آپ نے ارشاد فرمایا جس سے اس ارتباط کی اصل معلوم ہوگئی۔ اور ایک قانون کلی ہاتھ آگیا۔ ہم اُس حدیث کو بجنسہ یہاں نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان مما اخاف علیکم من بعدی ما یفتح	ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس بات سے اپنے بعد تمہارے بارہ میں مجھے اندیشہ ہے یہ ہے کہ دنیا کے مال و متاع زینت و تازگی

علیکم من زهرۃ الدنیا و زینتہا فقال رجل یا رسول اللہ او یاتی الخیر بالشر فسکت حتی ظننا انہ ینزل علیہ قال فمسح عنہ الرحضاء وقال این السائل وکانہ حمدہ فقال انہ لا یاتی الخیر بالشر وان مما ینبت الربیع ما یقتل حبطا او یلم الا اٰکلۃ الخضر اکلت حتی امتلأت خاصرتاہا استقبلت عین الشمس فثلطت وبالت ثم عادت واکلت وان ھذا المال خضرۃ حلوۃ فمن اخذہ بحقہ ووضعہ فی حقہ فنعم المعونۃ ھو ومن اخذہ بغیر حقہ کان کالذی یاکل ولا یشبع ویکون شہیدا علیہ یوم القیمۃ متفق علیہ (مشکوۃ باب الرقاق)۔

تمہارے اوپر کھول دی جاویگی۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کیا خیر اور بھلائی سے بھی شر یا برائی پیدا ہو جاتی ہے۔ آپنے یہ سنکر کسی قدر سکوت فرمایا جس سے ہم سمجھ گئے کہ وحی نازل ہو رہی ہے تھوڑی دیر میں چہرہ مبارک سے پسینہ صاف کرکے فرمایا سائل کہاں ہے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ اس سوال سے مسرور ہوئے اور جواب میں ارشاد فرمایا کہ خیر سے شر پیدا نہیں ہوتا۔ موسم ربیع میں اعلیٰ اور عمدہ سبز گھاس پیدا ہوتی ہیں جنکے بکثرت چرنے سے جانور مرجاتے یا قریب مرگ ہو جاتے ہیں۔ مگر وہ جانور جو بحد اعتدال کے اندر سبزہ کھائے اور دھوپ میں بیٹھکر جگال کرنا شروع کرے ہضم ہو جانے پر گوبر اور پیشاب کرے۔ اور جب حاجت ہو پھر کھائے۔ یہ مال و متاع بھی ایسی ہی خوشگوار اور دل کو لبھانیوالی چیز ہے۔ جو شخص اسکو جائز طور پر حاصل کرے اور موقع پر خرچ کرے تو وہ نہایت مفید اور معین علی الخیر ہے۔ اور جو ناجائز طور پر حاصل کرے اسکی مثال ایسے شخص کی ہوگی جو برابر کھاتا رہے اور اسکا پیٹ نہ بھرے۔ اور یہ مال قیامت کے دن اس کے مقابلہ میں گواہ بن کر آئے گا۔

سائل کو یہ شبہ پیدا ہوا کہ جب مال بذریعہ حلال حاصل ہوا تو اسمیں اندیشہ کرنیکی بظاہر کوئی وجہ نہیں ہے اور اس سے بد نتائج پیدا ہونیکا خوف سمجھ میں نہیں آتا۔ اس بنا پر انہوں نے یہ استعجاب ظاہر کیا او یاتی الخیر بالشر۔ کیا خیر سے شر پیدا ہو سکتا ہے۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد نے صرف اس سوال ہی کا جواب عنایت نہیں فرمایا بلکہ حقیقت میں اس کے قواعد کلیہ بتلادیئے۔ یہ تو صراحۃً ہی ارشاد فرمایا کہ خیر سے شر

حاصل نہیں ہوتا۔ اور یہی ہم نے اوّل عرض کیا تھا کہ خیر محض منجر الی الشر نہیں ہوتی۔ اسکے بعد جو مثال ارشاد فرمائی اُس سے اوّل تو یہ بات ثابت ہوئی کہ امرِ خیر اگر حدِ اعتدال سے متجاوز ہو جائے تو اُس سے نتیجہ بد پیدا ہو سکتا ہے۔ مرقاۃ میں بذیل شرح حدیث لکھا ہے۔

المعنی ان الربیع ینبت خیار العشب فیکثر منہا الماشیۃ لاستطابتہا ایاہ حتی تنتفخ بطونہا من مجاوزتہا حد الاعتدال فینفتق امعاءہا من ذلک فتموت او یقرب الموت ومن المعلوم ان الربیع ینبت اضراب العشب فھی کلہا خیر فی نفسہا وانما یاتی بالشر من قبل افراط الاکل فکذلک المفرط فی جمع المال من غیر حلہ او من الحلال المشتغل عن حالہ یکثر فی التنعم بمالہ من غیر تامل فی مآلہ فیقسو قلبہ فیتکبر ویتجبر ویمنع ذا الحق حقہ فیجئ المال لھلاکہ فی الدنیا او عقابہ فی العقبیٰ یصیر سبب الوبال وشدۃ النکال۔

حاصل حدیث یہ ہو کہ موسم ربیع میں عمدہ قسم کی گھاس پیدا ہوتی ہو چوپائے اُسکو مزیدار سمجھکر اسقدر کھاتے ہیں کہ اُن کے پیٹ پھول جاتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہو کہ ربیع میں انواع انواع کی عمدہ گھاس پیدا ہوتی ہے اور وہ سب فی نفسہ خیر ہیں۔ برائی جو کچھ پیدا ہوتی ہو وہ حد سے متجاوز ہو کر کھانے سے ہوتی ہو یہی حال ہے ان لوگوں کا جو مال کو افراط کیساتھ غیر حلال ذریعہ سے یا حلال ذریعہ سے ایسی طرح جمع کریں کہ اپنے حال سے بدیجائے تنعم میں پڑ کر بے تامل بلا فکر انجام اُڑانا شروع کر دے اُس کا دل سخت ہو جائے تکبر و تجبر اُسکی عادت ہوجائے اہلِ حق کا حق ادا نہ کرے۔ جب مال کا انجام دنیا میں ہلاکی یا عقبیٰ کی گرفتاری ہوئی تو مال خود وبال اور عذاب کا سبب بن گیا۔

اور اسی حدیث کے اشارہ سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ اگر ایسے امر میں جو فی حد ذاتہ خیر تھا۔ اور اُس میں قدر قلیل اعتدال سے تجاوز ہو گیا لیکن فوراً اُس کا تدارک کر دیا گیا تو اب بھی نتیجہ مرتب نہ ہوگا۔ چنانچہ اسی حدیث کی شرح میں لکھا ہے۔

وفی قولہ امتدت خاصرتاہ اشارۃ الی ان المقتصد ربما یتجاوز حد الاقتصاد لکنہ یتدارکہ بالبراھین

(امتدت خاصرتاھا یعنی کوکین تنگ ہوگئیں) میں اشارہ ہو اس بات کی طرف کہ میانہ رو بھی کبھی حدِ اعتدال سے متجاوز ہو جاتا ہے لیکن وہ فوراً ایسے امور کا استعمال

کر کے جو قناعت پر دال ہیں اُسکا تدارک کر لیتا ہے اور اس تدارک ہی کی طرف اشارہ ہے۔ اس لفظ میں کہ وہ جانور آفتاب کی طرف مُنہ کر لیتا ہے۔	الباعثۃ علی القناعۃ والیہ الاشارۃ فی استقبال عین الشمس۔

الغرض مضمون حدیث سے صراحۃً اور اشارۃً یہ چند اُمور تو معلوم ہو گئے کہ خیر محض منتج شر نہیں ہوتی۔ خیر میں اگر اعتدال سے تجاوز ہو جائے تو نتیجہ بدمرتب ہو جاتا ہے اور اگر تجاوز عن الاعتدال کا تدارک کر دیا گیا تو وہ اندیشہ رفع ہو جاتا ہے۔ لیکن تھوڑی تامل سے باقی وہ صورتیں بھی جو ہم نے عرض کی ہیں اس سے مستنبط ہو جائیں گی۔

اور جب خیر کی یہ حالتیں ثابت ہو گئیں تو شر کی حالتوں کا قیاس اسپر صحیح ہوگا اور کسی عاقل کو اُسمیں تامل و تردد کا موقع نہ ہوگا۔ خصوصاً جب نظائر و شواہد سے ہم اُسکو محقق کر چکے ہیں خیر و شر کی اس مختصر تحقیق کے بعد اصلی مدعا کی طرف عود کرتا ہوں۔

قوم سبا کفرانِ نعمت۔ ناسپاسی۔ طغیان و سرکشی کی سزا میں ویران و برباد ہوئی۔ جلاوطن ہوئی۔ وطن مالوف سے اُجڑی۔ اور بہت سے خاندانوں کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔

عمران بن عمرو بھی اُسی قوم میں کا ایک فرد اور اُن ناشائستہ افعال میں سب کا شریک حال تھا، مگر اتنا فرق تھا کہ کاہن کے اقوال یا کسی اور ذریعہ سے اُس کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ قوم سبا ساری کی ساری تباہ اور اُن کی نعمت و دولت زائل ہونیوالی ہے۔ وہ عذاب الٰہی سے بچنے کے لئے وقوع حادثہ سے برسوں پہلے ریاست و حکومت۔ دولت و ثروت۔ ناز و نعمت سب کو بخوشی خاطر چھوڑ کر چلا گیا۔ اور اُس نے اور اُسکے اقربا نے اپنی اپنی پسند کیموافق ٹھکانے بنائے اور جہاں کسی کو موقع ملا آباد ہو گئے۔ جلاوطنی میں اُسکی یہ پیش قدمی جس کا منشاء عذاب الٰہی سے بچنا اور محفوظ رہنا تھا ثمر خیر و برکت ہو گئی۔ عمران کا بھتیجہ ثعلبہ مدینہ منورہ میں آباد ہوا اور اُنکے بیٹے حارثہ کے دو بیٹے اوس و خزرج پیدا ہوئے یہی اوس و خزرج ہیں جنکی اولاد میں انصار مدینہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کر کے اپنا نام انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فہرست میں لکھوایا ہے اور اسطرح سبا کی بربادی کا یہ عمدہ اور بہتر نتیجہ نکل آیا جسکو خدا تعالیٰ کی مکنونات قدرت کی شرح کہا جائے تو سراسر بجا ہے۔

مدینہ منورہ میں انصار سے پہلے یہود آباد تھے اور جہانتک تواریخ ہماری رہبری کرتی

ہیں معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ قوم یہود اہل کتاب تھے اُنکو یہ معلوم تھا کہ نبی آخر الزماں کی جائے ہجرت ایسی جگہ ہوگی جسکی ساری علامات مدینہ منورہ کے سوا کسی اور جگہ پر صادق نہیں آتی تھیں اس بنا پر یہ یہاں آکر آباد ہوئے تھے۔

رہی یہ بات کہ کس وقت اور کیونکر یہاں آکر آباد ہوئے اس بارہ میں روایات کے اندر بے انتہا اختلاف ہے۔ اور ہمیں کسی ایک روایت کی نسبت اعتماد کرنا سہل نہیں ہے۔ تاہم ایک روایت کا نقل کر دینا مناسب ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ بلغنی ان بنی اسرائیل لما اصابھم ما اصابھم من ظھور بخت نصر علیھم تفرقوا وکانوا یجدون محمداً صلی اللہ علیہ وسلم منعوتاً فی کتابھم وانہ یظھر فی بعض ھذہ القری العربیۃ فی قریۃ ذات النخل ولما خرجوا من ارض الشام جعلوا یعبرون کل قریۃ من تلک القری العربیۃ بین الشام والیمن یجدون نعتھا نعت یثرب فینزل بھا طائفۃ منھم ویرجون ان یلقوا محمداً صلی اللہ علیہ وسلم حتی نزل منھم طائفۃ من بنی ھارون ممن حمل التوراۃ بیثرب فمات اولئک الاباء وھم یؤمنون بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم انہ جاء ویحثون ابناءھم علی ابناءھم علی اتباعہ فادرکہ من ادرکہ فکفروا وھو یعرفونہ ای لحسد ھو الانصار

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھ کو یہ بات پہنچی ہے کہ بنی اسرائیل پر جب بخت نصر کے غلبہ کی وجہ سے سخت مصیبتیں پہنچیں تو وہ متفرق ہو گئے اُنکی کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت وصفت موجود تھی اور یہ بھی موجود تھا کہ وہ ایک ایسے قریہ میں جسکے اندر کھجور کے درخت ہیں ظاہر ہونگے۔ یہود جب بخت نصر کی مصیبت کی وجہ سے ملک کو چھوڑ کر نکلے تو شام یمن کے درمیان ہر ایسے قریہ پر جسکے اندر مدینہ کی سی صفت پائی جائے گذرتے تھے اور ایک جماعت اُس جگہ پر مقیم ہو جاتی تھی یہانتک کہ اولاد ہارون علیہ السلام میں سے ایک جماعت تورات کی عالم وحامل تھی خاص یثرب یعنی مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئی کچھ عرصہ کے بعد یہ جماعت تو اپنے اسی یقین پر کہ آپ یہاں تشریف لانیوالے ہیں اس عالم سے گذر گئی مگر اپنی اولاد کو آپ کی اتباع کیلئے آمادہ کر گئی اسی طرح ایک نسل دوسری کو آمادہ کرتی گئی۔ یہانتک کہ ایک نسل نے آپ کا زمانہ پایا۔ اور باوجود علم اور حقیقی معرفت کے کہ آپ ہی ہیں صرف انصار کی پیشقدمی پر حسد

حیث سبقو ھم الیہ۔ | کی وجہ سے منکر اور قابل ہو گئے۔

کلام اللہ سے بھی اس مضمون کی تصدیق ہوتی ہے۔ ارشاد ہے۔

وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ۔ فلعنۃ اللہ علی الکافرین۔

پہلے تو خدا تعالیٰ سے مشرکوں پر فتح چاہتے تھے کہ نبی آخر الزمان کو پیدا فرما کر مشرکوں کو غارت کردے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے جنکو وہ توارت کی علامات سے پہچانتے تھے تو از راہ حسد انکا انکار کرنے لگے خدا کی پھٹکار کافروں پر۔

تفسیر درمنثور میں بروایت ابن اسحاق وابن جریر وابن المنذر وابو نعیم وبیہقی عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری سے نقل کیا ہے وہ اپنے بعض بڑے بوڑھوں سے نقل کرتے ہیں کہ سارے ملک عرب میں ہم سے زیادہ کوئی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حال و شان کا واقف نہ تھا۔ ہمارے ساتھ یہود رہتے تھے۔ وہ اہل کتاب تھے اور ہم بت پرست تھے جب ہماری طرف سے کوئی رنج دہ بات یہود کو پہنچتی تو وہ کہا کرتے تھے کہ ایک نبی کا زمانہ بہت قریب آگیا ہے ہم اُنکے ساتھ ہو کر تم بت پرستوں کو عاد ارم کی طرح قتل کر ڈالیں گے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بھیجا۔ ہم متبع ہو گئے اور یہود اتباع سے انکار کرکے کفر و عناد پر مصر رہے۔ ہمارے اور یہود کے بارہ میں یہ آیۃ نازل ہوئی ہے۔

اوس و خزرج جو مدینہ میں آباد ہوتے وہ بھی اول سے یہ خیال دل میں لئے ہوئے تھے کہ نبی آخر الزمان خاص عرب میں مبعوث ہونگے۔ غالب قیاس یہ ہے کہ یہ علم اپنے ساتھ لائے تھے کیونکہ ہم اُنکے جد امجد سبا ابن یشجب ابن یعرب ابن قحطان کے تذکرہ میں لکھ آئے ہیں کہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہوئے تھا۔ اُس کے اُن اشعار میں جو اوپر نقل ہو چکے ہیں یہ تمنا موجود ہے کہ کاش وہ اُس وقت تک زندہ رہتا۔ اور آپ کی امداد و نصرت میں حصہ لیتا۔ اور پھر اپنی اولاد کو وصیت کردی کہ جو اُنکا زمانہ پائے میرا اسلام پہنچادے۔

عرب میں اپنے بزرگوں اور اکابر کی وصیت جیسی کچھ واجب العمل سمجھی جاتی تھی اظہر من الشمس ہے ایسی حالت میں یہ علم اور یہ وصیت اُس کی اولاد میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی چلی آئی ہو۔ اور مدینہ میں پہنچکر یہود سے میل جول کے بعد اس خیال کی اور بھی تقویت ہو گئی ہو۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہود ہی سے سنکر اُن میں یہ خیال پھیلا ہو مگر قرین قیاس اور مطابق روایت

اول ہی بات ہو۔ اہل عرب اپنی خاندانی بات کو جتنا مانتے تھے دوسرے کی بات اُنکے نزدیک اتنی باوقعت نہ ہوتی تھی۔ بہرحال کوئی وجہ بھی اوس وخزرج میں یہ خیال راسخ تھا۔ اور روایتی طریقہ پر اباً عن جدٍ منتقل ہوتا چلا آتا تھا۔

مورخین نے لکھا ہے کہ اوس وخزرج دونوں حقیقی بھائی تھے۔ خزرج کے پانچ بیٹے تھے اور اوس کے صرف ایک بیٹا مالک بن اوس تھا۔ اہلِ عرب میں قوت و شوکت کا مدار اولاد کی کثرت پر تھا۔ اوس جب قریب المرگ ہوا تو اُسکے اقربا نے گرداگرد جمع ہو کر بطور تحسر کہا کہ ہم آپ سے کہا کرتے تھے کہ دوسری شادی کرو۔ دیکھو تمہارے بھائی کے پانچ بیٹے ہیں۔ اور تمہارے صرف ایک ہے مالک نے جواب دیا۔

لن یھلک ھالک۔ ترک مثل مالک۔	جس نے اپنا نام روشن رکھنے کے لئے مالک جیسا بیٹا چھوڑا وہ ہرگز نہیں مرا۔

مطلب یہ تھا کہ اگر ایک بیٹا بھی مالک جیسا شریف النفس، قوی الہمۃ ہو تو باپ کا نام زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔ اور کم ہمت دنی النفس بہت سے بھی ہوں تو کچھ نہیں پھر کہا۔

اِنّ الذی یخرج النار من الزند تع قادرٌ علی ان یجعل لمالک نسلاً و رجالاً بسلاً۔	جو ذات پاک اس بات پر قادر ہے کہ چقماق میں سے آگ پیدا کردے اسپر بھی قادر ہے کہ مالک کی اولاد پھیلادے اور اُن میں شجاع و بہادروں کی جماعت پیدا کردے۔

اور پھر اپنے بیٹے مالک کی طرف دیکھ کر کہا۔

ای بُنیّ المنیتہ ولا الدنیا۔	پیارے بیٹے موت کو اختیار کرلینا مگر ذلت گوارا نہ کرنا

یہ تھے عرب کے شریفانہ اخلاق جس نے اُن کو دنیا کا مالک بنا دیا تھا۔ خیارکم فی الجاھلیۃ خیارکم فی الاسلام میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

اس کے بعد اُس نے اشعار ذیل پڑھے۔

لعل الذی اودی ثمود او جرھما	سیعقب لی نسلاً علی اٰخر الدھر

ف امید ہے کہ وہ ذات جس نے ثمود و جرہم جیسی زبردست قوموں کو فنا کردیا۔ میرے لئے قیام دہر تک قائم رہنے والی نسل پیدا کردے

ف ان لوگوں کے ذہن کسقدر صاف تھے اور وہ قدرت کے مختلف مظاہر وشیون کو کیسے خوبی سے سمجھے ہوئے تھے۔ اوس گرقدرت کی ایک نظیر سے دوسرے کیلئے استدلال کرتے تو اتنا لطیف نہ ہوتا جتنا ایک ضد سے دوسری ضد پر۔

عیون الذی الداعی الی طلب الوتر	تفرہم من آل عمرو ابن عامر

وہ ذات میری نسل کو اُن لوگوں کی نگاہ میں جو طلب ثار کے لئے بلاتے ہیں۔ عمرو بن عامر کی اولاد کی برابر بنادی

یفوز بہا اہل السعادۃ والبر	الویات قومی ان للہ دعوۃ

کیا میری قوم کو خبر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صدا حق بلند ہونیوالی ہے جسکی برخورداری سعید اور نیکوکاروں کیلئے ہوگی

بمکۃ فیما بین زمزم والحجر	اذا بعث المبعوث من آل غالب

جبکہ مکہ کے اندر زمزم اور حطیم کے درمیان غالب بن لوی کی اولاد سے ایک نبی مبعوث ہونگے

بنی عامران السعادۃ فی النصر	ھنالک فابغوا نصرۃ ببلادکم

اُس وقت اے بنی عامر اپنے شہروں میں رہ کر اُن کی مدد کرنا۔ کیونکہ سعادت اور فلاح صرف اعانت میں منحصر ہے

ان اشعار میں جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں مبعوث ہونیکی بابت اپنے علم کو ظاہر کیا ہے ایسے یہ بھی بتلادیا کہ تم کو اپنے وطن میں رہ کر نصرت کرنا چاہئے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینے کی جانب ہجرت ہوئے اور اپنی قوم کی جاں نثاری وخادم بننے کا بھی اُسکو علم تھا اور اسی وجہ سے یہ خطاب صرف اپنی اولاد کو نہیں کیا۔ بلکہ اپنے بھائی کی اولاد کو بھی اُسمیں شریک کیا۔

غرض دونوں قومیں یہود اور اولاد حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر ماء السماء اوس وخزرج اس تعین وعلم کے ساتھ مدینہ میں آباد ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے منتظر نصرت وامداد پر مستعد وآمادہ تھے مگر قسام ازل نے یہ سعادت صرف انصار کے حصہ میں لکھی تھی۔ یہود باوجود اہل کتاب ہونیکے منکر ومعاند بنگئے اور بنی اوس وخزرج باوجود بت پرست اور مشرک ہونے کے یار ومددگار بنے اور اُنہیں کی استدعا اور الحاح پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا وطن مکہ معظمہ چھوڑ کر مدینہ کو جائے قیام اور وطن اصلی سے زیادہ مالوف وطن بنالیا۔

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ	ایں سعادت بزور بازو نیست

اور قوم سبا کی ہلاکت وبربادی۔ جلاوطنی اور پریشانی کا ایک یہ ثمرہ ظاہر ہوا۔

اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے وہ مُردوں میں سے زندوں کو اور زندوں میں سے مُردوں کو ظاہر فرما دیتا ہے۔	واللہ علی کل شیئ قدیر۔ یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی

انصار مدینہ کے متعلق ایک اور بھی روایت ہے جسکو ابن اسحاق نے کتاب المبتدا میں ذکر کیا

ہی وہ یہ کہ تبع اوّل جس کا نام اسعد ابن کلکیکرب تھا۔ جب اُسکا گذر مدینہ پر ہوا تو اُس کے ہمراہ چار سو عالم تھے۔ ان عالموں نے یہاں پہنچکر باہم عہدو پیمان کر لیا کہ اس بستی سے نہ نکلیں گے۔ اور اسکو چھوڑ کر کہیں نہ جائیں گے۔ تبع کو اس کی خبر ہوئی تو اُن سے اس کا سبب پوچھا۔ انہوں نے بیان کیا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ یہ جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جائے ہجرۃ ہے۔ ہم یہاں اس غرض سے مقیم ہوتے ہیں کہ شاید ہم کو اُن کی خدمت میسر آجائے۔ یہ سنکر تبع نے انکو وہاں آباد ہونیکی اجازت دی۔ ہر ایک کیلئے ایک مکان بنوادیا اور ہر ایک کی شادی کر کے بہت سامان اُنکو دیدیا۔ اور ایک تحریر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور اپنے مسلمان ہونے کی لکھکر اُن کو دیدی اُس تحریر میں یہ دو شعر بھی تھے۔

شهدت علی احمد انه	رسول من الله باری النسم
میں احمد کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ وہ	خالق کائنات کے رسول ہیں
فلو مد عمری الی عمره	لکنت وزیرا له وابن عم
اگر میری عمر اُن کے زمانہ تک دراز کردی جاتی	تو میں اُنکا وزیر اور چچا کا بیٹا (یعنی مددگار) ہوتا

اس تحریر پر مہر لگا کر سب سے بڑے عالم کو دیدی کہ وہ یا اُن کی اولاد میں سے جو شخص آپ کا زمانہ پائے یہ تحریر پہنچادے اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے لئے ایک گھر بنایا۔ یہ گھر مختلف لوگوں کے قبضہ میں رہا۔ یہانتک کہ آخر زمانہ میں حضرت ابوایوب انصاری کے قبضہ میں آگیا حضرت ابوایوب انصاری اُسی بڑے عالم کی اولاد میں تھے جسکو تبع نے وہ تحریر دی تھی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو آپکا قیام اُسی گھر میں ہوا۔ بعض کا قول ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری کے پاس تبع کی وہ تحریر بجنسہ موجود تھی۔ یہ روایۃ قابل اعتماد اور معتبر نہیں ہے انصار کے نسب اور آبادیِ مدینہ کے متعلق صحیح وہی روایت ہے جو ہم اوّل عرض کر چکے ہیں۔

نتیجہ سوم

قوم سبا پر خدا تعالی کی بے انتہا انعام ظاہر و باطن مبذول تھے۔ رزق۔ مال دولت حشمت و ریاست کی یہ حالت تھی کہ ہر شخص کو ہر قسم کی نعمت حاجت سے زیادہ ملتی تھی ضعیف العمر بڑھیا بھی بلا کسی قسم کے تعب و مشقت کے عمدہ سے عمدہ غذائیں کھا سکتی تھی۔ ہر شخص بجائے

خود ترفہ و تنعم میں مشغول و مستقل رئیس بنا ہوا تھا نہ رزق و اسبابِ تنعم کے بہم پہنچانے میں اُن کو کسی دقت و مشقت کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا اور ایسی نفیس اور لذیذ غذاؤں کی کثرتِ استعمال سے جن تکالیف و امراض کا اندیشہ ہو سکتا ہے نہ وہ اُن کو پیش آتی تھیں۔ بستی اُن کی ایسی عجیب الاثر کہ کوئی چھوٹا بڑا موذی جانور وہاں موجود نہ تھا۔ اُن کو مرض کا ذائقہ تک معلوم نہ تھا۔

اور ان سب پر بڑھ کر یہ بات تھی کہ اس طرح مال و دولت کو بے محابا اڑانے کا اُن سے اخروی مواخذہ بھی نہ تھا۔ اُنکو یہ وہ حالت نصیب تھی جو صرف اہلِ جنت کے لئے مخصوص ہے دنیا میں کسی قوم کو نصیب نہیں ہوئی۔ ان تمام انعام و اکرام، بے انتہا دولت و حشمت ثروت اور رفاہیت کے مقابلہ میں اُن سے صرف یہ طلب کیا گیا تھا کہ اپنے رب مالک و خالق کو پہچانکر اس کی شکر گذاری کریں۔ مگر اُن سے یہ نہ ہو سکا اور یہی انعامات بوجہ کفرانِ نعمت اُن کی تباہی، بربادی ہلاکت اور پریشانی کا سبب بن گئی۔

اس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ کسی قوم پر اگر دنیا کی ساری نعمتیں برسنے لگیں مال و دولت اُنکے ناخریدہ غلام بنجائیں ریاست و حکومت اُنکے ساتھ سایہ کی طرح رہیں تو ہرگز یہ تمام باتیں اس بات کی علامت نہیں ہو سکتیں کہ یہ قوم خدا کے یہاں مقبول ہے اور آخرت کی فوز و فلاح میں سے اُسکو کچھ حصہ ملا

آدمی کو دنیا میں رہ کر تین حالتیں پیش آتی ہیں۔

(۱) محض تنعم و ترفہ جاہ و مال حکومت و ریاست جسمیں کسی کدورت اور خلاف مزاج کا شائبہ نہ ہو۔

(۲) فقر و فاقہ۔ تنگدستی و افلاس۔ محکومی ذلت۔ دائمی امراض و تکالیف۔

(۳) تنعم کے ساتھ کچھ کدورتیں بھی ہوں۔ مال و دولت ہے تو اُسکے ساتھ امراضِ جسمانی بھی لگے ہوئے ہیں۔ کبھی فراخی و خوشحالی ہے تو کبھی تنگدستی ہے۔ کبھی امن و راحت نصیب ہے تو کبھی اندیشہ جان و مال سے دل متفکر اور دماغ پریشان ہے۔ خود تندرست ہے تو عزیز و اقارب کی تکالیف یا موت سے غمزدہ ہو جاتا ہے۔ غرض راحت کیساتھ رنج اور سکون کیساتھ اضطراب دوش بدوش ہیں

ان تینوں حالتوں کے آثار و ثمرات جدا جدا ہیں حالتِ اولیٰ میں بہت جلد آدمی بدل جاتا، مغرور و سرکش ہو جاتا ہے اور وہ نہ صرف اپنے ہمجنسوں اور باقی مخلوق سے بھی اپنے آپ کو بلند و بالاتر سمجھنے لگتا ہے بلکہ اُس تعلق کو بھی جو اُس کے اور خالق کے درمیان میں ہے فراموش کرتا اور

بسا اوقات اُس کو منقطع کردیتا ہے۔ اگر اقوامِ عالم کے حالات پر ایک صحیح اور ناقدانہ نظر ڈالی جائے اور دیکھا جائے کہ صفحۂ ہستی پر کتنی اقوام پورے عروج کے بعد تباہ و برباد ہوئیں تو ہم کو صاف صاف پتہ چل جائیگا کہ یہ سب وہی تھے جن پر خدا تعالیٰ کے بے انتہا انعام مبذول ہوئے اور یہ انعامات ہی اُنکی سرکشی نافرمانی کفر و کفران کے ذریعہ بنگئے۔

دیکھو فرعون نے اسی نخوتِ سلطنت صحت و عافیت کی بدولت کہ کبھی کوئی تکلیف اور رنجیدہ امر پیش نہ آیا دعویٰ خدائی کردیا۔

قوم عاد اپنی تنومندی عظمت قد و قامت، قوت و شوکت کی بدولت مغرورانہ بول اُٹھی۔

مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّۃً | ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے۔

جس کے جواب میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیْ خَلَقَھُمْ ھُوَ اَشَدُّ مِنْھُمْ قُوَّۃً۔ | کہ وہ نہیں دیکھتے کہ جس خدا نے اُن کو پیدا کیا ہے وہ اُن سے زیادہ قوت والا ہے۔

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں ایک معمولی شخص تھا اُس کو اتنا بڑا خزانہ ملگیا جس کی کنجیاں اُٹھانے کیلئے بھی ایک بڑی قوت والی جماعت کی ضرورت پڑتی تھی۔ مگر بجائے شکر گذار ہونے کے مغرور ہوگیا اُس نے سمجھ لیا کہ مجھ کو جو کچھ ملا ہے میرے ذاتی استحقاق اور علم و دانش کا نتیجہ ہے لوگ اُس کو سمجھا کر کہتے تھے۔

لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ وَابْتَغِ فِیْمَآ اٰتٰکَ اللّٰہُ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا وَاَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ۔ | تو اس قدر مت اکڑ و ناسپاس و مغرور نہ بن اللہ تعالیٰ اکڑنے والوں کو پسند نہیں فرماتا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو دیا اُس سے دار آخرت کیلئے سامان کر اور دنیا میں بقدر ضرورت حصہ لے اور جس طرح خدا تعالیٰ نے تجھپر احسان کیا ہے تو بھی احسان کر اور زمین پر فساد نہ کر۔ اللہ تعالیٰ فساد کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتا

اس کا جواب اُس نے نہایت نخوت و استغنا کے ساتھ دیا۔

اِنَّمَآ اُوْتِیْتُہٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ۔ | مجھ کو یہ خزانہ اُس علم کی وجہ سے ملا ہے جو مجھ کو حاصل ہے

مفسرین نے اس آیت کی تفسیر اور علیٰ علمٍ کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قارون توراۃ کا بڑا عالم تھا اور وہ یہ سمجھتا تھا کہ اس علم کی وجہ سے مجھے یہ استحقاق ہوا ہے کہ اسقدر بے انتہا مال و دولت مجھ کو ملگیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اُسکو علم کیمیا آتا تھا اُس کے ذریعہ سے اُس نے یہ مال حاصل کیا تھا۔ اور یہ علم کیمیا بھی دراصل حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا طفیل تھا کیونکہ آپ کو من اللہ یہ علم عطا ہوا تھا۔ اور آپ ہی کی تعلیم سے قارون تک پہنچا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کو تجارت و زراعت وغیرہ طریقہ کسب مال کے اُصول و قواعد خوب معلوم تھے اور اسی علم پر غرہ کر کے یہ سمجھا کہ اُس کے حصول میں کسی کا کیا احسان ہے۔ بہر حال کوئی سا قول صحیح ہو اُسکو غرہ یہ تھا کہ مال و دولت مجھے میری ذاتی استحقاق اور کمال کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اَوَلَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَھْلَکَ مِنْ قَبْلِہٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ ھُوَ اَشَدُّ مِنْہُ قُوَّۃً وَّ اَکْثَرُ جَمْعًا ؕ	نادان کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے گذشتہ قرنوں میں سے ایسی جماعتوں کو جو اس سے بھی زیادہ قوۃ اور مال والے تھے ہلاک کر دیا ہے۔

آخر اس بدبخت کا بھی یہی انجام ہوا جوں جوں مال بڑھتا گیا اُس کا غرور اور کفران ترقی کرتا گیا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی اذیت رسانی میں ساعی رہتا تھا اور آپ قرابت کے تعلقات کی وجہ سے مدارات و دلجوئی کرتے رہتے تھے۔ یہانتک کہ زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اس بارہ میں بھی اُس سے یہ سہولت برتی کہ ہر ہزار دینار میں سے ایک دینار اور اسی طرح ہزار درہم میں سے ایک درہم ادا کرے۔ مگر اُس نے اس جزو قلیل کا بھی حساب کیا تو کثرتِ مال کی وجہ سے اسکا مجموعہ بھی بہت زیادہ ہوتا تھا جس کے ادا کرنے سے جان چُرانے لگا اور آخر اُس نے بنی اسرائیل کے چند آدمیوں کو اپنا ہمخیال بنا کر اس پر آمادہ کیا کہ حضرت موسیٰ پر کوئی تہمت لگائی جاوے ایک عورت کو بہت کچھ طمع دیکر آمادہ کر دیا کہ جب موسیٰ علیہ السّلام تبلیغ و ہدایت کے لئے کھڑے ہوں تب یہ عورت اُن پر بہتان لگائے۔ اگلے روز آپ نے مجمع عام میں زنا کے احکام بیان فرمائے۔ قارون بولا کہ اس حکم سے آپ یا کوئی مستثنےٰ ہے۔ فرمایا ہرگز نہیں۔ مجھ پر بھی یہی حکم جاری ہو سکتا ہے۔ اُس نے کہا تو فلاں عورت ایسا کہتی ہے۔ آپ نے اُس کو بلا کر اور حلف شدید دیکر دریافت فرمایا۔ اُس نے اصلی واقعہ اغوار کا سچا سچا بیان

کردیا۔ اُس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بددعا کی قارون اور اُس کا تمام خزانہ اور مکانات زمین میں اُتار دیئے گئے۔

بنی اسرائیل کے بعض اچھے خاصے مسلمانوں کو بھی قارون کے پاس مال و دولت کی یہ کثرت دیکھکر غبطہ پیدا ہوتا تھا چنانچہ جب وہ عید کے روز نہایت احتشام کے ساتھ نکلا اُسکے ارد گرد ہزاروں سوار رنگ رنگ کی سواری، رنگ رنگ کے قیمتی رنگین لباسوں میں نکلے تو اُن سے نہ رہا گیا۔ اور کہنے لگے۔

یَا لَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ قَارُوْنُ اِنَّہٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ	کاش ہمارے لئے بھی ایسا ہی مال ہوتا جیسا قارون کے لئے وہ تو بڑا نصیب والا ہے۔

لیکن جو زیادہ فہمیدہ اور عاقبت اندیش ہیں اور مال و دولت کے انجام نعماء آخرت کی عظمت و جلالت سے واقف تھے اُنہوں نے سُنکر ان لوگوں کو جواب دیا۔

وَیْلَکُمْ ثَوَابُ اللّٰہِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّلَا یُلَقّٰھَا اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ۔	تمہارے حال پر افسوس ہو۔ تم نہیں جانتے کہ اللہ کے یہاں کا ثواب بہتر ہے اُن لوگوں کیلئے جو ایمان لائے اور جنہوں نے عمل صالح کئے اور یہ ثواب نہیں دیا جائیگا۔ مگر صبر کرنے والوں کو۔

لیکن جب قارون کا یہ حشر ہوا تو وہ لوگ بھی جو اُس کے مال و دولت کو دیکھکر حرص کرتے تھے بول اُٹھے کہ اللہ جسکو چاہے رزق میں وسعت دیتا ہے۔ اور جس کیلئے چاہے تنگی کرتا ہے اسمیں کوئی فضیلت کی بات نہیں ہے۔ اگر ہم پر خدا تعالیٰ اپنا فضل نہ فرماتا تو ہمارا بھی یہی حشر ہوتا۔

قارون ہی کے مشابہ ایک واقعہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی پیش آیا ہے۔

ثعلبہ بن حاطب انصار میں کا ایک شخص تھا وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے لئے دعا فرما دیجیے کہ مجھے بہت مال ملجائے ارشاد فرمایا۔

وَیْحَکَ یَا ثَعْلَبَۃُ اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِثْلِیْ فَلَوْ شِئْتُ اَنْ یُّسَیِّرَ رَبِّیْ ھٰذِہِ الْجِبَالَ لَسَارَتْ۔	ثعلبہ تمہارے حال پر افسوس ہے۔ کیا تو اس کو پسند نہیں کرتا کہ میری طرح پر رہے۔ اگر میں یہ چاہتا کہ اللہ تعالیٰ ان پہاڑوں کو میرے ساتھ ساتھ چلائے تو ہو سکتا تھا۔

مطلب یہ ہے کہ میں چاہتا تو ہر قسم کی تونگری حشمت اقتدار اور افتخار ظاہری حاصل ہوجاتا مگر میں نے اپنے لئے اس کو پسند نہیں کیا۔

ثعلبہ نے پھر کہا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ دعا فرما دیجئے میں اُس ذات کی قسم کھاتا ہوں جس نے آپ کو بھیجا ہے۔ اگر میرے پاس مال ہو گیا تو تمام ذوی الحقوق کے حق ادا کرتا رہوں گا۔ آپ نے پھر ارشاد فرمایا۔

قَلِيْلٌ تُشْكُرُهُ خَيْرٌ مِّنْ كَثِيْرٍ لَا تُطِيْقُ شُكْرَهُ۔	تھوڑا مال جس کا تو شکر ادا کرتا ہے بہت سے مال سے بہتر ہے جس کا شکر ادا نہ ہو سکے۔

اُس نے پھر یہی عرض کیا۔ تو آپ نے اُسکی وسعتِ رزق و مال کی دعا فرمائی۔ آپ کی دعا مقبول ہوئی۔ اُس نے تجارت کیلئے بکریاں خریدیں۔ اُنکا پھیلاؤ چیونٹیوں کی طرح شروع ہوا اور اسقدر بڑھیں کہ مدینہ میں گنجایش رکھنے کی نہ رہی۔ تب وہ بمجبوری مدینہ سے علیحدہ جاکر مقیم ہوا۔ وہاں سے دن کی نمازوں کیلئے تو مسجد نبوی میں حاضر ہوتا رہا مگر شب کو نہیں آتا تھا بکریوں کا پھیلاؤ اور بڑھا تو وہاں بھی گنجایش نہ رہی تب وہ اور دور جاکر مقیم ہوا۔ وہاں سے نہ دن کو مسجد نبوی میں نمازوں کیلئے حاضر ہو سکتا تھا اور نہ رات کو البتہ جمعہ کی نماز کیلئے حاضر ہوتا تھا لیکن جب یہ جگہ بھی تنگ ہو گئی تو وہ اور دور جاکر آباد ہوا اور جمعہ اور جنائز وغیرہ میں بھی آنا متروک ہو گیا صرف اتنا تعلق باقی رہ گیا کہ آنے جانیوالوں سے آپ کے اور مسلمانوں کے حالات دریافت کرتا رہتا تھا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ ثعلبہ کسی وقت بھی حاضر نہیں ہوتا تو لوگوں سے اُس کا حال دریافت فرمایا صحابہؓ نے عرض کیا کہ مال کی کثرت کی وجہ سے مدینہ میں نہیں رہ سکا بلکہ دور جاکر مقیم ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

وَيْحَ ثَعْلَبَةَ بْنِ حَاطِبٍ	افسوس ہے ثعلبہ ابن حاطب کے حال پر۔

اس کے بعد مسلمانوں پر صدقاتِ مالیہ فرض ہوئے۔ آپ نے دو شخصوں کو صدقات وصول کرنے کیلئے مامور فرمایا۔ اور زکوٰۃ کے قواعد و حساب مفصل تحریر فرما کر دیدیئے اور اُن لوگوں کو یہ حکم دیا گیا کہ ثعلبہ بن حاطب اور قبیلہ سلیم کے ایک شخص کے پاس بھی اخذ صدقات کے لئے جاویں۔ یہ دونوں شخص حسب الحکم ثعلبہ کے پاس پہنچے۔ اُس سے کہا مجھکو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان دکھلاؤ۔ دیکھ کر کہا یہ تو بالکل جزیہ ہے۔ اب تو تم جاؤ اور جب اپنے کام سے فارغ ہو جاؤ تو میرے پاس آنا۔ یہ دونوں صاحب آگے بڑھے اور اُس دوسرے شخص سلیمی کو اطلاع ملی تو اُس نے

اُنکا استقبال کیا اور بہترین اموال منتخب کر کے صدقہ دینے کو ساتھ لایا۔ ان دونوں نے کہا صدقہ میں اعلیٰ کا حکم نہیں ہے متوسط کا حکم ہے اُس نے کہا خدا تعالیٰ کے یہاں تقرب حاصل کرنے کے لئے بہترین مال پیش کرنا چاہیے۔

یہ دونوں صاحب لوٹ کر پھر ثعلبہ سے ملے۔ اُس نے پھر تحریر مبارک دیکھی اور دیکھ کر یہی کہا کہ یہ تو جزیہ ہے۔ اور کہا اب تو آپ جائیں میں سوچکر جواب دونگا۔

جب یہ دونوں صاحب آپ کی خدمت میں واپس آئے تو آپنے اُنکو دیکھتے ہی فرمایا۔ ویحِ ثعلبۃ بن حاطب اور اُس سلیمی شخص کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ اُسی وقت ثعلبہ کے بارہ میں آیات ذیل نازل ہوئیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ آتَانَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝

اور اُنمیں سے ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے خدا سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمکو اپنے فضل سے کچھ مرحمت فرمائیگا تو ہم ضرور صدقات وغیرہ دیا کرینگے اور نیکو کاروں میں سے ہو جائینگے۔ پھر جب خدا نے اپنے فضل سے اُنکو دیا تو وہ اُس میں بخیل بن گئے اور پشت پھیر کر اعراض کرنے لگے۔

ایک شخص ثعلبہ کے رشتہ داروں میں سے وہاں موجود تھے اُنہوں نے ثعلبہ سے آپکے ارشاد اور نزولِ آیات کا حال بیان کیا۔ تب ثعلبہ پشیمان ہوا اور صدقہ اموال لیکر حاضر خدمت ہوا۔ لیکن آپنے فرمایا کہ مجھ کو تیرے صدقات قبول کرنے سے ممانعت کر دی گئی ہے۔ ثعلبہ نے رونا اور سر پر خاک ڈالنا شروع کیا۔ آپنے ارشاد فرمایا یہ تیری خود ضد اور ہٹ کا نتیجہ ہے۔ میں تجھکو منع کرتا تھا مگر تو نے نہیں مانا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ثعلبہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کی خدمت میں صدقات لیکر حاضر ہوا اور عرض کیا آپ کو انصار میں میری قدر و منزلت معلوم ہے آپ قبول فرمائیں مگر آپ نے بھی قبول سے انکار کر دیا۔

پھر حضرت عمر رضؓ کے زمانہ میں حاضر ہوا۔ مہاجرین و انصار ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیع بنایا۔ مگر آپنے بھی قبول نہیں کیا اور پھر اسی حالت ذلت و خسران میں راہی عدم ہو گیا حالتِ ثانیہ میں کہ محض فقر و فاقہ تنگی و تنگدستی تکالیف و محن ہی سے سابقہ رہی۔ اور کبھی راحت

ومسرت اطمینان وسکون کی صورت نہ دیکھے۔ یہ حالت بھی بسا اوقات آدمی کو اپنے مرکز سے ہٹا دیتی ہے اور وہ مضطرب ہوکر جادۂ اعتدال سے ہٹ کر باطل پرستوں کی غلامی کرنے لگتا ہے اور طلب رزق ومال میں حق وناحق کی تمیز نہیں کرتا۔ بلکہ بسا اوقات جب اور اہل دنیا سے اپنی حالت زار کا مقابلہ کرتا ہے تو خداوند عالم کی شان میں گستاخانہ الفاظ اُس کی زبان سے نکلنے لگتے ہیں۔ اور ہر دو صورت میں دائرۂ کفر میں داخل ہوجاتا یا قریب بہ کفر پہنچ جاتا ہے۔ اس لئے ارشاد ہوا ہے۔ کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا۔

مگر اوّل و دوم حالت میں فرق یہ رہتا ہے کہ وہ غرور ونخوت میں جو خدائی کے درجے تک پہنچادے اور جس کا نتیجہ اپنے سے پست درجہ والوں کا ستانا اور اذیت پہنچانا ہوتا ہے۔ حالتِ اولیٰ میں حاصل ہوتا ہے۔ حالتِ ثانیہ میں بجائے کبر ونخوت کے عجز وانکسار ہوتا ہے۔ آدمی دوسروں کا دستِ نگر بنکر اپنے ذاتی اوصاف اور انسانی شرافت کو بھی چھوڑ کر بسا اوقات غلامی کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس لئے اس پر وہ ثمرات مرتب نہیں ہوتے جو حالتِ اولیٰ میں ہوتے ہیں۔ عالم میں جتنی قومیں عذاب کے اندر مبتلا ہوئیں سب کی سب وہی ہیں جو مال ودولت، قوت وشوکت۔ عزت ووجاہت کی بدولت مغرور بنکر ایک جانب خدا سے مقابل بن گئیں دوسری جانب کمزوروں پر ظلم وتعدی کرنے لگیں۔ عاجز وذلیل ہوکر نہ کسی نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ نہ اُس کو ظلم وتعدی کا موقعہ ملا۔ اس وجہ سے کوئی ایسی قوم عذابِ عام میں مبتلا بھی نہیں ہوئی۔

بلکہ اگر حالتِ ثانیہ میں آدمی استقلال واستقامت کے ساتھ اپنے حال پر قائم رہے سختی اور مشقت اُسکو اپنے مرکز سے نہ ہٹا سکے۔ اور وہ صبر کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہے تو اُس کا درجہ یقیناً سب سے بڑھ جاتا ہے۔ مگر چونکہ اتنی ثابت قدمی سوائے اخص الخواص کے نہایت دشوار بلکہ بظاہر ناممکن ہے اس لئے اس سے محفوظ رہنے کی دعا مانگی گئی ہے۔

ہاں اعتدال کا درجہ تیسری حالت میں ہے۔ صبر اور شکر دو ایسے وصف ہیں کہ جبتک کسی میں دونوں نہ ہوں اُسکو ایمان واسلام حقیقی حاصل نہیں ہوتا۔ اسی لئے کلام اللہ میں جگہ جگہ صبر وشکر کو ملا کر بیان فرمایا ہے۔ ہم ابھی بیان کرچکے ہیں کہ دونوں حالت میں اپنے مرکز پر قائم نہیں رہتا۔ اگر فقط تنعم وترفہ ہے تو یہ ممکن ہے کہ وہ ایک حدتک۔ ایک زمانہ تک شکر گزار رہے۔ مگر

انجام اُس کا ناسپاسی اور کفران بنجاتا ہے۔ جیسا کہ ابھی قوم سبا کے حالات سے معلوم ہو چکا ہے اور حالت ثانیہ میں گو بعض خواص صبر و سکون سے کام لے سکیں۔ مگر وہ بھی اکثر افراد کے لئے منجر الی الشرک والکفر ہو جاتا ہے۔

یہ خوبی صرف حالت ثالثہ میں ہے کہ اُس میں آدمی اکثر حالات کے اندر اعتدال پر رہتا ہے اُس میں خدائی کی ہوا بھی نہیں بھرتی۔ اور نہ محض عاجز و ذلیل بنکر طریقہ کفر اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے اور یہیں سے اسلامی تعلیم کی خوبی معلوم ہو سکتی ہے۔ اسلام میں فقر و غنا دونوں کو اُس حد تک پسند کیا گیا ہے جس میں کسی جانب اندیشۂ نقصان و طغیان کفران و ناسپاسی نہ ہو صبر و شکر دونوں کو جمع کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح کثرتِ مال اور انہماک دنیا کی جسکا اثر بدخدا سے بُعد اور اعراض عن الحق ہے۔ مذمت بیان فرمائی ہے ایسی ہی اُس تنگدستی و محتاجگی کو جو آدمی کو طریق حق سے ہٹا دے ناپسند فرمایا ہے

بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت موجود ہے جسمیں اُن اُمور کا ذکر ہے جس سے آپ پناہ مانگتے تھے۔ منجملہ اُن کے یہ بھی ارشاد ہے۔

وَشَرِّ فِتْنَةِ الْغِنٰی وَشَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ	الٰہی میں پناہ مانگتا ہوں فتنۂ غنی اور فتنۂ فقر کے شر سے

ایک دوسری حدیث میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ مَا يَنْتَظِرُ اَحَدُكُمْ اِلَّا غِنًى مُطْغِيًا اَوْ فَقْرًا مُنْسِيًا۔ (الی آخر الحدیث)	فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں انتظار کرتے ہو تم مگر غنی کا جو طغیانی تک پہنچا دینے والا ہے۔ یا فقر کا جو اپنی شدت کیوجہ سے مایوس کر دینے والا ہے۔

آپ نے اپنے نفس کے لئے بھی اسی کو پسند فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔

عَرَضَ عَلَيَّ رَبِّيْ لِيَجْعَلَ لِيْ بَطْحَاءَ مَكَّةَ ذَهَبًا فَقُلْتُ لَا يَا رَبِّ وَلٰكِنْ اَشْبَعُ يَوْمًا وَاَجُوْعُ يَوْمًا فَاِذَا جُعْتُ تَضَرَّعْتُ اِلَيْكَ وَذَكَرْتُكَ وَاِذَا شَبِعْتُ حَمِدْتُكَ وَشَكَرْتُكَ۔	فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے رب نے مجھ پر مکہ کے پتھریلے میدان کو پیش کیا کہ اسکو سونے کا بنا دیا جائے۔ میں نے عرض کیا کہ نہیں بلکہ میری حالت یہ رہنی چاہئے کہ ایک روز پیٹ بھر کر کھاؤں اور ایک روز بھوکا رہوں جس دن بھوکا رہوں تو تجھکو یاد کروں اور تیرے سامنے تضرع و زاری کروں۔ اور جب پیٹ بھر جائے تو تیری حمد اور شکر کروں۔

آپ نے ایک جانب اگر غنی کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا ہے۔

مَنْ طَلَبَ الدُّنْیَا حَلَالًا اِسْتِعْفَافًا عَنِ الْمَسْئَلَۃِ وَسَعْیًا عَلٰی اَھْلِہٖ وَتَعَطُّفًا عَلٰی جَارِہٖ لَقِیَ اللّٰہَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَوَجْھُہٗ مِثْلُ الْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ۔

جو شخص دنیا یعنی مال کو بذریعہ حلال سوال سے بچنے کیلئے اپنی اہل وعیال کی خبر گیری اور پڑوسیوں پر خرچ کرنیکے لئے طلب کرے تو وہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے سامنے ایسی حالت میں جائیگا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کیطرح چمکتا ہوا ہوگا

ایک حدیث میں ام سلیم سے روایت ہے۔

اَنَّھَا قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَسٌ خَادِمُکَ اُدْعُ اللّٰہَ لَہٗ، قَالَ اللّٰھُمَّ اَکْثِرْ مَالَہٗ وَوَلَدَہٗ وَبَارِکْ لَھُمْ فِیْمَا اَعْطَیْتَہٗ۔

حضرت ام سلیم والدہ انس بن مالک خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضور انور کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ انس آپ کا خادم ہے اسکے لئے دعا فرما دیجئے۔ آپ نے دعا فرمائی الٰہی اسکو مال اور اولاد بہت عطا فرما اور جو کچھ اسکو ملے اسمیں برکت عطا فرما۔

تو دوسری جانب فقر و زہد کی فضیلت بھی بیان فرمائی ہے۔

مسلم میں عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے۔

اِنَّ فُقَرَاءَ الْمُھَاجِرِیْنَ یَسْبِقُوْنَ الْاَغْنِیَاءَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِلَی الْجَنَّۃِ بِاَرْبَعِیْنَ خَرِیْفًا۔

فقراء مہاجرین اغنیاء سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

فقر و غنا کی باہم فضیلت اور فرق مراتب میں بے شمار حدیثیں وارد ہیں۔ ہماری غرض اسوقت اُنکو نقل کرنے یا اس مسئلہ پر مستقل بحث کرنے کی ...... نہیں ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کو منظور ہے اور کوئی موقع ملا تو اس پر تفصیلی بحث کی جائیگی یہاں تو صرف اس قدر مقصود ہے کہ یہ درجہ اعتدال کا ہے اور اسلام کی اصلی تعلیم یہی ہے۔ کسی قوم پر دنیا کا ٹوٹ پڑنا ہرگز محمود نہیں ہوتا جبتک کہ اُسمیں حقوق اللہ اور حقوق العباد نہ ادا کئے جائیں۔ اگر غنیٰ موجب ناسپاسی وطغیان ہو جائے تو انجام قوم سبا کی طرح بربادی وتباہی ہے۔ دنیا میں جب کوئی قوم تباہ ہوئی۔ اسی وجہ سے ہوئی ہے۔ طریقہ اعتدال وہی ہے جس کی تعلیم اسلام نے دی۔

نتیجہ چہارم

واقعہ سیل عرم اور اس کے نتائج مذکورہ سے یہ نتیجہ باسانی بلا دقت برآمد ہو سکتا ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نبی آخرالزماں ہونے کا علم تمام اقوام میں پھیلا ہوا اور علی قدر تفاوت المراتب راسخ تھا قیصر وکسریٰ اور اُن کے ارکین دولت کاہنوں اور منجموں اور بالخصوص رستم کے متعلق تو ہم اوّل لکھ چکے ہیں کہ اُن کے یہاں برابر یہ خیال موجود تھا۔ قیصر کے ملک میں تو اس وجہ سے کہ وہ خود اور اُس کی اکثر رعایا نصرانی تھی اس علم کا راسخ ہونا مستبعد نہیں تھا کیونکہ وہ اہلِ کتاب تھے اور اہلِ کتاب میں انبیاء کی پیشین گوئیاں اور کتب الٰہی کی تصریحات برابر موجود تھیں۔ البتہ ملک فارس کسریٰ اور اُس کے ارکین میں اس کا علم اس وجہ سے مستبعد معلوم ہوتا تھا کہ وہ آتش پرست تھے۔ اُن کے یہاں نہ سلسلہ انبیا تھا اور نہ کتبِ آسمانی کا وجود مگر جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں اُن کے یہاں بھی اس کا تیقن تھا۔

اب ان واقعاتِ مذکورہ بالا سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ ملک سبا میں آپ کی بعثت سے ہزاروں سال قبل اس کا علم ویقین تھا۔

اوّل تو خود سبا۔ ابن یشجب بن یعرب بن قحطان کا آپ پر ایمان لانا مورخین کے بیان سے ثابت ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ سبا کو یہ علم تھا تو اُس کی اولاد میں سلسلہ بسلسلہ برابر منقول ہوتا چلا آیا ہوگا گو وہ لوگ بعد میں کافر وطاغی ہوگئے۔ مگر خاندانی روایات کبھی کسی ملک میں مفقود اور معدوم نہیں ہوتیں۔

دوسرے ثعلبہ کے اشعار سے معلوم ہوا کہ اُن کو خود اس کا علم ویقین تھا۔ گو یہ کہدینا ممکن ہے کہ یہود کی مجاورت سے اُنکو اس کا علم ہوا ہو۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ اصل علم تو اُنکو اپنی خاندانی روایات سے حاصل تھا۔ البتہ یہود کے اقوال سُنکر وہ اور تازہ اور قابل اعتماد ہوگیا۔

ثعلبہ کے اشعار سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہود کے یہاں یہ علم راسخ اور مستحکم تھا اور مدینہ منورہ میں اسی وجہ سے آباد ہوئے تھے کہ یہ آپ کی جائے ہجرت ہو۔ جو کوئی آپ کا زمانہ پائے آپ پر ایمان لائے اور نصرت ویاری میں حصّہ لے۔

رہے قریشِ مکہ وہ خود حضرت اسمٰعیل کی اولاد تھے اُن میں اس خیال کا راسخ و مستحکم ہونا قرین عقل وقیاس تھا ان باتوں سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملکِ عرب کی جاہل و وحشی قوموں میں بھی یہ خیال اور عقیدہ ایک حد تک پھیلا ہوا اور راسخ تھا۔ گو اُنکے اپنے افعال و حرکات نے اُنکو

اتنی دور پہنچا دیا تھا کہ یہ علم اُنکا مغلوب اور تقریباً معدوم ہو چلا تھا۔ مگر اصل علم موجود تھا۔ اور اس علم کے اعتبار سے ملک عرب میں تین قسم کے گروہ موجود تھے۔ ایک یہودِ مدینہ جو خود اہلِ کتاب اور اس علم پر اسقدر راسخ و مستحکم تھے کہ اوس و خزرج کو اس نام سے دھمکاتے اور کہتے تھے کہ ہم نبی آخر الزماں کے ساتھ ہو کر تم بت پرستوں کو عادِ ارم کی طرح قتل کرینگے۔

دوسرے قریشِ مکہ کہ اُنکا یہ علم خاندانی تھا۔ اور اُن میں اُس کے جاننے والے موجود تھے مگر جہل اور بت پرستی اس درجہ غالب آگئی تھی کہ گویا یہ علم اب اُن میں باقی نہ رہا تھا۔

تیسرے اوس و خزرج تھے۔ وہ بھی بت پرست و جاہل تھے مگر اصل سے اُنمیں یہ علم خاندانی طریقہ سے آیا تھا پھر یہود کی وجہ سے اور تازہ ہو گیا اور یہود کا بار بار دھمکانا اُنکو چونکاتا رہتا تھا۔

جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آیا تو ایک دفعہ کل ملک میں مخالفت کی آگ بھڑک اُٹھی مگر مخالفت کی دو بڑی وجہیں تھیں۔ ایک جہل و نادانی۔ دوسرے حبِ جاہ و ریاست جن لوگوں کی مخالفت جہل و نادانی پر مبنی تھی۔ اُنہوں نے گو ایک دفعہ نہایت زور و شور کے ساتھ مخالفت کر کے آپ کو ہر قسم کی ایذائیں پہنچائیں۔ جان و مال عزت و آبرو پر دست اندازی کرنے میں اپنی طرف سے کوئی کمی نہ کی۔ مگر جوں جوں اسلام کا ظہور ہوتا گیا۔ اُنپر اصل علم کا اثر غالب آتا گیا۔ اور وہ بطوع و رغبت داخلِ حلقۂ اسلام ہوتے گئے۔

انصارِ مدینہ کیلئے تو یہود کی مخالفت کارگر ہو گئی اُنہوں نے موسم حج پر مکہ میں آکر آپ سے ملاقات کی اور احکام اسلام سُنے۔ کلامِ الٰہی سے آشنا ہوئے تو فوراً سمجھ گئے کہ وہ موعود نبی جن کے نام پر یہود ہم کو دھمکایا کرتے ہیں آپ ہی ہیں۔ اور اس اندیشہ سے کہ کہیں یہود سبقت نہ لیجائیں جلدی کر کے خود ایمان لے آئے اور مدینہ کے گھر گھر میں ایک سال کے اندر اسلام اس تیزی سے پھیلا کہ خود آپ کو وہاں تشریف لیجانے کا حکم ہو گیا۔

قریش مکہ اگرچہ آخر تک مخالفت پر تلے رہے مگر رفتہ رفتہ اُنکے سربرآوردہ آپ کی تعلیم سے متاثر ہو کر اسلام میں داخل ہوتے رہے اور بالآخر سوا اُن چند نفوس کے جن کو حبِ جاہ و ریاست اور حسد و بغض نے اس درجہ پر پہنچا دیا تھا کہ کسی وقت بھی اُن سے انقیاد و اتباع کی توقع نہ تھی باقی سب کے سب مقدم و مؤخر مسلمان ہو گئے۔

مگر یہودِ مدینہ جو توراۃ کے عالم تھے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ختم نبوت جائے ہجرۃ کا ایسا علم ویقین تھا کہ کوئی تردد کوئی خفا اُس میں باقی نہ تھا اور اتباع کا عزم بالجزم کرکے مدینہ میں آباد ہوئے تھے۔ اُن پر حبِ جاہ وریاست۔ حسد وبغض کا اس درجہ غلبہ ہوا کہ نہ اُن کے علم نے کام دیا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک وصاف تعلیم اُن پر مؤثر ہوئی۔ اُنہوں نے ہر ممکن تدبیرے اسلام کی بربادی وبیخ کنی کی۔ آپ کی ایذا رسانی کے لئے جو کچھ بن پڑا کیا۔ خود جلا وطن ہونا قتل وغارت ہونا گوارا کیا مگر اسلام لانا قبول نہ کیا۔ حالانکہ اپنی باطل پرستی کا اُن کو علم تھا۔ یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ جہل کا علاج ممکن ہے۔ مگر ہٹ دھرمی۔ ضد۔ حب جاہ وریاست جہلِ مرکب کا کچھ علاج نہیں۔

یہودِ مدینہ میں سے تھوڑے نفوس مثل عبداللہ بن سلام وغیرہ ایمان لائے۔ باقی اکثروں کا خاتمہ اسی شقاوت وبدبختی کے ساتھ ہوا۔

اوس وخزرج میں بھی علیحدہ علیحدہ ریاست ونخوت کا مادہ موجود تھا اور یہاں بھی یہ صورت قریب الوقوع تھی کہ آپ کی بعثت ورسالت کا جو علم اپنی خاندانی روایات سے انکو ورثہ میں ملا تھا۔ یا جو علم ویقین اُس کے متعلق یہود کی مجاورت سے اُنہیں پیدا ہوا تھا وہ کچھ بھی کام نہ دیتا اور یہودِ مدینہ کی طرح آخری دم تک یا قریشِ مکہ کی طرح ایک زمانہ تک مخالفت پر تلے رہتے مگر قدرت نے اُنکی بہتری کے اسباب مہیا فرما دیئے۔ اوس وخزرج دونوں حقیقی بھائیوں کی اولاد جب پھیلی اور اُنہوں نے علیحدہ علیحدہ اپنی بستیاں قائم کرکے قلعے اور گڑھیاں بنالیں تو اُن میں بھی وہ رسمی اثر خانہ جنگیوں کا شروع ہوگیا۔ جو ملک عرب کا خاصۂ لازمہ بنا ہوا تھا ان دونوں قبیلوں میں خوب معرکہ آرائیاں رہیں۔ اور کم وبیش سو برس اسی حالت میں گذر گئے اکثر معرکوں میں اوس کو شکست ہوتی تھی۔ مگر سب سے آخری معرکہ یوم بعاث ہجرۃ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ سال اور عقبہ اولیٰ سے کچھ زیادہ تین برس پہلے ہوا۔ یہ معرکہ نہایت سخت تھا اور اسمیں اگرچہ فتح اوس کو ہوئی مگر فریقین کے چیدہ اشراف وسردار مقتول ہوگئے۔ اور جن لوگوں سے اندیشہ ہوسکتا تھا کہ قوت وشوکت نشہ ریاست ونخوت واستقلال اُنکو قبولِ حق سے باز رکھے گا وہ پہلے ہی فنا کردیئے گئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

کان یوم بعاث قدمہ اللّٰہ لرسولہ فی دخولہم الاسلام۔	انصار کے لئے یوم بعاث کو قبول اسلام کا سامان اور سبب بنا دیا تھا۔

صرف دو بدبخت باقی رہ گئے تھے۔ ابو عامر فاسق دوسرا عبداللہ بن اُبی۔ ابو عامر نے زمانۂ جاہلیت میں ٹاٹ کے کپڑے پہنکر رہبانیت اختیار کرلی تھی اور کہا کرتا تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا منتظر ہوں۔ اور عبداللہ بن اُبی جس نے جنگ بعاث کے خاتمہ پر اپنی حسن تدبیر سے اوس وخزرج میں صلح کرادی تھی اور باوجودیکہ یہ دونوں قبیلے اسوقت تک کسی ایک کے تابع نہیں ہوئے تھے مگر عبداللہ بن اُبی پر دونوں کو اتفاق ہوگیا تھا۔ یہ قرار پاگیا تھا کہ اُس کو دونوں قبیلوں کا بادشاہ یا سردار بنا کر تاج شاہی اُسکے سر پر رکھا جائیگا۔ یہ دونوں اپنی شرافت وسرداری کی بدولت اس نعمت سے محروم رہے۔ اوس وخزرج میں اوّل تو آپ کی رسالت کے متعلق اپنا خاندانی علم۔ دوسرے یہود مدینہ کے حوالہ سے اس علم کا درجۂ یقین تک پہنچنا۔ تیسرے یہود کا اُن کو بار بار دھمکانا کہ ہم نبی آخر الزماں کے ساتھ ہوکر تم کو قتل کریں گے۔ چوتھے اُنکا ایسے افراد سے خالی ہوجانا جو اپنی ریاست وحکومت کے زعم باطل میں قوم کو قبول حق سے روکتے یہ اسباب ایسے تھے کہ انصار نے بلاتردد وتوقف اسلام قبول کرلیا۔ اور اُن میں ایک سال کے اندر اس طرح اسلام پھیل گیا کہ تیرہ سال کی کوشش سے مکہ میں نہ پھیلا تھا۔

انصار کے اسلام میں راسخ القدم ہوجانے کے بعد گو دیگر قبائل عرب مخالفت کرتے رہے مگر اُنکی مخالفت اتنی قوی نہ تھی جہل کی بدولت کر بیٹھتے تھے۔ اور جب کوئی خوبی اُن کے ذہن نشین ہوتی۔ فوراً مان لیتے تھے۔ ایک طرف اگر قبائل عرب سے خفیف لڑائیاں اور مقابلے بھی ہوئے تو دوسری جانب عرب کے وفود اصل حقیقت سے واقف ہونیکے لئے در دولت پر حاضر ہوتے اور تعلیم اسلام قبول کرتے رہے اور چند ہی سال میں ملک عرب گویا کل کا کل مسلمان ہوگیا اور جن چند افراد یا بعض قبائل کے اندر کچھ خامی باقی رہی تھی۔ وہ حضرت ابوبکر صدیق کی ابتدا خلافت میں بالکل زائل ہوکر سارا ملک عرب دنیا کے مقابلہ کے لئے تیار ہوگیا۔

حاصل ہمارے اس تمام بیان کا یہ ہے کہ ملک عرب میں بھی آپ کی بعثت ونبوت کا علم

صحیح روایات سے شائع ذائع راسخ و مستحکم تھا۔ ہر فرقہ و جماعت میں ایسے لوگ موجود تھے جو آپ کے وجودِ مبارک کا انتظار کر رہے تھے۔ اُنہوں نے مخالفت بھی کی مگر وہ زیادہ غلبہ جہل کی وجہ سے تھی۔ نہ کہ حبِ ریاست و حسد و بغض کی وجہ سے اس لئے جلد یہ مخالفت زائل ہوتی گئی۔ اور قبائل کے قبائل اسلام لاتے گئے۔ اسلام اپنی اصل عظمت و صداقت کی وجہ سے اُن میں بسرعت پھیل گیا۔ اور کسی طرح کے جبر و اکراہ کو اُس میں دخل نہیں ہوا۔

البتہ جن جماعتوں میں علم یقینی کے ساتھ حسد و بغض۔ حب جاہ و ریاست کا مادہ جڑ پکڑ چکا تھا وہ محروم رہے۔ یہود و نصاریٰ زیادہ اس مرض کے شکار ہوئے۔ اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جب تک توفیق الٰہی شامل نہ ہو محض علم کام نہیں دیتا۔ بلکہ زیادہ مضر پڑ جاتا ہے۔ انصار کیلئے بہتری مقدر تھی اُن کو کیونکر مادۂ فاسد سے پاک کیا گیا۔ اور یہود کی قسمت میں خرابی لکھی ہوئی تھی اُن کے لئے علم ہی بربادی و شقاوت کا سبب بن گیا۔

واقعات سیلِ عرم اور اس کے نتائج اور بعض علمی و تاریخی فوائد ذکر کر دینے کے بعد ہم حسب وعدہ مناسب سمجھتے ہیں کہ آیات متعلقہ واقعہ مذکور کے متعلق دو تفسیری بحثیں بھی درج کر دیں۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم اُس مبحث کو شروع کریں آیات متعلقہ سیلِ عرم کو دوبارہ پورا نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ ناظرین کو فہم میں سہولت رہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتَانِ عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۖ كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ○ فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُم بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ ... مِّن سِدْرٍ قَلِيلٍ ○ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِمَا كَفَرُوا ۖ وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ ○ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ ۖ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ ○ فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ○

مبحث اوّل متعلق ہے آیات ذیل سے لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتَانِ عَن

یمین وشمال کلوا من رزق ربکم واشکروا لہ ط بلدۃ طیبۃ ورب غفور ۵

مبحث اوّل

مفسرین کہتے ہیں کہ جنّتٰن آیۃ سے بدل ہے یا خبر ہے مبتدا محذوف کی۔ اور معنی دونوں صورتوں میں ایک ہی ہیں یعنی قوم سبا کے لئے اُنکے مساکن میں بڑی نشانی تھی اور وہ کیا تھی۔ دو باغ تھے دائیں بائیں اور چونکہ ایک قرأت میں جنّتَیْنِ منصوب بھی ہے اسلئے یہ بھی کہتے ہیں کہ معنی مدح کے جو حالت نصبی میں لئے جاتے حالت رفعی میں بھی ملحوظ رہیں گے۔ اسکے علاوہ جنّتٰن بالرفع او جنّتَیْن بالنصب کی ترکیب میں اور بھی احتمالات ہیں جنکو یہاں بیان کرنا مقصود نہیں ہے

حاصل معنی جملہ اولیٰ یہ ہیں کہ قوم سبا کیلئے اُن کی بستی میں خدا تعالیٰ کی قدرت اور اُس کے فضل ورحمت کی بڑی نشانی تھی۔ دو باغ تھے اُن کے دائیں بائیں۔

علامہ زمخشری نے اس موقعہ پر یہ شبہ پیش کیا ہے کہ بستی کے دائیں اور بائیں دو باغ موجود ہونے میں ایسی بڑی آیۃ قدرت الٰہی کی کونسی تھی جو قوم سبا کیلئے مخصوص سمجھی جائے اور جس کیوجہ سے ایسے اہتمام کے ساتھ ارشاد فرمایا جائے۔ حالانکہ ملکِ عراق میں بہت سے گاؤں ایسے ہیں جن کے گرداگرد بکثرت باغات موجود ہیں۔

اس شبہ کے جواب میں خود زمخشری نے دو تقریریں کی ہیں۔

اوّل یہ کہ جنّتٰن سے تثنیہ کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں۔ یہ غرض نہیں ہے کہ اُنکی بستی کے یمین وشمال میں دو باغ تھے۔ حالانکہ عراق کے تو ایک ایک گاؤں کے گرد بہت سے باغ ہوتے ہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ اس بستی کے یمین وشمال باغوں کے متصل قطاریں میلوں اس طرح چلی گئی تھیں کہ ایک باغ دوسرے باغ سے بالکل متصل اور منضم تھا۔ یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ یہ کئی باغ ہیں۔ اور اس طرح ایک جانب کے ہزاروں باغ ایک باغ کے حکم میں تھے۔ دوسری جانب کے بھی کل باغ ایک قطار میں اور متصل ہونے کی وجہ سے ایک ہی باغ کے مثل تھے۔

اس اعتبار سے دو سمتوں کی دو قطاروں کو ایک باغ کا حکم لگا کر تثنیہ کا اطلاق کردیا۔ سو اب اس شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہی کہ قوم سبا کے لئے تو دو ہی باغ تھے۔ اور ملک عراق کے ایک گاؤں کے گرد بہت سے باغ ہوتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ تثنیہ کے حقیقی معنی مراد لئے جائیں لیکن یہ دو باغ کل بستی سبا یا قوم کے لئے نہ تھے بلکہ ہر شخص کے مسکن کے یمین وشمال کی جانب دو دو باغ تھے۔ اور یہ امر بالکل مخصوص تھا قوم سبا اور اُن کی بستیوں کے لئے۔

یہ حاصل ہے کلام زمخشری کا۔ اس شبہ اور اُس کے جواب کو اکثر مفسرین نے نقل کیا ہے مگر میں اس شبہ اور اُس کے جواب کے متعلق کچھ تفصیل سے عرض کرنا چاہتا ہوں۔

زمخشری کا یہ شبہ بالکل صحیح ہے کہ اگر تثنیہ کے حقیقی معنی مراد لئے جائیں تو عراق کے دیہات میں دو چھوڑ بہت سے باغات موجود رہتے ہیں اس صورت میں خصوصیت قوم سبا اور اُن پر خاص انعامات بیان کرنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی اور اس کی تائید میں صرف دریائے فرات کے متصل دیہات (جنکو سقی فرات کہتے ہیں) کی سرسبزی آبادی کا حال ابن جبیر کے سفرنامہ سے دیکھ لینا کافی ہے اور اس شبہ کا جواب بھی جسقدر دیا گیا ہے وہ واضح ہے کیونکہ اُس میں ثابت کیا گیا ہے کہ باغات کا اس شان سے واقع ہونا خاص قوم سبا کے لئے تھا۔ اور اسی وجہ سے اُسکو عظیم الشان آیۃ فرمایا گیا ہے۔ لیکن میرے خیال میں جواب اس سے زیادہ تفصیل چاہتا ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ قوم سبا پر یہ انعامات اُسی قسم کے تھے جو ہر ایک ایسے سرسبز وشاداب ملک میں ہوتے ہیں، جہاں کی زمین عمدہ اور باشندے فنِ زراعت میں ہوشیار اور محنتی ہوتے ہوں یا اُن مقامات میں قوم سبا کے کچھ اختصاصات بھی تھے۔ اور پھر وہ اختصاصات ایسے تھے جو دنیا میں اکثر قوموں کے لئے بذریعہ استعمال اسباب پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ایک ملک آب وہوا۔ ثروت وغنا اور صحت وتندرستی میں دوسرے ملک سے فائق ہوتا ہے۔

یا اس قسم کے اختصاصات بھی تھے جنمیں اگرچہ بعض باتیں نتیجہ صنع بشری بھی ہوں مگر مجموعی حیثیت سے اُنکو دیکھکر ذہن نشین ہو جائے کہ یہ محض خدا تعالیٰ کی قدرت کا ظہور اور اُسکا انعام خاص ہے اگر صورت اوّل ہے اور قوم سبا کیلئے جو کچھ تھا وہ اُنکے کسب وصنعت کا نتیجہ تھا تو اُسوقت اس خاص صورت کو آیت عظیمہ فرمانا۔ اور اُسکے کفران پر اس عذاب کا نازل ہونا اس وجہ سے تھا کہ گو عمدہ میں اعلیٰ درجہ کی قابل اور پانی چپہ چپہ پر پھرتا تھا باشندے بھی ماہر تھے مگر ان تمام اسباب کے اوپر ایسے ثمرات کا مرتب ہونا کہ باغ بھی ہوں تو ایسے قرینے سے کہ صرف دو جانب ہوں، اور پھر

ہر ایک مکان کیلئے دو باغ ہوں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکانات خود اس قرینہ سے بنائے گئے تھے کہ ایک جانب میں اوّل ایک مکان اور اُسکے گرد دو باغ پھر دوسرا مکان اور اُسکے گرد دو باغ۔ اس طرح مکانات کی متعدد قطاریں ہوں اور ہر ایک سمت کے باغات باہم متلاصق اور منضم ہوتے ہوئے میلوں چلے گئے ہوں۔

اور پھر اُن باغوں میں نہ کبھی خزاں آئے نہ کبھی خشک سالی یا دوسرے اسباب کیوجہ سے پھل خراب ہوں۔ اور پھل بھی اس کثرت سے ہوں کہ کوئی اُن سے محروم نہ رہے۔ جنت کے باغوں کی طرح اُنکا حاصل کرنا بھی سہل ہو اور اس طرح پر مجموعی حیثیت سے قوم سبا کیلئے یہ انعامات مخصوص سمجھے جاتے ہوں۔ گو فرادا فرادا ہر ایک چیز ایسی ہو کہ دوسری جگہ اُسکی مثالیں و نظریں موجود ہوں۔ زمخشری کے کلام سے اسی کی تائید ہوتی ہے چنانچہ شبہ مذکور کے جواب اوّل کی تقریر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

انما اراد جماعتین من البساتین جماعۃ عن یمین بلدھم واخری عن شمالھا وکل واحد من الجماعتین فی تقاربھما وتضامھما کانھا جنۃ واحدۃ کما تکون فی بلاد الریف العامرۃ۔

مراد باغوں کی دو جماعتیں ہیں۔ ایک جماعت اُنکے شہر کے داہنے جانب اور دوسری جانب شمال اور باغوں کے یہ دونوں جماعتیں قرب اتصال کی وجہ سے مثل ایک باغ کے معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ اکثر سیراب شہروں میں ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ آباد اور سرسبز شہروں کے ساتھ تشبیہ دینا خود اس کا مقتضی ہے کہ یہ بات دوسری جگہ بھی ممکن ہے اور اسی وجہ سے جملہ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ کو اوپر کے کلام سے علٰحدہ کر کے بالکل جملہ مستانفہ بنایا ہے۔ اور اُس کو شکر گذاری کا سبب قرار دیا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ قوم سبا کیلئے دونوں قسم کی باتیں حاصل تھیں۔ وہ بھی جو اسباب کے ذریعہ سے دوسری قوموں کو حاصل ہو سکتی ہیں اور وہ بھی جن میں اسباب اور اُنکے کسب کو کچھ دخل نہ تھا تو یوں کہنا درست ہوگا کہ باغات کی یہ کثرت اور پھلوں کی یہ حالت۔ اتصال اور ترتیب کی یہ کیفیت عمارات کا یہ قرینہ وغیرہ جملہ اُمور ایسے تھے کہ فرادیٰ فرادیٰ گو حاصل ہو سکتے ہیں اور بحیثیت مجموعی بھی اُنکا حصول بذریعہ اسباب ممکن ہے۔ مگر مجموعی طور پر جو بات ایک زمانہ دراز تک اُن کو حاصل رہے کہ اس کیفیت میں کچھ بھی فرق نہیں آیا۔ اور برابر ایک حالتِ تنعم و خوش حالی صحت و

تندرستی کی چلی گئی۔ یہ اُن کی خصوصیت تھی۔ اور اُس کے ساتھ کچھ انعام واکرام ایسے بھی اُن کے اوپر مبذول تھے جن میں اُن کے کسب وصنع کو دخل نہ تھا مثلاً امراض و الکدار سباع وحشرات سے اُن کی سرزمین کا اس طرح پاک ہونا کہ اُنکو کبھی ایذاو تکلیف پہنچی ہی نہ ہو بلکہ کوئی اجنبی بھی اُس سرزمین میں داخل ہو تو وہ اہل سبا کی راحتوں اور کیفیتوں میں حصّہ دار بنجائے۔ اُس کے کپڑوں کے پسو وغیرہ سب فنا ہو جائیں۔ صحت کی یہ حالت کہ کبھی کوئی مرض اُس سرزمین میں ہوا ہی نہیں۔ جتنا چاہیں کھالیں۔ بدہضمی۔ یا گرانی وثقل معلوم ہی نہ ہو۔ اور اُس پر طرّہ یہ ہے کہ اُس اندھا دھند کھانے پینے خرچ کرنے پر کچھ مواخذہ بھی نہیں۔ یہ وہ باتیں تھیں جو اُن کے حدِ اختیار سے خارج تھیں۔

اس صورت میں جملہ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ کو تتمہ اور تکمیلِ آیہ کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

ثم لما بین حالهم فی مساکنهم وبساتینهم واکلهم اتم بیان النعمة بان لاغائلة علیه ولا تبعة فی المال فی الدنیا فقال بلدة طیبة ای طاهرة عن الموذیات لاحیة فیها ولا عقرب ولا وباء ولا وخم وقال رب غفور ای لاعقاب علیه ولا عذاب فی الاخرة فعند هذا بان کمال النعمة حیث کانت لذة حالیة خالیة عن المفاسد المآلیة۔

حاصل مطلب امام رازی کا یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اُن کے مساکن اور باغات کھانے پینے کی اجازت کا حال بیان فرما دیا تو پھر اُس نعمت کے اتمام وتکمیل کو بیان فرماتے ہیں کہ ان نعمتوں کے استعمال میں دنیوی نقصان وتکلیف نہیں ہے اور نہ پاداش مواخذہ اسلئے کہ بستی اُنکی پاک وصاف ہے موذی جانوروں سانپ بچھو وغیرہ سے اور پاک وصاف ہے وبا و بدہضمی وغیرہ سے اور نہ آخرت میں کوئی تکلیف ہے کیونکہ رب مغفرت کرنیوالا ہے۔ اس بیان کے بعد کمال انعام ظاہر ہوا کہ بالفعل تمام نعمتیں موجود تھیں اور وہ تمام مفاسد حالی ومآلی سے خالی تھیں۔

روح البیان میں اگرچہ اس وضاحت سے بیان نہیں کیا گیا مگر اُنکے اندازِ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی انعام واکرام اور خدا تعالیٰ کی نشانی جنتن ہی پر مقصور نہیں فرماتے۔ وہ کہتے ہیں

آیۃ ای علامۃ دالۃ بملاحظۃ اخواتہا السّابقۃ واللاحقۃ علی وجود الصانع المختار وانہ سبحانہ قادر علی مایشاء من الامور العجیبۃ۔

یعنی کلام اللہ میں آیہ سے مراد وہ علامتہ ہے جو سابق اور لاحق حالات کو ملانے۔سے صانع مختار کے وجود پر دلالت کرے۔اور اس بات پر کہ وہ صانع مختار امورِ عجیبیہ کے پیدا کرنے اور دکھلانی پر قادر ہے لفظ سابق ولاحق سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگلے جملوں کو بھی اس کے ساتھ ملایا ہے۔ اور صانِع مختار کے وجود اور عجیب قدرت پر دلالت کا ظہور جب ہی ہوتا ہے جب معمولی حالات اور اپنے حدِ اختیارات وذرائع سے کوئی شے خارج اور بالاتر ہو۔

مبحث ثانی

مبحث ثانی متعلق ہے آیات ذیل سے وجعلنا بینہم وبین القری التی بارکنا فیہا قری ظاہرۃ وقدرنا فیہا السیر۔ الیٰ اٰخر الاٰیات)۔

ہم ان آیات کا مطلب بیان کر چکے ہیں۔اور یہ بھی بتلا چکے ہیں کہ قری مبارک سے قری شام مراد ہیں۔

اس وقت ہم اس قدر اور وضاحت کر دینا چاہتے ہیں کہ قری مبارک کی مراد میں مختلف اقوال ہیں۔معتمد علیہ مفسرین کا یہی قول ہے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں کہ مراد اُن سے ملک شام کی بستیاں ہیں۔اُن کے اندر ہر قسم کی خیر و برکات کا وجود ظاہر و باہر بات تھی۔

لیکن عبد اللہ بن عباس سے روایات ہے کہ قری بیت المقدس مراد ہیں اور مجاہد سے روایت ہے کہ سرادسہ مراد ہیں۔اور وہب سے روایت ہے کہ قری صنعا مراد ہیں۔

ابن جبیر فرماتے ہیں کہ خود مارب کی بستیاں مراد ہیں۔

اگرچہ معتمد علیہ اور قابل وثوق روایت اوّل ہے۔یہاں تک کہ بعض علماء اُسپر مفسرین کا اتفاق بیان کرتے ہیں۔مگر ہم نے اُن روایات کو بھی نقل کر دیا ہے تاکہ اختلافِ اقوال پر نظر رہنے کے ساتھ بعض فائدے بھی حاصل ہو جائیں۔

اس موقع پر امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں ایک شبہ پیش کیا ہے کہ قری کے درمیان مسافتِ معینہ پر بستیوں کا آباد ہونا اور سفر میں اُن کے لئے سہولتوں کا مہیا رہنا بھی اُن ہی انعامات

میں سے ہے جو قوم سبا پر مبذول تھے اور جبکہ انعام کے بعد تبدیلِ انجام اور جزاء ناسپاسی کا ذکر کیا جاچکا ہے تو اب دوبارہ نعمتوں کا اعادہ بظاہر بے موقع معلوم ہوتا ہے۔

اس شبہ کا جواب خود امام صاحب نے دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نعمتیں بھی کئی قسم کی ہیں اور انکو سزا کی صورت میں مبدل کرنا بھی کئی طرح کا۔ اوّل اُن نعمتوں کا ذکر تھا جو خاص شہر کے اندر حالتِ اقامت میں اُنپر مبذول تھیں اور جب اُنکی ناسپاسی ہوئی تو اُن کی سزا بھی ساتھ ہی ذکر فرمادی گئی۔ یعنی اُن کے ہرے بھرے گنجان باغوں کو اُجڑے ہوئے باغ اور جھاڑ وجھنکاڑ کی صورت میں بدل دیا گیا۔

اور پھر اُن نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جو اُن کی بستیوں سے باہر حالتِ سفر میں پیش آتی تھیں اور جب اس نعمتِ عظمیٰ کی بھی اُنہوں نے ناقدردانی کی۔ بجائے اُسکو غنیمت سمجھنے کے اُلٹا یہ کہنے لگے کہ ہمارے سفر کی منزلوں میں فاصلہ کردیا جائے تو اُسپر جو سزا مرتب ہوئی اُسکو ذکر فرمایا۔ حاصل یہ کہ ہر ایک نعمت اور اُسکی سزا کو ترتیب سے ذکر کیا گیا ہے جو عین مناسب مقام وحال ہے۔

یہ جواب بالکل صحیح ہے لیکن ذرا تفصیل اور توضیح کی ضرورت ہے۔ حق تعالیٰ کی نعمتیں قوم سبا کے اوپر دو قسم کی تھیں ایک وہ جو مخصوص تھیں اُنکے ساتھ دوسری قومیں اُنکے شریک نہ تھیں اور ایک وہ جن میں دوسرے بھی اُن کے شریک حال تھے۔

اوّل قسم کے انعام کو ہم اوپر بیان کرچکے ہیں کہ دو طرح کے تھے ایک وہ جو ظاہری اسباب پر متفرع ہوتے ہیں اور بہت سی قومیں اُن اسباب اور اُنکے ثمرات میں فرادیٰ فرادیٰ طور سے شریک ہوسکتے ہیں مگر مجموعی حیثیت سے کسی کو یہ نعمت حاصل نہیں تھی جیسا کہ قوم سبا کے مساکن اور باغات کا طرزِ وقوع۔ پھلوں میووں کی کثرت ہر ایک فرد کے عام وشامل ہونے کی کیفیت حصول کی سہولت وغیرہ۔

دوسرے وہ جن کا ترتب اُن کے کسب وصنع پر نہ تھا۔ بلکہ محض قدرتِ کاملہ کا ظہور تھا جیسے کہ اُس بستی کی حالت جس کو مشرحاً ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔

انعام ثانی میں یعنی سفر کی راحت وآسانی میں اہل شام بھی اُن کے شریکِ حال تھے کیونکہ ملک سبا سے ملک شام تک کئی مہینے کی راہ تھی اسمیں سب ہی پر یہ آسانی تھی۔

صورتِ اولیٰ کی دونوں قسموں کی سزا ایک تھی۔ اس لئے اُن کو اوّل بیان فرمادیا۔ اور اُن دو قسموں میں جس قدر باہمی فرق تھا اُسکے لحاظ سے اُن میں بھی ایک جملہ کا فاصلہ کردیا۔

اور صورتِ ثانیہ کی سزا علیحدہ تھی اس لئے اوّل انعام اور اُسکی سزا کو بیان کردینے کے بعد اُس کو بیان فرمایا تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ ہر ایک نعمت کے کفران کی سزا اسی طرح ہوتی ہے کہ وہ نعمت سلب ہو کر اُس کے مقابل حالت حاصل ہوجائے۔ باغات و مکانات کی راحت و خوشحالی سے ناسپاسی کرنے کا مقتضا یہ تھا کہ نہ مکانات رہیں اور نہ باغات۔ چنانچہ سیلِ عرم نے آکر مکانوں کی جگہ تو ریتے کے تودے لگادیئے اور باغوں کی جگہ جھاڑ جھنکاڑ کھڑے کردیئے۔

سفر کی راحت منزلوں کے قرب۔ امن و اطمینان کی قدردانی نہ کی تو یہ سزا ملی کہ دور دراز پھینک دیئے گئے۔ ایک کہیں آباد ہوا دوسرا کہیں۔

اس تفصیل سے انشاء اللہ تعالیٰ علیحدہ علیحدہ بیان کرنیکی وجہ خوب وضاحت سے معلوم ہوجائیگی۔

لیکن اس جواب کا مبنیٰ تو اس بات پر ہے کہ ہر قسم کے انعامات اور ہر دو سزائیں ایک ہی زمانہ میں ہوئی ہوں۔ اور تمام مفسرین کے کلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت کا حال ہے سیلِ عرم آنے سے پہلے اُنکو اپنے مساکن میں وہی نعمتیں حاصل تھیں جن کا ذکر ہوا۔ اور سفر میں وہی راحت نصیب تھی جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ اور بعد سیلِ عرم اُن سے سلب ہوگئیں۔

لیکن ایک روایت اور بھی ہے جس کو صحیح مان لینے کے بعد اس شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ امام ابو اللیث نے کلبی سے روایت کیا ہے کہ سیلِ عرم سے تباہی آجانیکے بعد قوم سبا نے خدا کے بھیجے ہوئے رسولوں سے عرض کیا کہ اب ہم کو معلوم ہوگیا کہ یہ جو کچھ تھا خدا تعالیٰ کا انعام تھا۔ اب ہم عہد کرتے ہیں کہ اگر ہماری سابق حالت پھر عود کر آئے تو ہم خدا تعالیٰ کی ایسی عبادت کریں گے جو آج تک کسی قوم نے نہ کی ہوگی۔

انبیاء علیہم السلام نے دعا کی اُن کی تمام سابق نعمتیں عود کرنیکے ساتھ اتنا اور اضافہ ہوگیا کہ وہاں سے ملک شام تک اُنکے سفر میں وہ سہولتیں پیدا کردی گئیں جن کا تذکرہ ہوچکا ہے۔ لیکن جب پھر کفر اختیار کرکے نعماء الٰہی کی ناسپاسی کرنے لگے تو انبیاء علیہم السلام نے اُن کو سابق عہد و معاہدہ کو یاد دلایا۔ لیکن ایک نہ سُنی اور پھر انجام کار ٹکڑے ٹکڑے اور تتر بتر کردیئے گئے۔ اس روایت

کے موافق اب شبہ مذکور وارد ہی نہیں ہوسکتا۔

لیکن صحیح اور معتمد روایت سباق وسیاقِ آیت کے مطابق وہی ہے جس کو ہم اوّل لکھ چکے ہیں اور جس پر اکثر مفسرین کا اتفاق ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

مضمون واقعہ سیل عرم اگرچہ کسی قدر طویل ہوگیا ہے۔ مگر اسمیں بحمد اللہ بہت سی علمی و تاریخی فوائد لکھے گئے ہیں جنکے حاصل کرنے میں بسا اوقات بہت ہی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ اور نیز چونکہ اُس میں اصل مضمون اشاعت اسلام کی بھی پوری تائید ہے۔ اس لئے ہم نے اس قدر طول کو گوارا کرلیا۔ اب ہم اصل مضمون کی طرف عود کرتے ہیں۔

خالد بن الولید رضی اللہ عنہ

اسلام کے اُن برگزیدہ و نام آور فرزندان میں (جنکی ذات پر مسلمان جتنا فخر کریں کم ہے اور جنکی بے لوث و بے داغ زندگی اور جوہر ذاتی کو دنیا کی تمام اقوام اسی طرح تسلیم کئے ہوئے ہیں جس طرح مسلمان۔ بلکہ یہ کہدینا بھی ممکن ہے کہ خود مسلمانوں میں اس قدر شہرت اُنکے اوصاف و کمالات کی نہیں جسقدر غیر اقوام میں)، خالد بن الولید بھی ہیں۔ خالد بن الولید نہ سابقین اوّلین میں ہیں اور نہ عشرہ مبشرہ میں ہیں نہ خلفائے راشدین کے درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں اور نہ اُن برگزیدہ اصحاب میں ہیں کہ جنہوں نے ابتدا سن شعور سے آخری دم تک اسلام پر جان فدا کردی جنکی زندگی کا سب سے بڑا سب سے زیادہ اہم اور ارفع مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گذاری۔ جان و مال کو آپ پر فدا کرنا دینِ الٰہی کی تبلیغ و توسیع میں آپ کے ساتھ ملکر ہر قسم کی مصیبتوں اور دشواریوں سے مقابلہ کرنا تھا۔ برخلاف خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے کہ ایک عرصہ تک اسلام و مسلمانوں کی مخالفت میں تلے رہے اپنی اخلاقی و دماغی قوت شجاعت و مردانگی۔ فنون سپہ گری سب کے سب مسلمانوں کو مٹا دینے میں صرف کردئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتدر و معززین کو برباد کرنے میں معین ہوئے۔ کتب سیر و تواریخ کے مطالعہ کرنیوالوں سے مخفی نہیں ہے کہ کتنے ہی مشہور معرکوں میں مسلمانوں کو اُن کے ہاتھ سے سخت نقصان اُٹھانا پڑا ہے۔ لیکن یہ وہی خالد ہیں کہ جب حلقہ بگوش ارادت اسلام ہوگئے۔ انوار اسلام کی شعاعوں نے جہل و کفر کی ظلمت کو آپ کے دل سے دور کرکے اسلام کی حقانیت کو جلوہ گر کردیا اور خود بخود در دولت پر حاضر ہوگئے اپنے سابقہ افعال و حرکات سے نادم ہوکر بصدق دل توبہ کرلی تو کچھ زیادہ زمانہ گذرنے نہ پایا تھا کہ بارگاہِ رسالت پناہ سے سیف

من سیوف اللہ کا قابل فخر و مباہات خطاب مل گیا۔ اُنہوں نے اپنی ذات کو مسلمانوں کیلئے سپر بنا کر اسلام کو عرب سے عراق و شام تک پھیلا دیا۔..... ناموروں اور مشہور و معروف سپہ سالاروں کو خاک و خون میں لٹا دیا۔ اور اس درجہ پر پہنچ گئے کہ اگر کسی غیر مسلم شخص سے مسلمانوں کے ناموروں کو دریافت کیا جائے تو غالباً وہ سب سے پہلے خالد بن الولید کا نام لے۔

حضرت خالد بن الولید کے حالات میں جسقدر انقلابات اور جتنے تغیرات ہوئے ہیں کم کسی فرد کی ذات واحد میں ہوئے ہونگے۔ کبھی وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں داد شجاعت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں اور کبھی اسلام کی حمایت میں سر بکف میدان کارزار میں دکھلائی دیتے اور اسلام و مسلمانوں کو سخت خطرناک مواقع سے صحیح سالم نکال لاتے ہیں۔ اور اپنی جبلی فراست و دانائی کی بدولت سرداری کا علم اُٹھا کر نفس عصام سودت عصاما (عصام کے نفس نے خود عصام کو سردار بنا دیا) کا ثبوت دیتے اور سیف اللہ کا خطاب پاتے ہیں اور کبھی سپہ سالار اعظم کے لباس میں نمودار ہو کر ممالک فارس و روم کو اُلٹ پلٹ کرتے اور اسلامی دائرہ کو وسیع کرتے نظر آتے ہیں۔ اور کبھی وہی شخص جو حل و عقد کا مالک ہے جس کے ایک اشارہ پر عساکر اسلامیہ متحرک اور ایک آواز پر جدھر وہ لیجائے بلا تامل جانے کو تیار ہیں۔

خلیفہ وقت کے حکم پر معزول ہو کر جرنیل اعظم کے درجہ سے نیچے اُتار کر معمولی سپاہی کے درجہ پر پہنچا دیا جاتا ہے اور پھر اُس کی اطاعت و انقیاد۔ جد و جہد۔ مردانہ وار جاں نثاری میں ذرہ برابر فرق نہیں آتا۔ یہ وہ حالات ہیں جن سے ہمارے عنوان پر ایک نہیں بہت سے دلائل قایم ہوتے ہیں۔ اس لئے ہم حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے تمام حالات دکھلا کر آخر میں دکھلائیں گے کہ اسلامی تعلیمات کو قلب خیالات و انقلاب حالات میں کتنی کچھ تاثیر تھی۔ اور اسلام افراد عالم کو آیا بجبر و اکراہ اپنی طرف کھینچتا تھا یا اُسکے جذبات و اثرات صارفہ تھے جس کا ذوق حاصل ہوتے ہی آدمی سب خیالات سے بالاتر و ارفع ہو کر اسلام کا شیدائی بنجاتا تھا۔ نہ اُسکے اندر خود بینی باقی رہتی تھی نہ خود آرائی۔ نہ وہ ستائش کا خواہاں رہتا تھا۔ نہ جاہ و عزت کا جویاں۔ نہ ملکداری اُسکو مطلوب رہتی تھی نہ جہانبانی کا ذوق اُسکے دلمیں باقی رہتا تھا۔ اُس کے قلب میں سوائے اسلام اور اُس کے کمالات کے کسی چیز کی گنجائش ہی نہ رہتی تھی۔ ہمیں توقع ہے کہ ناظرین حضرت خالد کے

[1] الا ان خالد ابن ولید وغیرہ من سادات القریش و امراء المسلمین کانوا فی زمن ابی بکر و زمن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما العبد الانا عن الفتنة والزمہم الطاعة لقرب عہدہم من رسول اللہ وشدة حزم ہذین الخلیفتین فی السیاسة وہیبتہما التی حلت فی القلوب۔ اشہر مشاہیر الاسلام صفحہ ۱۷۲

حالات کو تاریخی حیثیت سے نہ دیکھیں گے بلکہ اس نظر سے دیکھیں گے کہ اسلام کی تعلیم میں کیا مقناطیسی اثر تھا وہ کس طرح انسان کے تمام قویٰ ذہنی و دماغی اور تمام اعضاء و جوارح کو اپنا تابع بنا لیتے تھے حضرت خالد کے حالات اسلامی تعلیمات اور اُس کے پاک اثر کے مکمل نمونہ ہیں۔ اور اسی بنا پر ہم آپ کے حالات کو چار حصّوں پر منقسم کرتے ہیں۔ حصّہ اوّل زمانہ جاہلیت حصّہ دوم زمانہ اسلام تا وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حصّہ سویم زمانۂ امارت و ولایت عساکر اسلامیہ۔ حصّہ چہارم معزولی و برطرفی ولایت کا زمانہ۔

ہر چہار حصّوں کے حالات چونکہ ہم تفصیل سے بیان کریں گے۔ اس لئے بعض ایسے واقعات جو ضمناً بیان سابق میں آچکے ہیں مکرر بھی بیان کر دیئے جائیں تو کچھ ہرج نہیں ہے۔

حصّہ اوّل زمانۂ جاہلیت

نسب و شرافت خاندانی

خالد بن الولید[1] قریش مکہ کے اُن خاندانوں میں سے تھے۔ جو اپنی شرافتِ نسبی و کمالِ حسبی میں ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ آپ بنی مخزوم کے رکن رکین۔ ابو جہل بن ہشام ابن المغیرہ اور آپ ایک ہی خاندان سے تھے۔ آپ تیسری پشت میں ابو جہل کے ساتھ مل جاتے ہیں کیونکہ آپ خالد بن الولید بن المغیرہ ہیں۔ مغیرہ میں آپ اور ابو جہل دونوں جا ملتے ہیں۔

اس اشتراک خاندانی اور قرب نسب سے اُس عداوت کا اندازہ بھی ہو سکیگا جو خالد بن الولید کو ذاتِ اقدس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خاندان نبوت سے ہونی چاہیئے تھی۔ قریش مکہ تمام قبائل عرب خواہ اولاد ربیعہ سے ہوں یا مضر سے اور جزیرہ نمائے عرب کے کل خطوں کے جسمیں حجاز و یمن و نجد وغیرہ سب ہی داخل تھے مطاع اور واجب التسلیم بزرگ سمجھے جاتے تھے۔ تمام اقوام عرب کا رجوع اپنے معاملات میں اُن کی طرف تھا موسم حج میں عرب کے تمام قبائل اپنی سب خانہ جنگیوں کو بالائے طاق رکھ کر مکہ کی سرزمین پر جمع ہو جاتے اور برادرانہ میل جول رکھتے تھے۔ قریش مکہ بیت اللہ کے متولی اور محافظ تھے اور بیت اللہ کی ہی بدولت تمام عرب کو اسقدر امن و اطمینان نصیب تھا کہ چار مہینوں میں جسکو اشہر حرم کہتے ہیں بلا خوف و خطر سفر کرتے تھے۔ اُنہیں مہینوں میں اُنکے بڑے بڑے مشہور بازار لگتے تھے جہاں جمع ہو کر وہ تجارتی کاروبار اور تبادلہ خیالات کرتے۔ ایک قبیلہ دوسرے کے حالات سے واقف ہوتا

[1] خالد بن الولید بن المغیرۃ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم ابو سلیمان و قیل ابو الولید القرشی المخزومی امہ لبابۃ الصغریٰ و قیل الکبریٰ والاول اصح بنت الحارث بن حزن الہلالیۃ اخت میمونۃ زوج النبی صلعم تقدم معنا ان خالد بن ولید ممن انتہی الیہم اشرف فی الجاہلیۃ من قریش ایضاً صفحہ ۱۴۸

اور اُسی جگہ مشاعروں کی مجلسیں منعقد ہوتیں اور ہر خطیب و شاعر اپنے فن کا کمال دکھلاتا تھا۔ غرض اگر غور
والصاف سے دیکھا جائے تو ملک عرب کی زندگی اور بقا صرف بیت اللہ اور قریش مکہ کی وجہ سے
تھی۔ اگر اُن کو اسقدر امن واطمینان کے دن بھی سال بھر میں نہ ملا کرتے تو کوئی صورت عرب کی آبادی
کی نہ تھی۔ ادھر تو اُنکی وحشیانہ خونخواری اسدرجہ بڑھی ہوئی تھی کہ ہر ایک قبیلہ دوسرے کی صورت سے
بیزار دوسرے آمد ورفت کے سلسلے منقطع۔ تجارت درآمد برآمد ہو تو کیونکر۔ پھر اُنکو اسباب معیشت مہیا
ہونیکی صورت ہوتی تو کیا ہوتی۔ ان تمام وجوہ سے قریش مکہ کی قدر ومنزلت تمام عرب کے قلوب میں جاگزیں
تھی۔ بیت اللہ تمام عرب کا قبلہ تھا۔ گو عرب کے ہر قبیلہ میں جُدا جُدا بُت موجود تھے جنکی وہ عبادت کرتے
تھے مگر خانہ کعبہ سے کوئی مستغنی نہ تھا۔ حج صرف بیت اللہ ہی کا کیا جاتا تھا اور قریش بیت اللہ کے
متولی ومحافظ ہونے کی حیثیت سے مشائخ اور ائمہ کا رتبہ رکھتے تھے ادھر عقول وتجربہ کے اعتبار سے
قابل تقلید تھے اکثر لاینحل معاملات قریش مکہ کے سامنے پیش ہو کر طے ہوتے تھے اور مشکل امور میں
عرب کا رجوع قریش کی طرف ہوتا تھا۔ قریش مکہ کو سال بھر میں ایک مرتبہ کل عرب کی میزبانی
بھی کرنی پڑتی تھی جسکو وہ نہایت خوشی ومسرت اور فخر کیساتھ برداشت کرتے تھے گویا ان تمام اعتبارات
سے قریش مکہ کل عرب کے مرجع تھے اور اُنکی روحانی ومادی حکومت تمام قبائل کو شامل وحاوی تھی
اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے حدیث شریف میں الناس تبع لقریش فی ھذا الشان مسلمھم تبع
لمسلمھم وکافرھم تبع لکافرھم متفق علیہ (تمام لوگ تابع ہیں قریش کے شان میں یعنی امارۃ وغیرہ کے بارہ
میں مسلم تابع ہیں مسلم قریش کے اور کافر تابع ہیں کافر قریش کے) قریش مکہ بہت سے شریف اور عالی
خاندانوں میں منقسم تھے اور اُنھوں نے اپنی مذہبی اور ملکی حکومت واقتدار کو جمہوریت کی ترکیب پر قائم
کر رکھا تھا اور اس جمہوریت کی صدارت بنی ہاشم کے ہاتھ میں تھی۔ جتنی عظیم الشان خدمات اُنکے
سپرد تھیں جنسے اُن کا امتیاز وشرف قائم تھا۔ اُنکو باہم تقسیم کر رکھا تھا ایک خاندان دوسرے
خاندان سے اس بارہ میں منازعت نہیں کرتا تھا اور اس طرح پر اُن کا نظام نہایت سکون
واطمینان کے ساتھ قائم تھا۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ قصی بن کلاب ہاشم کے جدامجد کو جب تمام قریش مکہ کی ریاست
وحکومت ملکی اُنکی سرداری بلا اختلاف تسلیم کرلی گئی تو قصی کی اولاد میں عبدالدار باعتبار عمر کے

سب سے بڑے تھے مگر شرافت ذاتی اور اخلاق کی خوبیوں میں چھوٹے بیٹے عبدالمناف و مطلب بہت کچھ فائق تھے باپ نے دیکھا کہ یہ دونوں تو اپنی ذاتی خوبیوں سے برتری حاصل کرلیں گے اور خیال کیا کہ عبدالدار کو ظاہری مناصب دیکر اُنکا ہمسر بلکہ فائق بنادیا جائے۔ اس بنا پر اپنے تمام مناصب عبدالدار کے سپرد کردیئے۔ قصی کے ہاتھ مناصب ذیل تھے۔

سقایہ حاج یعنی حجاج بیت اللہ کو اپنے ہاتھ سے چاہِ زمزم کا پانی پلانا تھا کوئی شخص باختیار خود اپنے ہاتھ سے لیکر زمزم کا پانی نہیں پی سکتا تھا۔ رفادہ یعنی حجاج کی میزبانی موسم حج میں قریش سکہ خاص ٹکیس اس غرض کے لئے قصی کو ادا کرتے تھے اور اُس میں وہی مال دیتے تھے جو بالکل حلال وطیب ہو ظلم و غصب وغیرہ سے حاصل کیا ہوا نہ ہو۔ حجابہ یعنی بیت اللہ کی کلید برداری کہ کوئی شخص بغیر اُن کے اذن کے بیت اللہ میں داخل نہ ہوسکے یہ تینوں منصب مذہبی تھے۔ قیادۃ معرکوں کے وقت فوجوں کی کمان کرنا یعنی عساکر قریش کے کمانڈر انچیفی یا سپہ سالاری کا عہدہ۔ لواء یعنی علم برداری۔ معرکوں کیوقت فوجی جھنڈا بھی اُنہیں کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ دارالندوہ یعنی مجلس شوریٰ کی قومی عمارت جسکو دارالعوام یا پارلیمنٹ کے الفاظ سے تعبیر کردیا جائے تو نامناسب ہوگا قریش کے تمام امور عظام اور مہم کام اس مجلس میں طے ہوتے تھے۔ خواہ کسی سے معرکہ آرائی کا مسئلہ ہو یا باہمی معاملات کا تصفیہ یا تمدن وغیرہ کے مسائل۔ کوئی معاملہ جسکا تعلق قریش کے عام افراد سے ہوتا سوائے دارالندوہ کے کہیں طے نہ ہوسکتا تھا۔ کوئی شخص اگر بالا بالا کسی معاملہ کو طے کرلیتا تو وہ ناقابل اعتبار سمجھا جاتا تھا۔ قریش میں کسی کا نکاح ہوتو وہ بھی دارالندوہ ہی میں ہوتا تھا۔ لڑکی بالغ ہوجاتی تھی تو دارالندوہ میں حاضر کی جاتی تھی اور اُسکو وہ کرتا پہنایا جاتا جو علامت بلوغ سمجھا جاتا تھا۔ اور اُسکے بعد وہ پردہ میں بیٹھ جاتی تھی۔ محاربات کے وقت علم جنگ بھی اس مجلس کی رائے سے اہل و قابل شخص کے سپرد کیا جاتا تھا غرض تمام ملکی و مذہبی اختیارات کی باگ قصی کے ہاتھ میں تھی جسکو اُس نے اپنے فرزند کلاں عبدالدار کے سپرد کردیا۔ لیکن یہ نامنصفانہ فیصلہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ عبدالدار کی زندگی میں تو کسی نے منازعت نہ کی۔ لیکن جب عبد مناف مُطّلِب اور عبدالدار کی وفات ہوچکی تو اُنکی اولاد میں نزاع قائم ہوا۔ عبد مناف کی اولاد ہاشم و عبد شمس اور عبدالمطلب کی اولاد ایک طرف ہوگئی اور عبدالدار کی اولاد ایک جانب۔ فریقین نے

باہم اپنے اپنے طرفداروں کے ساتھ ملکر معاہدے کیئے کہ جبتک فیصلہ نہ ہوجائے ساتھ نہ چھوڑیں گے بنی عبدمناف اور اُنکے رفقا. بنوزہرہ. بنواسد. بنوتمیم. بنوالحارث. مطیبون کہلاتے ہیں کیونکہ اُنہوں نے خوشبو کا پیالہ درمیان میں رکھکر اور ہر ایک نے اپنا ہاتھ اُس میں ڈال کر عہد و پیمان کیا تھا. اور بنی عبدالدار معہ اپنے حلیفوں بنی مخزوم و بنی سہم. بنی جمح اور بنی عدی کے لعقۃ الدم کہلاتے ہیں. کیونکہ اُنہوں نے ایک بڑے برتن کو خون سے بھرکر اور اُس کو چاٹ کر معاہدہ کیا تھا. لڑائی کے ٹھن جانے میں کچھ کسر باقی نہ رہی تھی. مگر پھر باہم اس پر صلح ہوگئی کہ سقایہ. رفادہ. قیادہ تو بنی عبدمناف کے ہاتھ میں رہے. اور حجابت لوا بنی عبدالدار کے قبضہ میں. دارالندوہ مشترک رہے. کیونکہ یہ قومی مجلس تھی. اس کو کسی کیلئے خاص کرنا مصالح عامہ کے منافی سمجھا. اس طرح صلح و صفائی ہونیکے بعد ہر ایک جماعت اپنے اپنے مناصب پر قائم ہوگئی. بنی عبدمناف سے جو مناصب متعلق تھے اُن میں قیادۃ تو عبدشمس اور اُس کی نسل کے یہاں منتقل ہوتی رہی اور سقایہ و رفادہ ہاشم اور اُنکی اولاد میں اور اُسکے ساتھ بوجہ اُس خاص اقتدار اور مذہبی شرافت اور اخلاق حسنہ کے جو عبدالمطلب کے ساتھ مخصوص سمجھے جاتے تھے منصب رفادہ بھی اُن کو حاصل ہوا یعنی سلاطین اور اکابر ملک و ملت کے درباروں میں نیابتاً تمام قریش کی طرف سے جاکر گفتگو کرنا بھی اُن کے سپرد تھا چنانچہ جب ابرہہ اہل مکہ کو تباہ کرنے اور بیت اللہ کی بنیاد اُکھاڑنے کیلئے ہاتھیوں کا لشکر لیکر چڑھا اور اسی وجہ سے وہ اور اُس کا لشکر اصحاب فیل کہلاتے ہیں تو عبدالمطلب ہی اس کام کے لئے منتخب ہوئے تھے کہ قریش کے قائم مقام بنکر ابرہہ سے گفتگو کریں.

قیادۃ کا تعلق بنی عبدالدار سے تھا اُسی کی فروع میں سے قبہ اور اعنۃ الخیل بھی تھا جو خالد بن الولید کے متعلق ہوگیا. گو خالد بن الولید بنی عبدالدار میں سے نہ تھے مگر اُنکے حلفار یعنی بنی مخزوم میں سے تھے منصب قبۃ کا حاصل یہ تھا کہ قریش کو جب کبھی معرکۂ کارزار کا موقع ہوتا تو اُنکو ایک فوجی ٹیکس دینا پڑتا تھا. اور ایک بڑا خیمہ اس غرض کے لئے نصب کیا جاتا تھا کہ اُس فنڈ کا روپیہ اسمیں جمع کیا جائے. اس خدمت کی سربراہی خالد بن الولید کے سپرد تھی خیمہ کھڑا کرانا. روپیہ کا وصول کرنا اُسکو جمع کرکے جنگ کے مصارف میں صرف کرنا اُنہیں کے متعلق کیا. اور یہ خدمت جسقدر عظیم الشان تھی ظاہر ہے. قریش کا اپنی عزت و وقار کو قائم رکھنا دوسری اقوام کی

دست درازی سے محفوظ رہنا اسپر موقوف تھا۔ اعنۃ الخیل کی خدمت کا حاصل یہ تھا کہ جب لڑائی ٹھن جائے تو کسی منتخب دلیر جوان مرد کے ہاتھ میں فوج سوارہ کی کمان دیدی جائے حقیقت میں یہ دونوں خدمتیں باوجود جلیل القدر ہونے کے منصب قیادۃ کی ماتحت تھیں گویا بنی عبدالدار نے اپنی مفوضہ خدمت کے ایک حصّہ کو خالد کے سپرد کردیا تھا۔

اس تشریحی بیان سے واضح ہوگیا کہ خالد بن الولید زمانہ جاہلیت میں کیسا کچھ اقتدار رکھتے تھے اُنکی شجاعت حُسن تدبیر۔ فنون جنگ کی تدابیر پر قریش کو کس قدر اعتماد تھا۔

حضرت خالد کے معرکے مسلمانوں کے ساتھ

خالد بن الولید[1]۔ شجاع وجری۔ مدبّر و ہوشمند۔ صائب الرائے۔ عالی خاندان سب کچھ تھے۔ اسلام کی مخالفت میں اُنہوں نے دوسروں سے بڑھ کر حصّہ لیا۔ مگر اُنمیں کمینہ حرکات اور رذیل اخلاق نہ تھے اپنی قوم کا ساتھ دیا۔ اسلام کا مقابلہ کیا مسلمانوں کو چند موقعوں پر نقصان بھی پہنچائے مگر ایسی کمینہ حرکات اُن سے صادر نہیں ہوئیں جیسے کہ قریش کے اور نااہل کرگذرتے تھے۔ اُنکی مخالفت میں بھی ذاتی جوہر نمودار تھے۔ جو کچھ کیا اُس انداز میں جو ایک بہادر اور دلیر دانا دشمن کرسکتا تھا۔ سب و شتم سے زبان کو کبھی آلودہ نہیں کیا اور کوئی دنی و نازیبا حرکت نہیں کی۔

جنگ احد میں خالد کا حملہ

جنگ اُحد میں حضرت رسول کریم افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے ہمرکاب کل ایک یا دو گھوڑے تھے اور مشرکین مکہ کے ساتھ فوج سوارہ کا معقول دستہ تھا جسکی کمان حسب قواعد مقررہ حضرت خالد کے ہاتھ میں تھی جسوقت میدان جنگ میں خالد بن الولید مقابلہ کے لئے بڑی آن کے ساتھ نمودار ہوئے تو آپ نے سواروں کے حملہ کو روکنے اور خالد بن الولید کے مقابلہ کے لئے زبیر ابن العوام رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا۔ سواروں کے دوسرے دستہ کے مقابلہ کیلئے جو کسی افسر کے زیر کمان تھا دوسری جماعت کو متعین فرمایا۔ غرض دستہ سواروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کے پیادہ دستے قائم کئے گئے اور تیراندازوں کی ایک جماعت کو جسمیں پچاس سے زیادہ تیرانداز نہ تھے لشکر اسلام کی عقب میں ایک گھاٹی پر متعین فرماکر امیر دستہ عبداللہ بن جبیر کو ارشاد فرمایا کہ ہم کو فتح ہو یا شکست مسلمان مال غنیمت بھی جمع کرتے ہوں تب بھی تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ میرے اذن اور حکم کے منتظر رہنا جب تک تم اپنی جگہ قائم رہوگے ہم کو غلبہ حاصل رہیگا۔

[1] وقد كان خالد في قومه موصوفاً بالشجاعة مهيباً فيهم مقداماً عندهم بالحروب موفقاً للنصر عارفاً باصول الحرب حائزاً على الصفات الجندية يلازمها في الغالب خشونة الطبع وعنفوان الشجاعة والاخذ بالشدة والتسرع الى المغامرة (ايضاً صفحہ ۱۴۸ ج ۱)

لڑائی سخت گھمسان کی شروع ہوگئی۔ مشرکینِ مکہ نے بھی دادِ شجاعت دینے میں کسر اُٹھا نہ رکھی۔ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ علمِ جنگ بنی عبدالدار کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ ابوسفیان بن حرب کو بدر کی ہزیمت کا دھبہ مٹانا تھا۔ ہر ممکن طریقہ سے قریش کو آمادہ کیا۔ ابوسفیان نے[1] بنی عبدالدار سے کہا کہ بدر کی لڑائی میں تم نے علم کو ڈالدیا تھا۔ اسکی وجہ سے جو ہوا تمہیں معلوم ہے۔ لشکر پر جب مصیبت آتی اور ہزیمۃ ہوتی ہے، تو اصحاب لوآر کی بزدلی اور ناواقفی سے پہنچتی ہے۔ اگر تم علم کی حفاظت نہ کرسکو تو ہم کسی اور کے سپرد کردیں گے۔ بنی عبدالدار نے جھلا کر ابوسفیان کو جواب دیا کہ ہم جو کچھ کریں گے تجھ کو معلوم ہوجائیگا۔ ابوسفیان کی غرض بھی اتنی ہی تھی کہ وہ علم کی حفاظت میں جان لڑادیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ علم کو اول طلحۃ بن ابی طلحہ نے سنبھالا۔ وہ قتل کردیئے گئے تو اُن کے بھائی عثمان نے لیا۔ اور اُنکے بعد تیسرے بھائی ابوسعید ابن ابی طلحہ نے وہ بھی قتل کردیئے گئے۔ تو طلحہ کے چار بیٹوں مسافع۔ حارث۔ کلاب اور جلاس نے یکے بعد دیگرے علم کو اُٹھایا اور سب مقتول ہوئے۔ اُنکے بعد ارطاۃ بن شرجیل کے بیٹے اور پھر اُسکے غلام صہاب نے ہاتھ میں لیا اور سب کا یہی حشر ہوا۔ غرض قریش نے اپنے لوار کی حفاظت میں کوئی کمی نہ کی اور گیارہ شخص اُسکو اُٹھاتے اور جان دیتے رہے۔ جب نوبت یہانتک پہنچگئی کہ لوار کا اُٹھانیوالا کوئی نہ رہا۔ ادھر مسلمان قریش پر ٹوٹ پڑے۔ تو بھگڑ پڑگئی مسلمانوں کو غلبہ تام ہوگیا۔ قریش کو ہزیمۃ کلی ہوچکی اور مسلمان اموالِ غنیمت کے جمع کرنیکی طرف متوجہ ہوگئے تو تیر اندازونکی جماعت نے جسکو آپ نے گھاٹی کی حفاظت پر متعین فرماکر حکم دیا تھا کہ تم کسی حال میں اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ آپس میں کہا کہ فتح کامل ہوچکی اب ہمارے یہاں رہنے کی کیا ضرورت ہے ہم بھی مظفر و منصور مسلمانوں کے ساتھ غنیمت میں سے حصہ لیں۔ عبداللہ بن جبیر امیر دستہ نے ہر چند منع کیا مگر دستہ کے اکثر حصہ نے اپنی جگہ چھوڑدی۔[2] امیر دستہ کچھ کم دس آدمیوں سمیت وہاں سے نہ ہلے۔ خالد بن الولید کمانڈار دستہ سواران جیسا مدبر و بہادر ایسے موقع کو ہاتھ سے کب دے سکتا تھا۔ باوجود قریش کی شکست کامل کے اپنی تدبیر سے نہ چوکے اور فوراً پہاڑ کے عقب سے آکر اچانک مسلمانوں پر حملہ کردیا۔ امیر دستہ عبداللہ بن جبیر اور اُن کے رفقار نے تو مقابلہ کرکے جان دیدی۔ باقی مسلمان بیفکر اموالِ غنیمت کے جمع میں مشغول تھے اس دفعۃً حملہ سے اُنکے پیر اُکھڑ گئے

۲ فلما فارق بعض الرماۃ مکانہم رای خالد بن ولید قلۃ من بقی من الرماۃ فحمل علیہم فقتلہم وحمل علی اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم من خلفہم فلما رای المشرکون خیلہم تبادروا فشدوا علی المسلمین فہزموہم وقتلوہم کامل ابن اثیر صفحہ ۵۸ ج۲

۱ فقال لہم ابوسفیان انما یؤتی الناس من قبل رایاتہم فاما ان تکفونا واما ان تخلوا بیننا وبین اللواء یحرضہم بذالک فقالوا ستعلم اذا التقینا کیف نصنع وذالک ازاد کامل ابن اثیر صفحہ ۵۷ ج۲

اُنکی ترتیب میں ابتری پھیل گئی اپنے شعار و خاص علامات کی شناخت بھی نہ رہی مسلمانوں کے کان میں آواز آئی یا عباد اللہ اُخراکم (اللہ کے بندو اپنے دوسری جانب سے بچو) مسلمان سمجھے کہ دوسری جماعت پر حملہ کرو۔ اور اس بنا پر آپس ہی میں ایک جماعت نے دوسرے پر حملہ کردیا۔ اور بعض میدان چھوڑ کر مدینہ تک جا پہنچے۔ غرض ایک دفعہ تو مسلمانوں کو پوری شکست ہوگئی۔ بعض مشرکین نے یہ خبر اُڑادی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شہید ہوگئے۔ اس سے مسلمانوں کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہوگئے۔ بعض ثابت قدم مسلمانوں کو یہ خبر ہوئی کہ آپ شہید ہوگئے ہیں تو اُنہوں نے آپس میں کہا کہ اگر آپ شہید ہوگئے ہیں تو اب تم کیا کررہے ہو کیوں نہیں اُس دین کی حفاظت میں قتال کرتے جس پر آپ قتال کرتے تھے۔ خدا تمہارا ناصر و مددگار ہے اُنکی ہمت بندھانے سے اور بھی چند نفر انصار کے جمع ہوگئے اور اُس حصہ پر جس میں خالد بن الولید۔ عمرو بن العاص۔ عکرمہ بن ابی جہل ضرار بن الخطاب تھے حملہ کردیا۔ خالد بن الولید نے نیزہ سے حملہ کرکے اُن کو قتل کردیا اور وہ معہ اپنے رفقاء کے سب شہید ہوگئے۔

مسلمانوں کیلئے یہ نہایت سخت وقت تھا کچھ میدان سے نکل کھڑے ہوئے تھے اور جو تھے وہ بھی متفرق تھے۔ لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر ثابت قدم تھے آپکے قریب مختصر سی جماعت تھی۔ اس مختصر جماعت میں سعد بن ابی وقاص۔ ابو طلحہ انصاری۔ سہل بن حنیف ابو دجانہ بھی تھے۔ اُن میں سے ہر ایک نے جاں نثاری کے فرائض اس حد تک ادا کیئے کہ کسی فرد نے کسی کے ساتھ نہ کیئے ہونگے۔ ابو دجانہ نے اپنے آپ کو آپکے لئے آڑ بنادی مشرکین کی طرف اپنی پیٹھ کرکے آپکے لئے ڈھال بنگئے جتنے تیر آتے تھے اُنکو لگتے تھے یہانتک کہ اسی طرح آپکے قدم مبارک پر اپنے چہرہ کو رکھکر واصل بحق ہوگئے۔ ان مردوں کیساتھ بعض عورتیں بھی تھیں ام عمارہ مازینہ نے نہایت جوانمردی و استقلال سے دشمنوں کے حملوں کو آپ پر سے دفعہ کیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اُس روز جب داہنے یا بائیں دیکھا تو ام عمارہ کو اپنی حفاظت کیلئے لڑتے دیکھا۔ اُنکو بھی اُس روز بارہ زخم لگے تھے۔ مشرکین میں سے ایک شخص ابن قمۂ نام نے آپ کے مونڈھے پر نہایت قوت سے تلوار کا وار کیا۔ آپ کو زخم تو نہیں پہنچا مگر ایک ماہ تک مونڈھے میں تکلیف رہی۔

ابی بن خلف مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتا تھا کہ میرے پاس ایک گھوڑا ہے جس کو اسقدر دانہ دیتا ہوں اس پر تم کو قتل کرونگا۔ آپ اس کے جواب میں ارشاد فرمادیا کرتے تھے۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں ہی تجھ کو قتل کرونگا۔

آج مسلمانوں کی اس عارضی شکست سے ابی بن خلف بھی اپنے خیال فاسد کو پورا کرنے کا موقعہ سمجھ کر آپ کی طرف چلا مسلمانوں نے آپ تک پہنچنے سے روکنا چاہا۔ آپ نے فرمایا اُس کو آنے دو۔ آپ نے بعض صحابہ سے ایک نیزہ ہاتھ میں لیکر ایسی قوت سے مارا کہ گھوڑے سے گر کر لڑھکتا ہوا چلا گیا۔ گردن میں خفیف سا نشان زخم کا ہو گیا جو بظاہر کچھ بھی اندیشہ ناک نہ تھا مگر ابی بن خلف چلا اُٹھا قتلنی محمدؐ مجھ کو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مار ڈالا۔ لوگوں نے کہا تیری عقل جاتی رہی ہے تجھے تو کچھ گزند کا اندیشہ نہیں ہے۔ تو ایسا بہادر ہے کہ سینہ میں تیر کھاتا تھا اور نکال کر پھینک دیتا تھا کچھ پرواہ نہ کرتا تھا۔ اس ذرا سے زخم سے کیوں مرا جاتا ہے مگر اُس نے کہا تم نہیں جانتے جتنا زخم آپ کے ہاتھ سے مجھ کو لگا ہے اگر اُتنا ہی کل کرۂ ارض کے باشندوں کو ملکر لگ جائے تو سب مر جائیں وہ کمبخت باوجود شدید عداوت کے بھی آپ کی حقانیت کو جانتا تھا اور اُس کو اُسی وقت سے اندیشہ تھا جب آپ کو فرماتے ہوئے سنا تھا کہ میں تجھ کو قتل کرونگا۔ آخر کئی روز کے بعد مکہ کو واپس ہوتے ہوئے اس زخم کی تکلیف سے مر گیا۔ ابی بن خلف ہی وہ شقی ہے جس کو آپ نے اپنے دست خاص سے قتل کیا ہے۔

ابو عامر فاسق نے (جو حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ غسیل ملائکہ کا باپ تھا اور بوجہ عداوت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ چھوڑ کر کفار مکہ سے جا ملا تھا اور جنگ احد میں اُن کو یہ دم دلاسا دیکر لایا تھا کہ جب انصار میرے سامنے آئیں گے اور میں اُنکو آواز دونگا تو سب میرے ساتھ ہو جائیں گے لیکن یہاں اس مردود کی طرف کسی نے بھی التفات نہ کیا۔ اس ابو عامر کو زمانہ جاہلیت میں بوجہ اس کی عبادت وگوشہ نشینی کے راہب کہتے تھے لیکن اب اُس کا نام فاسق ہو گیا تھا) اُحد کے میدان میں جگہ جگہ گڈھے کھدوا کر چھپا دیئے تھے کہ مسلمان بے خبری میں اُنکے اندر جا پڑیں۔ ایک گڈھے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گر گئے اور اس صدمے سے آپ پر بیہوشی طاری ہو گئی گھٹنے چھل گئے ابن قمئہ نے جس نے آپ کے مونڈھے پر تلوار ماری

ـلـه وکان یقول ابی بمکۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ ان عندی العوذ اعلفہ کل یوم فرقا من ذرۃ آقتلک علیہ فیقول لہ النبی صلعم بل انا اقتلک ان شاء اللہ تعالیٰ [illegible] صفحہ ۳۲

تھی اوپر سے پتھر پھینکے۔ ایک دوسرے شخص نے ایک پتھر مارا جس سے دندان مبارک کو صدمہ پہنچا۔ یہاں سے آپ پہاڑ کی گھاٹی میں تشریف لے گئے۔ اور وہاں آپ کے زخم کو دھویا گیا۔ گھاٹی میں آپ اصحاب کی مختصر سی جماعت کیساتھ تشریف فرما تھے کہ خالد بن الولید معہ چند مشرکین کے پہاڑ کے اوپر چڑھ گئے۔ اُس وقت آپ نے دعا فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّهُمْ لَا يَنْبَغِىْ لَهُمْ اَنْ يَعْلُوْنَا اَللّٰهُمَّ لَا قُوَّةَ لَنَا اِلَّا بِكَ۔	الٰہی ان مشرکین کا ہم سے بلند ہونا لائق نہیں۔ ہم میں جو کچھ قوت ہے تیری ہی امداد و نصرت کی ہے۔

اس پر حضرت عمرؓ مع ایک جماعت کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہوئے اور اُن کو پہاڑ سے نیچے اُتار دیا۔ مسلمانوں پر سخت پریشانی اور خوف کا وقت تھا کہ عین اسی حالت میں اُنپر اونگھ کا غلبہ ہوا جس سے اُنکے ہاتھ میں سے تلوار گر پڑتی تھی۔ اس حالت کے زائل ہو جانیکے بعد خوف بالکل جاتا رہا۔ از سر نو نشاط پیدا ہو گیا۔ بجائے ضعف کے قوت پیدا ہو گئی۔ اور مغلوبی کا جو صدمہ تھا وہ نصرت و فتح کے سرور سے بدل گیا۔ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ۔	پھر حق تعالیٰ نے اُتارا تم پر تنگی کے بعد امن کو اونگھ کہ گھیر رہی تھی تم میں سے بعضوں کو۔

مشرکین کو اگرچہ بظاہر غلبہ کی صورت حاصل ہوئی تھی مگر قتل و زخم کا نقصان اُن کو بھی اس قدر پہنچ چکا تھا کہ اسوقت کسی طرح مقابلہ کی طاقت اُن میں باقی نہ تھی۔ بالآخر ابوسفیان نے پہاڑ پر کھڑے ہو کر جھوٹی تعلّی و شیخی بگھار کر کہا کہ اب اگلے سال بدر پر مقابلہ ہو گا۔ اور یہ کہکر مکہ کی راہ لی۔

اس معرکہ کے طویل حالات میں سے بقدر ضرورت چیدہ چیدہ حالات بیان کئے گئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنگ احد میں مشرکین بالکل مغلوب ہو چکے تھے۔ مال و متاع چھوڑ کر میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کو جسقدر نقصان پہنچا یا مشرکین کیلئے انتقام واقعہ بدر کا جتنا سامان ہوا وہ خالد بن الولید کی تدبیر۔ دانشمندی، بےمثل دلیری و شجاعت کا نتیجہ تھا۔

معرکۂ خندق میں خالد بن الولید کے کارنامے

زمانۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمانوں کو جسقدر معرکہ آرائیاں کرنی پڑیں اُنمیں چند ہی ایسی ہیں جنمیں اُنکو نقصان زیادہ پہنچا یا خوف و

ہراس طاری ہوا۔ جنگ احد کے نقصانات اور مسلمانوں کی پریشانی و خوف کا حال تو ابھی معلوم ہو چکا ہے۔ جنگ حنین میں بھی مسلمانوں کی ایک جماعت کو جنہیں زیادہ تر طلقاء (رہا کردہ) تھی عارضی ہزیمت ہوئی تھی۔ غزوہ خندق میں اس قسم کا نقصان جان و مال تو اٹھانا نہیں پڑا مگر خوف و ہراس۔ اضطراب و پریشانی۔ سردی و تنگی۔ منافقین کے طعنہ و تشنیع کے اعتبار سے یہ معرکہ سب میں زیادہ تھا۔ درحقیقت مسلمانوں کو اس سے قبل یا اس کے بعد ایسی پریشانی کبھی لاحق نہ ہوئی مشرکین مکہ نے معہ اپنے اعوان غطفان وغیرہ قبائل کے دس ہزار کی جمعیتہ سے مکمل ساز و سامان کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کی تھی۔ یہود بنی نضیر کو جب مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیئے گئے اور وہ خیبر میں جا کر آباد ہوئے تو انکے سردار حیی بن اخطب (حضرت صفیہ زوجہ مطہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا باپ) نے خود مکہ پہنچکر تمام کفار مکہ اور انکے مددگار قبائل کو اسپر آمادہ کیا اور یہ پختہ وعدہ کر لیا کہ قریظہ کے یہود جو مدینہ میں آباد اور نہایت ساز و سامان والے دلیر و شجاع لڑائی کے آزمودہ کار ہیں تمہارا ساتھ دینگے تم بیرون سے حملہ کرو گے اور وہ اندرون سے آفت ڈھائیں گے۔ اور اس طرح مسلمانوں کی بیخ و بن اکھاڑ کر پھینک دی جائیگی۔ قریش مکہ اس کے سوا چاہتے ہی کیا تھے۔ اس کثیر جمعیت کیساتھ مدینہ کا محاصرہ کر لیا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رائے سے مدینہ منورہ کی اُس جانب جدہر سے حملہ کا اندیشہ تھا رات دن محنت کر کے گہری خندق کھودی گئی۔ حیی بن اخطب نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ بنی قریظہ کا معاہدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو چکا تھا۔ مکمل تحریر اس مضمون کی موجود تھی کہ بنی قریظہ آپ کے کسی مخالف کا ساتھ نہ دیں گے۔ انصار کے قبیلہ اوس کے ساتھ بنی قریظہ کے تعلقات تھے زمانہ جاہلیت سے انمیں اور قبیلہ اوس میں یاری و مددگاری باہمی حلف و عہد موجود تھے جسطرح نضیر کا معاہدہ انصار کے دوسرے بڑے قبیلے خزرج کے ساتھ تھا۔ ہر ایک فریق دوسرے کا ساتھ دیتا تھا اور اُسکے مخالف سے وقت ضرورت بر سر پیکار ہوتا جاتا۔ اسی طرح انصار کے بھی دونوں قبیلے اپنے اپنے حلیفوں کا ساتھ دیتے تھے۔ زمانہ اسلام میں بھی اس عہد و پیمان کی رعایت ہر فریق میں موجود تھی بنی نضیر کے بارہ میں اس معاہدہ کی وجہ سے عبد اللہ ابن ابی خزرجی نے سفارش کی تھی اور باوجود اُسکے منافق شدید النفاق ہونیکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکی سفارش منظور کی تھی۔ قریش

نے ابن اخطب[1] کو اُسکے وعدے یاد دلائے۔ وہ بنی قریظہ میں پہنچا اور کعب بن اسد (یہ شخص بنی قریظہ کا سردار تھا اور اسکے پاس عہدنامہ صلح موجود تھا) کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ کعب نے دروازہ کھولنے سے انکار کیا اور کہا تو ایک منحوس سبز قدم آدمی ہے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معاہدہ ہو چکا ہوں اُنکی طرف سے سوا وفاء عہد سچائی و راستبازی کی کوئی بات ظاہر نہیں ہوئی میں ہرگز عہدنامہ کو نہ توڑونگا۔

حیی بن اخطب نے کہا تو صرف اس خوف سے دروازہ نہیں کھولتا کہ کہیں میں تیری حشیس (موٹا آٹا) میں شریک نہ ہو جاؤں۔ کعب نے مجبور ہو کر دروازہ کھولدیا حیی بن اخطب نے کہا ظالم میں تو ایسی عزت کا سامان لایا ہوں کہ زمانہ میں تیرا نام ہو جائیگا۔ قریش و غطفان کو جمعیت کثیر کے ساتھ لایا ہوں وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا استیصال کر دینگے۔ اور جبتک اس مہم میں کامیاب نہوں یہاں سے نہ ہٹیں گے۔ کعب نے جواب دیا کہ تو عزت کی نہیں بلکہ دنیا بھر کی ذلت کا اور ہر قسم کے خوف و خطرہ کا سامان لایا ہے انی لوار من محمد الا صدقا و وفاء (میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سوا وفا و راستبازی کوئی امر نہیں دیکھا) حیی بن اخطب کی طرف سے اصرار اور اُسکی طرف سے انکار بڑھتا رہا۔ آخر حیی نے اسپر حلف کیا کہ اگر قریش و غطفان بغیر مسلمانوں کے تباہ کیے واپس ہو گئے تو میں تیرے ساتھ محصور ہو کر بیٹھ جاؤنگا اور تیری مصیبت میں شریک ہونگا۔ آخر کعب نے معاہدہ توڑدیا عہدنامہ کو پھاڑ دیا اور اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کر کے اُنکی اطلاع کر دی سب نے اُسکی رائے سے اتفاق کر کے آپ کی مخالفت پر کمر باندھلی۔ اس واقعہ کی اطلاع آپ کی خدمت میں پہنچی تو آپ کو نہایت ناگوار گذرا۔ اسوجہ سے نہیں کہ وعدہ نصرت خداوندی میں کچھ تردد ہوا بلکہ محض اس خیال سے کہ مسلمانوں کے عام طبقہ پر اسکا اثر پڑ جائیگا اندیشہ تھا۔ آپ نے تحقیق حال کے لئے سعد بن عبادہ کو جو بنی قریظہ کے حلیف تھے بھیجا اور اُنکے ساتھ عبداللہ بن رواحہ خوات بن جبیر کو بھی کر دیا اور فرما دیا کہ اگر یہ خبر پیمان شکنی کی صحیح ہو تو صراحتاً میرے سامنے بیان نہ کرنا بلکہ کنایہ میں ظاہر کرنا خبر حقیقت میں صحیح تھی ان لوگوں نے واپس آکر تعمیلاً لارشاد کنایہ کیا اور کہا عضل و القارہ (یعنی قریظہ نے اسطرح عہد شکنی کی ہے جسطرح قبیلہ عضل و قارہ نے مسلمانوں کی جماعت صحابہ رجیع کیساتھ کی تھی) مسلمانوں نے عام طور پر تو اُسکو نہ سمجھا مگر آپ نے سمجھ لیا اور مسرت کیساتھ اللہ اکبر کہکر فرمایا مسلمانو تمہیں خدا تعالیٰ کی نصرت و امداد کی بشارت ہو۔ اسکے بعد آپ چہرہ مبارک کپڑا اوڑھکر لیٹ گئے مسلمانوں نے یہ تفکر کی حالت دیکھی تو اور بھی پریشان ہو گئے یہ تھوڑی

[1] وخرج حیی بن اخطب حتی اتی کعب بن اسد سید قریظة وکان قد وادع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ قومہ فاغلق کعب حصنہ ولم یاذن لہ وقال انک امرء مشؤم وقد عاہدت محمداً ولم ار منہ الا الوفاء فقال حیی یا کعب قد جئتک بعز الدھر جئتک بقریش وقادتہا وسادتہا وغطفان بقادتہا وسادتہا وقد عاہدونی انہم لایبرحون حتی یستاصلوا محمداً واصحابہ فقال کعب جئتنی بذل الدھر ویحک یا حیی دعنی ولم یزل بہ یفتلہ فی الذروة والغارب حتی احل علی العذر بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ففعل ونکث العہد وعاہدہ حتی ان عادت قریش وغطفان ولم یصیبوا محمداً ان ادخل معک فی حصنک حتی یصیبنی ما اصابک۔ کامل ابن اثیر صفحہ ۷۴ ج ۲

ہی دیر میں آپنے سر اُٹھا کر فرمایا ابشروا بفتح اللہ و نصرہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بشارت دینا بالکل صحیح تھا کیونکہ مشرکین مکہ کی ناکامی کیساتھ خداتعالیٰ نے یہودِ مدینہ کی بقیہ جماعت کے خاتمہ کا بھی سامان فرمادیا مگر ظاہری سامان اس بشارت کے مساعد نہ تھے مسلمانوں پر تو غم و الم، تردد و فکر کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ دس ہزار کا لشکر محاصرہ کیئے ہوئے پڑا تھا، یہود مار آستین کیطرح اندر گھسے ہوئے تھے کہ مسلمان قریش کے مقابلہ میں مصروف ہوں تو ہم اُنکے زن و بچہ کو تباہ کرکے مسلمانوں کو گھیرے میں لیلیں۔ یہی وقت تھا جس کی نسبت کلام اللہ میں ارشاد ہے۔

اِذ جاءوکم من فوقکم ومن اسفل منکم واذ زاغت الابصار وبلغت القلوب الحناجر وتظنون باللہ الظنونا ھنالک ابتلی المؤمنون وزلزلوا زلزالاً شدیدا	جب آئے تم پر اوپر کی طرف سے اور نیچے سے اور جب ڈگنے لگیں آنکھیں اور پہنچے دل گلوں تک اور گمان کرتے تھے تم ساتھ اللہ کے طرح طرح کے گمان وہاں جانچے گئے ایمان والے جھڑ جھڑائے گئے جھڑ جھڑانا۔

پھر منافقین مدینہ (جو یہود سے زیادہ عداوت میں بڑھے ہوئے اور مسلمانوں کے ہر کام میں دخیل اور گھسے ہوئے تھے) کا تمسخر و طعن اور بھی نمک بر جراحت کا کام دیتا تھا، خندق کھودتے ہوئے ایک سخت چٹان نکل آئی جسپر کدال کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا تو آپنے دست مبارک میں کدال کو لیکر مارا جس سے نرم ہوکر اُسکا ایک تہائی حصّہ کٹ گیا۔ کدال کے لگتے ہی چٹان میں سے چمک پیدا ہوئی جسکو دیکھکر آپنے فرمایا مجھ پر خداتعالیٰ نے یمن کو فتح کردیا۔ اس روشنی میں میں نے یمن کے مکانات اور آبادی کو دیکھا ہے۔ دوسری دفعہ کدال کو مارا تو ایک تہائی کٹنے کیساتھ روشنی نمودار ہوئی اور آپنے فرمایا شام کا ملک بھی فتح ہوگیا۔ اس روشنی میں شام کے ملک اور اُسکی آبادی مجھ کو دکھلادی گئی۔ تیسری دفعہ کدال مارا تو پھر روشنی ظاہر ہوئی آپنے فرمایا فارس کا ملک بھی فتح ہوگیا[۱]۔ منافقین ان باتوں کو سُنکر اور بھی تمسخر کرتے اور مسلمانوں پر قہقہے لگاتے تھے کہ یہ بھی عجیب نادان ہیں گھر میں تو امن نہیں ہے کوئی شخص اطمینان سے روٹی نہیں کھاسکتا۔ تنگی کا یہ حال کہ کئی کئی وقت روٹی نہیں ملتی۔ اور اس حالت پر ان جھوٹے وعدوں پر خوش ہوتے ہیں۔

واذ یقول المنافقون والذین فی قلوبہم مرض ما وعدنا اللہ ورسولہ الا غرورا۔	اور جبکہ منافق اور وہ لوگ جنکے دلمیں شک ہے کہتے تھے نہیں وعدہ کیا ہمسے اللہ اور اُسکے رسول نے مگر دھوکے کا۔

[۱] ثم زجر وقد صدعا فسالہ سلمان عما رائی من البرق فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اضاءت الحیرۃ وقصور کسریٰ فی البرقۃ الاولیٰ واخبرنی جبریل ان امتی ظاہرۃ علیہا واضاء لی فی الثانیۃ القصور الحمر من ارض الشام والروم واخبرنی ان امتی ظاہرۃ علیہا واضاء لی فی الثالثۃ قصور صنعاء واخبرنی ان امتی ظاہرۃ علیہا فابشروا [illegible] ۔ ایضاً ص ۴۴

مسلمانوں کیلئے ایسی ابتلاء وامتحان کا وقت اب سے پہلے کبھی نہیں آیا تھا جنگ احد میں بیشک نقصان پہنچا تھا مگر نہ اتنا ڈر اور نہ ایسا خوف وہراس تھا مسلمانوں کو خود اپنی سوء تدبیر وعدم امتثال حکم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نقصان اُٹھانا پڑا تھا۔ اسی ابتلاء میں ابتلا اور آزمائش پختگی و صدق واخلاص جوانمردی وجاں نثاری کا ایک دوسرا منظر پیش آیا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غایۃ شفقت ورحمت رافۃ وعطوفت کا اقتضاء یہ ہوا کہ مسلمان جو تقریباً ایک ماہ سے گھر سے بے گھر نہایت خوف وہراس میں مبتلا ہر قسم کی تکالیف برداشت کر رہے ہیں۔ اُنکو اس بلا سے نجات دیجائے۔ مشرکین کو لطائف الحیل سے اسوقت ٹالدیا جائے۔ وقت کا ٹالدینا اور کسی دوسرے وقت دشمن سے انتقام لینا بھی تدبیر حرب میں اعلیٰ درجہ کی تدبیر ہوتی ہے۔ آپنے عیینۃ ابن حصن فزاری اور حارث ابن عوف مرّی کو طلب فرمایا یہ دونوں ابوسفیان سے پوشیدہ حاضر خدمت ہوئے۔ آپنے ان دونوں سے فرمایا اگر تم اپنی جماعت کو واپس لیجاؤ تو مدینہ کے سال بھر کے پھلوں میں سے ایک تہائی تم کو دیئے جاینگے۔ اُنہوں نے نصف کا مطالبہ کیا مگر بالآخر ایک تہائی پر راضی ہوگئے۔ جب یہ دونوں راضی ہوگئے تو انصار کے ہر دو سردار سعد ابن معاذ اوسی سعد بن عبادہ خزرجی کو بلاکر اس بارہ میں مشورہ فرمایا۔ دونوں نے بالاتفاق عرض کیا۔ اگر اسطرح صلح کرینگا آپ کو منجانب اللہ حکم ہے تب تو سوا امتثال چارہ ہی نہیں ہے اور یہ امر خود آپ کو پسندیدہ ومرغوب ہے تب بھی ہم اطاعت کرینگے۔ اور اگر محض ہماری راحت رسانی اور رفع کلفت وپریشانی کیلئے کیا جاتا ہی تو ہمارے نزدیک یہ صلح ٹھیک نہیں ہی۔ ہمارے پاس تو ان مشرکین کیلئے سوائے تلوار کے کچھ نہیں ہی۔ آپ نے ارشاد فرمایا اگر مجھے خدا تعالیٰ کے یہاں سے حکم ہوتا تو تمسے مشورہ ہی کیوں کرتا میں تو صرف اسی وجہ سے صلح کرتا ہوں کہ تمام عرب نے ایکا کرکے تمکو ہدف سیف وسنان بنایا اور ہر طرف سے تم پر حملہ ہو رہا ہی اسوقت اس تدبیر سے اُنکے جتھے کو توڑ دیا جائے پھر جو کچھ ہوگا دیکھ لیا جائیگا۔ دونوں سرداران انصار نے یہ سُنکر عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، زمانہ شرک میں ان قبائل غطفان کی یہ مجال نہ تھی کہ مدینہ کی ایک کھجور بھی ہمسے بزور لے سکیں یا خرید کر لیتے تھے یا ہمارے مہمان بنکر کھالیتے تھے اور اب جبکہ ہمکو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت وعزت عطا فرمائی آپ کی بدولت ہدایت نصیب ہوئی تو ہم اسقدر پست ہمت بزدل بنجائیں کہ اُنکو ثمار مدینہ کا ایک ثلث محض حفاظت جان

کیلئے دیدیں۔ حالت شرک میں تو ہم اسقدر قوی غیور بہادر و دلیر ہوں اور اس کرامت و شرافت کے بعد جو ہمکو حاصل ہوئی ہے ایسے بے حمیت کمزور بنجائیں۔ ہمیں ہرگز ایسی صلح کی ضرورت نہیں ہو۔ تلوار ہی سے فیصلہ ہوگا۔ آپ نے سُنکر فرمایا تمہاری یہ رائے ہی تو بہتر ہے۔ ہر دو سرداروں نے باواز بلند عینیہ اور حارث سے کہدیا جسقدر ممکن ہو ہمارے مقابلہ میں کوشش کرو تلوار ہی سے فیصلہ ہوگا ظاہر ہے کہ اسطرح صلح کا نہ منجانب اللہ حکم تھا اور نہ خود پسندیدہ محبوب تھی۔ بلکہ منجملہ تدابیر ایک تدبیر تھی۔ اور اُسمیں صحابہ کی دلجوئی اور راحت کا خیال تھا مگر جسطرح آپ کی جانب سے محض شفقت و رافت کا ظہور تھا۔ درحقیقت مسلمانوں کیلئے امتحان و آزمایش کی گھڑی تھی۔ اگر انصار اس رائے کو مان لیتے تو کسی طرح قابل ملامت و طعن نہ ہوتے۔ مگر وہ اس تہ کو پہنچ گئے لیبلی المؤمنین بلاءً حسنًا کا مضمون پیش نظر ہوگیا اور نہایت ثابت قدمی سے صلح کو نا منظور کیا جب صلح کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔ تو مشرکین کے تمام گروہوں نے پوری جدوجہد شروع کردی۔

خندق کے درمیان ہونے سے پیادہ لشکر کو تو موقع حملہ کا تھا ہی نہیں۔ البتہ سواروں کے دستے متفرق مقامات پر رات دن گشت لگاتے تھے اور چاہتے تھے کہ کہیں موقع ملجائے تو خندق کو طے کر کے مسلمانوں پر جا پڑیں۔ یہ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ فوج رسالہ کی کمان ہمیشہ خالد بن الولید کے ہاتھ میں ہوتی تھی اس موقع پر بھی انہیں کی کمان میں تھے ...... خالد خود بالطبع ایسے دلیر و جوشیلے نڈر تھے کہ کسی موقع کو ہاتھ سے دینا تو کیا خود متلاشی رہتے تھے مگر خندق کا محاصرہ لمبا ہوگیا تھا ایک شخص سے ناممکن تھا کہ رات دن ہر موقع پر دستہ سواروں کو لیجائے۔ اور مقصود یہ تھا کہ مسلمانوں کو ایک آن کیلئے چین و اطمینان حاصل نہ ہو۔ اُنہوں نے رسالہ کو کئی دستوں میں تقسیم کر کے ہر ایک دستہ کی کمان جدا جدا ابوسفیان عمرو بن العاص۔ عکرمہ ابن ابی جہل۔ ہبیرہ ابن ابی وہب۔ ضرار ابن الخطاب کے سپرد کی اور ایک دستہ کی کمان خود اپنے ہاتھ میں رکھی اس طرح نمبروار حملے کرتے رہے کبھی کبھی بزور گھوڑوں کو خندق میں لیجانیکا ارادہ کیا مگر کامیاب ہوئے ایک مرتبہ نوفل عبداللہ ابن مغیرہ نے گھوڑے کو خندق پر کدانا چاہا۔ مگر وہ خندق میں گرگیا اور ٹانگ ٹوٹ گئی۔ یہ حالات تو ابتدا ہی سے تھے مگر آخر میں جدوجہد کو اور بھی بڑھایا۔ ایک مرتبہ عکرمہ ابن ابی جہل۔ ہبیرہ ابن ابی وہب۔ ضرار ابن الخطاب۔ عمرو ابن ود نے گھوڑوں کو خندق کے تنگ راستہ میں جبراً

گھسا ہی دیا۔ مگر یہ حملہ بھی عمرو بن ود کیساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابل آنے اور عمرو بن ود کے (جو نوّے برس کا بڈھا تھا مگر دلیری و شجاعت کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے بہادر اُسکے نام سے ڈر جاتے تھے) مقتول ہوجانے پر ختم ہو گیا۔ ایک مرتبہ خالد رضی اللہ عنہ دستہ سواران لیکر نکلے کہ مسلمانوں کو غفلت میں جالیں۔ کنارہ خندق پر اُسید بن حضیر دو سو کی جمعیت سے موجود تھے۔ تھوڑی دیر تک مقابلہ رہا اور پھر ہٹ گئے۔ ان ہی مصائب اور سختیوں میں ایک اور امر پیش آگیا۔ ایک مرتبہ رات میں مسلمانوں کی دو جماعتیں نکلیں ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی۔ مڈبھیڑ ہوگئی تو ہر ایک نے مشرکین کی جماعت سمجھکر حملہ کردیا اور فریقین میں سے کچھ مقتول و مجروح ہوئے مگر جب ہر جماعت نے اپنے اپنے شعار کو ظاہر کیا تو لڑائی بند ہوگئی

یہ تمام مصائب گذر رہے تھے اور دن رات دشمن کا مقابلہ علیحدہ بال بچوں گھر بار کی طرف سے بے اطمینانی و پریشانی جدا بھوک پیاس کی تکلیف ان سب کے سوا۔ راتوں کی سردی کی سخت تکلیف اُنکے علاوہ۔ آپ نے یہ حالت دیکھکر احزاب یعنی جماعت ہائے مشرکین کیلئے بددعا شروع کی تین روز تک متواتر دعا قنوت پڑھتے رہے اور مسلمانوں کو بھی دعا کی تلقین فرمائی۔ اور دعاء و تضرع الی اللہ ہی مسلمانوں کا سب سے بہتر سب سے زیادہ کامیاب و مؤثر ہتیار ہے۔ مگر مسلمان نہایت استقامت و استقلال سے جمع رہے کسی قسم کا گھبراہٹ اضطراب ظاہر نہیں کیا۔ نہ رحمت و نصرت خداوندی سے مایوس ہوئے۔ آخر تین روز کے بعد دعا مقبول ہوئی اور وقت آگیا کہ مسلمانوں کا خوف امن سے مبدل ہوجائے۔ دشمن جو محاصرہ کئے ہوئے تھے خائب و خاسر لوٹ جائیں اور یہ نصرت غیبی عجیب پیرایہ میں ظاہر ہوئی۔ ادھر تو جبرئیل علیہ السلام نے قبولیت دعا کی بشارت دی کہ مشرکین مکہ اور اُنکے مددگاروں پر سخت ہوا بھیجی جائیگی ادھر نعیم ابن مسعود اشجعی جو قبائلِ مشرکین کا بڑا سر گروہ اور ممتاز و سربلند شخص تھا۔ رات کو چھپکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے دل میں اسلام کی عظمت و محبت گھر کر چکی ہے میں مسلمان ہوچکا ہوں میری قوم ابھی تک بےخبر ہے۔ آپنے فرمایا یہ بات ہے تو جس تدبیر سے ممکن ہو مشرکین میں باہم پھوٹ ڈلوا کر اُن میں اختلاف و بدمزگی پیدا کرو نعیم نے عرض کیا اگر اس تدبیر میں مجھکو کوئی امر خلاف واقعہ بھی زبان سے نکالنا پڑے تو جائز ہوگا۔ آپنے فرمایا کچھ حرج نہیں ہے الحرب خدعۃ لڑائی حیلہ و تدبیر کا نام ہے۔

یہاں سے رخصت ہوکر نعیم سیدھا بنی قریظہ کے پاس پہنچا اُن سے گہرے تعلقات تھے

ودی ایاکم نقالوا لست عندنا بمتہم قال فقد ظاہر تم قریشا و غطفان علی حرب محمد و لیسوا کانتم البلد بلدکم بہ اموالکم و ابناؤکم و نساؤکم لا تقدرون علی ان تحولوا منہ و ان قریشا و غطفان ان رأوا نہزۃ و غنیمۃ اصابوہا و ان کان غیر ذالک لحقوا ببلادہم و خلوا بینکم و بین محمد و لا طاقۃ لکم بہ فلا تقاتلوا حتی تاخذوا منہم رہنا من اشرافہم

اُنس و محبت ہمنشینی وغیرہ خصوصیات حاصل تھیں۔ وہاں گیا تو سب خوش ہو گئے مرحبا مرحبا
کہتے ہوئے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ کھانے لائے نعیم نے کہا بھائی ان باتوں کا وقت نہیں ہے۔ میں تو تمہاری
دردمندی کی وجہ سے اسوقت آیا ہوں۔ اگر تم راز میں رکھو تو کہوں اور جو میرے نزدیک مناسب ہے
رائے دوں۔ اُنہوں نے رازداری کا پورا عہد و پیمان کر لیا تو کہا۔ قریش مکہ اور تمہارا حال یکساں نہیں ہے
قریش تو دوسرے کے گھر پر چڑھ کر آئے ہیں۔ کامیاب ہو گئے تو بہتر ورنہ صحیح و سالم اپنے ملک کو لوٹ
جائینگے جہاں اُنکو کسی کا اندیشہ نہیں ہے۔ برخلاف تمہارے کہ تمہارا وطن یہی ہے۔ تمہارے اہل و عیال
مال متاع یہیں ہیں۔ تمنے قریش کا ساتھ کس بھروسہ پر دیا ہے۔ اگر قریش ناکام واپس ہوئے اور تمکو
یہاں چھوڑ گئے تو تمہارا کیا حشر ہوگا۔ تم اپنے ہم مذہب دو قبیلوں بنی نضیر اور بنی قینقاع کا حال دیکھ چکے
ہو وہ بھی تو تمہاری طرح مدینہ ہی میں رہتے تھے لیکن جب مسلمانوں نے اُنکو جلاوطن کیا تو عرب کا
کونسا قبیلہ اُنکی مدد کو آیا تھا۔ قریش چلے گئے تو تمہارا مقابلہ مسلمانوں سے ہوگا وہ جو چاہینگے تمہارے ساتھ
کرینگے۔ پھر تمنے کیا سوچکر کیا ہے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ تم قریش سے پورا پورا عہد و پیمان لیلو اور اُن
میں سے ستّر اشراف کو بطور رہن رکھلو۔ قریظہ نے کہا ہم آپکے بہت مشکور ہیں۔ آپنے بالکل صحیح کہا اور
نہایت مناسب رائے دی ہم ایسا ہی کرینگے۔ یہانسے رخصت ہوکر نعیم قریش کے پاس پہنچے اور کہا تم
جانتے ہو میرے تعلقات تمہارے ساتھ کیسے ہیں اور مجھکو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے کتنا بغض ہے
مجھے ایک خبر پہنچی ہے اگر تم اُسکا افشا نہ کرو تو بیان کروں۔ میری محبت نے گوارا نہ کیا کہ میں اُسکے پہنچانے
میں ذرا بھی دیر کرتا۔ قریش نے کہا ہرگز کسی کو خبر بھی نہ ہوگی ضرور کہئے۔ نعیم نے کہا سنو۔ بنی قریظہ نے
تمہارا ساتھ دیا۔ مسلمانوں کے ساتھ جو معاہدہ تھا اُسکو توڑ ڈالا مگر اب وہ نادم پشیمان ہیں اور اس فکر میں
ہیں کہ اُسکی تلافی کریں۔ اُنہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس پیام بھیجا کہ اگر اپنے قصور کی مکافات
کیلئے قریش و غطفان کے ستّر شرفا کو قید کرکے آپ کے پاس بھیجدیں اور عمر بھر آپکے ساتھ مشرکین سے
لڑتے رہیں تو آپ ہمارا قصور معاف کر دیں گے اور ہمارے سابق عہدنامہ کو برقرار رکھیں گے۔ وہانسے
جواب آیا ایسا کروگے تو تمہارے سب جرائم معاف ہو جائینگے۔ نعیم نے کہا اگر یہود قریظہ تمسے رہن رکھنے
کیلئے تمہارے اشراف کو طلب کریں تو ہرگز ایک شخص کو بھی نہ دینا۔

یہانسے اُٹھکر غطفان کے پاس پہنچے اور کہا تم تو میرا کنبہ اور برادری۔ دنیا بھر سے زیادہ

مجھے محبوب ہو۔ مجھے امید نہیں ہے کہ تم میری رائے کو متہم سمجھو گے۔ سب نے کہا بیشک ایسا ہی ہے کہا بس تو یہ بات راز کی ہے کسی کو خبر نہ ہو۔ اور پھر وہی گفتگو جو قریش سے کی تھی یہاں بھی کی اور نصیحت کی کہ کسی کو میں آ جا تیرا

اسکے بعد شنبہ کی شب میں ابو سفیان اور سرداران غطفان نے عکرمہ (رضی اللہ عنہ) کو مع چند لوگوں کے بنی قریظہ کے پاس بھیجکر یہ پیام دیا تمہیں معلوم ہے کہ ہم اپنے ملک و وطن میں نہیں ہیں سفر میں پڑے ہوئے ہر قسم کی تکالیف برداشت کر رہے ہیں۔ اونٹ گھوڑے وغیرہ سب تباہ ہو گئے اب ڈھیل کا موقع نہیں ہے ایک قطعی او فیصلہ کن حملہ کا وقت ہے تم بھی تیار ہو جاؤ اور کل تم اندرونی جانب سے اور ہم بیرون حصہ سے حملہ کر کے قصہ کو ختم کر دیں۔ یہود نے جواب دیا کل تو سبت کا دن ہے اسمیں تو ہم لڑ نہیں سکتے البتہ کسی اور دن کا تعین ہونا چاہیے۔ لیکن جبتک تم ہماری اطمینان کیلئے اپنے پچاس ستر معززین و شرفا کو بطور رہن نہ رکھدو ہم ہرگز تمہارے ساتھ ہو کر نہ لڑیں گے۔ قریش و غطفان نے سنکر کہا۔ بیشک نعیم درست کہتے تھے۔ یہود کا یہ پیام قریش کو پہنچ گیا تو نعیم پھر بنی قریظہ کے پاس پہنچے اور کہا جب تمہارا پیام طلب رہن کیلئے پہنچا تھا تو میں ابو سفیان کے پاس تھا ابو سفیان نے یہ پیام سنکر کہا کہ اگر بکری کا بچہ بھی وہ ہم سے طلب کرینگے تو ہم نہ دینگے۔ فریقین کو نعیم کی گفتگو کی تصدیق ہو گئی اور آپسمیں اختلاف ہو گیا ایک دوسرے سے بدظن ہو گیا حیی بن اخطب جو سارے قصہ کا بانی مبانی تھا جو قریش و غطفان کو چڑھا کر لایا تھا جس نے بنی قریظہ سے عہد شکنی کرائی تھی اسکو پتہ لگا تو قریظہ پہنچا وہاں جا کر دیکھا تو وہ لوگ بالکل ڈھیلے تھے یہ کہتے تھے کہ قریش ہمارے پاس رہن نہ رکھیں گے تو ہم بھی ساتھ نہ دینگے۔ یہ بدبخت بھی اب کچھ نہ بول سکا اپنا منہ لیکر چلا آیا۔ ادھر تو یہ ناچاقی اور باہمی اختلاف و بددلی شروع ہوئی۔ اُدھر نہایت تیز و تند سرد ہوا چل پڑی جس نے ڈیرے خیمے اُکھاڑ کر پھینک دیئے۔ چولھوں پر سے ہنڈیاں اوندھی ہو گئیں۔ ایسی سخت پریشانی اور بددلی میں مجبوراً قریش و غطفان کو بجز یک بینی و دو گوش بھاگنے کے چارہ نہ تھا ابو سفیان اس گھبراہٹ اور عجلت میں گھوڑے پر سوار ہوا کہ اسکے پیر کی رسی بھی سوار ہو کر کھولی۔ مگر عکرمہ کے غیرت دلانے پر اترا اور اونٹ کی نکیل پکڑ کر سب کے ساتھ مکہ کو روانہ ہو گیا اور اس طرح احزاب کے سخت ہولناک اور شدید ترین حملہ کا خاتمہ ہوا۔

قریش کے اس سب سے سخت حملہ میں بھی جسقدر کارنمایاں ہوئے سب دستہ سواران سے ہوئے جس کی کمان کبھی خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ کبھی اُن کے نائب کے۔

فعجلت نکفا قدورهم و تطرح ابنیتهم - ایضاً صفحہ ۶۹ ج ۲

حدیبیہ کا واقعہ — جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دکھلایا گیا تھا کہ آپ اور آپ کے اصحاب مکہ معظمہ میں امن وسکون کی حالت میں داخل ہوئے بعض محلق یعنی سر کے بالوں کو منڈانے والے ہیں اور بعض مقصر یعنی بال کٹوانے والے اور یہ کہ آپ نے بیت اللہ کی کنجی لے لی ہے اور آپ نے وقوف عرفات بھی کیا ہے۔ آپ نے اس خواب کا تذکرہ صحابہ سے کیا تو سب پر بے انتہا مسرت تھی اسکے بعد آپ نے اسی سال عمرہ کا ارادہ کیا صحابہ خوش ہو گئے کہ خواب کی تعبیر یہی ہوگی۔ اسی سفر میں سب امور کا جو آپ کو دکھلائے گئے ہیں ظہور ہو جائیگا۔ آپ نے مسلمان قبائل عرب مثل اسلم۔ غفار۔ مزینہ۔ جہینہ کو بھی اس عزم کی اطلاع فرمائی اور یہ کہ وہ بھی شریک ہوں بہت سے قبائل تو شریک ہوئے اور بعض نے خیال کیا جن لوگوں نے خاص آپ کے مرکز (مدینہ) پر چڑھائی کر کے استیصال کا ارادہ کیا ہو۔ اُنسے اسکی کیا توقع ہو سکتی ہے کہ مکہ میں کیا گھسنے دینگے۔ اور بلا لڑے بھڑے راستہ چھوڑ دیں گے اور اس بنا پر ادھر اُدھر کے عذر کر کے بیٹھ رہے کلام اللہ میں اُن لوگوں کی تکذیب ان آیات میں نازل ہو گئی۔

اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو دلوں میں نہیں ہے	یقولون بالسنتہم ما لیس فی قلوبہم

آپ نے اس سفر میں شروع ہی سے ایسا انداز اختیار کیا کہ مشرکین مکہ یا کسی اور کو یہ واہمہ بھی نہ ہو کہ آپ کا قصد محاربہ کا ہے چنانچہ ذی الحلیفہ سے جو مدینہ سے چند میل ہے احرام باندھا ستر اونٹ ہدی کیلئے ساتھ لئے اُنکے گلے میں قلادے ڈالدیئے۔ یہ ایسی علامت تھی کہ عرب کے تمام افراد اُسکو جانتے تھے کوئی شخص بھی محرم کو اور ہدی کو دیکھکر یہ وہم نہ کر سکتا تھا کہ ان لوگوں کا ارادہ قتل وقتال کا ہے۔ اگرچہ آپ کے ہمراہ دو سو گھوڑے تھے جو اس سے قبل کسی معرکہ قتال میں کبھی نہیں ہوئے۔ مگر آپ نے سامان حرب ساتھ رکھنے کی ممانعت فرمادی تھی۔ صرف اپنی حفاظت کیلئے تلواروں کو ساتھ لیا تھا۔

آپ نے ایک شخص کو بغرض تجسس احوال مکہ بھیجا۔ اُس نے خبر دی کہ قریش نے آپ کی خبر سُنکر لڑائی کی تیاری کر لی ہے اُن کے ہم خیال قبائل بھی تیار ہیں۔

آپ جس ارادہ سے تشریف لیجاتے تھے اُس کا اظہار اعلان کیساتھ کر دیا تھا۔ آپ کے صدق اور وفا کو بچہ بچہ تسلیم کرتا تھا۔ مگر قریش پھر بھی اپنے خیال سے باز نہ آئے خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی زیر کمان ایک دستہ سواران کراع الغمیم پر مقابلہ کے لئے آموجود ہوا ادھر سے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی وہاں آ پہنچ گئے۔ ظہر کی نماز کا وقت آگیا آپ نے مع تمام صحابہ

رأى رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام قبل خروجہ الی الحدیبیۃ واخرج ابن المنذر وغیرہ عن مجاہد انہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی وہو فی الحدیبیۃ والاول اصح انہ ہو واصحابہ دخلوا مکۃ آمنین وقد حلقوا وقصروا ... اصحابہ ... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق۔ روح المعانی صفحہ ۹۰

[illegible marginal handwritten notes]

نماز ادا کی۔ خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہمیں اچھا موقع حملہ کا تھا۔ مگر اب دوسری نماز کا وقت آئیگا جو اُن کو اپنی جان و مال سے زیادہ عزیز ہے اُسوقت اسکی تلافی کرینگے۔ اُنکے اس خیال کی اطلاع بذریعہ وحی آپ کو ہوگئی۔ اور صلوۃ خوف پڑھنے کا حکم ہوگیا۔ نماز عصر کیوقت آپنے صلوۃ ادا کی۔ ایک جماعت آپکے ساتھ رکوع و سجدہ کرتی تھی تو دوسری خالد رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں قائم رہتی تھی۔ مشرکین نے یہ دیکھا تو سمجھ گئے کہ ہمارے قصد کی اطلاع اُنکو ہوچکی ہے۔ غرض مشرکین باوجود اس اعلان کے کہ آپ محض عمرہ کیلئے تشریف لائے ہیں اپنے ارادہ سے باز نہ آئے اور اس قسم کی جانبازی اور متہورانہ شجاعت اور سرانجام تدابیر حرب کیلئے حضرت خالد سے زیادہ کوئی شخص اُنمیں نہ تھا۔ فوج سواران کے سپہ سالار بھی وہی تھے وہی اس اہم خدمت کے سرانجام کیلئے مامور ہوئے۔ مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عزم فرما چکے تھے آپکا ارادہ نہ تھا کہ بلا نہایت سخت مجبوری کے تلوار میان سے نکالیں اسوقت آپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کیا۔ کہ قریش ہم کو عمرہ و طواف سے روکنا چاہتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا کہ ہم محض عمرہ و طواف کیلئے جاتے ہیں لڑائی کا بالکل قصد نہیں۔ لیکن اگر کوئی ہم کو مکہ میں داخل ہونے اور طواف کرنے سے مانع آویگا تو ضرور مقابلہ کریں گے۔ اسی طرح اور صحابہ نے بھی استقلال و عزم راسخ کا ثبوت دیا۔ آپنے فرمایا افسوس ہے قریش کچھ بھی نہیں سمجھتے۔ لڑائیوں نے اُنکو ضعیف و بودا بنا دیا ہے پھر بھی وہ اپنی ضد اور ہٹ پر قائم ہیں۔ اُنکا کیا حرج تھا اگر وہ مجھے اور تمام عرب کو چھوڑ کر خود علیحدہ رہتی اگر میں سب پر غالب آتا تو وہ بھی اپنی پوری قوۃ اور کثرت کیساتھ اسلام میں داخل ہوجاتے۔ مغلوب ہوتا تو پھر میرا مقابلہ اپنی پوری جمعیت سے کرتے۔ قریش کیا گمان کرتے ہیں۔ میں تبلیغ دین الٰہی سے باز رہوں ہرگز نہیں جبتک یہ گردن ہے ہرگز نہیں رک سکتا۔ اسکے بعد آپنے خالد بن الولید سے پہلو بچا کر نکل جانے کیلئے ارشاد فرمایا۔ کوئی شخص ایسا واقف کار ہے جو ہمکو خالد سے بچا کر دوسرے راستے سے لیچلے۔ قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے کہا میں لیچلونگا وہ آپ کو نہایت سخت دشوار گذار راستے سے لیگیا۔ حضرت خالد کو اُسوقت خبر ہوئی جب آپ منزل پر پہنچکر خیمہ زن ہوگئے۔ اور جب اُنہوں نے جا کر قریش سے یہ حال بیان کیا۔ آپنے اس منزل پر صحابہ کو حکم دیا کہ اُس راستے سے چلیں جس سے حدیبیہ پر جا اُتریں جب اُس گھاٹی پر پہنچے جہاں سے حدیبیہ کے میدان میں داخل ہونا تھا آپکی ناقہ چلتے چلتے بیٹھ گئی۔ ہر چند اُٹھانا چاہا مگر نہ اُٹھی۔ لوگوں نے کہا تھک گئی ہے۔ آپنے فرمایا ہرگز

نہیں اسکو خداتعالیٰ نے روکا ہے یعنی منشا رخداوندی یہی ہے کہ میں اسوقت بزورقوت مکہ میں داخل نہ ہوں
پھر فرمایا کہ مجھ کو قریش جس کسی ایسے امر کی طرف بلائینگے جسمیں بیت اللہ کی حرمت وعظمت اور اُن کی
صلہ رحمی ہوتی ہو قبول کرونگا۔ یہ سُنتے ہی ناقہ کھڑی ہوگئی۔

حدیبیہ کے حالات وواقعات بہت طویل ہیں اُنکے بیان کا یہ موقع نہیں ہے۔ مگر خلاصہ یہ ہے کہ
مشرکین نے ہرگز کسی پہلو سے آپ کو اجازت طواف ودخول مکہ کی نہ دی۔ آپ نے اُن کی سخت سے
سخت شرائط کو قبول فرماکر صلح کرلی اور حدیبیہ میں ہی قربانیاں ذبح کرکے حلال ہوگئے۔ صحابہ پر یہ امر
نہایت شاق گذرا وہ سمجھے ہوئے تھے کہ خواب کی تعبیر کے موافق اسی سال مکہ میں باطمینان داخل ہوکر
طواف کرینگے یہاں معاملہ برعکس پیش آیا صحابہ کے غم وغصہ کی انتہا نہ تھی۔ ادھر تو خواب کی تعبیر پورا
نہ ہونیکا صدمہ۔ ادھر مسلمان ہوکر ایسے کڑے شرائط کو مان کر صلح کرلینا۔ مگر آپنے اُنکو تسلی دی۔ یہ
فرمایا کہ خواب سچا ہے اُسکی تعبیر پوری ہوکر رہیگی۔ میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال مکہ میں داخل
ہونگے۔ اسکے بعد سورۂ فتح نازل ہوئی اور آیات ذیل میں خواب کی تصدیق فرمادی گئی۔

لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ امنین محلقین رؤسکم ومقصرین لا تخافون فعلم مالم تعلموا فجعل من دون ذلک فتحا قریبا۔	اللہ نے سچ دکھایا اپنے رسول کو خواب تحقیق کہ تم داخل ہوگئے ادب والی مسجد میں اگر اللہ نے چاہا۔ چین سے بال منڈاتے اپنے سروں کے اور کترتے بے خطرہ پھر جانا جو تم نہیں جانتے۔ پھر ٹھیرا دی اس سے ورے ایک فتح نزدیک۔

حصہ دوم زمانۂ اسلام تا وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا مسلمان ہونا

وہی سپہ سالار اعظم اور وہی قریش مکہ کا معتمد علیہ خاص دلیرو جانباز اب اُسکے
مسلمان ہونے کا وقت آگیا جس کی ابتدا اس طرح ہوئی۔

خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کے علاتی بھائی ولید بن الولید بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ قیدی
بنگئے تھے۔ عبداللہ بن جحش نے اُنکو قید کیا تھا۔ جب یہ فیصلہ ہوگیا کہ معاوضہ لیکر قیدیوں کو رہا
کردیا جائے تو خالد اور اُن کے حقیقی بھائی ہشام بن الولید۔ ولید کو چھڑانے کیلئے مدینہ آئے۔

عبداللہ بن جحش نے چار ہزار درہم زر معاوضہ طلب کیا۔ خالد نے انکار کیا۔ ہشام نے کہا اگر ولید تمہارے حقیقی بھائی ہوتے تو تم اسقدر معاوضہ دینے سے انکار نہ کرتے۔ میں تو جو کچھ بھی طلب کیا جائیگا دونگا۔ غرض ولید کو چھڑا کر مکہ لے گئے۔ ولید وہاں پہنچکر مسلمان ہو گئے۔ لوگوں نے کہا تم وہیں کیوں نہ مسلمان ہوئے زر معاوضہ دلوا کر اور ہم کو ذلیل بنا کر کیوں مسلمان ہوئے۔ ولید نے کہا کہ اگر میں وہاں مسلمان ہو جاتا۔ تو میرا اسلام اس پر محمول ہوتا کہ میں قید کی تکلیف سے گھبرا گیا۔ یہ امر گوارا نہ تھا کہ اسلام جیسی دولت بجائے رغبت و محبت کے کسی دنیوی غرض کی وجہ سے حاصل کرتا۔

ولید کو قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ مگر وہ کچھ عرصہ بعد قید خانہ سے بھاگ کر مدینہ منورہ حاضر ہو گئے اور عمرۃ القضاء میں جو صلح حدیبیہ سے اگلے سال ہوا تھا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکاب مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔

قریش مکہ نے صلح حدیبیہ میں آپ کو سال آئندہ عمرہ کی اجازت دی تھی اور یہ شرط کر لی تھی کہ ہم بیت اللہ اور مطاف کو آپ کیلئے خالی کر دینگے۔ آپ تین روز سے زیادہ وہاں نہ ٹھیرینگے۔ لیکن جو لوگ ہم میں سے مکہ میں رہنا چاہیں مسلمان اُن سے تعرض نہ کریں اُن کو نہ ستائیں۔

اس معاہدہ کی بنا پر قریش مکہ آزاد تھے۔ کہ چاہیں ان ایام کے اندر خاص مکہ میں رہیں یا باہر چلے جائیں۔ بہت سے تو چلے گئے اور بہت سے وہاں رہے۔ خالد بن الولید بھی اُنہیں لوگوں میں سے تھے جو فرار ہو گئے تھے۔ باوجودیکہ اسلام کی حقانیت اُنکے دلمیں اثر کر چکی تھی۔ مگر اپنے خیال پر قائم تھے ان کو گوارا نہ تھا کہ آپ سے سامنا ہو۔ یا کسی مسلمان کو مکہ کی گلیوں میں پھرتا۔ یا بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھ سکیں۔ اگرچہ حضرت خالد کے اسلام کے بارہ میں ایک روایۃ یہ بھی ہے کہ بعد صلح حدیبیہ عمرۃ القضاء سے قبل مسلمان ہو چکے تھے۔ مگر میں اُسی پہلی روایت کی بنا پر واقعات کو لکھتا ہوں۔

حضرت خالد بن الولید اپنے اسلام کی ابتدا یوں بیان فرماتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ میں مسلمان ہو جاؤں تو مجھے خود بخود عقل آئی اور میرے دلمیں تجسس پیدا ہوا میں نے سوچا کہ میں نے آپ کے مقابلہ میں بڑی بڑی شدید معرکہ آرائیاں کی ہیں لیکن جب کسی معرکہ سے واپس آیا ہوں تو میرے دلمیں یہ آیا ہے کہ تو نے اپنی شجاعت و مردانگی تدبیر و فرزانگی کو بے موقع صرف کیا ہے ان خیالات سے میرے دل میں اسلام کی عظمت و محبت شرک سے یکسوئی تو ہوئی دل میں قابلیت قبول اسلام پیدا ہوئی مگر اپنے عزم پر قائم و راسخ تھا۔

عمرۃ القضاء کے وقت میں بھی مکہ چھوڑ کر روپوش ہوگیا۔ میرا بھائی ولید بھی آپ کے ہمرکاب تھا اُس نے مجھے تلاش کیا تو میں نہ ملا۔ تب اُس نے مجھے خط لکھا کہ مجھے اس سے زیادہ کوئی عجیب بات معلوم نہیں ہوتی کہ تم جیسا دانشمند آدمی اسلام جیسی چیز سے متنفر رہو اُس کی حقیقت نہ سمجھے اسلام ایسی چیز نہیں ہے کہ کوئی ذی عقل اُس سے بیخبر رہے یا اُسکی طرف مائل نہ ہو۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے تمہارا حال دریافت کیا تھا میں نے عرض کر دیا خدا تعالیٰ اُسکو آپ کی خدمت میں لے آئیگا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ خالد ایسا شخص نہیں ہے جو اسلام سے جاہل اور بیخبر رہے۔ اگر وہ اپنی شجاعت و دلیری کو مسلمانوں کی امداد میں استعمال کرتے۔ تو اُن کیلئے بہتر ہوتا۔ اور ہم اُن کو اوروں سے ان معاملات میں مقدم کرتے۔ ولید نے یہ بھی لکھا کہ اب بھی تم تلافی مافات کرو۔ بہت سے عمدہ مواقع خدمت اسلام کے کھو چکے ہو۔

حضرت خالد فرماتے ہیں کہ دل میں اسلام کی محبت تو جم ہی چکی تھی۔ اس خط نے میرے اندر اور تحریک پیدا کر دی اور جو خیالات انقباض یا شرم و حیا مجھکو روکتے تھے وہ زائل ہو کر بجائے اُن کے انشراح و نشاط پیدا ہوگیا۔ اس درمیان میں میں نے یہ خواب دیکھا کہ میں نہایت تنگ و تاریک خشک و قحط ناک آبادیوں میں سے نکلکر سرسبز و شاداب و سیع و پر فضا شہروں میں پہنچ گیا ہوں۔ جب یہ عزم پختہ ہوگیا اور میں نے مکہ سے مدینہ جانیکا تہیہ کر لیا۔ تو صفوان سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے کہا بھائی تم دیکھتے نہیں کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) عرب و عجم پر غالب آگئے کیا اچھا ہوتا کہ ہم بھی اُنکی خدمت میں پہنچکر اتباع کرتے صفوان نے کہا بھائی میرے سوا ساری دنیا مسلمان ہو جائے اور میں تنہا رہ جاؤں جب بھی اُنکا اتباع نہ کرونگا۔ میں نے اپنے دلمیں کہا اس شخص کے باپ اور بھائی بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہو چکے ہیں۔ اسکے دل میں غم و غصہ عداوت و بغض و حسد و کینہ اور جوش انتقام باقی ہیں۔ پھر عکرمہ ابن ابی جہل سے ملے اُنسے بھی وہی تقریر کی جو صفوان سے کی تھی اُنہوں نے بھی وہی جواب دیا جو صفوان نے دیا تھا۔ میں نے کہا خیر مگر تم اس کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔ پھر میری ملاقات عثمان بن طلحہ سے ہوئی۔ وہ میرے دوست تھے دلمیں آئی کہ اُن سے بھی وہ مضمون کہوں۔ پھر خیال کیا کہ اس کا باپ چچا تین بھائی اُحد میں مسلمان قتل کر چکے ہیں۔ اُس سے کہنے میں کیا فائدہ۔ مگر میں نے کہا ذکر کر دینے میں کیا حرج ہے۔ میں نے اُن سے سب حال بیان کیا۔ یہ بھی کہا کہ ہمارا حال

لومڑی کا سا ہے اگر اس کے سوراخ میں چند ڈول بھی ڈال دیئے جائیں تو وہ فوراً اندر سے باہر نکل آئے میں نے صفوان و عکرمہ کی گفتگو بھی نقل کر دی۔ لیکن عثمان نے فوراً میری بات کو مان لیا اور یہ ٹھہر گئی کہ فلاں مقام پر مل جائینگے۔ صبح ہونے سے پہلے وہ مجھ سے آکر مل گئے اور ہم جانب مدینہ روانہ ہو گئے جب ہم ہدہ (جگہ کا نام ہے) پر پہنچے تو وہاں عمرو بن العاص سے ملاقات ہو گئی۔ عمرو نے دیکھتے ہی کہا ابو سلیمان (حضرت خالد کی کنیت ہے) کہاں کا ارادہ کیا میں نے کہا بات واضح ہو گئی۔ ثابت ہو گیا کہ آپ نبی ہیں۔ پھر کب تک ہم ہٹ کرتے رہیں گے۔ میں تو اس لئے جاتا ہوں کہ مسلمان ہو جاؤں عمرو نے کہا میں بھی اس ارادہ سے جاتا ہوں۔ ہم تینوں ساتھ ہو کر مدینے پہنچے آپ کو ہماری اطلاع پہنچی تو بہت مسرور ہوئے اور فرمایا کہ مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہاری طرف پھینک دیا ہے۔ ہم نے اونٹ بٹھلا کر اپنے کپڑے بدلے اور آپ کی خدمت میں روانہ ہوئے۔ راستہ میں میرے بھائی ولید ملے اُنہوں نے کہا آپ منتظر ہیں۔ ہم جلدی جلدی چلکر خدمت مبارک میں پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک میرے اوپر پڑی تو برابر تبسم فرماتے رہے میں نے پہنچتے ہی سلام عرض کیا۔ نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیا میں نے کلمہ شہادت پڑھا۔ آپ نے فرمایا خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُسنے تمکو ہدایت فرمائی۔ میں تمہارے اندر وہ فرزانگی پاتا تھا جس سے مجھے توقع تھی کہ وہ تمکو خیر کیطرف پہنچا دیگی۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جن معرکوں میں آپ کے مقابلہ پر آیا ہوں اُنکی مغفرت کی دعا فرما دیجئے ارشاد فرمایا اسلام سب پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ میرے بعد عمرو و عثمان مسلمان ہو گئے۔

حضرت خالد بن الولید کی مسلمان ہو جانیکی توقع آپ کو لگی ہوئی تھی۔ آپ کو معلوم ہو چکا تھا کہ کیسی کیسی نمایاں خدمات اسلام کی اُنکے ہاتھ سے ہونگی۔ مسلمان ہونیکے بعد آپ نے اُنکی اُس اقتدار و عظمت کو جو مکہ میں حاصل تھا قائم رکھا۔ معرکہائے جنگ میں اُنکی تدابیر سے کام لیا جاتا تھا اور مسلمانوں کی فوج سواروں کی کمان اُنکے سپرد کر دی گئی۔ حضرت عمرو بن العاص بھی جو اُسی وقت حضرت خالد کے ساتھ مسلمان ہوئے تھے وہ فرماتے ہیں کہ اُسی وقت سے معاملات حرب و معرکہ آرائی میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو اور خالد بن الولید کو مشورہ میں مقدم فرماتے تھے اور اس قسم کی تدابیر میں ہماری رائے قابل توجہ سمجھی جاتی تھی۔

زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت خالد کے کارنامے

مسلمان ہو جانیکے بعد حضرت خالد نے اسلام کی خدمات اُسی جانفشانی جدوجہد عرقریزی و جاں نثاری سے کیں جیسی کہ اُنکی جبلی شجاعت و دلیری شرافت خاندانی اور سربلندی و امتیاز کا مقتضے تھا بلکہ اُس سے بھی زیادہ۔ کیونکہ اُن کوششوں کا مبنیٰ اگر قومی غیرت اور فقط نام و نمود تھا تو اب اسلام کی محبت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خداوند عالم جل مجدہ کی رضا محرک تھی اسکے علاوہ اُنکو اپنے بے سود و مضر مساعی کی تلافی بھی کرنی تھی

غزوہ موتہ

سب سے پہلے اور سب سے زیادہ عظیم الشان و ہولناک معرکہ موتہ کا تھا جسمیں کہ حضرت خالد نے شریک ہو کر اپنے تفوق و امتیاز کو ثابت کر کے سیف من سیوف اللہ کا درخشاں خطاب بارگاہِ رسالت پناہ سے حاصل کیا۔

موتہ ملک شام میں ایک مقام ہے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حارث بن عمیر ازدی کو ایک خط دیکر روم و شام کے بادشاہ ہرقل کے پاس بھیجا تھا۔ شرجیل بن عمرو الغسانی شام میں ہرقل کا گورنر و نائب السلطنت تھا۔ حارث جب موتہ پہنچے تو شرجیل کو معلوم ہو گیا اُس نے حارث سے پوچھا شاید تم محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے قاصد و سفیر ہو کہا ہاں شرجیل نے اُن کو قتل کر دیا۔ اور یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سب سے پہلے سفیر و قاصد تھے جو قتل کئے گئے۔ آپ کو اسکی اطلاع ہوئی تو سخت شاق گذرا۔ آپنے تین ہزار مسلمانوں کی ایک جمعیت کو ملک روم کے مقابلہ کیلئے تیاری کا حکم دیا۔ زید ابن حارثہ امیر لشکر مقرر کئے گئے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرما دیا کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر ابن ابی طالب امیر بنا دیئے جائیں۔ جعفر شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ یہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان جنکو پسند کریں امیر بنائیں۔ ایک یہودی بھی اس مجلس میں موجود تھا اُس نے کہا اگر آپ نبی ہیں تو سب شہید ہونگے۔ کیونکہ بنی اسرائیل میں جب کبھی اُن کے نبی نے ایسا کہا ہے تو سب کے سب شہید ہوئے ہیں۔ اسکے بعد یہودی نے زید بن حارثہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا تم کو جو وصیت کرنی ہے کر دو اب تم کو مدینہ آنا نصیب نہ ہو گا آپنے ثنیۃ الوداع پر اس لشکر کو رخصت کیا اور چند نصیحتیں فرمائیں۔ منجملہ اُنکے یہ بھی نہیں کہ تم کو کچھ لوگ کلیساؤں میں ملینگے اُنکو قتل نہ کرنا۔ کسی لڑکے بچے عورت بوڑھے اور بیمار کو بھی قتل نہ کرنا۔ یہ لشکر روانہ ہو کر شام کی حدود میں داخل ہوا تو معلوم ہوا کہ ملکِ روم نے اُنکے مقابلہ کیلئے ایک لاکھ فوج جمع کی ہے۔ بعض

روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک لاکھ کے علاوہ عرب منتصرہ (وہ قبائل عرب جنہوں نے دین عیسائی قبول کرلیا تھا) میں سے ایک لاکھ اور ہیں۔ غرض تین ہزار کی قلیل جماعت کا مقابلہ ایک لاکھ یا دو لاکھ سے تھا۔ دشمن کی کثرت اور اپنی قلت۔ اُنکے سامان حرب اور اپنی بے سامانی کو دیکھکر مسلمانوں کو تردد ہوا۔ باہمی مشورہ ہوا بعض کی رائے ہوئی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا جائے۔ اور جواب آنے تک کچھ نہ کیا جائے۔ عبداللہ بن رواحہ نے فرمایا تردد کی کیا بات ہو جس بات سے تم گھبراتی ہو اُسی کی طلب میں تو نکلے ہو ہم نے تو کبھی اپنی کثرت عدد اور سامان پر بھروسہ کرکے مقابلہ نہیں کیا۔ ہم تو اس دین حق کیلئے لڑتے ہیں۔ آخر مقابلہ کی ٹھیر گئی۔ موتہ کے مقام پر فریقین کی مڈبھیڑ ہوگئی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر اسلام کو موتہ میں داخل ہونے سے منع فرمایا تھا مسلمان بھی اس عزم پر راسخ تھے کہ موتہ میں داخل نہ ہونگے۔ مگر اثنا رسیر میں دھوند کی وجہ سے کچھ نظر نہ آیا اور مقام موتہ پہنچگئے۔ وکان امر اللہ قدرا مقدورا۔

زید بن حارثہ علم اسلام لیکر آگے بڑھے اور شہید ہوگئے جعفر نے علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھالیا اور داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوگئے۔ اب عبداللہ بن رواحہ کا نمبر آیا اُنہوں نے بھی اپنے دو رفیقوں کی پوری تقلید کرکے اُنہی کا ساتھ دیا۔ یہ وقت تھا کہ دونوں لشکر باہم مل گئے تھے اور گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ اسوقت لشکر اسلام کے بلا سردار رہ جانے اور دشمن کے بے انتہا ہجوم سے قریب تھا کہ بعض مسلمانوں کے پیر اُکھڑ جاتے اُسوقت ثابت بن ارقم نے علم کو بلند کرکے مسلمانوں سے کہا کہ کسی ایک شخص کا انتخاب کرکے اُسکے سپرد کردیا جائے۔ لوگوں نے کہا آپ ہی اُسکے لئے موزوں ہیں کہا نہیں۔ آخر خالد رضی اللہ عنہ پر اتفاق ہوگیا حضرت خالد نے علم اُٹھاکر مدافعانہ طرز اختیار کیا اور اُس روز شام تک اسی انداز سے مقابلہ کیا شام کو بلا کسی ہزیمت و شکست کے دونوں لشکر اپنی اپنی خیمہ گاہ کو واپس ہوگئے۔ اگلے روز حضرت خالد نے اپنی دانشمندی سے لشکر کی ترتیب بدل دی میمنہ کو میسرہ اور میسرہ کو میمنہ کرکے برسر مقابلہ ہوئے لشکر روم نے یہ دیکھکر سمجھا کہ مسلمانوں کیلئے تازہ امداد آگئی ہے۔ اُن پر رعب طاری ہوگیا میدان سے بھاگ نکلے اور اس حالت میں ہزاروں کھیت رہے یہ معرکہ سات روز تک رہا حضرت خالد فرماتے ہیں کہ موتہ کے معرکہ میں نو تلواریں میرے ہاتھ میں ٹوٹ گئیں۔ کوئی تلوار نہیں ٹھیرتی تھی۔ آخر ایک یمانی تلوار میرے ہاتھ میں ٹھیری۔ یہاں تو یہ

معرکہ ہو رہا تھا اور مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر میدان جنگ اور معرکۂ قتل کا نقشہ سامنے ہو گیا تھا۔ آپ نے صحابہ کو بترتیب تینوں سرداروں کے حملے اور شہادت کی خبر سنا دی۔ اور فرمایا ان سب کے بعد خالد بن الولید نے جھنڈا ہاتھ میں لیا گو امراء معینہ میں سے نہ تھے۔ مگر خود امیر بنگئے وہ ایک تلوار ہیں۔ خدا تعالیٰ کی تلواروں میں سے اللہ تعالیٰ نے اُن کے ہاتھ پر فتح فرما دی[1]۔

یہ پہلا دن ہے جب کہ آپ کو سیف من سیوف اللہ کا خطاب ملا۔ اس کے بعد سے آج تک وہ اسی لقب و خطاب سے پکارے جاتے ہیں۔

فتح مکہ مکرمہ

اسی سال جب کہ موتہ میں حضرت خالد کو سیف من سیوف اللہ کا خطاب ملا۔ فتح مکہ مکرمہ کا عظیم الشان واقعہ ہوا اس وقت اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ مقابلہ و قتال کا نہ تھا مگر قریش کے انداز و حرکات ایسے نہ تھے کہ آپ مامون و مطمئن ہو جاتے اور اسی بناء پر درگاہ خداوندی سے آپ کو ایک دن کی چند ساعات کیلئے اجازت قتال مل گئی تھی۔ آپ کے ہمراہ دس ہزار کی جمعیت تھی جسمیں مہاجرین و انصار کے علاوہ عرب کے مسلمان قبائل بھی شریک تھے۔ ہر قبیلہ کا سردار اور ان کا علم جدا گانہ تھا۔ اس وقت میمنہ و میسرہ کے دو بڑے حصوں میں سے ایک کی کمان حضرت خالد کی سپردگی میں تھی اور اُن کو حکم تھا کہ نیچے کی جانب سے مکہ میں داخل ہو جائیں اور تاوقتیکہ اہل مکہ کی طرف سے خود ابتداء قتال نہ ہو اپنی طرف سے کسی پر حملہ نہ کریں حضرت خالد نے حسب ارشاد داخل ہونا چاہا۔ تو قریش کے چند اشرف نے جنمیں عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ بھی تھے معہ ایک جماعت کے اُنکی مزاحمت کی۔ حضرت خالد نے حملہ کر کے اُن کو ہٹا دیا۔ اس موقعہ پر مشرکین میں سے چند آدمی مقتول ہوئے[2]۔ باقی بھاگ نکلے۔ اس جماعت میں ایک شخص تھا۔ جو اس سے قبل ایک روز تیر بنا رہا تھا۔ اُسکی بیوی نے کہا کیا کرو گے۔ کہا میں نے سُنا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ پر چڑھائی کا ارادہ کر رہے ہیں اُن کے مقابلہ کی تیاری کر رہا ہوں۔ تمہیں بھی اُن کے ساتھیوں میں سے ایک قیدی لا کر دونگا۔ بیوی نے کہا مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم مسلمانوں کے لشکر کو دیکھکر سر چھپانیکی جگہ تلاش کرتے پھرو گے۔ یہ شخص جب حضرت خالد کے مقابلہ سے بھاگا تو بیوی سے کہا کوئی چھپنے کی جگہ ہے۔ اُس نے کہا۔ میرا خادم کہاں ہے۔ مرد نے کہا اس مذاق کو چھوڑ مجھے جگہ بتادے اور پھر یہ شعر پڑھے۔

انک لو شھدت یوم الخندمہ　　　اذ فر صفوان و فر عکرمہ

[1] لما اسلم خالد انفذہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ مع جیش من المسلمین امیرہ زید بن حارثۃ الی مشارف الشام من ارض البلقاء لغزو الروم وکانت لہم ...

تو اگر خندمہ (جس مقام پر مقابلہ ہوا تھا) کے دن موجود ہوتی — جب کہ صفوان اور عکرمہ بھاگ کھڑے ہوئے

واستقبلتنا بالسیوف المسلمۃ — یقطعن کل ساعد وجمجمہ

اور مسلمان ہمارے مقابل تلواریں لے کر آ گئے — کاٹتی تھیں وہ تلواریں پہنچوں اور کھوپریوں کو

ضربا فلا تسمع الا غمغمہ — لھم نھیب حولنا وھمھمۃ

مسلمان اس طرح سے مارتے تھے کہ سوائے گنگناہٹ کے کچھ سنائی نہ دیتا تھا — ہمارے گرد اُن کے سانس اور سینہ کی خوفناک آوازیں تھیں

لا تنطقی فی اللوم ادنٰی کلمہ

ایسی حالت میں ملامت وطعن کا ذرا سا کلمہ منہ سے بھی نکال

فتح مکہ میں اس قدر معرکہ وخونریزی بھی بالکل آپ کے خلاف منشا تھی مگر چونکہ اس کے بادی خود اہل مکہ تھے اور حضرت خالد مجبور تھے اس وجہ سے آپ نے اُن کو کچھ نہیں کہا اور سکوت فرمایا۔

حنین میں حضرت خالد کی جان نثاری

حنین کا وہ عظیم الشان معرکہ ہے جو فتح مکہ معظمہ کے بعد پیش آیا جس میں مسلمانوں کو جب کہ وہ اخیر رات میں منزل طے کر رہے تھے مشرکین کے کمین گاہ سے نکل کر اچانک حملہ کر دینے سے عارضی ہزیمت ہو گئی تھی۔ حضرت خالد نے نہایت بے جگری سے داد شجاعت دی تھی۔ اس معرکہ میں آپ سخت زخمی ہو گئے تھے۔ جب معرکہ ختم ہو گیا اور اُن کے سخت مجروح ہونے کا حال معلوم ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اُن کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ حضرت خالد زخموں سے چور سہارا لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ اٹھنے کی طاقت نہ تھی آپ نے اُن کے زخموں پر لب مبارک لگا دیا جس سے وہ بالکل چنگے ہو گئے اور زخم کی تکلیف باقی نہ رہی۔

عزیٰ کے گرانے کیلئے حضرت خالد کا مامور ہونا

عمرو بن لحی نے جب مکہ میں بت پرستی کی بنیاد ڈالی تب ایک لات اور ایک عزیٰ بھی اُس نے قائم کر کے عرب کو اُن کی عبادت کی طرف جھکا دیا۔ خانہ کعبہ کی عظمت تو تمام عرب کے قلوب میں مرکوز تھی ہی۔ مگر ان دونوں بتوں کی عظمت بھی کچھ کم نہ تھی۔ ان پر بھی ایسے ہی چڑھاوے چڑھتے تھے۔ جیسے خانہ کعبہ پر۔ عمرو بن لحی نے اُن کو یہ سمجھا دیا تھا کہ خدا تعالیٰ جاڑے کا موسم تو لات میں بسر کرتا ہے۔ (لات کا صدر مقام طائف میں تھا) اور گرمی کا زمانہ عزیٰ میں گذارتا ہے۔ اس باطل خیال نے جو اُن کے پیشیر و مقتدا نے جما دیا تھا عرب کے دل دونوں بتوں کی عظمت و محبت سے معمور و لبریز تھے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ سے فارغ ہو چکے تو

تیس سواروں کے ساتھ حضرت خالدؓ کو اس کے گرا دینے اور برباد کر دینے کیلئے مامور فرمایا۔ حضرت خالدؓ اُس کو گرا کر اور مسمار کر کے واپس آئے تو آپ نے دریافت فرمایا۔ تم نے وہاں کچھ دیکھا بھی۔ عرض کیا کچھ نہیں۔ فرمایا تو پھر جاؤ۔ حضرت خالدؓ غصہ میں بھرے ہوئے تلوار سونتے ہوئے اس مقام پر پہنچے تو اُس جگہ سے ایک عورت برہنہ سیاہ اور پراگندہ بال سر پر خاک ڈالتی ہوئی نکلی۔ مجاوروں نے چلا کر کہنا شروع کیا۔ عزیٰ تو ان کو کانا کر دے۔ اُن کے حواس میں خلل ڈال دے۔ حضرت خالدؓ نے ایک تلوار مار کر نصفا نصف کر کے دو ٹکڑے کر دیئے اور فرمایا۔

یا عزی کفرانک لا سبحانک	انی رایت اللہ قد اہانک
عزیٰ میں تیرا کفران کرتا ہوں سبحانک نہیں کہتا	میں دیکھتا ہوں خدا نے تجھکو ذلیل و خوار کیا ہے

واپس ہو کر یہ ماجرا خدمت اقدس میں سُنایا تو فرمایا عزیٰ یہی تھی۔

فائدہ۔ اس واقعہ اور مشرکین عرب کے تمام حالات اُن کے عقائد تمام معاملات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ بھی باوجود مشرک و بت پرست ہونیکے معبود حقیقی۔ خالق سموات و ارضین صرف خدا ہی کو سمجھتے تھے۔

ولئن سالتھم من خلق السموات	اگر تم اُن سے پوچھو گے آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا
والارض لیقولن اللہ	کیا تو جواب دیں گے اللہ نے

اپنے اصنام کو نہ خالق سمجھتے تھے نہ مالک و مستقل با اختیار۔ اُن کے عارضی اختیارات کے قائل تھے اور معبود حقیقی کا مظہر جان کر تعظیم مفرط میں مبتلا تھے اور اسی بناء پر مشرک ہو گئے اور اسی شرک کی بیخ کنی کے لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ یہی تعظیم مفرط ہے جس کا انجام شرک ہو جاتا ہے۔

حضرت خالد کا بنی جذیمہ کے لئے بھیجا جانا

بنی جذیمہ عرب کا ایک قبیلہ تھا جو درحقیقت مسلمان ہو چکا تھا۔ مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اُن کے مسلمان ہونیکی اطلاع نہ پہنچی تھی یہ قبیلہ بہت ہی شریر و فسادی تھا۔ زمانہ جاہلیت میں ان کو لعقۃ الدم کہا جاتا تھا۔ حضرت خالدؓ کیساتھ تین سو پچاس مہاجرین و انصار اور قبیلہ بنی سلیم کی جمعیت تھی۔ زمانہ جاہلیت میں بنی جذیمہ نے حضرت خالد کے چچا فاکہ بن مغیرہ اور فاکہ کے ایک بھائی کو قتل کیا تھا۔ قبیلہ سلیم میں سے مالک بن الشرید

اور اُس کے دو بھائیوں کو بھی ایک ہی جگہ قتل کیا تھا بنی جذیمہ نے[1] دیکھا کہ ہمارے لئے خالد بن الولید مع بنی سلیم کے بھیجے گئے ہیں۔ تو انکو یہ اندیشہ ہوا کہ یہ ہمسے پرانی عداوت نکالیں گے وہ بھی ہتھیار لگا کر تیار ہو گئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر امیر لشکر کو جب وہ کسی قوم پر بھیجے جاتے تھے عام حکم ہوتا تھا کہ اول یہ دریافت کر لیں کہ وہ مسلمان تو نہیں ہیں اگر وہ اقرار اسلام کریں یا اذان کی آواز وہاں سے آجاوے تو خونریزی اور حملہ سے باز رہیں۔ حضرت خالد کو بھی یہی حکم تھا۔ مگر ادھر تو بنی جذیمہ کا مسلح ہونا خود شبہہ میں ڈالتا تھا ادھر حضرت خالدؓ نے اُنسے مسلمان ہونیکو دریافت کیا تو بجائے اسلمنا صبانا کہنے لگے۔ صبانا ایسا لفظ ہے جسکے معنی دین سے پھر جانیکے آتے ہیں۔ حضرت خالد کو شبہ ہوا اور اُن کو ہتھیار ڈالدینے کا حکم دیا۔ اور جب انہوں نے ہتھیار ڈالدیئے تو اُنکو مشکیں باندھکر لشکر میں تقسیم کر دیا اور آخر رات میں حکم دیدیا کہ جس کے پاس جو اسیر ہے وہ اس کو قتل کر دے۔ بنو سلیم نے تو قتل کر دیا مگر مہاجرین و انصار نے ایسا نہ کیا۔ آپ کی خدمت میں اس کی اطلاع پہونچی تو آپ نے اس کو ناپسند فرمایا اور ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا۔

اللھم انی ابرء الیک مما صنع خالد	الٰہی میں خالد کے اس فعل سے بری ہوں۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ کسی نے خالد کی اس بات پر اظہار کراہیت بھی کیا۔ اُس شخص نے جو خبر لے کر آیا تھا عرض کیا کہ دو شخصوں نے ایک تو زرد رنگ اور میانہ قد کے شخص نے دوسرے سُرخ رنگ طویل القامت نے حضرت عمرؓ نے سُن کر فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان دونوں کو سمجھ گیا ایک تو میرا بیٹا عبد اللہ ہے دوسرا سالم مولیٰ ابی حذیفہ کا۔

اس کے بعد آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بہت سا مال اونٹ وغیرہ دیکر بھیجا کہ مقتولین کی دیۃ اور نقصان مال کا معاوضہ دیدیں حضرت علیؓ نے نہایت فراخدلی سے ہر چھوٹی بڑی چیز کا معاوضہ دیدیا یہانتک کہ کتے کے پانی پینے کا برتن ٹوٹ گیا تھا اُسکا بھی۔ اور پھر بھی کچھ مال بچ گیا تو اُسکو اُنہیں پر تقسیم کر کے راضی کر دیا۔ واپس آکر ساری کیفیت خدمت مبارک میں عرض کی تو آپ نے فرمایا خوب کیا۔

اسی واقعہ کے سبب حضرت عبد الرحمن بن عوف میں (جو سابقین اولین عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) اور حضرت خالد میں تیز کلامی ہو گئی حضرت عبد الرحمن نے فرمایا تم نے یہ فعل زمانہ جاہلیت کا سا کیا ہے خالدؓ

[1] فلما نزل خالد ذلک الماء اخذ بنو جذیمۃ السلاح فقال خالد ضعوا السلاح فان الناس قد اسلموا فوضعوا السلاح فأمر خالد بهم فکتفوا ثم عرضهم علی السیف فقتل منهم من قتل فلما انتهی الخبر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدیہ الی السماء ثم قال اللھم انی ابرء الیک مما صنع خالد ثم ارسل علیا ومعہ مال وامرہ ان ینظر فی امرهم فودی لهم الدماء والاموال۔ ابن اثیر صفحہ ۹۷/۲

نے کہا میں نے تو تمہارے باپ کا بدلہ لیا ہی عبد الرحمن بن عوف کے والد عوف کو بھی بنی جذیمہ نے قتل کیا تھا۔ عبد الرحمن نے فرمایا میں تو اپنے باپ کے قاتل کو قتل کرچکا ہوں۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت عبد الرحمن رضؓ نے فرمایا ایک شخص کے بدلے میں جو بحالت شرک اور زمانہ جاہلیت میں قتل ہوا تم مسلمانوں کو قتل کرتے ہو۔ حضرت عبد الرحمن کے دونوں جواب درست تھے وہ اپنے باپ کے قاتل کو قتل بھی کرچکے تھے اس وجہ سے بھی اب بدلہ کی ضرورت نہ رہی تھی اور قتل بھی نہ کرتے تو کافر کے بدلے جو زمانہ جاہلیت میں قتل ہوا ہو مسلمانوں کو کسیطرح قتل کرنا جائز نہ تھا۔ حضرت عبد الرحمن نے یہ بھی فرمایا کہ اگر تم نے بدلہ لیا ہی تو اپنے چچا کا لیا ہے اس نزاع اور گفتگو کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ناخوش ہوکر فرمایا۔

مھلا یا خالد دع عنك اصحابی فواللہ لو کان لك احد ذھبا فانفقتہ فی سبیل اللہ ما ادرکت غدوۃ رجل منھم ولا روحتہ

خالد ٹھیرو میرے اصحاب کو کچھ نہ کہو قسم ہے خدا تعالی کی اگر تمہارے پاس احد پہاڑ کی برابر سونا ہو اور تم اُس سب کو خدا کی راہ میں خرچ کرڈالو تو میرے اصحاب کے ایک روز فی سبیل اللہ صبح کی کوچ کرنیکی برابر نہیں ہوسکتا۔ نہ شام کے کوچ کی۔

حضرت خالد نے جو کچھ کیا درحقیقت زیادہ سے زیادہ رائے کی غلطی تھی انھوں نے سمجھا کہ یہ قوم مسلمان نہیں ہوئی ادہر اُنکی تیاری نے انکو شبہ میں ڈالدیا۔ ایک سپہ سالار مدبر کا یہ فرض ہی کہ وہ ہر ممکن صورت سے اپنے لشکر کی حفاظت کرے اُنکو ضرور یہ کھٹکا ہوا کہ یہ ہم کو غافل کرکے حملہ نکر بیٹھیں یا اور کوئی قبیلہ اُنکی معاونت پر آمادہ ہوجائے تو ممکن ہی۔ اگر درحقیقت اُنکو مسلمان سمجھ لیتے تو کبھی ایسا نہ کرتے ہرگز ہرگز اُنکو بدلہ لینے کا خیال نہ تھا نہ حضرت عبد الرحمن رضؓ کے والد کا اور نہ اپنے چچا کا رہا یہ فرمانا کہ میں نے تمہارے باپ کا بدلہ لیا اسکا یہ مطلب نہ تھا کہ میں نے بدلہ لینے کو قتل کیا ہے۔ بلکہ جس وجہ سے بھی وہ قتل کئے گئے کافر سمجھ کر کئے گئے اور جب قتل ہوگئے تو بدلہ ہوگیا گو اس نسبت سے نہ ہو حضرت عبد الرحمن بھی اس کو خوب سمجھتے تھے۔ مگر انہوں نے ظاہر لفظوں کا جواب دیا کہ تمکو مسلمانوں سے کافر کا بدلہ لینا جائز ہی کب تھا۔ درآنحالیکہ وہ کافر بھی زمانہ جاہلیت میں قتل کیا گیا ہو۔ ظاہر ہے اور بالکل ظاہر ہی کہ اگر حضرت خالد کا یہ مطلب ہوتا کہ میں نے بدلہ میں قتل کیا ہے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خالد سے ایسے معاملہ میں کیونکر درگذر فرماسکتے تھے۔ غرض یہ اُنکی رائے کی غلطی تھی اور اسی غلط رائے کو آپ نے تسلیم کرکے اپنی برارت خدا تعالی کی یہاں ظاہر فرمائی اور مقتولین کا خون بہا دیا اُنکے نقصانات کی تلافی فرمائی۔

ایک شبہ کا جواب | جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد دع عنك اصحابی سے شبہ ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت خالد رضی اللہ کو اصحاب میں شمار نہیں کیا حالانکہ وہ باتفاق امتہ جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں۔

جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ بیشک حضرت خالد جلیل القدر صحابہ میں سے ایک ہیں اور وہ شخص ہیں کہ جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پورا اعتماد فرماتے اور امور عظام اُنکے سپرد فرماتے تھے سیف من سیوف اللہ کا خطاب اُنکو عطا فرمایا تھا۔ وہی شخص ہیں جنہوں نے شام اور روم کا تخت اُلٹا ہے اور دنیائے اسلام میں انکے کارنامے زرین حروف سے لکھے ہوئے ہیں۔ مگر باایں ہمہ سابقین اولین سے نہیں ہیں۔ عمرۃ القضاء کے بعد اسلام لائے ہیں۔ مصائب کا زمانہ گذر کر شوکت اسلام کا دور شروع ہو گیا تھا۔ وہ وقت باقی نہ رہا تھا جب کہ صحابہ کو اپنی جان کا بچانا دشوار تھا عزیز و اقارب کے طعن اور اُن کی سنگدلی کے شکار جدا فقر و فاقہ کی تکلیف علیحدہ۔ جلاوطنی کے مصائب جداگانہ ان سب مشکلات کو برداشت کر کے آپ پر جان کا فدا کرنا۔ اپنی جان کو آپ کی آڑ بنا دینا۔ آپکے پسینہ کی جگہ خون بہا دینا۔ یہ باتیں صرف سابقین اولین کے حصہ میں آئی تھیں۔ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف اُنہی افراد کاملہ میں سے تھے۔ اُنہی شاندار خدمات کا صلہ تھا۔ کہ دنیا میں اُنکو جنت کی بشارت مل گئی تھی۔ پس گویا باوجود اس عظمت و مرتبت کے جو حضرت خالد کو حاصل تھی اور اس شفقت و رحمت کی جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے آپ کے حال پر مبذول تھی۔ بمقابلہ عبدالرحمن غیر اصحاب میں شمار کیئے گئے۔

اس میں ایک جانب اگر فرق مراتب کی طرف اشارہ ہے کہ صحابہ باوجود صحابہ ہونے کے ایک درجہ کے نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں ایسا فرق ہے کہ نیچے کا طبقہ بمقابلہ اوپر کے طبقے کے گویا غیر صحابہ میں داخل ہے اور یہ فرق ظاہر بھی ہے۔ کیونکہ صحابہ کی شرافت و مقبولیت عند اللہ شرف صحبت سے ہی ہے یہی وجہ ہے کہ اگرچہ تابعین میں بعض علم و عمل کے اعتبار سے صحابہ کے درجہ سے بھی اوپر کا درجہ رکھتے ہوں مگر صحابہ کی شرافت و فضیلت کو نہیں پا سکتے۔ اور شرف صحبت فقط جمال مبارک کی زیارت یا چند ساعت ہم نشینی سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اُس کیلئے ایمان شرط ہے پھر ایمان کے بعد لوازم ایمان و مدارج جان نثاری و خدمت گذاری جس میں زیادہ ہونگے اُسی میں یہ شرف بھی زیادہ ہوگا۔ اور ان مدارج کے اعتبار سے نیچے کا درجہ خالی ہوگا۔ اور اس اعتبار سے بمقابلہ طبقہ اعلیٰ نفی صحابیت درست ہو جائیگی۔ ورنہ اگر نفس شرف صحبت سے سب افراد برابر ہو جاتے تو جسطرح حضرت خالد نے حضرت عبدالرحمن رض کو جواب دیئے تھے۔

حضرت عبدالرحمن رضؓ نے بھی اُن کو ایسا ہی سخت کہا تھا۔ یہ فرق مراتب طبقۂ اعلیٰ یعنی سابقین اولین میں بھی ملحوظ ہے۔ دیکھو ایک موقع پر آپ نے حضرت صدیق اکبر کے مقابلہ میں تمام صحابہ کو ارشاد فرمایا ہے۔

هل انتم تارکو الی صاحبی | تم میرے دوست اور صاحب کو میرے لئے چھوڑ دو گے یا نہیں

بمقابلہ صدیق اکبر تمام صحابہ کو غیر صاحب سے تعبیر فرمایا کیونکہ وہ مرتبہ جو اُنکو حاصل تھا دوسرے کو نہ تھا۔ تو دوسری جانب حضرت خالد کو تادب اور مرتبہ شناسی کی پوری ہدایت فرمائی گئی ہے کہ تمکو اپنے تقرب اور اخلاص ایمانی پر غرہ نہ کرنا چاہیئے۔ اپنے سے برتر لوگوں کا ادب ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

دوسرا شبہ ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں لاتسبوا اصحابی۔ تم میرے اصحاب کو بُرا نہ کہا کرو۔ اسمیں یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس کلام کے مخاطب صحابہ ہیں اور وہ کُل کے کُل شرف صحابیت سے مشرف ہیں۔ پھر ان کو خطاب کرکے فرمانے کا کیا مطلب ہے۔

جواب اس کا دو طرح پر ہے اول تو یہ کہ گو مخاطب صحابہ ہی ہیں۔ اور گو اُن میں فرق مراتب بھی ہے۔ مگر کسی کو اجازت نہیں ہے کہ ایک دوسرے کو سب کریں یعنی اُن کے عقائد و اعمال میں بُرا بھلا کہنے کیلئے نقص نکالیں۔ جو شخص ایسا کریگا۔ وہ اس حالت کے اندر غیر صحابہ میں داخل ہوگا اور اسطرح ارشاد سے صحابہ کی شان کو محفوظ و ممتاز رکھنا مقصود تھا اور اسمیں اہتمام تھا اس امر کا کہ جب خود صحابہ کو باوجود ہمسری یہ ارشاد ہے تو مابعد صحابہ کو اُنکے ساتھ کسقدر تادب رکھنا اور حفظ مراتب کا لحاظ رکھنا اور شرف صحابیت کو تمام شرافتوں پر فائق و برتر سمجھنا ضروری و لازم ہوگا۔ اور اسکو نظر انداز کرنے سے وہ کس درجہ پر پہنچ جائینگے۔ کیونکہ جب صحابہ کو اسقدر ممانعت ہے اور اس حالت میں درجۂ صحابیت سے نیچے اُتر آتے ہیں۔ تو دوسروں کی کیا حالت ہوگی اور یہ حقیقت میں انسداد اُس حالت کا تھا جو اُمت میں پیش آنیوالی تھی۔

رہا صحابہ میں باہم بطور امر بالمعروف یا نصح و ہمدردی کسی امر کا اظہار یا انکار۔ یا امور سیاسی انتظامی میں خلفا کا تنفیذ احکام کرنا اسمیں داخل نہیں ہے صحابہ معصوم نہ تھے کہ اُن سے کوئی لغزش یا کسی قسم کی فروگذاشت نہوتی۔

دوسرے یہ کہ مخاطب اس کے صحابہ نہیں بلکہ امت ہے۔ اور غیر حاضرین کو حاضرین کے مرتبہ میں رکھکر یہ عام فرمان جاری فرمایا گیا ہے اور یہ محض عام حکم ہی نہیں ہے بلکہ اس میں اس کی طرف ایما ہے کہ امت کے بہت سے افراد اس میں مبتلا ہونیوالے ہوں گے۔ اور یہ مہلک مرض اُن کو برباد و تباہ کریگا اسی پیش بندی اور دلسوزی امت کی بناء پر یہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

اسی دوسرے مطلب کو شیخ تاج الدین ابن عطاء اللہ نے نہایت لطیف پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کی تجلیات پیش آتی تھیں بعض تجلیات میں آپ کے سامنے تمام امت پیش ہوئی اُن میں وہ بھی تھے۔ جو سب اصحاب میں منہمک و مشغول تھے۔ آپ نے اُن کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا۔ لا تسبوا اصحابی۔

شیخ کی اس تقریر کے موافق یہ خطاب بطور مجاز یعنی غیر موجود و غیر حاضر کو موجود و حاضر فرض کر کے نہ ہوگا بلکہ حقیقی ہوگا۔ کیونکہ اس میں انہیں لوگوں کو خطاب ہے جو حاضر و موجود ہیں۔

رہی یہ بات کہ جب وہ لوگ آپ کے سامنے موجود و مشاہد ہیں۔ تو خطاب صرف اُنکو ہے جو اس زبوں حالت میں مبتلا اور اس شنیع امر کے مرتکب ہیں۔ یا سب موجودین کو عام ہے اسمیں دونوں احتمال ہیں خطاب صرف اُنہیں کو ہے جو مبتلا ہیں لیکن حکم عام ہے تنبیہ سب کو ہے یا سرے سے خطاب ہی عام ہے۔

حضرت خالد کا دومۃ الجندل کی طرف بھیجا جانا

دومۃ الجندل ایک مقام تھا جہاں پر اکیدر بن عبد الملک حکومت کرتا تھا۔ یہ شخص نصرانی تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد کو چار سو بیس سواروں کے دستہ کیساتھ اسکی فتح کیلئے مامور فرمایا۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ تم اُسکو یعنی رئیس و حاکم کو نیل گائے کا شکار کھیلتے ہوئے پاؤ گے حضرت خالد روانہ ہوئے اور دومۃ الجندل کے قلعہ کے سامنے پہنچ گئے چاندنی رات تھی۔ وہاں یہ پیش آیا کہ ایک نیل گائے آکر قلعہ کے دروازے سے اپنے سینگ رگڑنے لگی۔ اکیدر مع اپنی بیگم کے بالاخانے کی چھت پر تھا۔ بیگم نے کہا یہ عجیب اتفاق ہے۔ ایسا بھی کسی نے دیکھا ہے۔ کیا یہ چھوڑ دینے کے قابل ہے۔ تو اُسنے کہا ہرگز نہیں۔ وہ تو سوار ہو کر مع چند اردلیوں کے نیل گائے کے شکار کو نکلا۔ ادھر سے حضرت خالدؓ نے آ دبوچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہو بہو صادق آیا۔ اکیدر کا بھائی تو مقابل ہو کر مقتول ہوا۔ اور اکیدر نے اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ اپنے آپ کو حضرت خالد کے حوالے کر دیا۔ آپ اُسکو لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے مصالحت کر کے اُسکو رہا کر دیا۔

یہ وہ کارنامے ہیں جو حضرت خالد نے زمانہ حیات حضرت رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم میں دکھائے اور جن کی بدولت اُن کا رسوخ و اقتدار بارگاہ نبوت اور عامہ مسلمین میں نہایت بلند پایہ ہوگیا اور یہی اُن کی مساعی جمیلہ اس امر کی محرک ہوئیں کہ حضرت صدیق اکبر نے اُن پر کامل اعتماد کر کے امور لاینحل کی عقدہ کشائی سپرد کی۔

وصالحہ علی الجزیۃ و خلی سبیلہ کامل ابن اثیر صفحہ ۱۰

حصۂ سوم زمانہ امارت و ولایت عساکر اسلامیہ

اب ہم اُن واقعات کو بھی بیان کرنا چاہتے ہیں جو زمانہ شیخین رضی اللہ عنہما میں پیش آئے

فتنہ ارتداد عرب میں حضرت خالدؓ کی نمایاں خدمات

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب میں چاروں طرف مرتد اور اسلام سے برگشتہ ہونیکی ہوا چل پڑی۔ ریاست کی ہوس نبوت و رسالت کے ادعا کا ذبانے عرب میں بہت سے نواب رئیس۔ بنی و رسول پیدا کر دیے۔ مرد تو مرد عورتوں میں ادعاء نبوت کا خبط سما گیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال و حکام۔ مبلغ دین اسلام۔ قاضی و مفتی۔ ملک حجاز و یمن۔ بحرین۔ یمامہ وغیرہ میں جا بجا مامور تھے۔ ملک میں ارتداد کا سمی مرض پھیلا تو اُن لوگوں کو اپنی جان بچانی دشوار ہو گئی۔ مرتدین کے حوصلے یہانتک بڑھے کہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنیکے خیالات فاسد دماغ میں چکر لگانے لگے مسلمانوں کی حالت نہایت نازک تھی۔ دشمنوں کا مقابلہ کریں یا گھر کو سنبھالیں مگر حضرت صدیق اکبر کا ثبات و استقلال سب پر غالب آ گیا۔ آپ نے ایک منٹ کیلئے اس غوغا اور دھوم دھام کی پروانہ کی۔ نہایت استقلال اور اُلوالعزمی سے احکام نافذ کئے اور ہر موقع و مقام کے مناسب فتنہ فرو کرنے کا انتظام کیا۔ مدبّر اور فرزانہ امراء مقرر فرمائے۔ اس فتنہ کے استیصال میں بہت زیادہ حصہ حضرت خالد بن الولید نے لیا۔ سب سے پہلے اُنکو طلیحہ مدعی نبوت کے مقابلہ کیلئے بھیجا گیا اور یہ حکم دیا گیا کہ اُس سے فراغت ہو جائے تو بطاح پہنچکر مالک بن نویرہ سے مقابلہ کریں۔ اس تجویز کے موافق حضرت خالد اول طلیحہ کی جانب روانہ ہوئے اسکی جمعیت بہت زیادہ ہو گئی تھی قبیلہ طے کے چند قبائل بھی اُسکے ساتھ ہو گئے تھے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عدی بن حاتم طائی کو حضرت خالد کی روانگی سے قبل بھیجا تھا کہ اُنکو سمجھا دیں۔ چنانچہ اُنکی فہمایش سے قبیلہ طے کے جو لوگ طلیحہ کے پاس جانے کو تیار تھے وہ رُک گئے اور جو جا چکے تھے وہ واپس آئے اور اس طرح عدی بن حاتم ایک ہزار سوار اس جماعت کے لیکر حضرت خالد سے جا ملے کچھ زور تو طلیحہ کا اس طرح ٹوٹا۔ اور پھر جب عین قتال کا وقت تھا تو عیینہ ابن حصین جو اُسکے جانباز بہادروں میں سے تھا لڑتے لڑتے تھک گیا اور طلیحہ نے جو جھوٹے وعدے اُس سے کر رکھے تھے اُس میں سے کسی کو پورا ہوتے نہ دیکھا تو یہ کہکر معہ سات سو سواروں کے واپس ہو گیا۔

یا بنی فزارۃ انصرفوا فانہ کذاب۔ | اے بنی فزارہ واپس چلو یہ جھوٹا ہے۔

طلیحہ نے اپنے بھاگنے کا سامان پہلے ہی کر رکھا تھا۔ وہ بھی اپنی بیوی سمیت بھاگ گیا۔ مگر تقدیر کا اچھا تھا۔ اُسکو بعد میں اسلام نصیب ہوا۔ اور فارس کے معرکوں میں دادِ شجاعت و جاں نثاری دے کر اس دھبّہ کو مٹادیا والحمد للہ علی ذٰلک۔

مالک بن نویرہ کا واقعہ

حضرت خالد فزارہ غطفان۔ اسد و طی اور طلیحہ کے قصّہ سے فارغ ہو کر حسب ہدایت صدیق اکبر مالک بن نویرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مالک بن نویرہ نے مرتد ہو کر خلاف و مقابلہ کا عزم کر لیا تھا۔ مگر مسلمانوں کے غلبہ اور دوسرے قبائل کے انجام کو دیکھکر ہوش آگئے تھے۔ وہ بجائے خود دل میں تو نادم ہو چکا تھا۔ مگر ابھی تردد توقف کی حالت میں تھا۔ حضرت خالد کی خبر ملی تو اُس نے قوم کو ہدایت کی کہ ایسی قوم کا مقابلہ جسکی تائید کے سامان غیب سے ہوتے ہیں ٹھیک نہیں۔ تم سب دین اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ لوگ متفرق ہو گئے۔ حضرت خالد نے پہنچکر اسلامی دستوں کو جا بجا پھیلا کر حکم دیا کہ جو شخص قبول اسلام سے انکار کرے اُسکو گرفتار کر لائیں اور جو اطاعت و انقیاد سے انکار کر کے مقابلہ کا ارادہ کرے اُسکو قتل کر دیں۔ حضرت صدیق اکبر کا حکم تھا کہ جس قبیلے سے اذان کی آواز آئے اُنسے ہاتھ روک لیں اور جہاں سے اذان کی آواز نہ آئے انپر اسلام کو پیش کریں اگر اسلام قبول کر لیں تو زکوٰۃ و صدقات کی ادائگی کا سوال اُن کے سامنے پیش کریں۔ اگر ادار زکوٰۃ کو قبول کر لیں تو فبہا ورنہ پھر اُن پر حملہ کریں۔ ادار زکوٰۃ کو منجملہ تمام فرائض کے اس لئے مقدم کیا کہ اہل عرب اسی کو اپنے لئے موجب ننگ و عار سمجھتے تھے۔ ایک دستہ نے مالک بن نویرہ کو مع چند ہمراہیوں کے گرفتار کر لیا۔ اس دستہ کے لوگوں نے مالک کے بارہ میں اختلاف کیا۔ بعض کہتے تھے ہم نے اذان کی آواز سنی بعض انکار کرتے تھے۔ حضرت خالد نے اس اختلاف کو دیکھکر کوئی حقیقی فیصلہ نہ کیا۔ بلکہ اُنکو قید میں رکھنے کا حکم دیگر قیدیوں کو مسلمانوں پر تقسیم کر دیا کہ اُنکی حفاظت کریں سردی کی رات تھی۔ حضرت خالد نے اعلان دیا۔

دافئوا اسراکم	اپنے اپنے اسیر کو سردی سے بچاؤ۔

کنانہ کی زبان میں اس کے معنی قتل کر دینے کے تھے۔ لوگوں نے اُن کو قتل کر دیا۔ شور کی آواز حضرت خالد کے کان میں پڑی اور باہر نکلے تو قصّہ ہی دوسرا دیکھا۔ فرمایا۔

اذا اراد اللہ امرا اصابہ۔	خدا کسی بات کو چاہتا ہے تو وہی ہوتا ہے۔

مالک کا قتل خواہ غلطی رائے سے ہو یا غلط فہمی سے صحابہ میں اس کی وجہ سے ایک قسم کی تشویش اور حضرت خالد کی جانب سے بدظنی پیدا ہو گئی۔

حضرت عمر نے صدیق اکبر پر زور دیا کہ اُنکو معزول کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا جس تلوار کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میان سے نکالا ہے میں اُسکو میان میں نہ کرونگا۔ حضرت عمر کا اصرار زیادہ بڑھا تو فرمایا۔ اُنسے رائے میں غلطی ہوئی ہے۔ عمداً کچھ نہیں کیا اسکے بعد آپ نے مالک کا توخوں بہا دیا اور خالد کو حاضر ہونیکا حکم بھیجدیا حضرت خالد حاضر ہوئے تو حضرت عمر نے بہت کچھ فرمایا۔ چُپ سُنتے ہوئے چلے گئے۔ صدیق اکبر کی خدمت میں جاکر واقعی عذر بیان کر دیئے۔ جو قبول کر لئے گئے اور معاملہ ختم کیا گیا۔

مسیلمہ کذاب کا واقعہ مسیلمہ کذاب کا قصہ جو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں شروع ہو گیا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد اُس نے بہت زور پکڑا۔ بنو حنیفہ اور اُنکے اعوان کی کثیر جمعیت اُسکے ساتھ بھی جھوٹے کرشموں اور بیہودہ لاف زنیوں پر لوگ اُسکے ساتھ ہوئے تھے۔ حضرت صدیق اکبر نے جس طرح اور مرتد قبائل کی سرکوبی کیلئے افسروں کو مامور فرمایا تھا مسیلمہ کی سرکوبی کے لئے عکرمہ بن ابی جہل کو مامور فرمایا تھا۔ اور شرجیل بن حسنہ کو اُن کی مدد پر روانہ فرمایا تھا۔ مگر عکرمہ نے شرجیل کا انتظار کئے بغیر مسیلمہ سے مقابلہ کیا اور پسپا ہوئے۔ مدینہ منورہ اطلاع دی تو صدیق اکبر نے لکھا تم اپنی صورت مجھے نہ دکھلاؤ اور یہاں لوٹ کر واپس نہ آؤ۔ مسلمانوں کی ہمتیں پست ہو جائینگی بلکہ تم حذیفہ اور عرفجہ کے ساتھ ملکر اہل عمان سے مقابلہ کرو۔ اور شرجیل کو لکھا کہ پیش قدمی کرنے میں خالد کا انتظار کریں۔ حضرت خالد مالک بن نویرہ سے فارغ اور صدیق اکبر کی خدمت میں صفائی و معذرت کر کے مسیلمہ کی جانب روانہ ہوئے۔ صدیق اکبر نے مہاجرین و انصار کی کثیر جماعت کو آپ کے ساتھ کیا اور پھر سلیط کو حضرت خالد کی امداد کے لئے بھیجا کہ وہ پشت کی جانب سے مسلمانوں کو دشمن کے حملہ سے بچائیں۔ مگر شرجیل نے بھی بغیر انتظار حضرت خالد کے مسیلمہ سے مقابلہ شروع کر دیا اور وہ بھی پسپا ہوئے۔ حضرت خالد پہنچے تو سخت ملامت کی اور اب پوری قوت سے فریقین کا مقابلہ ہوا۔ غلبہ کبھی ادھر کا ہوتا تھا کبھی اُدھر کا۔ ایک مرتبہ بنو حنیفہ نے مسلمانوں کو اسقدر پیچھے ہٹا دیا کہ حضرت خالد کے خاص خیمے تک پہنچ گئے اور اُنکو بھی تھوڑی دیر کیلئے جگہ چھوڑ دینی پڑی۔ لیکن پھر حضرت خالد نے زور کا حملہ کر کے اُنکو دور تک ہٹا دیا۔ معرکہ اسی زور شور سے جاری رہا۔ حضرت خالد نے خیال کیا کہ

جبتک مسیلمہ نہ مارا جائیگا لڑائی بند نہ ہوگی۔ خود میدان میں نکلکر مسیلمہ کو مقابلہ کے لئے بلایا۔ وہ آیا تو اُسپر چند باتیں پیش کیں وہ ہر بات کا جواب دینے کیلئے منہ پھیر کر اپنے شیطان سے (جو اُسکو تلقین کرتا تھا) مشورہ لیتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت خالد موقعہ پاکر اُسکے اوپر چلے اور وہ بھاگ نکلا اور مع اپنی قوم کے حدیقہ (قلعہ یا حصار) میں پناہ لی۔ آخر برار ابن مالک نے ہمت کر کے دیوار قلعہ پر سے کود کر دروازہ کھول دیا مسلمان داخل ہوئے مسیلمہ مارا گیا اور معاملہ ختم ہوا۔

حضرت خالد کی پیشقدمی عراق کی جانب یمامہ کی فتح اور مسیلمہ کے قتل سے فراغت ہو چکی تو حضرت صدیق اکبر کا حکمنامہ پہنچا کہ عراق کی جانب روانہ ہو جائیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہی کہ یمامہ سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور وہاں سے عراق کو روانہ ہوئے۔ اُنسے پہلے مثنیٰ بن حارثہ شیبانی نے حضرت صدیق اکبر سے عرض کر کے عراق کی طرف پیش قدمی کی اجازت لیلی تھی اور دو چار مڈبھیڑ ہوئی بھی تھیں۔ مگر اصل سلسلہ فتوحات عراق کا حضرت خالد سے ہی شروع ہوتا ہے۔ مثنیٰ بن حارثہ کو بھی یہی حکم پہنچا کہ خالد کے ساتھ جاکر ملجائیں۔ حضرت خالد ملک عراق میں داخل ہوئے۔ چند مقامات کو بصلح زیر نگیں کیا۔ اور بعض پر سخت مقابلہ ہوا اور تھوڑے سے عرصہ میں مغیشیا تک پہنچگئے اور اسکی فتح کی اطلاع صدیق اکبر کی خدمت میں ہوئی تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

عجزت النساءان یلدن مثل خالد	عورتیں خالد جیسے کو جننے سے عاجز ہیں۔

ان سب مقامات کو عرصہ قلیل میں فتح و مسخر کرتے ہوئے آپ حیرہ پہنچگئے۔ حیرہ ملوک مناذرہ کا پایہ تخت تھا اور اسوقت ایاس بن قبیصۃ الطائی وہاں کا والی تھا جو بعد نعمان ابن المنذر کی مسند حکومت پر بیٹھا تھا۔ اہل حیرہ نے اوّل اوّل صلح سے انکار کیا۔ مگر بعد میں خوب سوچ سمجھکر صلح پر آمادہ ہوگئے امیر حیرہ ایاس اور عمرو بن عبدالمسیح جسکو ابن بقیلہ کہتے تھے گفتگوئے صلح کرنے نکلے ابن بقیلہ نیابتاً گفتگو کرتا تھا۔ اُسکی عمر کئی سو برس کی تھی حضرت خالد نے خیال فرمایا کہ یہ جواں باختہ بڈھا کیا بات کریگا اور کیا سمجھے گا اور اسی وجہ سے بربنائے تعجب اہل حیرہ سے کہا تم بڑی ہوشیار مکار چالاک ہو پھر تمنے اپنی باگ ایسے شخص کے ہاتھ میں کیوں دیدی جسکو اپنی جان کی بھی خبر نہیں مگر جب ابن بقیلہ سے چند سوالات کر کے معقول اور برجستہ جواب سُنے تو فرمایا۔

القوم اعلم بما فیهم۔	قوم اپنی اندرونی حالات کو خود زیادہ جانتی ہے۔

ابن بقیلہ کے خادم کے ساتھ تھیلی میں زہر تھا۔ حضرت خالد نے اُسکو لیکر زہر ہتھیلی پر رکھ کر ابن بقیلہ سے دریافت کیا کہ زہر کیوں ساتھ رکھا۔ کہا اس وجہ سے کہ اگر میں تمہارے حالات اچھے نہ دیکھتا اور تم کو اپنے اندازہ کے خلاف پاتا تو زہر کھا کر مرجاتا۔ کیونکہ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت اچھی ہے حضرت خالد نے فرمایا موت تو کسی کے اختیار میں نہیں۔ وقت معین سے پہلے کوئی شخص نہیں مر سکتا۔ زہر کھانا نہ کھانا برابر ہے۔ اور پھر آپ نے بسم اللہ خیر الاسماء رب الارض والسماء الذی لایضر مع اسمہ داء الرحمٰن الرحیم پڑھ کر زہر کو نگل لیا۔ ابن بقیلہ نے کہا بیشک جبتک تم لوگوں کی یہ حالت ہے تم اپنے تمام مقاصد میں کامیاب رہو گے۔ اس گفتگو کے بعد اہل حیرہ سے بھی صلح ہوگئی۔ حیرہ کے گرد و پیش اور اس نواح میں جسقدر دیہات و قصبات واقع تھے وہاں کے چودھری نمبردار و رئیس سب کے سب حیرہ کے انجام کو دیکھتے تھے جب حیرہ بصلح فتح ہوگیا تو اس نواح کے تمام نمبرداروں اور چودھریوں اور زراعت پیشہ لوگوں نے آکر صلح کرلی اور اس طرح حضرت خالد کیلئے راستہ صاف ہوگیا۔ آپ نے چند تجربہ کار افسروں کے ہمراہ کچھ دستے دیکر حکم دیا کہ پیشقدمی کریں۔ چنانچہ یہ لوگ دجلہ کے کنارے تک پہنچگئے۔ فارس میں اگرچہ اس وقت عزل و نصب و قتل ملوک کا دور دورہ تھا۔ باہم اختلاف کی آگ بھڑک رہی تھی مگر حضرت خالد کی خبر پہنچی تو مدافعت ملک پر اتفاق کر کے سخت مقابلہ کی ٹھان لی۔

حضرت خالد پوری ترتیب اور سامان کے ساتھ انبار تک پہنچگئے یہاں کل سپہ سالار ساباط کا گورنر شیرزاد تھا۔ اُس نے اوّل اوّل تو مقابلہ کیا مگر انجام کار صلح کرلی اور شیرزاد بہمن جاذویہ سے جاملا حضرت خالد نے انبار و کلواذا کے گرد و پیش مقامات سے بھی صلح کرلی اور انبار کو زیر نیابت زبرقان ابن بدر چھوڑ کر خود عین التمر کی طرف کوچ کیا۔ یہاں بہرام چوبیں کا بیٹا مہران معہ نہایت عظیم الشان لشکر فارس کے پڑا ہوا تھا اور قبائل عرب نمرد تغلب ریاد کی بھاری جمعیت زیر کمان عقبہ ابن ابی عقبہ اُسکی امداد و معاونت کے لئے موجود تھے۔ عقبہ نے مہران سے کہا عرب کا مقابلہ عرب ہی خوب کر سکتے ہیں۔ ہمیں اور خالد کو چھوڑ دیجئے ہم دیکھ لیں گے۔ اُس نے منظور کیا۔ عقبہ پورے ساز و سامان کے ساتھ حضرت خالد کے مقابل ہوا۔ عقبہ ابھی لشکر کی ترتیب میں مشغول صف بندی کر رہا تھا کہ حضرت خالد نے بہ نفس نفیس اُس پر حملہ کر کے بغل میں دبا لیا۔ اُس کا لشکر تو بغیر لڑے بھڑے فرار ہوا جس میں سے

بہت سے قیدی بنائے گئے اور عقبۃ اسیر ہوکر لشکرِ اسلام میں آگیا۔

مہران کو اس ہزیمت کی خبر پہنچی تو وہ بھی قوم سمیت چلتا بنا۔ اور اس طرح عین التمر کی فتح سے بھی فراغت ہوئی۔

حضرت صدیق اکبر نے عیاض بن غنم کو ایک دوسرے حصہ لشکر کی کمان دیکر حکم دیا تھا کہ عراق کی جانب سے داخل ہوکر حضرت خالد سے جاملیں۔ عیاض بن غنم حسب ہدایت مطیع و منقاد بنائے ہوئے اس طرف کو قدم بڑھا رہے تھے کہ ایک جگہ انکو عظیم الشان جمعیت سے مقابلہ ہوگیا۔ حضرت خالد عین التمر کی فتح سے فارغ ہوئے تھے کہ حضرت عیاض کا طلبِ امداد میں پیام پہنچا۔ عیاض دومۃ الجندل کے مقابلہ میں پڑے تھے۔ اور انکے مقابل دومۃ الجندل کی حفاظت اور مدافعت کے لئے قبائل بہرا۔ کلب۔ غسان۔ تنوخ۔ ضجاعم پڑے ہوئے تھے۔ دومۃ الجندل دو رئیسوں پر منقسم تھا اکیدر بن عبدالملک اور جودی بن ربیعۃ۔ اکیدر تو وہی ہے جس کو حضرت خالد نے پہلے ایک دفعہ گرفتار کرلیا تھا اور بعد عہد و پیمان شدید صلح کرکے رہا کردیا تھا۔ حضرت خالد جب عیاض کی امداد کو روانہ ہوئے اور اکیدر کو اطلاع ملی تو اس نے قبائل کو صلح کی رائے دی۔ جب کسی نے نہ مانا تو چپکے سے نکل بھاگا۔ حضرت کو اسکی اطلاع ملی تو اسکو راستہ میں سے گرفتار کرالیا اور بدعہدی و نقض صلح کی بنا پر اسکو قتل کردیا۔ اسکے بعد دومۃ الجندل کا محاصرہ کرلیا۔ ایک جانب حضرت عیاض اور دوسری جانب حضرت خالد تھے۔ آخر جودی قید ہوا اور دومۃ الجندل بھی بعد محاصرہ فتح ہوگیا۔ آپ کچھ عرصہ تک یہاں مقیم رہے تو اہلِ فارس نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ ادھر عقبۃ کے قتل سے قبائل عرب میں جوش انتقام اٹھا تھا۔ مل جلکر زرمہر۔ اور روزبہ دو سرداران فارس کی زیر کمان بھاری لشکر نے انبار کی طرف پیش قدمی کی۔ قعقاع بن عمرو حیرہ پر حضرت خالد کے نائب تھے۔ انہوں نے اعبد بن فدکی اور عروۃ ابن الجعد کو مقابلہ کیلئے آگے بھیجا کہ حصید پر ان کو روکدیں۔ حضرت خالد کو خبر پہنچی تو فوراً حیرہ پہنچے اور پھر خود قعقاع مقام حصید پر پہنچگئے۔ زرمہر اور روزبہ سے سخت مقابلہ ہوا اور یہ دونوں مقتول ہوئے۔ عجمی لشکر یہاں سے فرار ہوکر خنافس پہنچا۔ جنکے تعاقب میں ابولیلی پہنچے خنافس میں مہبوذان امیر افواج تھا اسکو ابولیلی کی آمد کی خبر ہوئی تو مضیح جا پہنچا جہاں ہذیل بن عمران اپنی جمعیت کیساتھ موجود تھا۔ حضرت خالد کو مقامات مذکورہ کی فتح کی خبر ہوئی تو حیرہ سے روانہ ہوکر اپنے افسران فوج سردارت کو

مقام مضیح پر جا ملے اور رات ہی کو ہذیل پر سوتے میں حملہ کر دیا۔ ہذیل بمشکل جان بچا کر چند لوگوں کیساتھ بھاگا۔ ہذیل کیساتھ عبد العزی ابن ابی رہم اور لبید بن جریر بھی تھے یہ دونوں حقیقتاً مسلمان ہو چکے تھے کسی مجبوری یا جبر کی وجہ سے ہذیل کے ساتھ تھے یہ دونوں بھی اس معرکہ میں مقتول ہوئے حضرت صدیق اکبر کو اطلاع ملی تو آپ نے اُن کے ورثہ کو دیت دیدی۔

حضرت عمر کو مالک ابن نویرہ کے قتل پر جو ناراضی حضرت خالد سے تھی اس واقعہ سے اور بھی بڑھ گئی مگر صدیق اکبر یہ فرما کر اُن کی ناراضی کو دفع فرماتے تھے کہ جو شخص دشمنوں سے مقابلہ کرتا ہے اُس کو ایسے واقعات سے سابقہ ضرور پڑتا ہے۔

مضیح سے فراغت پا کر حضرت خالد ثنی اور زمیل کی طرف بڑھے جو رصافہ کی جانبِ شرق آباد تھے۔ یہاں ربیعۃ ابن بجیر تغلبی عقۃ کے انتقام کے لئے جمعیتِ کثیر موجود تھا اور اُس نے زرجہر روزبہ اور ہذیل سے معاہدہ کر لیا تھا۔ حضرت خالد ان سب سے عہدہ برآ ہو چکے تو آپ نے حکم دیا کہ ربیعہ پر حملہ کیا جاوے ربیعہ ثنی میں تھا۔ اُسکو تین طرف سے ایسا لیا کہ ایک متنفس بھی نہ بچ سکا۔ ہذیل مضیح سے بھاگ کر زمیل میں آگیا۔ انپر بھی حضرت خالد نے تین جانب سے شب خوں مار کر قصہ تمام کر دیا۔ زمیل سے آپ رضاب پہنچے وہاں ہلال بن عقۃ خیمہ زن تھا۔ مگر وہ خبر سُنتے ہی بھاگ گیا۔

رضاب سے آپ نے فراض کا رُخ کیا۔ یہاں شام۔ عراق۔ جزیرہ کی حدود ملتی تھیں۔ یہاں ایک طرف اہل شام و روم میں حمیت و غصہ کی آگ مشتعل تھی۔ دوسری جانب اہل فارس زخم خوردہ ہو کر اندمال کی فکر میں تھے۔ اور پھر قبائل عرب تغلب، ایاد و نمر بھی اُنکے ساتھ ہو گئے۔ غرض عرب و عجم روم و شام کی مجتمعہ قوت سے مقابلہ تھا۔ مگر سخت مقابلہ اور نقصان اُٹھانیکے بعد مجتمعہ عساکر کو ہزیمت ہوئی۔ حضرت خالد نے دس یوم فراض پر قیام کر کے حیرہ کی طرف واپسی کا حکم دیا۔ ساقہ لشکر کی کمان شجرہ بن الاغر کے سپرد کی اور عام طور پر ظاہر کر دیا کہ میں خود بھی ساقہ میں ہونگا۔ مگر آپ خفیہ فراض سے بقصد حج مع چند معتمدین کے مکہ کو روانہ ہو گئے[1] اور قبل اسکے کہ آپکے تشریف لیجانیکی خبر پھیلے آپ حج کر کے واپس آگئے۔ حضرت صدیق اکبر کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپ ناخوش ہوئے۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت خالد بن الولید جیسا مدبر و تجربہ کار جری و جانباز سپہ سالار ہرگز کسی ایسے امر کے ارتکاب کو جائز نہ سمجھ سکتا تھا جسمیں اندیشہ نقصان ہوتا وہ ہر قسم کا کامل انتظام کر کے تشریف لیگئے تھے۔ فوج کو موقعہ بموقعہ

[1] ثم خرج خالد حاجاً من الفراض سراً و معه عدة من اصحابه يعتسف البلاد فاتى مكة فحج و رجع فما توافى جنده بالحيرة حتى وافاهم مع صاحب الساقة فقدما معاً و خالد و اصحابه محلقون ولم يعلم بحجه الا من اعلمه به ولم يعلم ابوبكر بذالك الا بعد رجوعه فعتب عليه وكانت عقوبته اياه ان صرفه الى الشام من العراق ممداً لجموع المسلمين باليرموك۔ کامل ابن اثیر صفحہ ۱۵۳ ج ۲

تقسیم کرکے ہر ایک حصہ پر تجربہ کار دلیر افسروں کو مقرر کر دیا تھا پھر اسکے ساتھ اسکا بھی پورا انتظام کیا تھا کہ اسلامی لشکر میں بھی یہ خبر نہ پھیلے اور روانہ بھی ایسے وقت ہوئے کہ عین وقت حج پر پہنچکر فوراً واپس ہوگئے۔ تیز رو سواری کا بھی کامل انتظام تھا۔ مگر خلیفۃ الاسلام کی نظر غائر تھی حضرت خالد کی ہر حرکت و سکون پر اُنکی نظر تھی دشمن کے ملک اور اُسکی اہمیت کا نقشہ پیش نظر تھا۔ یہ بالکل صحیح تھا کہ حضرت خالد اخبار کی پوری بندش کرکے تشریف لیگئے تھے مگر ایسی خبر کا باوجود انتظام شدید پھیل جانا کچھ مستبعد نہ تھا۔ تجربہ سے ثابت ہو کہ ہمیشہ اس سے بھی زیادہ رازدارانہ خبریں پھوٹ جاتی ہیں مسلمانوں کا تو ایک فرد بھی اُس وقت ایسا نہ تھا جس سے سازش کا اندیشہ ہوتا۔ مگر جس طرح مسلمان جاسوسی کے ذریعہ سے دشمن کے گھر کی خبر لاتی تھے اسی طرح کیا یہ ممکن نہ تھا کہ ادھر کے جاسوس اس خبر کو لے اُڑتے اور دشمن اچانک حملہ کر بیٹھتا۔ ان سب کے علاوہ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ ناگہانی طور پر جنگ پیش آجاتی اور مسلمان جو حضرت خالد کے تشریف لیجانے سے بیخبر تھے اپنے سپہ سالار کو نہ دیکھکر سخت مضطرب الحال و پریشان ہوتے اُنہیں طرح طرح کی بدگمانیاں پیدا ہوتیں جسکا انجام پست ہمتی کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا خلیفۃ المسلمین کی یہ دور بینیاں تھیں جنکے باعث حضرت خالد پر عتاب ہوا صدیق اکبر جو حضرت عمر کے بار بار اصرار پر بھی حضرت خالد کو معزول نہ کرتے تھے اس خلاف مصلحت اسلام امر پر ناراض ہوگئے۔ لیکن اُنکی ناراضی میں بھی عین مصلحت مضمر تھی۔ عراق میں تو متواتر فتوحات سے مسلمانوں کا سکہ جم چکا تھا۔ لیکن شام میں عساکر اسلام ابھی داخل ہی ہوئے تھے۔ وہاں بجز ایک دو جگہ کے کوئی بڑی لڑائی نہ ہوئی تھی اور نہ کوئی بڑا شہر فتح ہوا تھا۔
کئی مسلمان سردار اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ مختلف راستوں سے ملک شام میں بڑھ رہے تھے۔
جس کے مختصر واقعات یہ ہیں کہ ۱۳ھ ہجری یعنی خلافت صدیق اکبر کے سال دوم کے آخر میں آپ نے خالد بن سعید العاص کو سب سے پہلے ملک شام کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا اور ایک لشکر کا امیر بنا کر علم سرداری سپرد کیا۔ اور بعض روایات کے موافق اس سے قبل یعنی جبکہ حضرت خالد عراق کی جانب روانہ کئے گئے۔ خالد کو ملک شام کی کوچ کا حکم ہوا تھا۔ لیکن خالد بن سعید سے خلافت صدیق اکبر کے وقت غلطی رائے سے ایک ناموزوں بات پیش آچکی تھی۔ جب خلافت صدیقی تسلیم ہو چکی تو خالد ابن سعید نے دو مہینے تک بیعت نہ کی اور اس درمیان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو کہا اے بنی عبد مناف تم مغلوب کر دئے گئے۔ حضرت علی رضؓ نے ارشاد فرمایا یہ مغالبہ (یعنی زبردستی) ہے

یا خلافت حضرت صدیق اکبر نے تو انکی اس حرکت پر کچھ خیال نہ کیا۔ مگر حضرت عمر کو ناگوار تھا جب عساکر شامیہ کی کمان انکے سپرد کی گئی تو حضرت عمر نے اسکے برخلاف اصرار کیا اور وہ اس عہدہ سے معزول کر دئے گئے اور انکو یہ حکم ملا کہ تیما پر مسلمانوں کی تقویت کیلئے مقیم رہیں۔ بغیر حکم کے وہاں سے نہ ہلیں عرب قبائل میں سے اُن لوگوں کو جنہوں نے فتنۂ ارتداد میں حصہ نہیں لیا جمع کر لیں۔ اور جبتک دشمن حملہ نہ کریں یا مقابلہ سے پیش نہ آئیں کسی سے نہ لڑیں۔ چنانچہ اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ وہاں جا کر مقیم ہو گئے بعض چھوٹے چھوٹے معرکے بھی اُنسے ہوئے۔ اسکے بعد صدیق اکبر نے پیش قدمی کا حکم دیا مگر اس طرح کہ اندرون ملک میں نہ گھسیں۔ بلکہ اس طرح پیش قدمی کریں کہ دشمن کو پیچھے سے دبانیکا موقع نہ ملے۔ مگر آہستہ آہستہ اقدام کا نتیجہ بھی یہی ہوا کہ شام کی فوجیں مقابلہ کیلئے بڑھنے لگیں۔ خالد نے صدیق اکبر کی خدمت میں امداد کے لئے لکھا۔ اب یہاں بھی اسکا اہتمام ہوا۔ عمرو بن العاص کو ایک لشکر کے ساتھ خاص راستہ سے فلسطین جانیکا حکم ہوا اور ولید بن عقبہ کو دوسرے لشکر کے ساتھ اردن پہنچنے کا۔ اسی طرح یزید بن ابی سفیان کو جمعیۃ کثیر کے ساتھ روانہ کیا۔ اور سب کے بعد حضرت امین امۃ ابو عبیدۃ ابن الجراح کو بھاری لشکر کے ساتھ حمص جانیکا حکم ملا۔ سب کے سب معینہ راستوں سے روانہ ہوئے راستہ میں کہیں کہیں معمولی لڑائیوں اور کہیں صلح سے بعض شہر اور قلعہ بھی فتح ہوئے عساکر اسلامیہ اسی طرح اپنے اپنے افسروں کی ماتحتی میں پیشقدمی کرتے ہوئے چلے گئے۔ حضرت ابو عبیدۃ تو جابیہ پہنچگئے اور یزید ابن ابی سفیان نے بلقار کے سامنے خیمے نصب کئے شرجیل اردن پر پہنچے اور عمرو بن العاص نے عربہ کے آگے جھنڈا نصب کیا۔ امرا ان مشہور مقامات ملک شام تک پہنچ گئے تو اب ملک روم میں ایک عام حرکت پیدا ہو گئی۔ اتفاق سے ہرقل شاہ روم و شام اُسوقت بیت المقدس میں تھا اُس کو ان حالات کی اطلاع دیکر مدافعہ و مقاتلہ کی خواہش کی گئی۔ ہرقل نے (چونکہ پیش آنیوالے حالات کا علم اُسکو کتب سابقہ سے تھا) کہا میرے نزدیک تو مسلمانوں سے صلح کر لینا مناسب ہے۔ اگر ہم شام کے محصول کا نصف دیکر بھی صلح کر لیں تو روم کا تمام ملک اور شام کا نصف باقی رہجائیگا۔ ورنہ کل کا کل دے بیٹھینگے۔ اسپر سب نے بالاتفاق انکار کیا۔ تو بادشاہ بیت المقدس سے روانہ ہو کر حمص آیا اور یہاں پہنچکر فراہمی فوج میں مشغول ہو گیا اُسنے یہ سوچا کہ مسلمانوں کے ہر دستہ فوج کے مقابلہ میں لشکر کثیر بھیجدیا جائے۔ اُنکو اسقدر مہلت نہ دی جائے کہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر امداد پہنچا سکیں اور اسطرح مسلمانوں کی قوۃ کو پامال کر دیا جائے۔

اپنے حقیقی بھائی تذارق کو نوے ہزار فوج کے ساتھ عمرو بن العاص کی مٹھی بھر جمعیت کے مقابلہ کیلئے مامور کیا۔ قیقار کو ساٹھ ہزار کیساتھ حضرت ابو عبیدہؓ کے مقابلہ کیلئے اور اسی طرح جرجہ کو یزید اور دراقص کو شرجیل کے ساتھ معرکہ آرائی کیلئے۔ اس تدبیر کا مسلمانوں پر سخت اثر پڑا وہ بجائے خود خائف وحیران ہو گئے مسلمانوں کی کل جمعیت تیس ہزار بھی نہ تھی اور یہاں ہر ایک کے مقابل کئی کئی گنا روم وشام کی فوجیں آ موجود ہوئیں۔ اسوقت سب نے عمرو بن العاص سے مشورہ کیا۔ اُنہوں نے کہا رائے تو یہ ہے کہ ہم سب ایک مقام پر مجتمع ہو جائیں۔ اجتماع کی حالت میں ہم مغلوب نہیں ہو سکتے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کی خدمت میں اطلاع دیگئی تو وہاں سے بھی یہی جواب آیا جو عمرو بن العاص نے کہا تھا۔ آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ تم مسلمان قلت عددی کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے ہاں ارتکاب معاصی کیوجہ سے کثیر التعداد ہونیکی صورت میں بھی مغلوب ہو سکتے ہو اس سے پرہیز رکھنا چاہئے تم سب مقام یرموک پر اکٹھے ہو جاؤ۔ ہر ایک امیر اپنے اپنے دستے کا مستقل سردار رہو اور اپنے دستہ کو نماز پڑھائے۔ جب اس رائے پر اتفاق ہو گیا تو سب کے سب مقام یرموک پر جمع ہو گئے۔ دوسری طرف عساکر روم و شام بھی زیر کمان تذارق یرموک پہنچگئے اور ایسے مقام پر نازل ہوئے کہ نشیب دریا اُن کیلئے خندق کا کام دیتا تھا۔ مسلمان اس خندق کیوجہ سے اُنپر حملہ نہ کر سکتے تھے اور وہ خود اُس سے نکلتے نہ تھے۔ کبھی نکلے تو معمولی چھیڑ چھاڑ کے بعد واپس ہو گئے۔ تین ماہ کامل اسی طرح گذر گئے۔ مسلمانوں نے یہ دیکھا تو حضرت صدیق اکبر کی خدمت میں امدادی لشکر کی درخواست کی۔ یہ وہ وقت تھا کہ خالد بن ولید بلا اطلاع حج کر کے آئے تھے اور آپ اس حرکت پر اُنسے کبیدہ تھے۔ اس نامناسب حرکت پر آپ اُنکو متنبہ کرنا چاہتے تھے جسکی بہترین صورت یہ تجویز فرمائی کہ ملک عراق سے (جسکی فتوحات کا سلسلہ خالد بن الولید کے ہاتھ سے شروع ہو کر اسدرجہ پہنچگیا تھا کہ عراق کے بڑے حصہ میں مسلمانوں کا عمل دخل ہو چکا تھا) حضرت خالد کی شجاعت ومردانگی دانائی وفرزانگی کی دھاک بیٹھ گئی تھی اور وہ تمام عساکر عراقیہ کے قائد عام سپہ سالار تسلیم کر لئے گئے تھے عساکر شامیہ کی امداد کیلئے روانہ ہو جانیکا فوری حکم دے دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ ایک اوّل درجہ کے سپہ سالار افواج کو ایک امدادی دستہ کا امیر مقرر کر کے بھیجنا ایسا امر ضرور تھا جس سے اُنکا تنزل سمجھا جاتا تھا اور جہاں بھیجے جاتے ہیں وہاں معرکہ ہائے حرب کی ابتدا اور مقابلہ بھی ایسے عظیم الشان لشکر سے جسمیں اُنکی سابق نیکنامیوں پر بھی دھبہ لگنے کا اندیشہ تھا مگر صدیق اکبر کو ایک جانب اگر بصورت تنزل تنبیہ کرنی مقصود تھی تو دوسری جانب اُنکی دوربین نظر نے تاڑ لیا تھا کہ ملک شام کا عقدہ بغیر خالدؓ جیسے سپہ سالار کے حل نہ ہوگا۔ حضرت خالدؓ بلا چون وچرا عراق کی افواج کا نصف حصہ لیکر روانہ ہو گئے اور اس مخلصانہ اطاعت حکم کا نتیجہ یہ ملا کہ ملک شام کی عام قیادۃ اُن کو مل گئی۔ اُنکی نیک نامی کو چار چاند لگ گئے۔

حضرت خالد اپنی جمعیت کیساتھ لق ودق میدانوں کو طے کرتے اور متفرق مقامات پر قبائل

سے مقابلہ کرتے اور منہزم کرتے ہوئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا قبیلہ سراء اپنے چشمہ پر جس کا نام سوی تھا مجتمع تھے۔ لہو ولعب کے مزے اڑا رہے تھے۔ شراب نوشی کا دور ہو رہا تھا گویا گا رہا تھا حضرت خالد اچانک ایسے وقت اُنکے سر پر پہنچے کہ گویا اشعار ذیل کو لہرا کر پڑھ رہا تھا

الا علّلانی قبل جیش ابی بکر	لعل منایانا قریب ولا ندری

ہاں مجھ کو شراب سے سیراب کرو ابوبکر کے لشکر کے آنے سے پہلے کیونکہ شاید ہماری موتیں قریب آگئی ہوں اور ہمکو معلوم نہ ہو

الا علّلانی بالزجاج وکررا	علیّ کمیت اللون صافیۃ تجری

ہاں مجھ کو گلاس دیکر سیراب کرو اور بار بار میرے پاس لاؤ شراب ارغوانی جو صاف وشفاف ہونیکے ساتھ بہ رہی ہو

الا علّلانی من سلافۃ قہوۃ	تسلی ہموم النفس من جید الخمر

ہاں سیراب کرو مجھ کو اُس متوالی شراب سے جو غم غلط کرے۔ اور شرابوں میں بہتر سے بہتر ہو

اظن خیول المسلمین وخالدا	ستطرقکم قبل الصباح مع النسر

میں خیال کرتا ہوں کہ مسلمان سوار اور خالد سویرے صبح سے پہلے ہی مقدمۃ الجیش کے ساتھ تمہارے پاس آپہنچیگے

فہل لکم فی السیر قبل قتالکم	وقبل خروج المعصرات من الخدر

کیا تمہاری رائے ہے کہ لڑائی سے پہلے نکل چلو اور اس سے پہلے کہ مراہق لڑکیاں پردوں سے باہر نکل پڑیں

بیچارہ ان اشعار کو دُہرا ہی رہا تھا کہ ایک مسلمان نے بڑھ کر گردن پر تلوار ماری اور اس کا خون شراب کے برتن میں گرا یہ ایک عجیب اتفاق تھا جو پیش آیا۔

حضرت خالد اسی طرح بصری تک پہنچے وہاں کچھ مقابلہ کے بعد دشمن نے صلح کر لی اور یہ ملک شام کا پہلا شہر ہے جو حضرت خالد کے ہاتھ سے فتح ہوا۔ یہاں سے روانہ ہو کر یرموک پہنچے۔ یرموک کے لشکر کی تعداد کل ستائیس ہزار تھی اب حضرت خالد کے پہنچنے پر چھتیس ہزار ہوگئی۔ وہاں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں عساکر اسلامیہ کسی ایک قائد عام کے ماتحت نہ تھے ہر ایک امیر اپنے دستہ کا مستقل ذمہ دار تھا اور اسی طرح جدا جدا ہر امیر اپنی جمعیت سے مقابلہ کرتا تھا۔

حضرت خالد کے پہنچنے پر ایک ماہ کامل اس طرح گذر گیا کہ پادری اور راہب عساکر روم وشام میں جانبازی ومدافعت ملک وملت کی روح پھونکتے رہے۔ اور جب وہ ہر طرح سر بکف ہو کر میدان کارزار میں نکلے مسلمانوں کو تباہ وبرباد کرنے کیلئے تیار ہوگئے۔ تب جمادی الاخری میں فیصلہ کن لڑائی کے لئے خندق سے نکلے اور ایسی شان وشکوہ صف بندی اور ترتیب کے ساتھ اُنکے دستے آگے بڑھے کہ مسلمانوں کو اس سے قبل کسی ایسے عظیم الشان اور آراستہ اور سامان حرب وضرب سے مکمل افواج کے

لہ فلما انتہی خالد الی سوی اغار علی اہلہا وہم بہراء وہم یشربون الخمر ومغنیہم یقول الی آخرہ فقتل المسلمون مغنیہم وسال دمہ فی تلک الجفنۃ واخذوا اموالہم۔ ابن اثیر صفحہ ۱۵۸ جلد ۲

ساتھ سابقہ نہ پڑا تھا۔ ادھر مسلمانوں کے پاس نہ ایسا سامان تھا نہ ایسی ترتیب اور پھر ہر ایک دستہ جدا کسی ایک حکم کے تابع نہیں۔ یہ حالت سخت خطرناک تھی جسکا احساس حضرت خالد نے فوراً کر لیا اور بڑھکر امرائے عساکر سے کہا کہ آج کے دن کسی کو اپنی بڑائی۔ فخر اور افسری کا خیال نہ رکھنا چاہئے۔ یہ تمہارے کارنامے تاریخوں میں لکھے جائینگے۔ دوسرے لوگ تمہارے افعال کو سند بنائینگے۔ تم ایک ایسی قوم ہے جو نہایت آراستہ ہو اسطرح جدا جدا مقابلہ کے لئے نکلے ہو جو کسی طرح دانشمندانہ فعل نہیں ہو سکتا اور نہ تم جیسے مخلصین اور طالبین اجر و ثواب کیلئے کسی طرح مناسب ہے۔ جس امر میں خلیفہ وقت کی طرف سے کوئی خاص ہدایت نہیں کیگئی اسمیں تمکو اپنی رائے سے کام لینا چاہئے۔ سب نے کہا آپ فرمائیے کیا رائے ہے کہا تو سمجھ لو کہ صدیق اکبر نے ہم کو ایک مقام پر جمع ہونیکا حکم صرف اس لئے دیا ہے کہ ہم ملکر بسہولت کام کرینگے اور اگر انکو تمہاری حالت کا اندازہ ہوتا تو جمع ہونیکا حکم نہ دیتے۔ تمہاری یہ حالت مسلمانوں کیلئے دشمن کی کثرت اور شوکت سے زیادہ مضر ہے۔ آج اگر ہمنے مل جلکر انکو خندق تک دھکیل دیا تو پھر کبھی ہمت نکرینگے میری رائے تو یہ ہے کہ ہر ایک دستہ کا سردار نمبر وار ایک ایک دن کل لشکر کا قائد عام بنجائے اور اسکے زیر کمان ساری فوج نقل و حرکت کرے۔ یہ رائے پسندیدہ ہو تو آج تمام فوج کی کمان میرے ہاتھ میں دیدو۔ سب نے بخوشی منظور کر لیا۔ دشمن تو یہ سمجھ رہے تھے کہ جیسے اور دن مقابلہ ہوتا تھا آج بھی ہوگا مگر یہاں رنگ پلٹ چکا تھا حضرت خالد نے ترتیب ہی بدلدی تھی۔ اور اسطرح لشکر کو ترتیب دیا تھا کہ اس سے پہلے ایسی ترتیب نہ دیکھی گئی تھی۔

معرکہ یرموک کا انجام جو کچھ ہوا تواریخ اُس سے لبریز ہیں ہماری غرض اسوقت کسی معرکہ کی تفصیل سے بحث کرنا اور اُسکے نتائج کو منظر عام پر لاکر رکھدینا نہیں ہے۔ ہمارے اس مسلسل کلام کا حاصل یہ ہے کہ حضرت خالد عساکر عراقیہ کے قائد عام تھے اور وہانسے صرف شام کے عساکر کو تقویت و امداد دینے کیلئے تشریف لائے تھے۔ افسر اعلیٰ تھے تو اُسی دستہ کے جو اُنکے ہمراہ تھا مگر یرموک پہنچکر اپنی قابلیت اور ذاتی جوہر حسن تدبیر اور فراست کی بدولت مجمع افواج کے سپہ سالار اعظم بنگئے۔ اور اسی حسن تدبیر کا نتیجہ تھا کہ اُس روز سے آپ بحیثیت قائد عام تسلیم کر لئے گئے۔

حصہ چہارم معزولی و برطرفی امارت عساکر کا زمانہ

حضرت خالد کی پہلی معزولی اسمیں اختلاف ہے کہ حضرت خالد کی اول معزولی کس مقام پر ہوئی۔ بعض روایات

سے معلوم ہوتا ہے کہ معرکۂ یرموک[1] میں اور عین اُسوقت جبکہ سپہ سالاری کا علم اُن کے سر پر لہرا رہا تھا۔ دشمن کی بے جگرانہ مدافعت کرتے ہوئے اُنکو خندق کے مقبرہ میں دفن کر رہے تھے۔ مدینہ منورہ سے قاصد نے آکر صدیق اکبرؓ کی وفات۔ فاروق اعظمؓ کی خلافت اور اُسکے ساتھ ہی اس انقلاب عظیم کی خبر سُنائی کہ حضرت خالدرضؓ کو معزول کرکے بجائے اُن کے امین الامۃ ابو عبیدہ ابن الجراح قائد عام بنائے گئے۔ بارگاہ خلافت کا یہ حکم نامہ اوّل امین الامۃ ہی کے ہاتھ میں دیا گیا۔ مگر اُنہوں نے اُسکو بمصلحت حضرت خالد سے مخفی رکھا اور دوسرے روز اُسکی اطلاع کی۔ اور بعض روایات سے ثابت ہے کہ یرموک کے بعد محاصرۂ دمشق کے وقت معزول کئے گئے ہیں۔ دمشق کے محاصرہ میں بھی حضرت خالد سے فوق العادت دلیری و شجاعت اوّل درجہ کی حسن تدبیر کا ظہور ہوا تھا۔

آپ میں شجاعت و جانبازی۔ فوق الفطرت قوۃ و طاقت۔ بیدار مغزی و فرزانگی سب ہی اوصاف موجود تھے۔ محصورین دمشق نے شہر پناہ کے دروازہ بند کرکے سنگین پہرہ قائم کردیا تھا۔ فصیل کے دمدموں اور مورچوں پر فوجیں متعین تھیں۔ اندر کی حالت اور کسی قسم کے واقعہ کی اطلاع ملنی ناممکن تھی۔ مگر حضرت خالد ہی ایک ایسے شخص تھے کہ اس سخت بندش کے بعد بھی رتی رتی کی خبر رکھتے تھے گورنر دمشق کے یہاں لڑکا پیدا ہوا اور مجالس عیش و مسرت ترتیب دی گئیں۔ فوج کو مع افسران دعوت دی گئی۔ کھانے کے بعد مے نوشی کا دور ہوا۔ اور بدمست ہوکر دونوں عالم سے بے خبر ہوگئے۔ حضرت خالد جیسے بیدار مغز سے یہ حال کیونکر مخفی رہ سکتا تھا۔

کان لاینام ولا ینیم | نہ سوتے تھے نہ سونے دیتے تھے۔

ایسے ہی موقعوں کیلئے رسیوں کی سیڑھیاں بنا رکھی تھیں جن کو فوراً فصیل کے کنگروں پر پھینک کر اُنکے سہارے سے چڑھ گئے اور عین دروازہ کے اندر کود کر دروازہ کھولدیا۔ اسلامی لشکر داخل ہوگیا۔ اہل دمشق کو خبر ہوئی تو ایسے بدحال تھے کہ دوسرے دروازہ سے نکلکر حضرت ابو عبیدہ قائد عام سے صلح کی درخواست کی آپ کو حضرت خالد کے واقعہ کی اطلاع نہ تھی اُنسے صلح کرکے صلحاً داخل دمشق ہوئے۔ دوسری طرف سے حضرت خالد بزور داخل ہوکر لڑ رہے تھے۔ ادھر حضرت ابو عبیدہ داخل ہوئے۔ اور اس طرح آدھا دمشق بزور اور آدھا بصلح فتح ہوگیا۔ عین اس محاصرہ کے وقت فاروق اعظم کا حکم نامہ اُنکے عزل و امین الامۃ کے تقرر و نصب کا پہنچا جس کو اُسوقت ظاہر کرنا خلاف مصلحت سمجھکر صلح دمشق کے بعد ظاہر کیا گیا۔

بہرحال کوئی سی روایت صحیح ہو مگر اس قدر متیقن ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی حضرت خالد کو معزول فرمایا تھا۔

معزولی کے بعد کے حالات اس معزولی کا کوئی اثر حضرت خالد کے اوپر نہیں ہوا۔ وہ جس طرح بحیثیت سپہ سالار

[1] بینما کان المسلمون فی ذالک الیوم المشہور ای یوم الیرموک فی اشد حالات الحرب اشتداد الطعن والضرب جاء البرید من المدینة ینعی وفاة ابی بکر و یخبر باستخلاف عمر بن الخطاب و معه امر بعزل خالد بن الولید و توسید امارة الجیش العامة الی ابی عبیدة بن الجراح فکتم ذالک ریثما تم النصر للمسلمین (اشہر مشاہیر الاسلام صفحہ ۱۰۴)

اعظم کام کرتے تھے۔ اسی طرح ایک ماتحت افسر کے لباس میں جانبازی کرتے رہے اگر انکا عزل یرموک میں ہوا ہے تب تو اُسکے بعد فتح دمشق میں جو کارنامے اُنکے ہاتھ سے ظہور پذیر ہوئے تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں ایسے واقعات گنتی ہی کے پیش آئے ہونگے اور عین محاصرہ دمشق میں معزولی ہوئی ہے تو اس معرکہ کا انصرام اُنہی کے ہاتھوں ہوا۔ اور اُسکے بعد مقام فحل میں اسی انداز سے جانبازانہ داد شجاعت دی بعدہ امین الامۃ کیساتھ حمص کو روانہ ہوئے اور مقام ذی الکلاع پر منزل کی۔ ہرقل کو اسکی اطلاع ملی تو توذر کی کمان میں بھاری فوج روانہ کی۔ مرج الروم میں مقابلہ ہوگیا۔

توذر حضرت ابو عبیدہ کے مقابلہ پر ایک حصہ فوج کو زیر کمان شنشن رومی کے چھوڑ کر خود دمشق کو مسلمانوں کے قبضہ سے نکالنے کی فکر میں رات کو چلدیا۔ یزید ابن ابی سفیان دمشق کے والی تھے انکو اطلاع پہنچی تو توذر کے مقابلہ کیلئے نکلے اور ایک موقعہ پر معرکہ کارزار گرم ہوگیا۔ عین اس حالت میں عقب سے حضرت خالد نے آدبایا اور اس زور سے حملہ کیا کہ دشمن کے بہت کم آدمی جان بچاکر جاسکے توذر بھی مقتول ہوا۔

اس معرکہ کے بعد امین الامۃ کی ہمرکاب بعلبک۔ حمص۔ حماۃ۔ لاذقیہ وغیرہ کو صلحاً یا مقابلۃً فتح کرتے چلے گئے اور ان مقامات کے بعد حضرت امین الامۃ نے آپ کو ایک دستہ فوج دیکر قنسرین کی فتح کے لئے بھیجا۔ ابھی مقام حاضر پر ہی پہنچے تھے کہ روم کا عظیم الشان لشکر حضرت خالد کے مقابل آگیا۔ یہ رومی لشکر زیر کمان میناس تھا۔ میناس اس پایہ کا شخص تھا کہ ہرقل کے بعد دوسرے درجہ پر سمجھا جاتا تھا۔ میناس کیساتھ سخت مقابلہ ہوا۔ روم کے لشکر نے بھی داد شجاعت دینے۔ جانبازی کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا اور اسی وجہ سے وہ سب کے سب میدان جنگ میں فنا ہوگئے۔ میناس قتل ہوا۔ اس معرکہ کے بعد ہرقل قیصر روم و شام۔ شام و ایشیاء کوچک کی حفاظت سے مایوس ہوکر قسطنطنیہ جانے پر مجبور ہوا۔ سابق معرکوں کے بعد قنسرین کے عظیم الشان معرکہ اور قیصر روم کے قسطنطنیہ چلے جانے کی خبر اور حضرت خالد کے نمایاں کارناموں کی حالت معلوم ہوئی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

امر خالد نفسہ یرحم اللہ ابا بکر ھو کان اعلم بالرجال منی۔	خالد نے خود اپنے آپ کو سپہ سالار بنا لیا۔ اللہ تعالیٰ ابوبکر پر رحم فرمائے۔ وہ کام کے آدمیوں کو مجھ سے زیادہ پہچانتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے شام میں حضرت خالد کو معزول کر کے حضرت ابو عبیدہ کو سپہ سالار اعظم بنایا تھا اور فتوحات عراق کے مدار اعظم مثنیٰ ابن حارثہ کو جو بعد حضرت خالد کے عساکر عراقیہ کے قائد اعظم تھے معزول کر کے حضرت سعد ابن ابی وقاص کو سپہ سالار مقرر فرمایا تھا حضرت مثنیٰ ابن حارثہ کے حالات و واقعات اُنکی مافوق الفطرت شجاعت اور اُن کی مخلصانہ سعی و جانفشانی اُن کی برکات ظاہری و معنوی کے حالات سے ناظرین کرام بیانات سابقہ میں باخبر ہوچکے ہیں۔

اعلم بالرجال منی، ایضاً صفحہ ۱۶۷ ج ۲

اس موقعہ پر حضرت عمرؓ نے حضرت خالد کی تعریف کرتے ہوئے ان دونوں سپہ سالاروں کی معزولی کی وجہ (جس پر عقل ظاہر بیں ناعاقبت اندیشی یا عدم قدر دانی یا خوف فتنہ و اختلاف کا الزام لگا سکتے تھے) بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا۔

انی لم اعزلہما عن ریبۃ و لکن الناس عظموھما فخشیت ان یوکلوا الیہما	میں نے ان دونوں کو کسی تہمت اور بدظنی کی وجہ سے معزول نہیں کیا۔ بلکہ لوگوں کے دلوں میں انکی عظمت انکی تدابیر و شجاعت پر اس قدر اعتماد ہوگیا تھا جس سے اندیشہ تھا کہ خدا تعالیٰ سے نظر اٹھا کر فتوحات کا انحصار انہیں کی ذات پر نہ سمجھ لیں۔

حضرت فاروق اعظم نے ان دونوں بزرگوں کو معزول کیا جس کے اسباب میں علاوہ بعض مآل اندیشانہ احکام شرعیہ و سیاسیہ کے ان مصالح کا بھی دخل تھا جنکو اس موقع پر ظاہر فرمایا۔ مگر دونوں نے عزل کے بعد وہ نمایاں خدمتیں کیں جنسے ثابت ہوگیا کہ حظِ امارۃ و لذت حکومت و نام آوری کو اُنکے کاموں میں کچھ دخل نہ تھا۔ اور اسی تجربہ و آزمایش کے بعد آپ کا خیال دونوں کی طرف سے بدل گیا جسکا اقرار علے رؤس الاشہاد آپنے کیا۔ اور گو اس اقرار کے بعد وہ اپنے سابق درجہ پر واپس نہ کئے گئے۔ اور حاجت بھی نہ تھی۔ کیونکہ اُنکے کارنامے دونوں حالت میں یکساں تھے۔ پھر کسی جدید تغیر کی کیا ضرورت تھی۔ تاہم آپ نے اپنی رضامندی اور اُنکی عظمت و وقار کا اعلان فرما دیا جس سے اُن قلوب کو جنکو بمقتضائے عقل ظاہری کچھ تردد یا خلجان ہونا ممکن تھا اطمینان ہوگیا۔

قنسرین کے بعد حضرت خالد کے ہاتھ پر مرعش فتح ہوا۔ اور اسی طرح بہت سے مواقع میں اپنی تدبیر و شجاعت کے جوہر دکھلاتے ہوئے بیت المقدس کے محاصرہ کیلئے پہنچ گئے اور یہاں سے حضرت عمر کی خدمت میں لکھا گیا کہ بیت المقدس کی فتح آپ کے دستِ مبارک پر ہوگی۔ آپنے مدینہ سے بیت المقدس کا قصد فرمایا اور امراء عساکر کو اطلاع دے دی کہ اپنے لشکر پر قائم مقام چھوڑ کر ہم سے جابیہ میں آکر ملیں۔ سوا عمرو بن العاص اور شرجیل بن حسنہ کے کہ وہ تو اپنی جگہ سے نہ ہلے کیونکہ اندیشہ سخت تھا۔ باقی تمام افسرانِ اعلیٰ جابیہ پر پہنچ گئے۔ سب سے اوّل یزید ابن ابی سفیان۔ ابو عبیدہ ابن الجراح۔ اور اُنکے بعد خالد ابن الولید گھوڑوں پر سوار آپ کے سامنے اس شان سے آئے کہ حریر و دیباج کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ حضرت عمر یہ حالت دیکھکر سواری پر سے اُتر پڑے اور پتھر اُٹھا کر امراء عساکر کو مارنا شروع کیا اور فرمایا کہ تمہاری حالت میں کسقدر تغیر آیا اور تم اپنے خیالات سے اتنی جلد پھر گئے۔ تم اس ہیئت میں میرے سامنے آتے ہو۔ ابھی تو دو ہی برس سے تم کو اس طرح کا عیش نصیب ہوا۔ اگر دو سو برس کے بعد بھی تم میں تغیر آیا تو میں تمہاری جگہ دوسروں کو مامور کرتا۔

[1] فقد روی انہ استدعاہ بعد عزلہ الی المدینۃ فعاتبہ خالد فقال لہ عمر ما عزلتک لریبۃ فیک و لکن افتتن بک الناس فخفت ان ت[illegible]

غرض حضرت عمرؓ کو یہ شان ترفہ وتنعم کی ہیئت نہایت مکروہ اور ناپسند معلوم ہوئی۔ آپ کو خیال ہو گیا کہ شام وروم کی عیش پرستی کا اثر ان میں بھی آ گیا۔

حضرت عمرؓ کی ناراضی کی جب یہ حالت دیکھی تو اُمرائے عساکر نے آگے بڑھ کر عرض کیا۔ امیر المؤمنین یہ لباس تو محض دکھلاوے کے ہیں۔ ورنہ ہم تو مکمل ہتھیار لگائے ہوئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے سُنکر فرمایا اگر یہ بات ہے تو مضائقہ نہیں۔ حضرت عمرؓ نے جابیہ پر قیام فرمایا اور اسی مقام پر بیت المقدس بصلح مسلمانوں کے حوالے کر دیا گیا۔

جب بیت المقدس پر مسلمانوں کا تسلط ہو گیا اور شام کا ملک مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا تو بڑے بڑے شہر امرائے عساکر کی ماتحتی و نگرانی میں دیدیئے گئے۔ خود سپہ سالار اعظم امین الامۃ ابو عبیدہؓ تو حمص پر مقیم تھے اور آپکی ماتحتی میں حضرت خالدؓ قنسرین پر۔ یزید ابن ابی سفیان دمشق پر۔ معاویہ ابن ابی سفیان اُردن پر علقمہ بن مجزز فلسطین پر اور ساحل بحر پر عبد اللہ ابن قیس۔ غرض حضرت ابو عبیدہ ملک شام کے تمام حصوں پر ان افسروں کو معین فرما کر خود حمص میں مقیم تھے۔

ہرقل ملک شام وروم میں مسلمانوں کی فتوحات کا رنگ دیکھکر قسطنطنیہ چلا گیا۔ لیکن جب حضرت ابو عبیدہ فتح بیت المقدس سے فارغ ہو کر حمص میں مقیم ہوئے تو اہل جزیرہ نے ہرقل کے پاس قسطنطنیہ پیام بھیجا کہ اگر شام کو واپس لینے کے لئے فوجیں بھیجیں تو ہم بھی معین ومددگار رہیں گے۔ ہرقل کی سمجھ میں بات آ گئی۔ اور اُس نے ایک بھاری لشکر کو مقابلہ کے لئے بھیجا۔

حضرت ابو عبیدہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے امرائے عساکر کو حمص پر جمع ہونیکا حکم دیا[1]۔ حضرت خالد بھی قنسرین سے وہاں پہنچے۔ دشمن کی تعداد بہت زیادہ اور اُسکے مقابلہ میں مسلمانوں کی جمعیت بہت کم تھی۔ یہ حالت دیکھکر حضرت ابو عبیدہ کو تردد ہوا اور آپ نے افسران افواج سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے آیا ہم خود اُن پر حملہ کر کے لڑائی کی ابتدا کر دیں یا قلعہ بند ہو کر امداد کا انتظار کریں۔ حضرت خالد نے مشورہ دیا کہ نہیں ہم کو فوراً اُن پر حملہ کر کے لڑائی کی ابتدا کر دینی چاہیے۔ مگر باقی افسروں نے یہ رائے دی کہ ہمکو قلعوں میں محفوظ رہ کر امیر المؤمنین سے خط وکتابت کرنی چاہیئے اور جو حکم آئے اسکی تعمیل کیجائے۔ کثرت رائے اس جانب تھی اور احتیاط کا پہلو بھی اسی میں تھا اسلیے حضرت ابو عبیدہ نے اسی رائے پر عمل کیا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی کمال دوربینی و مآل اندیشی سے موقع بموقع اسی طرح رسالہ کی چھاؤنیاں ڈال دی تھیں کہ جس سمت اور جس نواح میں امداد کی ضرورت ہو فوراً فوج رسالہ پہنچ جائے

[illegible]

[1] عمر نا ظاعهم وكتب الى عمر بذالك .. كامل ابن اثير صفحہ ۲۰۵
۲۷

کوفہ میں چار ہزار سوار موجود تھے۔ آپ کی خدمت میں حضرت ابو عبیدہ کا اطلاعی خط پہنچا تو آپ نے حضرت سعد ابن ابی وقاص کو تحریر فرمایا کہ کوفہ سے قعقاع کو فوراً ابو عبیدہ کی امداد کیلئے روانہ کردیں وہ دشمنوں کے نرغہ میں محصور ہیں۔

اہل جزیرہ ہی اس ساری لڑائی کے بانی مبانی ہرقل کو اکسانیوالے تھے۔ جب ہرقل نے اپنی فوجیں حمص کیطرف بڑھادیں تو اہل جزیرہ بھی حسب وعدہ مقابلہ کیلئے تیار ہوئے انمیں بھی حرکت پیدا ہوئی۔

حضرت عمرؓ نے اہل جزیرہ کی روک تھام کیلئے حضرت سعد کو تحریر فرمایا کہ سہیل ابن عدی کو رقہ کی طرف روانہ کریں اور عبد اللہ ابن عتبان کو نصیبین کی طرف۔ ولید ابن عقبہ کو عرب جزیرہ کے قبائل ربیعہ وتنوخ کے مقابلہ کیلئے روانہ کریں اور عیاض ابن غنم کو بھی انکے مقابلہ کیلئے بھیجیں۔ اگر اہل جزیرہ سے لڑائی کی نوبت آئی تو عیاض ابن غنم افسر اعلےٰ تمام افواج کے ہونگے۔ غرض اسطرح حضرت عمرؓ ہر جانب کا بندوبست کرکے اور تمام ہدایات بھیجکر خود بھی حضرت ابو عبیدہ کی امداد کیلئے مدینہ سے روانہ ہوکر جابیہ تک پہنچ گئے۔

یہاں یہ ہوا کہ جب اہل جزیرہ نے اپنے گرد وپیش عساکر اسلامیہ کی خبریں سنیں انکے تو ہوش اڑ گئے سب وعدہ بھول گئے رومی لشکر کو بیچ میں چھوڑ کر ادھر ادھر متفرق ہوگئے۔ ابھی تک قعقاع بن عمرو حمص تک پہنچنے نہ پائے تھے کہ اہل جزیرہ کی متفرق ہوکر بھاگ نکلنے کی خبریں حضرت ابو عبیدہ تک پہنچیں اور اس جانب سے اطمینان ہوگیا۔ آپ نے حضرت خالد سے مشورہ کیا کہ اب جارحانہ حملہ کریں۔ حضرت خالد نے مشورہ دیا کہ ضرور کرنا چاہئے۔ حضرت ابو عبیدہ نے اس مشورہ پر کاربند ہوکر حملہ کردیا مسلمانوں کو فتح ہوئی قعقاع ابن عمرو تازہ امداد لیکر تین دن بعد فتح کے پہنچے۔ اس میں گفتگو ہوئی کہ وہ مال غنیمت میں شریک کئے جائیں یا نہ کئے جائیں۔ حضرت عمرؓ کی خدمت میں لکھا گیا۔ وہاں سے جواب آیا کہ ضرور شریک کئے جائیں۔

اہل جزیرہ جب مقابلہ سے کنارہ کرکے متفرق ہوگئے تب مسلمانوں کو جزیرہ کی فتح کا خیال ہوا ادھر تو حضرت سعد ابن ابی وقاص سپہ سالار عراق نے عساکر اسلامیہ کو جزیرہ کی طرف بھیجنا شروع کیا ادھر حضرت ابو عبیدہ سپہ سالار شام نے عیاض ابن غنم کو ادھر روانہ کیا اور اس طرح جزیرہ وآرمینیا فتح ہوگئے۔ اس فتح کے متعلق صحیح روایت یہی ہے کہ عساکر شامیہ عیاض ابن غنم کی زیر کمان فتح جزیرہ کے لئے آئے تھے مگر بعض روایتوں سے ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خالد ابن الولید بھی عیاض کے ہمراہ تھے۔ یہ روایت اوّل تو روایات صحیحہ کے خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ حضرت خالد کا سوائے

حضرت ابوعبیدہ کے کسی اور افسر کی ماتحتی میں کام کرنا ثابت نہیں ہے۔

حضرت خالد کی دوسری مرتبہ معزولی

پہلی معزولی تو باختلاف روایات یا عین معرکہ یرموک کے وقت ہوئی جبکہ حضرت خالد تمام عساکر اسلامیہ کے قائدِ عام بنکر کثیر التعداد لشکر روم کو زیروزبر کر رہے تھے۔ یا عین محاصرہ دمشق کے وقت جس میں حضرت خالد کی حسن تدبیر و بیداری کے وہ جوہر ظاہر ہوئے جنکی نظیر بہت کم ملتی ہے۔ بہر حال اُن کی معزولی کسی جگہ ہوئی۔ مگر ہوئی ایسے وقت جبکہ وہ عظیم الشان ذمہ داری کا کام اپنے اوپر لئے ہوئے مسلمانوں اور اسلام کیلئے سپر بنے ہوئے تھے۔ لیکن آپ نے اس معزولی کے بعد بجائے شکستہ دل ہونے کے پہلے سے زیادہ چستی و جانبازی دکھلائی جس کو دیکھکر حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ تو ارشاد فرمایا! امّر خالد نفسه رحم الله ابا بکر هو کان اعلم بالرجال منی

عجزت النساء ان یلدن مثل خالد | عورتیں خالد جیسے شخص کے جننے سے عاجز ہیں

اب دوسری معزولی کا وقت آتا ہے جو پہلی معزولی سے زیادہ حیرت انگیز ہے۔

حمص کے معرکہ کے بعد حضرت خالد و عیاض ابن غنم دونوں افسروں نے سرحد روم کی جانب حملہ کیا اور وہاں سے اُن دونوں کو بہت سا مال غنیمت ملا۔ اس خبر کا چرچا ہوا تو بہت ذی حاجت لوگ حضرت خالد کی خدمت میں آکر طالب امداد ہوئے۔ ان طالبین میں بعض شعرا بھی تھے اشعث ابن قیس بھی اُن لوگوں میں تھے۔ حضرت خالد نے اُنکو دس ہزار درہم عطا فرمائے۔

حضرت خالد کی اس طرح دریا دلی کے ساتھ انعام و اکرام کرنے کی خبریں فوراً حضرت عمر کی خدمت میں پہنچیں۔ ادھر ایک واقعہ اور پیش آیا کہ حضرت خالد حمام میں غسل کیلئے تشریف لیگئے تو وہاں جو ابٹنا بدن کو ملا اُسکی نسبت معلوم ہوا کہ اسمیں شراب ملی ہوئی تھی۔ یہ خبر بھی حضرت عمر کے پاس پہنچی کیونکہ آپکی عمال کی ایک ایک حرکت پر نظر رہتی تھی اور اُنکی کوئی چھوٹی بڑی بات مخفی نہ رہ سکتی تھی۔ ہزارہا میل کے فاصلے پر بیٹھے ہوئے ایسی نگرانی فرماتے تھے کہ گویا وہیں موجود ہیں آپ نے حضرت خالد کو حمام کے واقعہ کے متعلق لکھا جسکا جواب اُنہوں نے دیا کہ وہ ابٹنا بنا ہوا تھا شراب نہ رہا تھا۔ غرض ان دونوں واقعوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ نے امیر عساکر حضرت امین الامت ابو عبیدہؓ کو لکھا کہ خالد کی مشکیں اُنکے عمامے سے باندھکر اور عمامہ سر پر سے اتار کر مجمع عام میں کھڑا کریں اور اُن سے دریافت کریں کہ یہ انعامات کہاں سے دیئے ہیں۔ مال غنیمت میں سے یا اپنے مال سے اگر وہ یہ جواب دیں کہ اموال غنیمت میں سے دیئے ہیں تب تو صریح خیانت ہے۔ اور اگر یہ کہیں کہ اپنے مال میں سے دیئے ہیں تو یہ اسراف اور مال کا ضائع کرنا ہے اور ہر حال میں انکو امارت سے

معزول کرکے اُنکے متعلقہ کام کو اپنی نگرانی میں لیلیں۔ حضرت امین الامتہ نے بہ تعمیل احکام خلیفۃ الاسلام حضرت خالد کو قنسرین سے طلب فرما کر ایک عام جلسہ کیا۔ خود ممبر پر بیٹھے۔ حضرت عمرؓ کے یہاں سے جو صاحب حکم نامہ لیکر آئے تھے وہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے حضرت خالد سے سوال کیا کہ اشعب کو انعام کہاں سے دیا حضرت خالد نے کچھ جواب نہ دیا۔ حضرت ابو عبیدہ ساکت و صامت منبر پر بیٹھے تھے۔ آخر حضرت بلالؓ نے کھڑے ہو کر حضرت خالد سے فرمایا کہ امیر المومنین کا حکم آپ کے بارہ میں یہ ہے۔ اور کلاہ اُتار کر نیچے رکھی اور اس کے بعد اُن کو کھڑا کر کے عمامہ سے باندھا۔

یہ سب کچھ کیا گیا۔ مگر حضرت خالد نے احکام خلافت کی حرمت اور اطاعت کے لحاظ سے کسی بات سے اُنکو نہیں روکا جب کلاہ اُتار چکے اور عمامہ سے اُنکو کس دیا گیا تو کہا اب تبلاؤ کہ اشعب کو انعام کہاں سے دیا۔ اپنے مال میں سے یا غنیمت میں سے۔ حضرت خالد نے جواب میں کہا غنیمت میں سے نہیں بلکہ اپنے مال میں سے دیا۔ یہ جواب سنکر حضرت ابو عبیدہ نے اُنکو کھولدیا۔ اور اپنے ہاتھ سے کلاہ سر پر رکھی اور اپنے ہاتھ سے اُنکا عمامہ باندھا اور ارشاد فرمایا۔

نسمع و نطیع لولاتنا	ہم اپنے والی اور خلفاء کے حکم کو سنتے اور اطاعت کرتے ہیں اور
و نفخم و نخدم موالینا	اپنے ہم جد لوگوں کی تعظیم کرتے اور اُن کی خدمت کرتے ہیں۔

یہ سب کچھ تو ہو چکا۔ مگر حضرت ابو عبیدہ نے اُن کی عظمت اور بزرگی کے لحاظ سے معزولی کی اطلاع دینا مناسب نہ سمجھا حضرت خالد کو یہ حیرانی پیش تھی کہ اب میں کیا کروں۔ معاملہ اسی پر ختم ہو چکا ہے۔ اب مجھکو اپنے مستقر پر جا کر ابو عبیدہؓ کے کاموں کو سرانجام دینا چاہیئے۔ یا اسکے بعد معزول بھی ہو چکا ہوں۔

ایک عرصہ اسی تحیر میں گذر گیا۔ آخر جب مدینہ منورہ حاضر ہونے میں دیر ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ازروئے فراست سمجھ لیا کہ اُنکو معزولی کی اطلاع نہیں دی گئی۔ تب آپنے براہ راست اُنکو مدینے چلے آنیکے لئے لکھا حضرت خالد کو اپنی معزولی اور واپسی مدینے کا حکم ملا۔ تب اول تو آپ قنسرین تشریف لیگئے۔ وہاں مجمع عام میں خطبہ پڑھا اور سب کو رخصت کیا۔ اسکے بعد حمص تشریف لائے اور وہاں بھی عام جلسہ میں خطبہ پڑھکر سب کو الوداع کہا اور مدینے منورہ کی جانب روانہ ہوگئے یہاں پہنچکر حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

قد شکوتک الی المسلمین	میں نے آپ کا شکوہ مسلمانوں کو کیا قسم ہو خدا کی آپ میرے
نبا اللہ انک فی امری لغیر مجمل	معاملہ میں اچھا سلوک کرنے والے نہیں ہیں۔

حضرت عمر نے فرمایا اس قدر مال کہاں سے آیا۔ اور یہ ثروت کیونکر نصیب ہوئی۔ عرض کیا مال غنیمت کے سہام سے ساٹھ ہزار سے جو زائد ہو وہ آپ لے لیجئے۔ تخمینہ کرایا گیا تو ساٹھ ہزار سے بیس ہزار زائد تھا اُسکو لیکر بیت المال میں داخل کر لیا گیا۔ اس کے بعد حضرت خالد سے خطاب کر کے فرمایا۔

یا خالد واللہ انک علی لکریم وانک الی لحبیب	اے خالد قسم ہے اللہ کی تم مجھے بہت ہی عزیز اور محبوب ہو۔

اور پھر تمام امصار و بلاد کے مسلمانوں اور والیوں کو عام اطلاع بدیں مضمون فرمادی۔

انی لم اعزل خالدا عن سخطة ولا خیانة و لکن الناس فخموه وفتنوا به فخفت ان یوکلوا الیه فاحببت ان یعلموا ان اللہ هو الصانع ولا یکونوا بعرض فتنة۔	میں نے خالد کو ناراضی یا خیانت کی بناء پر معزول نہیں کیا لیکن لوگوں کے دلوں میں اُنکی عظمت زیادہ ہوگئی تھی اور وہ فتنہ میں مبتلا ہوگئے تھے مجھ کو اندیشہ ہوگیا تھا کہ اُنہیں پر بھروسہ کر بیٹھیں اسلئے میں نے پسند کیا کہ وہ جان لیں کہ کرنیوالا محض اللہ تعالیٰ ہے اور وہ فتنہ میں مبتلا نہ ہوں

اسکے بعد بیس ہزار کی رقم جو حضرت خالد سے لیکر بیت المال میں داخل کی تھی وہ اُنکو واپس فرمادی معزولی اور حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہونے پر حضرت خالد کے اُن کارناموں کا جن سے دنیا متحیر تھی اختتام ہوتا ہے۔ اسکے بعد حضرت عمر نے اگرچہ بار بار اصرار فرمایا کہ وہ کوئی عہدہ ولایت ملک یا سپہ سالاری افواج قبول فرمائیں مگر انکار کرتے رہے اور کسی عہدہ کو قبول نہ فرمایا۔ عزلت و یکسوئی کی حالت میں بقیہ عمر کو گذار دیا۔ ۲۱ھ میں بمقام حمص (ملک شام) یا مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

حضرت خالد کو حسرت تھی کہ میدان کارزار میں اُنکی وفات نہ ہوئی بلکہ بزدلوں یا کاہل اور سست لوگوں کی طرح بستر راحت پر جان دی۔ وہ اپنی آخری حالت میں فرماتے تھے کہ ہر موقع پر اپنے قتل و موت کا متلاشی رہا مگر نصیب نہ ہوا اور آج میں بستر پر جان دیتا ہوں۔ یہ بھی فرمایا کہ میں سو معرکوں میں شریک ہوا ہوں اور میرے بدن پر بالشت بھر جگہ بھی ایسی نہیں جسمیں تلوار یا نیزہ یا تیر کا زخم نہ لگا ہو مگر آج اونٹ کی طرح بستر پر مرتا ہوں۔ خدا بزدلوں کی آنکھ کو لذت سے آشنا نہ کرے۔ یعنی بزدل اور راحت پسندوں کو راحت وعیش نصیب نہ ہو۔

حضرت خالد کے اُن حالات کی طرف جو ایک مؤمن کامل صاف باطن آلائش کدورات نفسانی سے طاہر و مطہر ہو چکا ہو اور جس کے جسم و روح اوصاف کمال سے متصف جلال و جمال خداوندی کے سامنے اپنے اختیار و ملکات سے منسلخ ہو چکے ہوں ہمارے بیان مذکورہ میں کافی اشارہ ہو چکا ہے اُن کے علاوہ اور بھی واقعات ایسے ہیں جن سے آپ کی مقبولیت عند اللہ اور حب دنیا و ما فیہا

ثم جمع الناس وجلس لهم على المنبر فقام البريد فسأل خالدا من اين اجاز الاشعث فلم يجبه وابو عبيدة ساكت لا يقول شيئا فقام بلال فقال ان امير المؤمنين امر فيك بكذا وكذا ونزع عمامته فلم يمنعه سمعا وطاعة ووضع قلنسوته ثم اقامه فعقله بعمامته وقال من اين اجزت الاشعث أمن مالك ام من اصابة اصبتها فقال بل من مالي فاطلقه واعاد قلنسوته ثم عممه بيده ثم قال نسمع ونطيع لولاتنا ونفخم ونخدم موالينا - کامل ابن اثیر صفحہ ۲۰ ج ۲

سے کامل یکسوئی کا پورا ثبوت مل سکتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اسلام لانے کے بعد ہی سے آپ اپنا تعلق دنیا کی لذتوں اور راحتوں، مال و دولت اولاد و رفقاء سے منقطع کر چکے تھے۔ یہانتک کہ وہ ضروری اسباب معیشت کو جنکی ہر متنفس کو ضرورت ہوتی ہے اور اُس سامان حرب و ضرب کو جو عرب کی زندگی کا ایک لازمی جزو تھا اور بالخصوص اُس شخص کیلئے جو اپنی جان کو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کے لئے سپر بنائے ہوئے ہو نہایت ہی لازمی تھا، ستعار حیثیت سے زیادہ رکھنا پسند نہ فرماتے تھے۔

اصابہ میں صحیحین سے حضرت ابوہریرہ کی حدیث نقل کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خالد نے اپنی زرہ اور سامان کو فی سبیل اللہ وقف کر دیا ہے۔ یعنی اپنی ملکیت سے نکال دیا اور بطور متولی اپنا قبضہ باقی رکھا جسکا حاصل یہی ہے کہ جسطرح مملوک مال میں وراثت جاری ہوتی ہے ان میں نہ ہوگی۔ یہ تو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کا واقعہ ہے جو حضرت خالد کے اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا۔ لیکن اسکے بعد بھی آپ اپنا سامان اسی طرح فی سبیل اللہ وقف کرتے رہے۔ سیاق حالات اسکی شہادت دیتا ہے کہ آپ نے ہمیشہ اس کا خیال رکھا ہے کہ سب سے بہتر اور مرغوب نفس اشیاء کو اپنے ملک میں باقی نہ رکھیں۔ وفات کیوقت گھوڑا اور آلات حرب جو اُن کی ملک میں تھے اُن کو بھی وقف فرمادیا۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی بیسیوں اولاد موجود تھی مگر دنیا سے یکسوئی اور بے تعلقی نے یہ رنگ دکھلایا کہ تھوڑے ہی زمانہ بعد سلسلۂ اولاد منقطع ہوگیا۔ اور آج اُس نامور شہ مرد اور فدائے اسلام کی کوئی یادگار موجود نہیں اُن کا قلب جس طرح دنیا سے بے لگاؤ تھا۔ اسی طرح اُنکے تعلقات جسمانی بھی روئے زمین سے منقطع کر دیئے گئے اور سوا اُس اصل اُصول تعلقات اسلامی اور مذہبی قومی علاقہ کے کوئی علاقہ باقی نہ رہا اور یہی وہ علاقہ ہے جس کی وجہ سے آج اُن کی یاد دلوں میں اسی طرح تازہ ہے جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھی۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے بے اختیارانہ کرامات کا صدور بھی ہوا مثلاً زہر کی ڈلی کو نگل جانا جس کا بیان گذر چکا ہے۔ یا شراب کا سرکہ بنجانا۔ ایک شخص شراب کا مشکیزہ لئے ہوئے آپ کے سامنے آیا۔ دریافت کیا اس میں کیا ہے اُس نے کہا یہ سرکہ ہے آپ نے فرمایا۔

جعلہ اللہ خلا۔ | (خدا تعالیٰ اس کو سرکہ بنا دے)۔

دیکھا تو وہ سرکہ ہی تھا۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب آپ کی دعا سے

شہد بنگئی۔ ممکن ہے کہ واقعات متعدد ہوئے ہوں ایک موقع پر شراب کا سرکہ بنگیا ہو اور ایک موقع پر شہد اور یہ بھی ممکن ہے کہ واقعہ ایک ہی ہو اور یہ اختلاف روایت کا اختلاف ہو بہر حال نفس قبولیت دعا میں شک کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو معزول ضرور کیا اور وہ معزولی جیسا کہ وہ خود فرما چکے ہیں۔ کسی بدظنی کی وجہ سے نہ تھی اور نہ حضرت خالد پر کوئی الزام تھا۔ اگر ظاہری طور پر الزام تھا بھی تو اُن کے پاس ایسا جواب موجود تھا جسکو سنکر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مان لیا تھا اور باوجود حضرت عمر کے اصرار کے معزول نہ کیا تھا۔ معزولی کے اسباب کو حضرت عمر نے مختلف مواقع میں خود ظاہر فرمایا ہے اور سب سے بڑے سبب کو ہم ابھی حضرت عمر کے الفاظ میں نقل کر چکے ہیں لیکن آپ کو اُن سے وہی تعلق باقی تھا اور وہی محبت قلب میں مرکوز تھی جو صادق الایمان افراد میں ہوتی ہے اور جو حضرت عمر جیسے صاحب فراست مدبر اور صاحب باطن کو حضرت خالد جیسے بہادر اور کارگذار وجان نثار کے ساتھ ہونی چاہیے تھی۔ معزولی کے بعد قبول عہدہ پر اصرار اسی کی دلیل ہو۔ حضرت خالد نے وقت وفات حضرت عمر کو اپنا وصی مقرر کیا۔ جو اس کی کافی شہادت ہو کہ حضرت خالد کے دل میں اس معزولی کا جس کا ظہور ظاہر بینوں کے خیال میں بے عنوانی یا بالفاظ دیگر ہتک آمیز طریقہ سے ہوا تھا کچھ اثر باقی نہ تھا بلکہ جن حکم اور مصالح کو حضرت عمر سمجھتے تھے اُنکو حضرت خالد بھی خوب جانتے تھے۔ آخر سب کے سب ایک اُستاذ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے شاگرد۔ ایک مرشد کے حلقہ بگوش ایک ہی مدرسہ کے تعلیم یافتہ ایک ہی خانقاہ کے فیضیاب تھے۔ کیوں نہ ہو ارشاد جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔

اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم	میرے اصحاب ستاروں جیسے ہیں جس کا اقتدار کروگے ہدایت پاؤگے۔

حضرت خالد کو معرکہائے قتال سے یہ شغف اور خدمت اسلام کا یہ ذوق وشوق جو خود فرماتے ہیں کہ کلمہ توحید وشہادت کے بعد کوئی عمل میرے نزدیک اُس رات سے زیادہ کار آمد اور موجب اجر نہیں کہ میں اندھیری رات میں جبکہ آسمان سے بارش بھی ہو رہی ہو۔ ڈھال تلوار لگائے صبح کا انتظار کر رہا ہوں اور پھر کسی ایسی خدمت کو قبول نہ کرنا جس میں انکی دلی تمنائیں پوری ہوں۔ خود اسی کی دلیل ہے کہ معاملہ عزل میں جن حکمتوں اور مصلحتوں پر حضرت عمر کی نظر تھی انکو حضرت خالد بھی ایسا ہی سمجھے ہوئے تھے۔

حضرت خالد کی وفات پر حضرت عمر نے کمال ندوہ وملال کا اظہار فرمایا۔ خاندان بنی مخزوم کو ایسے ناموم

فدائی اسلام کی مفارقت کا قلق اور بے انتہا قلق ہونا لازمی اور ضروری امر تھا اُنکے خاندان کی عورتیں سب کی سب اس جانگداز صدمہ پر حزن و ملال کیلئے جمع ہو کر ماتم کر رہی تھیں۔ حضرت عمر وہ شخص ہیں کہ صدیق اکبر کی وفات پر اُنکے پسماندوں نے کچھ اضطراب کا اظہار کیا تو اُسی وقت بشدت روک دیا اور گو انکا اضطراب حد جواز میں داخل ہو مگر آپ نے صدیق اکبر کے گھر میں اسکو بھی پسند نہ کیا اور آج جبکہ نساء بنی مخزوم خالد جیسے شیر مرد پر رونے اور آنسو بہانے کے لئے جمع ہوئیں[1] تو آپ نے صرف اتنا فرمایا۔

ما علیھن ان یبکین ابا سلیمان مالو یکن نقع او لقلقة۔	کیا حرج ہے اگر وہ ابو سلیمان پر روئیں۔ بشرطیکہ آوازیں بلند نہ ہوں۔ ماتم کی صداؤں سے شور برپا نہ ہو۔

حضرت عمر نے ایک شخص کو رجز میں حضرت خالد کے اوصاف و مدائح کرتے سُنا تو اُس کو حد توہین میں داخل نہ سمجھا اور نہ ممانعت فرمائی۔ بلکہ خود بھی زبان مبارک سے فرمایا۔

رحم اللہ خالدا	اللہ تعالیٰ خالد پر رحمت نازل فرمائے۔

حضرت طلحہ ابن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی زبان سے اُنکا ذکر خیر سُنا تو بطور تمثیل یہ شعر پڑھا۔

لا الفینک بعد الموت تندبنی	وفی حیوتی ما زودتنی زادی

ایسا نہ ہو کہ مرنے کے بعد مجھے یاد کرو اور زندگی میں مجھے میسر ہے توشہ اور ما یحتاج واجبی سے بھی محروم رکھا

اسمیں اشارہ تھا کہ زندگی میں تو آپ نے اُنکے ساتھ بیرخی اور اعراض کا معاملہ کیا اور اب آپ اُنکے اوصاف سُنتے اور بیان کرتے ہیں حضرت طلحہ ابن عبید اللہ کا یہ فرمانا جو عشرہ مبشرہ میں ایک فرد اور کامل و مکمل درجہ کے صحابی تمام رموز اسرار شریعت سے واقف اور حکم و مصالح انتظامی کے محرم راز تھے حضرت عمر کی ایمانی فراست اور دور بینی و دور اندیشی کو بخوبی جانتے اور سمجھتے تھے بطور اعتراض ہرگز نہ تھا بلکہ بطور مزاح اور خوش طبعی تھا حضرت عمر بھی اسکو اعتراض نہ سمجھتے تھے تاہم آپنے حضرت خالد کے بارے میں اپنی رائے کے اظہار کو مناسب سمجھا اور فرمایا۔

انی ما عتبت علی خالد الا فی تقدمہ وما کان یصنع فی المال۔	میں نے خالد پر سوائے اسکے کسی بات پر عتاب نہیں کیا کہ وہ استقلال رائے سے کام کر بیٹھتے تھے اور مال کو بھی اپنے اختیار سے صرف کرتے تھے۔

فتوحات اسلام کی توسیع اور اسلام کی تقویت و تائید میں حضرت خالد کی یگانہ شجاعت و بسالت اور فوق الفطرة شہادة دتوقہ کے حالات اکثر باخبر حضرات سے مخفی نہیں ہیں اور جیسا کہ اقتضائے عقل و تجربہ ہے یہ حالات اُنکے ذاتی اوصاف و ملکات کی طرف منسوب ہیں اور ہو سکتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں جبکہ وہ خود ہادی برحق سے برسر مقابلہ و مقاتلہ ہوتے تھے اُنکی شجاعت کے کارنامے سب ہمچشموں سے فائق و برتر تھے اسلام نے انہیں ملکات و

[1] لما حضرت خالدا الوفاة قال لقد شہدت مائة زحف او زہاہا وما فی بدنی موضع شبر الا وفیہ ضربة او طعنة او رمیة وہا انا اموت علی فراشی کما یموت البعیر فلا نامت اعین الجبناء وما من عمل ارجی من لا الہ الا اللہ وانا متترس بہا - اشہر مشاہیر الاسلام صفحہ ۱۶ ج ۱ ولما مات اجتمع نساء بنی المغیرة یبکین علیہ فلما بلغ ذالک عمر قال ما علیہن ان یبکین ابا سلیمان مالم یکن نقع او لقلقة ایضاً صفحہ ۱۶ ج ۱

قوئی میں ایمان کی تازہ روح پھونکدی تھی۔ اُنکے وہ ملکات جو دنیا اور جاہ و ریاست کی طلب و تقویت میں صرف ہوتے تھے اب تلوثات بشری سے معرا و منسلخ ہو کر خدا کی راہ میں صرف ہونے لگے۔ یہ سب کچھ صحیح ہے اور اسکو اسی طرح مان لینا چاہئے۔ مگر حضرت خالد اپنی تمامتر کامیابیوں کو موئے مبارک کی برکت کا ثمرہ سمجھتے تھے جو اُنکی کلاہ میں ٹکے ہوئے تھے جسکو سر پر رکھکر میدان کارزار میں نکلتے تھے۔ ایک بار میدان یرموک میں یہ کلاہ گم ہو گئی حضرت خالد کے قلق و اضطراب کی کوئی انتہا نہ تھی لوگوں کو اُسکی تلاش پر مامور کیا نہ ملی۔ تو پھر تاکید کی کہ جسطرح ہو سکے تلاش کر کے لاؤ۔ خود بھی اسی جستجو میں برابر گشت کرتے رہے۔ آخر مل گئی لوگوں نے اسقدر اضطراب و فکر کا سبب پوچھا۔ فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار عمرہ میں فرق مبارک کے بال منڈائے لوگ اُنکے لئے دوڑے مگر میں نے سب سے آگے بڑھ کر لیلیا۔ اور اپنی ٹوپی میں رکھ لیا۔ اسکے بعد جب کسی معرکہ میں شریک ہوا ہوں تو یہ ٹوپی میرے ساتھ رہی ہے اور اُسکی برکت سے نصرت و فتح کے آثار نمایاں ہوتے رہے ہیں۔

یہ تھا صحابہ کا ایمان کامل اور اپنے ہادی کے ساتھ عقیدت و محبت کا حال۔ ایک شیر دل جانباز مدبر و فرزانہ جس کی ساری عمر انہیں بہادرانہ کاموں میں گذری ہو۔ جو معرکہائے جنگ و قتال کو بچوں کے کھیل سے زیادہ نہ سمجھتا ہو۔ نور ایمانی نے اُسکے دلمیں حقائق اور ممکنات کے راز کو منکشف کر دیا اور اب کسی فعل کو اپنی ذات یا صفات کی طرف سے نہیں سمجھتا۔ اس زمانہ کے روشن خیال تو اسکو توہم پرستی یا عامیانہ عقیدت پر محمول کر سکتے ہیں۔ مگر حقیقت الامر یہی ہے جو وہ سمجھے اور ہر مومن کامل کو ایسا ہی سمجھنا چاہئے۔

حضرت خالد کے تینوں ناموں کا حال مختصراً اس بیان میں آچکا ہے۔ ہم اسوقت اُنکی تاریخ لکھنے کے درپے نہیں ہیں ورنہ اور بھی کچھ حالات لکھ سکتے تھے۔ ہمارے اس بیانمیں اُنکے دوبارہ معزولی کے حالات بھی گذر چکے ہیں۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ ہم اُنکی معزولی کے اسباب کو تفصیل سے بیان کر کے ایک تنقیدی نظر ڈالیں جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ اصلی سبب اُسکا کیا تھا۔

حضرت خالد ایک دلیر اور جانباز سپاہی تھے اور ایسے شخص سے بمقتضائے جرأت بعض افعال ایسے بھی سرزد ہو جاتے ہیں جو بظاہر تدبر انجام بینی کے خلاف معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت خالد معاملات حربیہ کے اندر تدبر میں بھی آگے بڑھے ہوئے تھے چنانچہ گذشتہ بیانات سے اسکا ثبوت مل چکا ہے۔ تاہم اُنسے بعض ایسے امور بھی صادر ہوئے جو خود جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی منشاء مبارک کے خلاف و مصلحت اسلام کے منافی تھے۔ سب سے پہلا واقعہ تو وہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی جذیمہ کیطرف اُنکو بھیجا۔ اُنکو دعوت اسلام کیلئے بھیجا گیا تھا نہ مقاتلہ کیلئے لیکن وہاں پہنچکر بمقتضائے حالات حضرت خالد نے بنی جذیمہ کے چند افراد کو قتل کر دیا جسکی خبر پہنچنے پر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر فرمایا۔

اللھم انی ابرء الیک مما صنع خالد	الٰہی میں خالد کے اس فعل سے بری ہوں۔

لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود اس اظہار ناراضی کی انکی اس حرکت کو غلطی رائے کے سوا کسی امر پر محمول نہیں فرمایا اور اسیوجہ سے اُن کو پھر بھی ایسی ہی اہم خدمات کے لئے مامور فرماتے رہے۔ چنانچہ دومتہ الجندل کی نواب اکیدر ابن عبدالملک کے مقابلہ کیلئے بھیجے گئے اور وہ اس کو قید کر لائے اسطرح نجران کیطرف قبیلہ مذحج کی ہدایت و تبلیغ اور درصورت عدم انقیاد و تسلیم مقاتلہ کے لئے بھیجے گئے۔ آپ وہاں گئے۔ اُنکو دعوت اسلام دی۔ وہ لوگ مسلمان ہوگئے اور آپ اُنکو ارکان اسلام کی تعلیم دینے کیلئے خود تو وہاں اقامت پذیر رہے۔ مگر ان حالات کی اطلاع تحریری جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں بھیج دی جس پر ارشاد صادر ہوا کہ خود مع اُن لوگوں کے جو آنا چاہیں یہاں حاضر ہوجائیں آپ ایک جماعت کو لیکر حاضر خدمت ہوگئے۔

اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک برابر خدمات انجام دیں اور ہر ممکن سعی سے آپ کی رضا حاصل کرتے رہے۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ سب حالات پیش نظر تھے۔ ایک طرف آپ حضرت خالد کی جوہر ذاتی سے واقف دوسری جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتماد کا جو اُن پر تھا حال جانتے تھے۔ بارگاہ رسالت پناہ سے جو خطابات اُن کو عطا ہوئے تھے اُن کا بھی علم تھا۔ اس لئے مسند خلافت حقہ پر متمکن ہوتے ہی صدیق اکبر نے بھی مہمات اسلامیہ کے سرانجام کیلئے اُن پر اعتماد فرمایا۔ فتنۂ ارتداد کا انسداد مسیلمہ کذاب جیسے سخت اور قوی ترین دشمن اسلام کی سرکوبی اُن کے ہاتھوں انجام پذیر ہوئی۔ مگر اس زمانہ میں بھی اُن سے بعض امور ایسے سرزد ہوئے جن کی اگر صحیح تاویل نہ کی جاتی تو وہ مورد اعتراض بن سکتے تھے۔

مالک ابن نویرہ بھی اُنہیں لوگوں میں تھا جس نے خلافت صدیق اکبر میں فتنۂ ارتداد کے اندر حصہ لیا تھا حضرت خالد نے مختلف اقوام وقبائل کو سیدھا کرتے ہوئے موضع بطاح کی طرف جہاں مالک ابن نویرہ کا قیام تھا رخ کیا تو اب مالک کو فکر ہوئی۔ وہ اپنی حرکت پر نادم تھا اُسنے اپنی قوم کو جمع کرکے نصیحت کی اور کہا بہتر یہ ہے کہ ہم اپنی حرکت کا تدارک کرکے حلقہ بگوش بن جائیں۔ یہاں تو مشورہ کے بعد یہ طے ہوا اُدھر حضرت خالد نے بطاح کیطرف بڑھنا چاہا تو انصار نے متابعت سے بدیں وجہ انکار کیا کہ قبیلہ بزاخہ سے فراغت کی بعد ہم کو بارگاہ خلافت سے یہ حکم ہے کہ تا صدور حکم ثانی اسی جگہ مقیم رہیں۔ حضرت خالد

فرماتے تھے کہ اوّل تو مجھکو پیش قدمی کی اجازت مل چکی ہے اور اگر اجازت بھی نہ ملتی اور میری رائے میں یہی امر مناسب ہوتا تب بھی مجھے کرنا چاہئے تھا۔ ہمکو وقتِ فرصت ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے۔

یہ واقعہ بھی اُنہیں اُمور میں داخل ہو سکتا ہے جو حضرت خالد بمقتضاءِ مصلحتِ وقت بلا استفسار و اجازت اپنی رائے سے کر بیٹھتے تھے اور ایسے ہی امور کو حضرت عمر نے تقدم کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

حضرت خالد تو روانہ ہو گئے۔ انصار اوّل تو رُکے لیکن بعد میں وہ بھی جاکر شریک ہو گئے مالک فی الحقیقت اپنے خیالات کو ترک کر چکا تھا۔ ادھر سے حضرت خالد کا لشکر پہنچگیا اور کچھ سوار مالک کو مع ہمراہیوں کے اسیر کر لائے جو رات کو حضرت خالد کے حکم سے قتل کر دیئے گئے۔ مالک کے قتل کے بعد حضرت خالد نے اُس کی زوجہ سے نکاح کر لیا۔

لہ مالک ابن نویرہ اور اسکے رفقاء کا قتل کس طرح ہوا اس کی کیفیت ازالۃ الخفا میں بیان ہو چکی ہے۔

ادھر تو مالک کا قتل اُدھر اُس کی زوجہ سے نکاح کر لینا یہ دونوں امر ایسے تھے جس پر اکثر صحابہ کے خیالات انکی طرف سے بدل گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ناراضی انتہا کو پہنچگئی۔ آپنے صدیق اکبر سے اُنکو معزول کر دینے پر اصرار کیا۔ مگر صدیق اکبر نے حضرت خالد کے عذر اور تاویل کو صحیح مان کر معزولی سے انکار فرما دیا اور یہ فرمایا میں اُس تلوار کو کیونکر میان میں کر دوں۔ جس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعداء اسلام کیلئے میان سے نکالا ہے۔

دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کیوقت سے وفات تک تمام زمانہ سرفروشی و جاں نثاری میں دو معاملے اُنسے ایسے سرزد ہوئے تھے جنمیں وہ متہم ہو کر قابل عزل سمجھے جاسکتے تھے۔ ایک بنی جذیمہ کا قتل جو خود جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا جس پر آپنے اظہار ناخوشی بھی فرمایا۔ اور اسی واقعہ کی وجہ سے اُن میں اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف میں تیز کلامی اور مناقشہ بھی ہوا جسکی تفصیل گذر چکی ہے دوسرا یہ واقعہ جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد میں پیش آیا۔ اوّل واقعہ میں تو اُنپر یہ گمان ہو سکتا تھا کہ انہوں نے بنی جذیمہ کو اپنے چچا فاکہ ابن المغیرہ کے عوض قتل کیا ہے اور دوسرے میں یہ گمان ہو سکتا تھا کہ مالک ابن نویرہ کو معہ رفقاء کے اسوجہ سے قتل کرا دیا کہ اُسکی حسین و جمیل بیوی سے نکاح کرنا تھا اور یہ دونوں باتیں ایسی سخت تھیں کہ اُن سے کسی طرح درگذر نہ ہو سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ دونوں واقعوں میں مہاجرین و انصار نے اُن کا ساتھ نہ دیا بلکہ بگڑ بیٹھے۔ باوجودیکہ یہ دونوں فعل نہایت ہی ناگوار تھے اور وہ عمداً انہیں اغراض کی تحصیل کیلئے کئے جاتے جسکا ظاہر الگمان ہو سکتا تھا صادر ہوتے تو اُنسے کسیطرح درگذر

نہ کیا جاتا۔ مگر حضرت خالد نے جو کچھ کیا اُس میں اُن کی غرض کو ہرگز دخل نہ تھا۔ بنی جذیمہ کا قتل صرف اس وجہ سے ہوا کہ اُنہوں نے اپنے اسلام کو ایسے الفاظ میں ظاہر کیا جن سے مفہوم ہوتا تھا کہ وہ اسلام سے پھر گئے ایسی حالت میں اُن کا قتل جائز تھا۔ ہاں توقف اور تامل کیا جاتا اُنسے اُن کے مطلب کی توضیح کرائی جاتی تو بہتر اور مقتضاءِ احتیاط تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ انکی اس فعل سے برارت ظاہر فرمائی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کیساتھ بہت سا مال بھیج کر سارے قبیلہ کا خون بہا اور نقصان مال ادا کیا۔ مگر حضرت خالد کو بھی معذور سمجھا۔

اور گو اکثر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ظاہری صورت سے بہت ہی متاثر ہو کر حضرت خالد سے ناخوش و کبیدہ تھے۔ مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت شناس نظر میں ایک جانب تو حضرت خالد کا عذر صحیح تھا۔ دوسری جانب وہ خدماتِ اسلام بھی پیش نظر تھیں جو اُن کے ہاتھ سے سرانجام ہونے والی تھیں۔

مالک ابن نویرہ اور اُس کے رفقا کا قتل عمداً نہیں ہوا۔ بلکہ حضرت خالد نے حکم دیا تھا کہ انکو سردی سے محفوظ کر دیا جائے۔ لغت اور زبان کے فرق سے غلط فہمی ہوئی اور وہ قتل کر دیئے گئے۔ قتل ہونیکے بعد ہر مسلمان کو جائز تھا کہ مقتول کی زوجہ سے عقد نکاح کرے۔ مقتضاء احتیاط یہ ضرور تھا کہ موضع تہمت سے بچنے کیلئے حضرت خالد ایسا نہ کرتے۔ مگر کر لیا تو اُس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مالک کو قتل بھی اس وجہ سے کرایا تھا۔ ظاہری صورت ایسی تھی کہ صحابہ جیسے پختہ کار شریعت و احکام اسلام پر مر مٹے ہوئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو اسلام کا فرض اولین سمجھنے والے کیونکر اسکو ٹھنڈے دل سے دیکھ سکتے تھے۔ خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہم جن کی شان واشدھم فی امر اللّٰہ عمر (خدا کے کام میں سب سے زیادہ پختہ اور مضبوط عمر ہیں۔) تھی کیسے سکوت کر سکتے تھے۔ اُن کے معزول کر دینے پر اصرار کیا۔ مگر بارگاہ خلافت میں یہ درخواست منظور نہ ہوئی۔ حضرت خالد کے عذر تسلیم کر لئے گئے اور اُنکو اُسکے بعد بھی اہم مہماتِ اسلام کی سرانجامی کا عظیم الشان کام سپرد کر دیا گیا۔

اس معاملہ میں صدیق اکبر نے وہی طریقہ اختیار فرمایا جو اسی قسم کے ایک واقعہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اختیار فرما چکے تھے۔ حضرت عمر نے گو اُس سے اختلاف کیا اور مقتضاء سد باب فتنہ دانش و تدبیر و سیاست و انتظام تھا۔ مگر جب صدیق اکبر کی رائے کو ایک جانب استوار و محکم دیکھا تو سوا سکوت

وتسلیم چارہ نہ تھا۔

یہ حالات تو زمانہ رسالت مآب و زمانہ خلافت صدیق اکبر کے تھے جسکے دیکھنے اور سمجھنے سے صاف ظاہر ہے کہ گو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور حضرت عمر کو اُن کے یہ افعال کھٹکے۔ مگر انکی وجہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر کے نزدیک وہ قابل عزل نہ سمجھے گئے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں اُن کو معزول کیا اور اسکی اصل وجہ کیا تھی۔

ہمارے سابق بیانات سے واضح ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُن کو دو بار معزول کیا اول مرتبہ مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی جبکہ حضرت خالد میدان یرموک میں اپنے سے اضعاف مضاعف دشمن سے برسر مقابلہ ترتیب صفوف اور حملہ کی تیاری میں مصروف تھے۔ دوسری مرتبہ جبکہ حضرت خالد نے اس معزولی کو ٹھنڈے دل سے قبول کر کے وہ نمایاں خدمات انجام دیں کہ حضرت عمر کو بھی اُنکی شاندار کارنامے دیکھ کر امّر خالد نفسه رحم الله ابا بکر هو كان اعلم بالرجال مني فرمانا پڑا۔

اول معزولی کی وجہ تو وہی واقعات ہو سکتے ہیں۔ جو اُنسے زمانہ خلافت صدیق اکبر میں پیش آئے دوسری معزولی اور میدان کارزار سے یکلخت طلب کر کے مدینے منورہ بلا لینے۔ اسلامی عسکر کو ایک ایسے جری۔ مدبر۔ صاحب فراست۔ جانباز کی خدمات سے محروم کر دینے کے وجوہ وہی واقعات ہو سکتے ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ یعنی شاعر کو انعام دینا وغیرہ۔ لیکن کیا حقیقت میں بھی یہی وجوہ معزولی کی تھیں۔ یہ امر غور طلب اور قابل تحقیق ہے۔

اس بارہ میں اوّل تو ہمکو واقعات کی حقیقت۔ صدیق اکبر کی رائے اور حضرت عمر کی شان کو دیکھنا چاہیے اور پھر خود حضرت عمر کے اقوال کو پیش نظر رکھ کر نتیجہ نکالنا چاہیئے۔

قابل الزام واقعات اور اُنکے باوصف حضرت صدیق کی رائے مبارک کا حال معلوم ہو چکا ہے ادھر حضرت عمر کی شان انقیاد للحق اور انخلاع از شوائب نفسانیت کا حال بھی معلوم ہے۔

اکثر مورخین اسلام نے واقعات عزل کو ترتیب حالات نقل کر دینے پر قناعت کی ہے اور زمانہ حال کے تاریخ نویسوں کا میلان یہ معلوم ہوتا ہے کہ عزل کے اصلی وجوہ یہی واقعات ہیں جو حضرت خالد سے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم یا زمانہ خلافت صدیقی یا خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیش آئے لیکن میرے خیال میں اسکا فیصلہ کرنا زیادہ غور و فکر کا مقتضی ہے اور مجھے قبل اسکے کہ اس

معاملہ میں اپنے خیال کا اظہار کروں بطور تمہید چند امور کا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) مقربین اور کامل افراد سے بھی لغزش ہو جاتی ہے اور ایسے امور جو بظاہر قابل گرفت ہوتے ہیں سرزد ہو جاتے ہیں اور اُن سے درگذر اور عفو بھی ہوتا ہے۔ اُنکی تاویل حسن بھی کی جاتی ہے اگر ایسا نہ ہو تو کوئی فرد بھی ایسا نہ نکلے گا جس پر اعتماد کیا جا سکے۔ اور اُسکو خدمات دین کی سرانجامی کا اہل سمجھا جائے ہاں لغزشوں میں باعتبار صدور و تاثیر و باعتبار شذوذ و تکرار فرق ہوتا ہے۔ کبھی ایک لغزش و خطا کے اسباب صدور ایسے ہوتے ہیں جنکی وجہ سے اُس شخص کی معذوری ظاہر ہوتی ہے اور وہ شخص باوجود اس تقصیر کے مردود و معتوب الٰہی نہیں بنتا اور کبھی اُسکے اسباب و علامات ایسے ہوتے ہیں کہ اُنکی وجہ سے اُس شخص کی بارہ میں آرا کا اختلاف ہو جاتا ہے کوئی اُس کو معذور سمجھتا ہے تو دوسرا متہم۔

علیٰ ہذا ایک بار کسی لغزش کا صدور ہو جانا اس قدر قابل گرفت نہیں ہوتا جتنا بار بار اُسی قسم کی خطاؤں و لغزشوں کا۔ اصرار سے گناہ صغیرہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے اور ندامت و پشیمانی کے بعد کبیرہ بھی ہلکا بن کر قابل عفو ہو جاتا ہے۔

(۲) کسی ایک معاملہ میں جو اپنے اندر دونوں پہلو منفعت و مضرت کیلئے ہوتا ہے مجتہدین کی رائے میں اس وجہ سے اختلاف ہوتا ہے کہ ایک مجتہد کو ایک جانب پیش نظر ہوتی ہے اور دوسرے کو دوسری جانب احکام فقہیہ میں مجتہدین امت کے اختلاف کی وجہ یہی ہے کہ ایک کی نظر عزیمت پر ہوتی اور دوسرے کی رخصت پر یہ دوسرا امر ہے کہ عند اللہ کسی معاملہ میں عزیمت کو ترجیح ہو اور کسی میں رخصت کو۔

(۳) احکام اجتہادیہ میں ایک مجتہد کو دوسرے کی تقلید ضروری نہیں ہے۔ اگرچہ مجتہدین کے درجات اجتہاد و وفور علم و دقت نظر میں فرق ہو۔ مگر ہر ایک مجتہد اپنے اجتہاد پر عمل کر سکتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو صاحبین امام اعظم سے۔ امام شافعی امام مالک سے۔ امام احمد شافعی سے علی ہذا یہ سب مجتہدین امام اعظم سے کسی مسئلہ میں اختلاف نہ کرتے۔

(۴) ایک حکم کی بہت سی علتیں اور ایک واقعہ کے بہت سے سبب ہو سکتے ہیں اور اس حکم کو مستقلاً ہر ایک علت و سبب کیطرف منسوب کرنا جائز ہوتا ہے۔ گو حکم لگانیوالے کے علم میں یہ فرق ملحوظ ہو کہ ان سب علتوں اور اسباب میں باعتبار تاثیر کیا فرق ہے وہ اس حکم ظاہری اور حقیقی علت میں فرق سمجھتا ہو۔ مگر اُسکو مصلحت وقت اور بمناسبت مخاطب یہ اختیار ہے کہ اس حکم کو کبھی ظاہری علت کیطرف منسوب کر دے۔

اور کبھی حقیقی کی طرف کبھی ایک سبب کو بیان کر دے کبھی دوسرے کو۔

جب یہ امور ممہد ہو چکے تو اب سنئے کہ حضرت خالد کی عظمتِ شان۔ جلالتِ قدر۔ کمالِ تقویٰ وتدین۔ بے انتہا شجاعت و بسالت۔ اعلیٰ تدبر و فراست تو ایسے تسلیم شدہ ہیں کہ کوئی شخص اُن سے انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن اُنسے کسی لغزش کا سرزد ہو جانا مستبعد نہیں اور نہ اُن کے درجہ کو گھٹا سکتا ہے اگر کسی سے احیاناً کسی لغزش کا سرزد ہو جانا مرتبے سے گرا دینے کیلئے کافی ہے تو اب ہر شخص کو مشکل ہو جائیگی۔ خصوصاً ایسی لغزشوں سے جنکا تعلق حظوظ نفسانیہ سے نہو بلکہ رائے اور تدبیر یا فہم مراد سے ہو۔

حضرت خالد سے بھی بعض ایسے امور صادر ہوئے جنکا تعلق ظاہراً تو رائے و اجتہاد سے تھا لیکن اُن میں گنجائش سوء ظن کی بھی تھی۔ سب سے پہلی بات تو بنی جذیمہ کے قتل کی تھی۔ حضرت خالد تو فرماتے تھے کہ میں نے اُنکو مسلمان سمجھ کر قتل نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے صبانا کہا تھا۔ جسکے صاف معنی دین سے پھر جانیکے تھے۔ گو اُن کی مراد یہ ہو کہ ہم اپنے دین سابق بت پرستی و شرک سے پھر کر دینِ اسلام میں داخل ہو گئے مگر عرفِ عام کے مطابق اُسکے معنی دینِ حق سے پھر جانیکے تھے۔ چنانچہ کلام مجید میں بھی صابئین کا استعمال اسی معنی میں ہوا ہے۔ صحابہ میں سے بعض بڑے درجے کے افراد کا دھیان اُس طرف گیا کہ انہوں نے اپنے حظ نفس کی وجہ سے اُن کو قتل کیا۔ اور لفظ صبانا کو اس کا بہانہ بنایا۔

چنانچہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے اُن پر یہ الزام لگایا کہ تم نے اپنے چچا فاکہ ابن المغیرہ کے قصاص میں قتل کر کے دیرینہ عداوت نکالی ہے۔ حضرت خالد کا عذر بالکل صحیح تھا۔ اور منشاء اُن کے اس فعل کا ہرگز وہ اثر نہ تھا جسکی جانب حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کا خیال رجوع ہوا۔ اسی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے عذر کو تو تسلیم فرمالیا۔ اور بنی جذیمہ جو فی الحقیقت مسلمان ہو کر مسلمانوں کے ہاتھوں سے بوجہ غلطیِ رائے کے قتل ہوئے تھے بیت المال سے اُنکا خونبہا عطا فرمادیا۔ ادھر حضرت خالد کی یہ پہلی بات تھی۔ اور ایک ذمہ دار شخص سے جو دین کی اشاعت کیلئے نکلا ہو۔ اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کا کام جسکے سپرد ہو ایسے اُمور کا پیش آجانا کچھ مستبعد نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اس موقع پر حضرت خالد کا خیال صحیح نکلتا۔ اور اُن کو اس حالت میں " کہ بنی جذیمہ مشہور شریر اور جنگجو قبیلہ تھا " امن دیکر مسلمانوں میں خلط ملط ہونیکی اجازت دیدی جاتی تو ممکن تھا کہ مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ جاتا۔ اور اُس کے ساتھ ہی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کو وہ فتوحات اسلام میں بھی پیش نظر تھیں جو اُن کے ہاتھوں ظہور پذیر ہونیوالی تھیں۔ اس لئے آپنے اس سے بالکل درگذر فرمایا۔ اُن پر کسی قسم کا عتاب نہیں فرمایا۔ اور وہ ایسی ہی خدماتِ دین کے سرانجامی پر مامور رہے۔ لیکن چونکہ اس واقعہ میں وہ احتمال بھی تھا جس کی جانب حضرت عبدالرحمٰن کا خیال گیا۔ کیونکہ حضرت خالد کے چچا بنی جذیمہ کے ہاتھ سے قتل ضرور ہوئے تھے اور کم از کم اتنا ضرور تھا کہ حضرت خالد نے اُنکے قتل کرانے میں عجلت کی۔ اگر اُن سے مکرر استفسار کر لیا جاتا تو ممکن تھا کہ وہ اپنے مطلب کو وضاحت سے بیان کر سکتے جس سے اُنکے حقیقتاً مسلمان ہونے پر اعتماد ہو جاتا اور اس طرح وہ قتل سے اور حضرت خالد شائبہ تہمت سے محفوظ ہو جاتے۔ اس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جانب تو درگاہِ خداوندی میں حضرت خالد کے فعل سے اپنی برات ظاہر فرمائی۔ اور دوسری جانب حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف پر عتاب نہیں فرمایا کہ تم ایک مسلمان پر سوء ظن کیوں کرتے اور ایک بری کو متہم کیوں بناتے ہو۔ بلکہ جب دونوں میں تیز کلامی ہوئی تو خالد ہی کو مھلا یا خالد دع عنك اصحابی فرما کر گفتگو سے روک دیا اور حضرت عبدالرحمٰن کے ادب و احترام کو قائم رکھنے کا حکم دیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ واقعہ بالکل نسیاً منسیاً ہو گیا صحابہ کی ایک جماعت بالخصوص وہ مہاجرین و انصار جو باوجود حضرت خالد کے زیر کمان ہونیکے بنی جذیمہ کے قتل میں شریک نہیں ہوئے تھے بلکہ اس فعل کو مکروہ و قابل اعتراض سمجھتے تھے ابتداً اس واقعہ کی وجہ سے ناراض ضرور تھے۔ مگر اب سب کے دل صاف ہو گئے تھے۔

اس کے بعد حضرت خالد سے دوسری بات خلافت صدیقی میں مالک ابن نویرہ کے قتل اور اُس کی زوجہ سے نکاح کی پیش آئی یہ واقعہ پہلے بچند وجوہ اہم تھا۔ اول تو اس وجہ سے کہ ایک ہی قسم کی یہ مکرر غلطی تھی کیونکہ پہلے واقعہ میں اگر بنی جذیمہ نے ایسے لفظ استعمال کئے تھے جو دونوں معنوں کو محتمل تھے۔ تو اس موقعہ پر حضرت خالد نے مالک ابن نویرہ اور اُسکے رفقاء کو سردی سے بچانے کیلئے ایسے لفظ دافئوا اسرٰکم کا استعمال کیا جس کے دوسرے معنی کنانہ کی زبان میں قتل کر دینے کے تھے اور ظاہر ہے کہ ایک قسم کی غلطی کا مکرر واقع ہونا خیالات میں زیادہ انقلاب پیدا کر دیتا اور قبولِ عذر کو مشکل بنا دیتا ہے ایسے ذمہ دار شخص کو اس قسم کے امور سے پرہیز نہایت ضروری ہوتا ہے۔

دوسرے اس وجہ سے کہ یہاں مظنۂ تہمت بہ نسبت اُس واقعہ کے بڑھا ہوا تھا۔ بنی جذیمہ کی قتل میں اگر مظنہ تھا تو بہت ضعیف کیونکہ اوّل تو حضرت خالد بنی جذیمہ سے اپنے چچا کا بدلہ لے چکے تھے اب دوبارہ بدلہ لینے کی کیا ضرورت باقی رہی تھی ظاہر ہے کہ کسی ایک فرد کے عوض ساری قوم کو قتل نہیں کیا جاتا۔ دوسرے گفتگو اُن کی نیت میں تھی کہ کس نیت سے قتل کیا۔ اور ظاہر ہے کہ نیت عملِ قلب ہے نیت کا حال آثار سے معلوم ہو سکتا ہے اور آثار ایسے نہ تھے جن کی وجہ سے اُن کی نیت پر شبہ کیا جاتا۔

واقعۂ ثانیہ کی اہمیت نے صحابہ کے خیالات میں تغیر پیدا کر دیا۔ بنی جذیمہ کا بھولا ہوا واقعہ بھی تازہ ہو گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اُنکے معزول کر دینے کیلئے عرض کیا۔ اور صرف بطور اظہار رائے ہی عرض نہیں کیا بلکہ اسپر اصرار فرمایا اور جب حضرت خالد اس معرکہ سے فارغ ہو کر بارگاہ خلافت میں فاتحانہ حیثیت سے شترمرغ کے پروں کا طرہ عمامہ پر لگائے ہوئے حاضر ہوئے۔ اور حضرت عمر پر گذر ہوا تو آپ کو اُن کا یہ انداز پسند نہ آیا۔ اور فوراً سر پر سے عمامہ و طرّہ کو اُتار پھینکا حضرت خالد نے نہایت صبر و سکون سے تحمل کیا۔ اور خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت صدیق اکبر نے اس معاملہ میں اُن سے جواب طلب کیا تو واقعی حال عرض کر دیا۔ آپ نے اُن کے عذرِ معقول کو تسلیم فرمالیا اور کسی قسم کا عتاب کئے بغیر اُن کو بہ اصرار فرمایا۔ تو فرما دیا اُن سے ایک اجتہادی غلطی ہوئی ہے۔ میں اُس تلوار کو کیونکر میان میں کر دوں جس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعدائے دین کے لئے میان سے نکالا ہو۔ صدیق اکبر و فاروق اعظم میں یہ اختلاف رائے مجتہدین کا اختلاف تھا۔ حضرت صدیق اکبر کو ایک پہلو سر انجامی خدمات اسلام پیش نظر تھا اور آپ خیال فرماتے تھے کہ احیانی و اتفاقی لغزش جس کا وقوع مواقع حرب میں مدبرین سے بالکل ممکن ہے اُس کی بنا پر اُن کی اعلیٰ قابلیت سے کیوں چشم پوشی کی جائے۔ اور آپ کا یہ فیصلہ بالکل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق تھا۔ آپ کی دوربین نظر میں وہی حالات تھے جن کی بنا پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے واقعہ میں حضرت خالد سے کسی قسم کی باز پرس نہیں کی تھی اور فاروق اعظم کو دوسرے پہلو پیش نظر تھے تیسری بات حضرت خالد سے یہ پیش آئی کہ مقام مضیح میں قبیلہ ہذیل سے

اُن کا مقابلہ ہوا تو دو مسلمان شخص عبدالعزی ابن ابی ہم اور لبید ابن جریر جو باوجود مسلمان ہونے کے ہذیل کے جبر سے اُن کے ساتھ شریک ہو گئے تھے قتل ہو گئے۔ حضرت صدیق اکبر کو اُن کے قتل کی خبر پہونچی تو اُن کے ورثہ کو دیت دی۔

یہ واقعہ فی الحقیقت کچھ زیادہ اہم نہ تھا۔ کیونکہ دو مسلمان اگرچہ بمجبوری ہی سہی کفار کے ساتھ تھے مخلوط جماعت میں اُن کی حفاظت سہل بات نہ تھی۔ مگر حضرت عمر کو واقعۂ قتلِ مالک کی ناخوشی باقی تھی۔ اس واقعہ نے بے احتیاطی کے الزام کو جو سابق دو واقعوں میں حضرت خالد پر لگ چکا تھا تازہ کر دیا۔ حضرت صدیق اکبر نے اُس وقت بھی یہ فرما کر "جو شخص دشمنوں سے مقابلہ کرتا ہے اُس کو ایسے واقعات سے ضرور سابقہ پڑتا ہے" قصہ رفع دفع کر دیا۔

حضرت صدیق اکبر کا یہ ارشاد بالکل صحیح تھا۔ حضرت خالد اس معاملہ میں بالکل معذور تھے۔ یہی وجہ تھی کہ پہلے کی طرح حضرت عمرؓ نے بھی اُن کے عزل پر اصرار نہیں فرمایا۔

خلافتِ صدیقی ختم ہونیکے بعد خلافت فاروقی کا زمانہ آیا۔ اُس وقت حضرت خالد عراق میں نمایاں فتوحات کا سلسلہ قائم کر کے ملک شام کے میدان یرموک میں عساکر اسلامیہ کی کمان اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے عظیم الشان جنگ کی تیاری میں مشغول تھے۔ اور اسی حالت میں اُن کے پاس معزولی کا حکم بارگاہ فاروق اعظم سے یا باختلاف روایت عین اُس وقت جب کہ بحیثیت سپہ سالار اعظم دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے داد جانبازی دے رہے تھے۔ ایک اور بھی روایت ہے کہ معرکہ یرموک اور محاصرہ دمشق کے درمیانی زمانہ میں عزل کا واقعہ ہوا۔ اور میرے خیال میں باعتبار درایت یہ جانب قوی معلوم ہوتی ہے کہ اُن کی اول معزولی محاصرۂ دمشق کے وقت ہوئی کیونکہ اس معزولی کا جہانتک تواریخ سے ہم کو ثابت ہوتا ہے حاصل یہ ہے کہ وہ قیادتِ عامہ سے معزول کئے گئے۔ اگر وہ اس طرح معزول کئے جاتے کہ کسی حصہ فوج کے قائد بھی نہ رکھے جائیں تو حضرت ابو عبیدہ اس حکم کی خلاف ورزی کیسے کر سکتے تھے۔ جس طرح معزولی ثانی کے بعد ہر قسم کی افسری سے معزول ہوئے تھے۔ اب بھی کسی دستۂ فوج کی کمان اُن کے سپرد نہ رہتی حالانکہ روایات سے ثابت ہے کہ جس طرح حضرت عمرو بن العاص۔ شرجیل بن حسنہ۔ زید بن ابی سفیان وغیرہ علیحدہ علیحدہ جیوش کے مستقل سپہ سالار تھے۔ اسی طرح حضرت خالد بھی ایک مستقل جیش کے امیرِ عسکر تھے۔ فتح بیت المقدس

کے وقت جب فاروق اعظم خود تشریف لے گئے اور یہ حکم دیا کہ امرائے عساکر ہم سے بمقام جابیہ ملاقات کریں تو منجملہ امراءِ عساکر حضرت خالد بھی تھے اور حضرت خالد کی قیادتِ عامہ کی ابتداء معرکہ یرموک میں بھی عین اُس روز ہوئی جب کہ تمام عساکر اسلامیہ نے مجتمع ہوکر رومی عساکر پر حملہ کرکے اُن کو خندقوں سے نکالنا چاہا تھا۔ ابھی تک ان کی قیادتِ عامہ تسلیم ہی نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ تجویز یہ ہوئی تھی کہ باری باری ہر امیر عسکر قائدِ عام بنایا جائے۔ پھر جب کہ بارگاہ خلافت سے اُن کی قیادت عامہ کی بابتہ کوئی حکم صادر نہیں ہوا تھا۔ امراءِ عساکر نے ابھی تسلیم نہیں کیا تھا۔ تجویز میں کوئی خصوصیت حضرت خالد کی نہ تھی۔ تھی تو صرف اس قدر کہ اول دن کل افواج کی کمان اُن کے ہاتھ میں دیدی گئی۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ اُس غیر تسلیم قیادۃ عامہ کی خبر مدینہ منورہ پہنچ بھی جاتی اور وہاں سے عین معرکہ میں اُنکے عزل کا حکم بھی صادر ہو جاتا۔ ہاں یہ بات بالکل ممکن اور قرین قیاس ہے کہ معرکہ یرموک میں گو یہ تجویز ہوئی تھی کہ ہر امیر عسکر باری باری ایک ایک دن کل افواج کی کمان کرے مگر اول ہی دن کی قیادت عامہ کے نتائج کو دیکھکر پھر کسی امیر عسکر نے اس کو پسند نہ کیا کہ موافق تجویز سابق کوئی دوسرا قائدِ عام بنایا جائے اور اس طرح معرکہ یرموک اُن کی قیادتِ عامہ میں انجام کو پہنچا اور اس کے بعد دوسرے معرکوں میں بھی بحیثیت قائد عام کام کرتے رہے۔ یہانتک کہ باضابطہ بھی یہ جلیل القدر عہدہ اُن کے لئے تسلیم ہو گیا۔ اور اول مرتبہ فاروق اعظم نے اسی قیادتِ عامہ سے اُن کو معزول فرمایا۔

یہ ایک ضمنی بحث تھی جس کو ہم نے اس وجہ سے لکھا ہے کہ روایات میں اختلاف ہے اور مورخین نے ان واقعات کے جمع کر دینے پر کفایت کی ہے۔ ترتیب کی بابتہ کوئی فیصلہ نہیں دیا۔ البتہ زمانہ حال کے مصنف علامہ رفیق بک عظیم نے اشہر مشاہیر اسلام میں اس کو ترجیح دی ہے کہ اُن کی پہلی معزولی محاصرہ دمشق کے وقت ہوئی مگر وجوہ ترجیح کو تفصیل کے ساتھ انہوں نے بھی بیان نہیں کیا۔

اس ضمنی بحث سے فراغت کے بعد ہم اصل مدعا کی طرف عود کرتے ہیں۔

یہ بات تو کھلی ہوئی ہے کہ حضرت عمر بوجوہ چند در چند حضرت خالد سے ناخوش تھے آپ کے خیال میں حضرت خالد کے اندر ایک قسم کی تعجیل بھی تھی۔ جس کے نتائج چند واقعات میں ظاہر بھی ہو چکے تھے۔ اور ساتھ ہی ایک قسم کا استقلالِ رائے بھی تھا کہ بہت سے معاملات میں بلا انتظار حکم نامہ خلافت اپنی مستقل رائے سے کام کر بیٹھتے تھے۔ اس ناخوشی کا علم صدیق اکبر۔ تمام صحابہ اور امراء

عساکر اسلامیہ کو تھا۔ چنانچہ مثنیٰ ابن حارثہ جو حضرت خالد کے بعد عساکرِ عراقیہ کے سپہ سالار اعظم تھے اور جن کے ہاتھ پر عراق کا حصہ کثیر فتح ہو کر مسلمانوں کا سکہ بیٹھا تھا۔ مدینہ منورہ صدیق اکبر کے حضور میں بدیں غرض حاضر ہوئے کہ حالات و واقعات ملک عراق و معرکۂ قتال زبانی عرض کر کے یہ درخواست کریں کہ مرتدین عرب کے اُن افراد کو جن کے صدق اخلاص، خالص و بے لوث توبہ کا ثبوت مل چکا ہے اور وہ اس وجہ سے کہ صدیق اکبر نے مرتدین کے بارہ میں یہ فیصلہ فرما دیا تھا کہ عساکر اسلامیہ میں شریک کر کے دشمنانِ دین کے مقابلہ کیلئے نہ بھیجی جائیں۔ اب تک داخل عساکر نہیں ہوئے تھے۔ معرکہائے قتال میں شرکت کی اجازت دی جائے کیونکہ تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ اُن میں جوش و حمیتِ اسلام کی آگ بھری ہوئی ہے اور وہ نہایت ذوق و شوق سے مجاہدین کی ساتھ ہو کر لڑنے مرنے کو تیار ہیں۔ تو آپ ایسے وقت مدینے منورہ پہنچے کہ صدیق اکبر حیوۃ کی آخر منزل طے کر کے سفرِ آخرت کے تہیہ میں تھے۔ مگر اسی حالت میں صدیق اکبر نے فاروق اعظم کو بدیں الفاظ وصیت فرمائی۔

انی لارجو ان اموت یومی ھذا فاذا مت فلا تمسین حتی تندب الناس مع المثنی ولا تشغلکم مصیبۃ عن امر دینکم و وصیۃ ربکم فقد رایتنی متوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما صنعت وما اصیب الخلق بمثلہ واذا فتح اللہ علی اھل الشام فاردد اھل العراق الی العراق فانھم اھلہ و ولاۃ امرہ واھل الجراءۃ علیھم۔

مجھے امید ہے کہ میری وفات آج [illegible] گی۔ میری وفات کے بعد شام ہونے سے پہلے لوگوں کو مثنیٰ کے ساتھ جانیکے لئے تیار کر دینا۔ کوئی مصیبت تم کو دین کے معاملات اور خداوند عالم کے احکام کی تعمیل سے مشغول نہ کرے۔ تم نے دیکھا ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کیا کیا۔ حالانکہ مخلوق پر اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت نازل نہیں ہوئی ہے۔ پھر جب خدا تعالیٰ ملک شام کو فتح کر دے تو اہل عراق کو (مراد وہ امدادی لشکر ہے جو عراق سے حضرت خالد کے زیر کمان عساکرِ شامیہ کی امداد کے لئے بھیجا گیا تھا) عراق میں واپس کر دینا۔ کیونکہ کفارِ عراق پر جری اور وہاں کے لائق وہی ہیں۔

فاروق اعظم نے صدیق اکبر کے دفن سے فراغت پا کر لوگوں کو مثنیٰ کے لشکر میں شریک ہونیکے

لئے آمادہ کیا اور فرمایا:-

قد علم ابو بکر انہ یسوءنی ان اؤمر خالد افلھذا امرنی ان ارد اصحاب

خالد وترك ذکرہ معہ۔

ابوبکر صدیق کو معلوم ہے کہ میں خالد کے امیر بنانے کو پسند کرتا ہوں۔ اسی لئے آپ نے خالد کے

لشکر کو عراق واپس کر دینے کا حکم تو دیا۔ مگر خالد کا ذکر نہیں فرمایا۔

فائدہ۔ حضرت صدیق اکبر اپنی وفات کی خبر ان الفاظ میں دیتے ہیں انی لارجو (میں امید کرتا ہوں) یہ نہیں فرماتے انی لاخشی انی لاخاف (مجھے اندیشہ ہے) اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کا قلب شوقِ لقاء اللہ۔ وحضوری دربار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسقدر معمور تھا کہ ایک لحظہ بھی دار دنیا میں قیام کو پسند نہیں فرماتے تھے اور اُس وقت کے انتظار میں امید کی گھڑیاں گن رہے تھے۔

یہ ہے شان صدیق اکبر کی اور یہی ہے مضمون حدیث شریف من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ (جو شخص خدا کی ملاقات کو جو بعد موت حاصل ہوتی ہے) دوست رکھتا ہے خدا تعالیٰ بھی اُسکی لقاء کو محبوب سمجھتا ہے) لیکن اس حالتِ وجد و شوق میں کہ ایک منٹ دنیا میں رہنا گوارا نہ تھا۔ اور اس حالتِ وجد میں اپنی جسمانی تکالیف کی طرف بھی مطلق التفات نہ تھا۔ دین کی فکر اس قدر غالب تھی کہ آخر دم تک اُسی میں انہماک رہا۔ وہی فکر سب فکروں سے غالب تھا۔ مؤمن کی شان یہی ہونی چاہیے۔ کہ سرور و حزن۔ فراخی و تنگی۔ ترقی و تنزلی صحت و مرض۔ سب حالتوں میں دین کا خیال غالب رہے۔ اُسی کا استحکام پیش نظر رہے کوئی خیال اُس پر غالب نہ آئے۔

غم دین خور کہ غم غم دین است　　　ہمہ غمہا فروتر از دین است

حاصل یہ کہ حضرت عمر کی ناخوشی حضرت خالد سے ظاہر و باہر تھی۔ ایسی حالت میں اس معزولی کو بجز اُس ناخوشی کے کسی اور سبب پر محمول کرنا مشکل ہے اور اسی وجہ سے مؤرخین اس عزل کو ثمرہ کبیدگی سابق بتلاتے ہیں۔ اور اگر ایسا ہی ہو تو کچھ جائے اعتراض بھی نہیں کیونکہ حضرت خالد سے بعض ایسے اُمور سرزد ہوئے تھے جن سے عام ناخوشی پھیلنے کیساتھ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو بھی باوجود حضرت خالد کے عذر کو تسلیم فرمانے اور اُن کو معذور سمجھنے کے عنداللہ ...... اُس فعل سے برارت کرنیکی نوبت آئی جس سے صاف ظاہر ہے کہ بات ناپسندیدہ تھی ہاں چونکہ حضرت خالد نے عمداً نہیں کیا تھا۔ اس لئے وہ بھی معذور تھے اور صدیق اکبر کے نزدیک بھی وہ امور جو باعث کبیدگی فاروق اعظم تھے۔ ضرور قابل گرفت تھے۔ چنانچہ اُن کی استقلال رائے تعجیل وجرارت کو کہ اسلامی عساکر کو بلا سردار چھوڑ کر خفیہ طرح حج کر آئے ناپسند فرمایا۔ اور اس طرح تنبیہ فرمائی کہ قیادۃِ عامہ عراق سے معزول کر کے ایک دستہ فوج کے ہمراہ شام جانے کا حکم دیا۔

اور اگرچہ بارگاہ صدیق اکبر سے برخلاف رائے فاروق اعظم حضرت خالد کی امارت عساکر پر برقرار رکھنے کا فیصلہ صادر ہو چکا تھا اور اس وجہ سے شاید کسی کو خلجان پیدا ہو کہ حضرت فاروق نے اُس حتمی فیصلہ کو کیسے مسترد فرما دیا۔ مگر پھر بھی یہ بات قابل اعتراض نہیں۔ اول تو صدیق اکبرؓ فاروق اعظم دونوں مجتہد مستقل تھے۔ اور ہر ایک کی رائے واجتہاد کے لئے وجہ وجیہ موجود تھی۔ زمانۂ خلافت صدیقی میں حضرت عمر کا درجہ وزیر اعظم کا تھا۔ اُن کا فرض تھا کہ حکمنامۂ خلافت کے سامنے گردن جھکا دیں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہوں نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا تھا اسلئے جب وہ مستقل خلیفہ ہوئے تو اُن کو اپنے اجتہاد پر عمل کرنا ضروری ہو گیا۔ علاوہ بریں ایک حکم جو کسی وقت صادر ہوتا ہے یہ ضرور نہیں کہ ہمیشہ کیلئے باقی رہے۔ ممکن ہے کہ صدیق اکبر جنہوں نے باوجود اصرار فاروق اعظم حضرت خالد کو معزول نہیں کیا تھا کسی دوسرے وقت اُن اُمور کی بنار پر جو لوگوں کی نظر میں کھٹکتے تھے یا کسی اور غابر و دقیق مصلحت کی بنار پر معزول کر دیتے۔

مگر میرے خیال میں عزلِ اول کی وجہ صرف یہی ناخوشی و کبیدگی نہ تھی۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو تصریح فرما دیتے کہ کسی ایک دستہ کی کمان بھی اُن کے سپرد نہ کی جائے۔ ظاہر ہے کہ امین الامت پہلے ہی سے ایک جیش کے امیر عسکر تھے۔ اُن کا تقرر امارت عسکر پر اب جدید نہ تھا۔ جو یوں خیال کیا جاتا کہ حضرت خالد کے دستہ کی امارت اُن کو دی گئی ہے بلکہ اُن کو قائم کرنیکے یہ معنی تھے کہ قیادت عامہ جو حسب تسلیم امرار اجناد و تسلیم خلیفہ ارشدان کے سپرد ہے وہ اُن سے لیکر امین الامۃ کو دیدی جائے اور جب امارت عسکر پر وہ قائم رکھی گئی تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ فقط اس ناخوشی کی بنار پر معزول کئے گئے۔ کیونکہ وہ امور تو ایسے نہیں تھے کہ اُن کے بعد کسی قسم کی افسری پر وہ قائم رہ سکتے زمانۂ

صدیق اکبرؓ میں تو اُن امور کی وجہ سے اُن کی کلیۃً ہر قسم کی افسری سے معزول کرنے کا اصرار فرمائیں اور اب امارتِ عسکر پر قائم رکھیں۔ فاروق اعظمؓ جیسے شدید فی امر اللہ سے تو ایسی مداہنت کی توقع کوئی مسلمان نہیں کرسکتا۔ اور یہ خیال کہ آپنے تو اُن کو مطلقاً معزول فرمادیا تھا۔ مگر امین الامتہ نے ایک جیش کی کمان اُن کے ہاتھ میں دیدی کسی طرح قابل تسلیم نہیں۔ وہ زمانہ ایسا نہ تھا کہ صحابہ خلیفہ راشد کے حکم کو معمولی سلاطین کا حکم سمجھ کر اُس کے خلاف کو جائز سمجھتے۔ حالانکہ سلاطین دنیا کے احکام کے خلاف بھی کوئی نہیں کرسکتا اور جب یہ بات ہے تو ہر مسلمان کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ معزولی کی وجہ فقط وہی سابق امور نہ تھے ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُن کا اثر اور دخل اس معزولی میں ضرور تھا۔ لیکن اُن کے ساتھ وہ پہلو بھی جو حضرت صدیق اکبرؓ کے پیش نظر تھا۔ اور حضرت عمرؓ کے بار بار اصرار کے بھی عزل سے مانع تھا متمثل ہو کر سامنے آگیا تھا یعنی ادھر تو حضرت خالدؓ کے ہاتھ سے فتوحاتِ عراق کی بنیاد مستحکم ہو چکی تھی ادھر شام کے عظیم ترین معرکوں کا انجام اُنہیں کی تدابیرِ حرب و جانبازی کا نتیجہ تھا۔ بڑے بڑے شہر و قلعے اہم مقامات اُنہیں کے ہاتھ سے فتح ہوئے تھے۔

حضرت عمرؓ نے جہاں اُن کی عظیم الشان فتوحات اور نمایاں کارنامے ملاحظہ فرمائے اُس کیساتھ ہی آپ کو یہ بھی احساس ہوا کہ مسلمانوں کے قلوب میں اُن کی عظمت و عزت اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ ان تمام فتوحات اور اسلام کی بسرعتِ تمام ترقیات کو حضرت خالدؓ کی جدوجہد اُن کی تدبیر و فراست شجاعت و بسالت کا نتیجہ سمجھنے لگے ہیں جس سے آپ کو یہ اندیشہ ہوا کہ خاص افراد و جلیل القدر صحابہ پر تو کچھ اثر ہونا مستبعد ہے مگر عوام اور بالخصوص جدید الاسلام افراد اور اسی طرح قرون مابعد میں اگر یہ خلجان پھیل کر راسخ ہوگیا تو خداوند عالم کے فضل و رحمت پر سے نظر اُٹھ کر اسلام کے سارے کرشمے اور اُس کے تمام نمایاں آثار و برکات انسانی تدابیر پر منحصر ہو جائیں گے۔ اور یہ سخت رخنہ ہوگا جو ایک طرف تو مسلمانوں کے اصلی عقیدہ کو کہ "سواء خداوند عالم کوئی دوسرا کارساز نہیں ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے اُسی کے حکم سے تدبیر کے موافق ہوتا ہے۔ تدابیر کی یہ تاثیرات نہیں ہیں۔ تدابیر ایک ذریعہ اور بہانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں" بدل دے گا۔ ادھر جب مسلمانوں کے خیالات فاسد ہوں گے تو خدا تعالیٰ کی رحمت بھی اُن کی طرف متوجہ نہ رہیگی۔ اور اسلام کا یہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔ نہ اسلام رہیگا نہ مسلمان اور نہ پھر فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوگا۔ نہ ظہور دین کا غلبہ بلکہ یہی حالت رہی تو جو ممالک

فتح ہوئے ہیں وہ بھی نکل جائیں گے۔

اس امر کا احساس ہوتا ہے۔ آپ کو مسلمانوں کے سنبھالنے، فسادِ عقیدہ اور ترکِ توکل و اعتماد علی اللہ سے بچانے اسلام کو تھامنے کی فکر ہو گئی۔ آپ کے متوکل دل نے جسمیں فراست ایمانی کیساتھ نصح و ہمدردی خلق خدا کوٹ کوٹ کر بھری تھی اور آپکے عزمِ راسخ اور ہمتِ بلند کے آگے دشوار کام بھی سہل ہو جاتے تھے۔ خدا تعالیٰ کے کام میں آپ کو لوم لائم وطعنِ طاعن کی ذرہ بھر پروا نہ تھی۔ یہ ٹھان لی کہ اس کا علاج بجز اس کے کچھ نہیں کہ اُن کو قیادۃِ عامہ کے منصب سے معزول کر کے محض قیادۃِ جیوش کی صورت میں رکھا جائے۔ قیادۃ عامہ کی صورت میں جو فتح ہوئی تھی۔ یا اسلام کی ترقی و استحکام کا جو کام بھی ہوتا تھا وہ صرف اُنہیں کے نامزد ہوتا تھا۔ قیادتِ جیش کی حالت میں اگر اُن کے نامزد ہو گا بھی تو وہی کام جو اُن کے دستہ فوج سے خاص اُن کے ہاتھ کسی مخصوص صورت میں صادر ہو۔ آپ کو اس جانب سے اطمینان کلی تھا کہ مسلمانوں میں کے خاص تو کیا عوام افراد بھی ایسے نہیں کہ احکامِ خلافت کی تسلیم میں کچھ چون وچرا کو دخل دینگے۔ اُن کو حضرت خالد سے کیسی بھی محبت ہو۔ اُن کی عظمت دلوں میں کیسی ہی کچھ کیوں نہ ہو اسلام کی فتوحات ان کی مساعیِ جمیلہ کا ثمرہ کیوں نہ سمجھتے ہوں مگر حکم کی تسلیم میں اور وہ بھی برضا تسلیم میں کسی کو تردد نہ ہو گا۔ اس لئے مسندِ خلافت پر متمکن ہوتے ہی سب سے پہلے حضرت خالد کی معزولی کا حکم صادر فرمایا جو بلا انکار و تردد تسلیم کر لیا گیا۔ کسی کے دل میں بمقتضا عظمتِ خالدی یا عدم علم حکمت عزل کا کھٹکا ہو مگر کچھ چرچا نہوا عام طور پر اس عزل کا سبب وہی امور سمجھے گئے جو باعث ناخوشی فاروق اعظم تھے مگر درحقیقت یہ بات نہ تھی اور اگر حقیقتاً یہ بات ہوتی تو جو شخص ایسے امور میں متہم ہو وہ قیادۃِ جیوش کے قابل کیونکر ہو سکتا تھا۔ حقیقتاً تو وہی خیال تھا کہ عام قلوب میں اُن کی عظمت خارج از اعتدال خدا تعالیٰ کی رحمت وفضل سے محرومی کا سبب بن جائے۔ مگر چونکہ عام قلوب میں اس خیال کی ابھی ابتدا ہی تھی اس لئے آپنے اسی قدر کو کافی سمجھا کہ قیادۃِ عامہ سے معزول کر کے قیادۃِ جیوش پر قائم رکھا اور امور سابقہ کی بنا پر بھی جس قدر احتیاط مناسب تھی اُس کیلئے بھی اسقدر انتظام کو کافی خیال فرمایا۔ اور چونکہ اس حکم میں دونوں پہلو ملحوظ نظر تھے اسلئے آپنے عام مخاطبین کے خیال سے تو وجہ عزل اُسی ناخوشی کو بیان فرمایا۔ لیکن خواص کی تسلی واطمینان اور حضرت خالد کو تہمت وسوء

ظن سے بچانے کیلئے اصلی وحقیقی وجہ کو واشگاف کر کے بیان فرمایا۔

ہم اوّل بیان کر چکے ہیں کہ ایک چیز کے کئی سبب ہو سکتے ہیں۔ یہاں بھی ایک سببِ ظاہری تھا اور ایک حقیقی۔ دونوں کو بجائے خود عزل میں دخل تھا۔ مگر حقیقی سبب امرِ آخر تھا۔ دیکھئے مثنیٰ ابن حارثہ قائد عام عراق بھی معزول کئے گئے۔ مگر اتنا فرق ضرور تھا کہ عام قلوب میں اُن کا وہ اثر نہ تھا جو حضرت خالد کا تھا۔ نہ سلسلۂ فتوحات اُن کے ہاتھوں سے اس قدر قائم ہوا تھا جس قدر اُن کے ہاتھ سے اسلئے آپ کو اُن کے عزل کیلئے کسی سبب ظاہری کے بیان کرنیکی ضرورت پیش نہ آئی تھی۔ ہاں انکو اتہام اور سوء ظن سے محفوظ رکھنے کیلئے یا اُن کی دل شکنی کو رفع کرنے کیلئے جو ممکن ہے کہ عزل سے پیدا ہوئی ہو اصلی اور حقیقی وجہ کو بیان فرمادیا۔

اس ہمارے بیان سے معزولیِ اوّل کی دُو وجہ حضرت عمر کے بیانات کا تطابق بخوبی معلوم ہو گیا ہمیں امید ہے کہ اس کے بعد کسی ذی عقل وفہم کو نہ حضرت عمر کے اختلافِ بیان میں خلجان رہے گا۔ نہ اصلی اور ظاہری اسباب کے جمع کرنے میں دقت پیش آئے گی۔ نہ حضرت خالد کو کسی معاملہ میں قابل اعتراض سمجھنے کی جرأت ہو سکے گی۔ یہانتک تو معزولی اوّل کا بیان تھا اب دوسری معزولی کے متعلق سنئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصلاحِ خیالات اور احتیاطِ ظاہری کیلئے ان کو قیادہ سے معزول کر دینا کافی خیال فرمایا۔ مگر حضرت خالد کی حسن تدبیر فطرۃ بلند ایسی واقع نہ ہوئی تھی کہ اس حالت میں بھی اُن کی برتری سے کوئی انکار کر سکتا اُنہوں نے ایک جیش کی افسری میں بھی اپنے آپ کو قائد عام ثابت کر دیا۔ امین الامۃ قائد عام تھے مگر حضرت خالد کی خدمات نے آپ کا اعتماد واطمینان اس درجہ بڑھا دیا تھا کہ سب کام اُنہیں کی رائے سے ہوتے تھے اور گویا حقیقتاً سپہ سالار اعظم حضرت خالد ہی تھے اسی حالت کو دیکھ کر حضرت عمر نے ارشاد فرمایا امّر خالد نفسہ الخ۔ یعنی ہم نے تو خالد کو معزول کیا تھا۔ مگر اُن کے کارناموں نے خود اُن کو امیر بنا دیا۔

جب یہ انتظام کافی نہ ہوا۔ بلکہ حضرت خالد کیساتھ جو حسنِ عقیدت مسلمانوں کو تھا یا جو اعتماد اُنکی حسنِ تدبیر۔ فراست ودانائی پر تھا پہلے سے زیادہ بڑھ گیا۔ اور اس بے نفسی اور لوجہ اللہ جانفروشی نے اور بھی اُن کی عظمت بڑھا دی کہ معزولی سے متاثر ہونے کی بجائے اور زیادہ چست وچالاک ہو گئے۔

جب مسلمانوں کے دلوں میں اُن کی عظمت واقتدار کو اعتدال سے زیادہ بڑھتے دیکھا اور وہی فتنہ جس سے بچنے کیلئے آپنے اُن کو اوّل مرتبہ معزول فرمایا تھا۔ اب پہلے سے زیادہ مہیب صورت میں ظاہر ہونے لگا تو آپ کو اسکے انسداد کی فکر پہلے سے زیادہ ہوئی اور ضرری ہوا کہ اُن کو تمام خدمات سے معزول کر کے واپس بلا لیا جائے۔ اس وقت چونکہ مسلمانونکے قلوب میں سابق سے زیادہ اُن کی محبت قائم ہو چکی تھی اور بلا وجہ عزل میں عام تشویش پھیل جانے کا خطرہ ہو سکتا تھا۔ ادھر جب مسلمانوں میں اُن کی یہ عظمت و محبت تھی جس کے آثار کا ظہور یعنی عساکر کی جانب سے اُنکی تعظیم و تکریم کا ہونا لازمی امر تھا تو یہ بالکل ممکن تھا کہ حضرت خالد میں بھی کوئی مضمون اپنے نفس پر اعتماد کا یا اُن خدماتِ جلیلہ کو اپنی طرف منسوب سمجھنے کا پیدا ہو جائے۔ اس لئے ایک طرف اگر مسلمانوں کو ورطۂ ہلاکت سے بچانا ضروری تھا تو دوسری جانب حضرت خالد کو بھی کسی خطرہ موہومہ سے محفوظ رکھنا مدنظر تھا معزولی اوّل کے بعد حضرت خالد سے اُس قسم کی تو کوئی بات پیش آئی نہ تھی جیسے بنی جذیمہ یا مالک ابن نویرہ کے قتل کی پیش آچکی تھی۔ صرف دو واقعے پیش آئے تھے ایک تو کسی شاعر کو انعام میں کثیر رقم کا دیدینا دوسرے حمام میں جاکر ایسے اُبٹنے کا استعمال جس میں شراب ملی ہوئی تھی۔ ان دونوں واقعوں کو سابق واقعات قتل بنی جذیمہ و قتل مالک بن نویرہ وغیرہ سے کیا نسبت مسلمانونکا قتل غلطی رائے سے ہو یا غلطی فہم سے سخت اور عظیم الشان امر ہے اور یہ دونوں امر ایسے نہ تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اگر شاعر کو انعام دینا اسراف میں داخل سمجھا تو حضرت خالد کے خیال میں وہ اسراف نہ تھا۔ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب قصیدہ بانت سعاد کو ردا مبارک انعام میں عطاء فرمائی تھی۔ رہی مقدار تو یہ انعام دینے والے کی ہمت و وسعت اور وسیع الخیالی کا ثمرہ ہے۔ کسی سائل کو ضرورت و حاجت سے زیادہ دینا جائز ہے۔ تو شاعر کو بھی جو بمنزلہ ایک سائل کے ہوتا ہے جائز ہے اور پھر اُسمیں ایکدوسری وجہ اتقاء شر یعنی اُسکی بدزبانی سے اپنی عزت و آبرو کو بچانا بھی موجود ہو سکتی ہے۔ اس لئے رقم کثیر بطور انعام دیدینے میں اُن کے نزدیک کچھ ہرج نہ تھا۔

عباس ابن مرداس نے جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کچھ اشعار کہے تو ارشاد فرمایا۔

اقطعوا عنی لسانہ قالوا	اس کی زبان کو قطع کر دو عرض کیا کس چیز سے قطع کریں ارشاد
بماذا یا رسول اللہ قال مر لہ	ہوا کہ اس کو ایک حلہ یعنی دو چادریں دیدیں جس سے

بحلة قطع بها لسانه (اس کی زبان بند ہو جائے)

حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہ نہایت سخی و کریم تھے کسی سائل کے سوال کو رد کرنا جانتے ہی نہ تھے اور عطاء وجود اور اجراء امداد کا سلسلہ جو کسی کے ساتھ ہوتا تھا منقطع فرماتے تھے ایک مرتبہ آپ نے ایک شاعر کو انعام میں رقم کثیر عطا فرما دی۔ کسی نے اعتراض کیا۔

انعطی شاعرا یعصی الرحمٰن ویقول البهتان (کیا آپ شاعر کو اسقدر رقم دیتے ہیں جس کا شیوہ حق تعالیٰ کی نافرمانی اور مخلوق پر بہتان بندی ہے)

آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔

ان خیر ما بذلت من مالك ما وقیت به عرضك وان من ابتغاء الخیر اتقاء الشر (جن مواقع میں تو اپنا مال خرچ کرتا ہے اُن سب میں بہتر آبرو کی حفاظت کا موقع ہے۔ شر سے محفوظ رہنا بھی طلب خیر میں داخل ہے)

مروی ہے کہ ایک شاعر نے آپ کی مدح کی آپ نے انعام میں بھاری رقم عطا فرما دی۔ اس پر لوگوں نے ملامت کی تو فرمایا۔ اترانی خفت ان یقول لست ابن فاطمة الزهراء بنت رسول اللہ ولا ابن علی ابن ابیطالب ولکنی خفت ان یقول لست کرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا کعلی رضی اللہ عنهم فیصدق ویحمل عنه ویبقی مخلدا فی الکتب محفوظا علی السنة الرواة فقال الشاعر انت واللہ یا ابن رسول اللہ اعرف بالمدح والذم منی۔

(کیا تمہارے خیال میں مجھکو اس بات کا اندیشہ تھا کہ وہ یہ کہتا کہ آپ فاطمۃ الزہرا یا علی ابن ابی طالب کے صاحبزادے نہیں ہیں نہیں مجھ کو اس امر کا اندیشہ تھا کہ وہ یہ کہتا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے یا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی مثل نہیں ایسا کہتا تو یقیناً وہ سچا ہوتا۔ باایں ہمہ یہ بات روایت ہو کر پھیل جاتی کتابوں میں مدون ہوتی۔ راویان اخبار کے السنہ میں محفوظ ہو جاتی۔ شاعر بھی اس گفتگو کو سنتا تھا۔ اس نے کہا قسم ہے خدا کی آپ مدح وذم کی حقیقت کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں)۔

حاصل یہ ہے کہ اگر شاعر کی حیثیت کو دیکھا جائے کہ دن رات معاصی میں منہمک افترا و بہتان میں مصروف ہے تو اس کو ایک پیسہ بھی دینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اُن کی تقویت و اعانت۔ اعانت علی المعصیة ہے لیکن جب اُن کو انعام دینے سے مقصود اتقاء شر یعنی عزت و آبرو کی حفاظت ہے تو اتقاء شر بعینہ طلب خیر اور داخل اعمال حسنہ ہے تو اس کو دینا اور انعام میں بھاری رقم دینا دونوں نہ صرف جائز بلکہ مستحسن اور بعض اوقات درجہ ضرورت تک پہنچ جاتے ہیں۔ پس

بعینہ اسی طرح حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے انعام کو خیال فرمالیجئے۔

فائدہ۔ یہاں ایک قوی شبہ پیدا ہو سکتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر شاعر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی نسبت لست کرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا کعلی رضی اللہ عنہ کہتا جو حقیقتاً بھی صحیح تھا کہ آپ کا درجہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر تھا اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی۔ اور آپ بھی اس کو صحیح جانتے تھے تو اس میں مذمت اور کسر شان کیا نکلتی تھی جس کے منقول اور مروی ہونے کا آپ کو اندیشہ تھا اور جس سے بچنے کیلئے آپ نے اس قدر مال کو بلا ضرورت صرف کر دیا۔ جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ بیشک شاعر کا یہ کہنا صحیح ہوتا اور آپ بھی اس کو صحیح جانتے تھے اور اس میں آپ کی کسر شان و توہین بھی نہ تھی۔ مگر اسی وقت جبتک کہ ظاہری الفاظ کے مطابق مطلب سمجھا جاتا۔ یعنی آپ مرتبہ اور درجہ یعنی فضائل و کمالات ذاتی و اکتساب۔ خیرات و میراث میں اُن کے ہم پلہ نہیں ہیں۔ لیکن اہل عرف و عادات اس سے دوسرا مطلب بھی سمجھ سکتے تھے وہ یہ کہ آپ اُس طریقہ پر نہیں ہیں اور اُن جیسے نہیں ہیں یعنی آپ اپنے سلف کے صحیح خلف اور جانشین نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ معنی اگرچہ الفاظ کو صراحتاً مدلول نہیں ہیں۔ مگر عرفاً مفہوم ہو سکتے ہیں اور شاعر کی مراد بھی یہی ہوتی تو یقیناً ہجو میں داخل ہوتا اور ان سے اتقاء کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تقریر سن کر شاعر بھی حیران رہ گیا۔ اور بے ساختہ بول اٹھا کہ ہجو اور مدح کو آپ مجھ سے یعنی شعراء سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ ایسے موقع میں اگر صراحتاً ہجو کی جائے یا کہہ دیا جائے کہ آپ حضرت فاطمہ زہرا یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے نہیں ہیں تو سننے والا اس کو افترا و بہتان خیال کرے گا۔ البتہ ہجو ایسے پیرائے میں کہ ظاہراً اس کا غلط نہ ہو اور اشارۃً تنقیص مرتبہ کی طرف ہو جائے یہ ایسا امر ہے جس سے اس عصر کے سننے والے بھی اشتباہ میں پڑ سکتے ہیں اور بعد کے آنیوالے جنہوں نے آپ کے حالات خود مشاہدہ نہیں کئے جب اس قسم کے خیالات سنیں گے تو اُن کو خیال ہو سکتا ہے کہ شاید آپ نے اپنے سلف کا اتباع چھوڑ کر اہل دنیا کی طرح دنیوی مشاغل کی طرف توجہ فرمائی ہو۔ یہی وہ باریک پہلو تھا جس کو آپ اپنے لئے کسر شان توہین اور مذمت سمجھتے تھے اور جس سے اتقاء کو عین خیر خیال فرماتے تھے۔

اس درمیانی فائدہ کے بعد پھر ہم اصل مطلب کی طرف عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت خالد کا یہ فعل نہ حرام و مکروہ تھا اور نہ اسراف میں داخل۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس معاملہ میں گرفت کی تو اُس کا مطلب یہ نہ تھا کہ اس فعل کو حقیقتاً اسراف خیال فرماتے تھے۔ بلکہ میرے خیال میں آپ کو انتظاماً ایسے امور کا سد باب کرنا منظور تھا مثلاً یہ فعل حضرت خالد سے صادر ہوا آپ تو اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ایک ممتاز اور برگزیدہ فرد تھے اُن کی نسبت یہ خیال نہ ہوتا تھا کہ اسراف جیسے کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوں اور نہ یہ کہ سلاطینِ دنیا کی طرح مدح کرانے کیلئے انعام عطا فرمائیں بلکہ تھا تو یہ کہ ایک سائل تھا جس کو آپ نے اپنے حوصلے وہمت کے موافق عطا فرمایا اور اُس کی بدزبانی سے بچنا بھی پیش نظر تھا۔ مگر اسی قسم کے افعال جاہ طلب لوگوں کیلئے حجت ہوجاتے ہیں اور جہانتک ہم نے تواریخ وسیر کو دیکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سیاستِ عامہ کیساتھ افراد کے اخلاق وآداب کی اصلاح بھی فرماتے تھے اور کسی ایسے معاملہ میں بھی جو بظاہر مہتم بالشان معلوم نہ ہوتا ہو مگر اُس پر کسی وقت بھی دوسرے قسم کے ثمرات مترتب ہوجانیکا اندیشہ ہوتا تھا سختی سے محاسبہ و دار وگیر فرماتے تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص نے کوفہ میں گھر بنا کر دروازہ لگا لیا تو حضرت مسلمہ رضؓ کو بھیجکر جلوا دیا۔ کیا دروازہ کا لگانا بھی ناجائز امور میں تھا مگر آپ کی غرض یہ تھی کہ امراء وولاۃ کا دروازہ مظلومین و اہل حاجت کیلئے ہر وقت کھلا رہنا چاہیئے اور اگر بندش اور دربانوں کی روک کی ابتداء صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پڑگئی تو دوسروں کو حجتِ قوی ہاتھ آجائیگی وعلی ہذا بہت سی نظائر ایسی ملیں گی کہ ایک مباح اور جائز امر کے انسداد میں بھی امور محرمہ کیطرح اہتمام فرمایا۔ علیٰ ہذا اُبٹنے میں اگر شراب تھی اور مان لو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے میں ایسے اُبٹنے کا استعمال ناجائز تھا تب بھی یہ ایک مسئلہ اجتہادی تھا۔ حضرت خالد کے نزدیک اُس کا استعمال جائز تھا کیونکہ شراب کی صورت وحقیقت مستحیل ہوچکی تھی۔ یعنی بدل چکی تھی۔ پس جو احکام صورت وحقیقتِ شراب پر متفرع ہوتے ہیں وہ اسپر نہ ہوں گے جیسا شراب کو سرکہ بنا لینے سے احکام بدلجاتے ہیں۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ صابون میں اگر ناپاک چربی ملی ہوئی ہو تو اُس کا استعمال جائز ہے کیونکہ چربی اگرچہ ناپاک ہے مگر وہ مستحیل ہوچکی ہے لہذا حکم بدل گیا اور ایسے اجتہادی مسائل میں کسی ایک مجتہد کو دوسرے پر الزام کا کوئی حق نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر نے اس جواب کو سُن کر انکار نہیں فرمایا۔ غرض ان دونوں معاملوں کی جن پر آخر کی معزولی مرتب ہوئی یہ حقیقت تھی اور

ہم دعوی کیساتھ کہہ سکتے ہیں کہ معزول کرنے کی وجہ یہ اُمور نہ تھے بلکہ اُن کی وجہ سے حضرت عمرؓ کے قلب مبارک میں حضرت خالد کی جانب سے کوئی سوءِ ظن بھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ اگر گرفت تھی تو انتظاماً سد باب کیلئے دیکھئے حضرت عمر نے بحلف فرمایا واللہ انک علی کریم وانک الی لحبیب اور امرا ولایت کے نام عام گشتی جاری فرمائی۔

انی لم اعزل خالداً عن سخطۃ ولا خیانۃ۔ سخطہ اور خیانۃ نکرہ ہیں جو نفی کے تحت میں واقع ہوئے ہیں یعنی کسی ادنیٰ شائبہ ناخوشی وخیانۃ کی بناء پر معزول نہیں کیا۔ حضرت عمر کی اس شدو مد سے حلف اور برارت کے بعد بھی اگر کوئی شخص وجہ عزل انہیں امور کو سمجھے تو یہ اس کی خوش فہمی یا ہٹ دھرمی ہوگی۔ حضرت عمرؓ جیسیار استباز تو بحلفِ شدید انکار کرے اور یہ اب بھی یہی کہے تو نہایت جرءت وبیباکی کی بات ہے۔ مجھ کو تو اب اس ارشاد سے اپنی سابق معروض کی معزولی اول کی وجہ بھی وہ امور سابقہ نہ تھے ایک اور تائید مل گئی۔ وہ یہ کہ کسی بات پر ناخوش ہونیسے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ قابل عزل بھی سمجھی جائیں۔ ممکن ہے کہ یہ دونوں آخری امر حضرت عمرؓ کو ناپسند ہوں اور آپکی شان احتساب وانتظام کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہونے چاہئیں مگر عزل میں انکو دخل نہیں تھا لیکن بایں ہمہ کہ دونوں معاملے ایسے خفیف تھے کہ معزولی کیوقت اُن سے وہ معاملہ کیا گیا جو ایک حقیقی مجرم سے بھی نہیں کیا جاتا۔ ایک قائد جیش کے سر سے عمامہ اُتار کر مشکیں باندھی جائیں اور سرِ مجمع مجرمانہ حیثیت سے جواب طلب کیا جائے۔ یہ اس قسم کی توہین ہے جو مستوجب حدود شرعی کیساتھ بھی نہیں کیجاتی۔ ماعز بن مالک پر حدِ زنا جاری کیگئی مگر جس شخص نے اُنکی توہین کی تھی اُسکو روکدیا گیا اور پھر اول مرتبہ تو باوجودیکہ وجوہ ناخوشی قوی تھیں صرف قیادۃ عامہ سے معزول کرنے پر اکتفا کیگئی اور اس مرتبہ اُن کو عام افراد کی طرح جہاد میں حصہ لینے سے بھی باز رکھا گیا۔ بلکہ واپسی کا حکم دیدیا گیا۔

جب ہم اس معزولی کے اسباب اور طریقۂ عزل پر نظر غائر ڈالتے ہیں تو سوا اسکے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ معزولیِ ثانی میں ان امور کو مطلقاً دخل نہ تھا۔ اگر معزولیِ اوّل میں ناخوشی سابق کو ظاہراً دخیل سمجھ لینا ممکن تھا تو اب اتنی وجہ بھی موجود نہ تھی۔ کیونکہ یہ معاملے ایسے نہ تھے اور پھر حضرت عمرؓ بحلف اس سے انکار فرماتے ہیں۔ بات تھی تو صرف یہی کہ قلوب میں اُن کی عظمت حد اعتدال سے متجاوز ہوتی جاتی تھی تدابیر پر بھروسہ بڑھتا جاتا تھا۔ خدا تعالیٰ پر سے نظر اُٹھتی جاتی تھی۔ ادھر حضرت خالدؓ میں جاہ وغلو واعتماد

علی النفس پیدا ہو جانیکا خطرہ تھا کیونکہ آپ معصوم نہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک جانب تو عام خیالات وعقائد کی اصلاح فرمائی کہ انکو عہدۂ جلیلہ قیادۃ جیوش سے معزول فرمایا اور بتلادیا کہ اصل وجہ فتوحات اسلام رحمت وفضل خداوندی ہے وہی صانع وکارساز ہے کسکی کسی تدبیر وشجاعت۔ سیاست وفرزانگی کو اسمیں دخل نہیں ہے۔ بعد معزولی اگروہ دوسرونکی طرح عام غزاۃ میں رہتے تب بھی اس خیال عام کا استیصال ممکن نہ تھا کیونکہ جس معرکہ میں وہ شریک ہوتے اگرچہ کسی حیثیت سے ہوتے عام خیالات کا رجوع انہیں کی طرف ہونا اور نصرت وفتح کو انکے وجود انکی رائے وتدبیر کیطرف منسوب کیا جاتا۔ رائے ٹھیک دینے تدابیر حرب بتلانے کیلئے قائد وافسر ہونا ہی کچھ ضرور نہیں ہے بعض اوقات ایک معمولی سپاہی سے وہ نمایاں سدمات صادر ہو جاتی ہیں جنکی بدولت وہ سپاہی سے دفعۃً جرنیل کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر وہ شخص جو وقتاً فوقتاً عام قیادۃ جیوش کے مدارج پر رہا ہو جسکی تدبیر وفرزانگی کے ثمرات بکرات ومرات مشاہدہ ہو چکے ہیں اُس سے نہ کوئی سپہ سالار مستغنی ہو سکتا ہے نہ عام افراد کے قلوب میں سے اُسکی عظمت واقتدار کم ہو سکتی ہیں۔ اسلئے اسکا علاج تھا تو صرف یہی تھا کہ ان کو میدان ہی سے طلب کر لیا جائے۔ اور اسطرح مسلمانونکو عظیم خطرنات ومہلکات۔ سوء اعتقادی واعتماد علی غیر اللہ سے بچا لیا جائے اور دوسری جانب خود حضرت خالدؓ کیساتھ وہ معاملہ کیا کہ اگر کوئی حظ نفس پیدا ہو چکا ہو یا ہو جانیوالا ہو تو وہ بھی دل سے نکلجائے اور بمقتضائے بشریت جن غوائل نفس کا اندیشہ ہو سکتا ہے اُس سے محفوظ ہو جائیں نفس کے غوائل اور امراض ایسے سخت وصعب ہیں کہ اُنسے بچنا اور مبتلا ہو کر صحتیاب ہونا افراد انسانی کی قدرت اور طاقت سے خارج ہے۔ اُنسے وہی محفوظ رہتے ہیں جنکے قلوب کو خداوند عالم نے پاک وصاف بنایا۔ یا اُن کا کامل تزکیہ وتصفیہ فرمایا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اعدی عدوک نفسک التی بین جنبیک	(تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے پہلو میں ہے)

حضرت یوسف صدیق اس رفعت شان اور عظمت مرتبہ پر فرماتے ہیں۔

وما ابرء نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی	(میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا نفس بڑا حکم کرنیوالا ہے برائی کے لئے سوائے اُن لوگوں کے جن پر خدا تعالیٰ رحم فرمائے)

غرض حضرت عمرؓ کی شان فاروقی نے اس کو گوارا نہ کیا کہ امت مرحومہ کسی مرض عام اعتماد علی غیر اللہ وترک توکل میں مبتلا ہو کر تدبیر ہی کو مایۂ اعتماد بنا لے۔ یا حضرت خالد میں ہی کسی قسم کا حظ

نفس و حب جاہ و امارت پیدا ہو جائے اُسکے معالجہ کیلئے اس سے بہتر کوئی تدبیر نہ تھی جہاں حضرت خالدؓ کو بر سر مجمع مجرمانہ حیثیت سے جواب طلب کر نیمیں شوکت نفس کو توڑ نا تھا ایسے ہی اُنکے عزل کو ظاہری اسباب کیطرف منسوب کر کے ایک طرف عام مسلمانوں کی روک تھام تھی جنکے دلوں میں حضرت خالدؓ کی عظمت اس درجہ تھی کہ کہیں اُسکے مقابلہ پر احکام فاروقی میں کلام نہ ہونے لگتا۔ ادھر حضرت خالدؓ کو جن خطرات و مفاسد سے بچانا تھا اُسکے اندر بھی اسکو زیادہ دخل نہ تھا۔ خلاصہ ہمارے تمام بیان کا یہ ہے کہ صورتِ ظاہری میں عزل اوّل کیلئے واقعات سابق کو اور عزل ثانی میں واقعات بعد کو سبب بنایا گیا۔ اور پھر ان دونوں میں فرق تھا عزل اوّل میں حضرت عمر کی ناخوشی واقعات سابقہ کی وجہ سے ایک ظاہر امر تھا اور اسلئے انکی مداخلت بھی اُس عزل میں زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ مگر عزلِ ثانی میں اسقدر مداخلت بھی نہ تھی لیکن حقیقتاً عزل کی یہ وجہ نہ تھی بلکہ اُمت کو فتنہ و فسادِ عقائد کے ابتلاء سے اور حضرت خالدؓ کو حب جاہ و شوکتِ نفس کے مہلک مرض سے محفوظ رکھنا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اول عزل کے بعد بھی آپنے حقیقۃ الامر کو بیان فرماتے ہوئے صاف ظاہر کر دیا کہ خالدؓ اور مثنیٰ کو کسی ریبہ یا تہمت کی وجہ سے معزول نہیں کیا گیا۔ بلکہ خوفِ فتنہ اس کا باعث ہوا۔ اور عزل ثانی میں بھی جب حضرت خالدؓ نے ایسی بے عنوانی کا جو اُن کے ساتھ برتی گئی شکوہ کیا تو حلف کیساتھ اس حسن ظن اور محبت کا اظہار فرمایا جو آپ کو اُن کیساتھ تھے۔ ادھر بذریعہ گشتی عام امراء و عساکر و ولاۃ امصار کو اطلاع دی کوئی شخص حضرت خالدؓ کو کسی اشتباہ یا ریبہ کی طرف منسوب نہ سمجھے۔

یہ ہے حقیقۃ الامر عزل خالد کی۔ ہر شخص کو چاہیئے کہ اس بیان کے اہم مقاصد کو محفوظ رکھے اور اس کے دل میں نہ حضرت خالد کی جانب سے سوء ظن کا خطرہ ہو۔ نہ حضرت عمر کی جانب اس امر کا کہ ایک نامور فاتح کی خدمات سے مسلمانوں کو کیوں محروم فرمادیا۔

فوائد

واقعہ عزل خالد سے چند اہم فوائد ہمکو حاصل ہوئے ہیں جنکا بیان کر دینا بھی مزید افادہ کا ذریعہ ہوگا۔

فائدہ اوّل۔ تقدیر و تدبیر کا جمع کرنا عام افہام و عقول میں دشوار ہو رہا ہے۔ توکل کو بیکاری سکھلانے ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے اور دوسروں پر اپنا بار ڈال کر خود اپاہج و معطل بننے کا مرادف سمجھا جاتا ہے فلسفہ اور سائنس کے دلدادہ اُسکی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہیں۔ تجربیات و مشاہدات سے عجائب

وغرائب صنائع و ایجادات سے عالم کو متحیر کر دیتے ہیں۔ مگر اُن کا دائرۂ علم صرف مشاہدات و محسوسات تک محدود ہے اور سچ پوچھئے تو اُن کی حقیقت سے بھی آشنا نہیں ہیں۔ اُس میں سے بھی صرف اتنی بات اخذ کرتے ہیں جس کا تعلق آثار و ثمرات سے ہے وہ حقائق اشیاء کی کنہ تک نہیں پہنچتے اور نہ پہنچ سکتے ہیں کیونکہ انہوں نے انہیں مادیات و تاثیرات کو اصل الاصول سمجھ کر اُن پر اس درجہ اعتماد کر لیا ہے کہ اُس سے ایک قدم بھی آگے بڑھانے کا ارادہ نہیں کرتے اور کیونکر کر سکتے ہیں جب حقیقت شناس بصیرت سے اُن کو حصہ ہی نہیں ملا اس حقیقت کو اسلام نے روشن کر دیا اور بتلا دیا کہ تقدیر و تدبیر دونوں بخوبی جمع ہو سکتی ہیں اسلام نے ایک طرف ایمان بالقدر کو اگر ایمان کا جزو لازم قرار دیا ہے تو دوسری جانب تدابیر و اسباب سے متمتع ہونے کی بھی اجازت دی ہے۔ بلکہ بعض مواقع میں ضروری بتلایا ہے۔

تقدیر و تدبیر کا انکشاف عقل و استدلال سے بھی بخوبی ہو سکتا ہے۔ اگر اُسی عقل کنہ رس کو جو خداوند عالم نے ہر انسان کے اندر ودیعت کر رکھی ہے محض محسوسات و مشاہدات ہی کے بھول بھلیاں میں برباد کر کے اسکی ترقی کو محصور و محدود نہ کر دیا جائے۔ بلکہ اُسکی بلند پرواز فطرت کو علمیات میں صرف کیا جائے اور سب سے پہلے اس مرحلے کو طے کر لیا جائے کہ عالم کے گوناگوں نقش و نگار قسم قسم کے تغیرات و انقلابات کسی زبردست و مضبوط ہاتھ میں ہیں جو تمام اشیاء کا خالق۔ اسباب و مسببات کا ترتیب دینے والا ہے۔ جس کے اشارہ اور حکم کے بغیر ایک ذرّہ بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ اسباب جسکی اشارہ کے مطیع و منقاد ہیں۔ اُس کا ارادہ اور اُس کی مشیت اسباب کے پابند نہیں ہیں۔ یہ مسئلہ اگرچہ دنیا کی ممتاز اُمم اور اصل مذاہب میں تسلیم شدہ ہے تمام عالم باستثناء دہریین اسکے قائل ہیں مگر باوجود اسکو تسلیم کر لینے کے اسباب کے دلدادہ افراد کو اس جانب سے ذہول ہو جاتا ہے۔ ہاں کبھی کسی نہایت متشدد دہریے و ملحد کی پشت پر کوئی سخت تازیانہ عبرت لگا دیا جائے تو یہ علم و اذعان پھر تازہ و مستحکم ہو جاتا ہے۔

اور جب یہ مرحلہ طے ہو چکا تو اسکے بعد تمام اسلامی معتقدات تقدیر و توکل وغیرہ اہم مسائل کا تسلیم کرنا ضروری و لازمی ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اربابِ عقول اپنے بزور استدلال و قیاسات سے ہر ملحد و دہریے کو منوانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اپنی قوی و روشن دلائل کیسامنے کسی کی بھی چلنے نہیں دیتے۔ مگر درحقیقت انکا اصل علم اُنہیں کو ہوتا ہے جن کو حقائق منکشف ہو جاتے اور

وہ برائے العین خالق و مخلوق کے ربط اسباب و مسببات کے تعلق کو مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ ان کا مرتبہ حجۃ و استدلال سے بہت کچھ اوپر پہنچ جاتا ہے اور انکو استدلال و حجت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ وہ اپنے اندر ایسا پاک و روشن دل لئے ہوئے ہوتے ہیں جنہیں حقائق ممکنات کا انکشاف تام ہوتا ہے اور وہ اپنی معرفت و بصیرت کا قوی اثر ڈالکر دوسروں کو بھی بلا وساطت دلیل و برہان منوا سکتے ہیں

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض صحبت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حقایق اشیاء اور غامض علوم کا انکشاف اس طرح کر دیا تھا کہ اُن کو کسی دقیق سے دقیق مسئلہ میں کسی قسم کا خفا باقی نہیں رہتا تھا۔ ہر غامض و ادق مسئلہ کو بصیرۃ ایمانی سے ادراک کرتے تھے اُنکو ہر مشکل اور متعسر الفہم مسائل میں برد قلب حاصل ہوتا تھا یہی وجہ تھی کہ تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اُصول دین میں متفق تھے۔ کبھی ان میں اختلاف نہیں ہوا اور جب کبھی کوئی مسئلہ چند اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف مجالس و مقامات میں دریافت کیا گیا تو جواب کے الفاظ تک بھی ایک ہی ہوتے تھے۔

دیکھئے تقدیر کا مسئلہ جسکے فہم سے اکثر اہل دانش و فہم عاجز ہیں چند صحابہ سے علیحدہ علیحدہ مجالس میں دریافت کیا گیا تو جواب کے الفاظ تک متفق تھے ابن سلمی کہتے ہیں میں نے حضرت ابی کعب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ تقدیر کے مسئلہ میں مجھے کچھ خلجان ہے آپ کچھ ارشاد فرمائیں تو شاید یہ خلجان رفع ہو جائے۔ فرمایا۔

لو ان اللہ عز وجل عذب اھل سمٰوتہ واھل ارضہ عذبھم وھو غیر ظالم لھم ولو رحمھم کانت رحمتہ خیر لھم من اعمالھم ولو انفقت مثل اُحد ذھبا فی سبیل اللہ ماقبلہ منک حتی تؤمن بالقدر وتعلم ان ما اصابک لم یکن لیخطئک وما اخطاءک لم یکن لیصیبک ولومت علی غیر ھذا لدخلت النار۔

اگر خداوند عالم تمام زمین آسمان والوں کو عذاب دے تو وہ ظالم نہ ہوگا۔ اور اگر رحم فرمائے تو اُس کی رحمت اُنکے اعمال سے زیادہ مفید اور بہتر ہوگی۔ اور اگر تو احد پہاڑ کی برابر فی سبیل اللہ سونا خرچ کر ڈالے تو جب تک تقدیر پر ایمان نہ لائے اور یہ نہ جان لے کہ جو کچھ تکلیف تجھ کو پہنچنے والی ہے کسی تدبیر سے ٹل نہیں سکتی اور جو نہیں پہنچنے والی وہ پہنچ نہیں سکتی۔ اگر تو اس عقیدے کے سوا کسی اور عقیدہ پر مر گیا تو جہنم میں داخل ہوگا۔

ابن دیلمی کہتے ہیں کہ اسکے بعد میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود کی خدمت میں گیا۔ انہوں نے بھی یہی فرمایا۔ پھر حضرت حذیفہ کی خدمت میں گیا۔ انہوں نے بھی یہی فرمایا۔ پھر حضرت زید ابن ثابت

کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے بھی اسی مضمون کی میرے سامنے روایت کی۔

اور یہی وجہ تھی کہ اگر کسی معاملہ میں صحابہ کے اندر اختلاف بھی ہوا تو چند کلموں میں بات صاف ہو جاتی تھی۔ طول طویل استدلال کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔

اور جب مسئلہ تقدیر کو مان لیا گیا اور اس کو اس کی حقیقت کی موافق سمجھ لیا گیا تو خدا تعالےٰ پر بھروسہ اور توکل کرنا ہر مسلمان کے ذمے لازم ہوگا۔ درجۂ اعتقاد میں تو یہ فرض ہوگا کہ ہر ایک فعل کا فاعل حقیقی اس کو سمجھے۔ اگر ایسا نہ سمجھے اور سوا خداوند عالم کے کسی اور کو بھی فاعل وخالق سمجھے۔ یا کسی غیر کا خواہ اپنا نفس ہی ہو اس میں دخل جانے تو اس کو مشرک کہنے میں کیا تامل ہو سکتا ہے۔ قدریہ کو جو عباد کو خالقِ افعال سمجھتے ہیں اسی وجہ سے مجوس ھٰذہ الامۃ فرمایا ہے۔ اور اگر درجۂ اعتقاد سے ترقی کر کے یہ عقیدہ اس کا حال بنگیا۔ اور اسکی نظر غیر اللہ سے اٹھ گئی تو یہ اعلیٰ مقام سمجھا جاتا ہے جو سوا صدیقین و اہل معارف دوسروں کو حاصل نہیں ہوتا۔ صحابہ کے تمام افراد باوجود تفاضلِ مراتب اس حال کیساتھ متصف تھے۔ انکو کشفاً و عیاناً یہ مراتب وحالات حاصل تھے۔ انکے اندر وہ سکون و طمانیت موجود تھی جو سالہا سال کی ریاضت و تزکیہ و تصفیہ باطنی سے حاصل نہیں ہوتی یہی وجہ تھی کہ صحابہ کا ہر ایک فرد قرون مابعد کے تمام افراد سے افضل مانا گیا ہے۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم اکثر افراد حالات کے اعتبار سے اسباب و تدابیر کو مضبوط ہاتھوں سے تھامے ہوئے نظر آتے تھے وہ کسب و اسباب میں مشغول رہتے تھے۔ جنگ و صلح کے وقت وہ ایسی تدابیر کرتے تھے جن سے منہمک فی الاسباب وزراء و سلاطین بھی عاجز تھے۔ انکی تدابیر کو دیکھ کر دنیا متحیر رہجاتی تھی۔ ظاہر بین نظریں سمجھتی تھیں کہ ان کو محض اپنی تدابیر پر اعتماد ہے۔ مگر درحقیقت ایسا نہ تھا وہ سب کچھ کرتے تھے مگر ان کا علاقہ اپنے خالق و مالک کیساتھ اس قدر قوی تھا۔ انکی نظر غیر اللہ سے ایسی اٹھی ہوئی تھی کہ قوی سے قوی کارآمد و مفید تدبیر کو بھی منتج نہ سمجھتے تھے اور سوا خداوند عالم کسی کو فاعل و صانع مختار نہ جانتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مختلف شیئون و حالات پر اگر آپ ذرا سلامتِ صدر کیساتھ نظر ڈالیں تو آپکو اس بات کے سمجھنے میں کچھ بھی توقف نہ ہوگا کہ تدابیر کا استعمال توکل کے منافی نہیں توکل و تدبیر نہایت سہولت سے جمع ہو جاتے ہیں دیکھئے ایک جانب تو آپ انی لاجھز الجیش و

انا فی الصلوٰۃ | میں نماز میں لشکر کی آراستگی و روانگی کا سامان کرتا ہوں۔

فرماتے ہیں دوسری جانب عام خیالات و اعتقادات کی اصلاح کیلئے حضرت خالد جیسے نامور جلیل القدر مدبر و شجاع کی خدمات سے استغنا فرماتے۔ اور دکھلاتے ہیں کہ تم تدبیر کرنیکے وقت بھی اُس پر اعتماد نہ کرو کارساز حقیقی کوئی اور ہے۔ نہ خالد ہیں۔ نہ عمر۔ یہ ہو اسلامی صحیح و بے لوث تعلیم اور یہ ہو وہ خطرناک گھاٹی مسئلہ جبر و قدر کی جسکے طے کرنے میں ہزار ہا مدعیان عقل و دانش تباہ و برباد ہو گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک جملہ۔

لیعلموا ان الصانع ھو اللہ | (تاکہ جان لیں کہ کارساز صرف اللہ ہے)

فرما کر تمام اشکالات کو رفع فرما دیا اور تمام صحابہ نے بلا نکیر و تردد اُس کو تسلیم فرمالیا۔ کیونکہ سب کے قلوب صافیہ میں یہ حقیقت منکشف تھی قرن صحابہ میں اس مسئلہ کے اندر اختلاف ہی نہیں ہوا۔

اسلام کے بے شمار فرقوں میں سے اہل سنت والجماعت کثرہم اللہ تعالیٰ نے اس راز کو سمجھا۔

لا جبر ولا قدر ولکن امر بین بین | (نہ جبر محض ہے کہ انسان مجبور ہو۔ اُسکے اختیارات کو افعال میں کچھ دخل نہ ہو۔ اور نہ قدر ہے کہ وہ خود اپنے افعال کا خالق اور ان پر قادر ہو۔ بلکہ جبر و قدر کے درمیانی بات ہے۔ یعنی بعض وجوہ سے وہ قادر مختار ہے اور بعض وجہ سے مجبور)

کو جزو ایمان قرار دیا۔ اس اعتقاد حق کے سوا جس فرقہ نے کوئی دوسری راہ اختیار کی وہ خود بھی تباہ ہوا۔ دوسروں کو بھی تباہ و برباد کیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہر مسلمان کو صراط مستقیم پر رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کم عقلی کج بحثی۔ اپنے خیالات کی پابندی۔ احکام شریعت کو اپنی ناقص عقلوں کے معیار پر اُتارنا۔ تباہ و برباد کر دیتی۔ قعر جہنم کا ایندھن بنادیتی ہیں۔

عصمنا اللہ تعالیٰ وجمیع المسلمین منہ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم :-

جو لوگ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کے خواہش مند ہیں اُن کو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ سوا اُن اصول کے کسی اور طریقہ پر ترقی نہیں کر سکتے۔

فاروقی خلافت میں اسلام کی جو شان و شوکت تھی مسلمانوں کی عزت و عظمت کا سکہ جسقدر دنیا میں بیٹھا ہوا تھا وہ بعد کے کسی قرن میں حاصل نہیں ہوا۔ ممالک اسلامیہ ضرور وسیع ہوئے مگر اسلام کی حقیقی ترقی کا زمانہ یہ تھا۔ اور یہ اُن صحیح اصول و عقائد کا ثمرہ تھا۔ اب بھی جس قدر ترقی ہوگی

اُنہیں اصول کی پابندی سے ہوگی۔

فائدہ ثانیہ۔ سلطنت و نبوت دو جُدا جُدا منصب ہیں۔ سلطنت تو عالم کے نظام ظاہری کو قائم رکھنے عدل و انصاف۔ امن و اطمینان پھیلانے افراد رعایا میں توازن و مساوات برقرار رکھنے۔ اجرا حدود و قصاص۔ حفظ حدود ممالک و سرانجامی معرکہ ہائے قتال وغیرہ کے لئے ہوتی ہے۔

اور نبوۃ تعلیم شرائع و احکام آلہٰی استیصال شرک و فساد اعتقاد و اعمال و اصلاح معاد و تزکیہ نفوس تطہیر اخلاق و محو آثار نفسانی کے لئے۔

یہ دونوں امر اگرچہ متعانق ہیں کیونکہ فرائض نبوت جبھی پوری طرح ادا ہو سکتے ہیں کہ شوکت و رعب قوت تنفید احکام آلہٰی اُسکے ساتھ ہو علیٰ ہذا فرائض سلطنت اُسی وقت بوجہ اتم ظہور پذیر ہو سکتے ہیں۔ کہ سلطان وقت کسی شریعت منزل من اللہ کا پابند ہو بوجہ اتم کی قید ہم نے اس لئے لگائی ہے کہ بہت سے سلاطین ایسے بھی گذرے ہیں اور اب بھی ہیں جو باوجود کسی شریعت منزل من اللہ کے تابع نہونیکے انتظام عالم کو قائم رکھنے میں کامیاب ہوتے ہیں اور اُنکو سلطان عادل اور منتظم کا لقب بھی دیا گیا ہے۔ مگر چونکہ یہ خود ساختہ قانون کے پابند ہوتے ہیں اسلئے حقیقی قوانین کی طرف اُن کو ہدایت نہیں ہوئی اور چونکہ اُنکا علم بالکل محدود ہوتا ہے وہ رعایا کے حقیقی نفع و نقصان کو نہیں سمجھ سکتے اسلئے اُسکے ثمرات بھی اگرچہ ایک حد تک بھلے معلوم ہوں مگر نظر غور سے دیکھا جائے تو بہت سی مضرتیں اپنے اندر لئے ہوتے ہیں۔ اور اسلئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ در اصل سلطان عادل وہی ملوک ہیں جو کسی خدائی قانون کی ماتحتی میں نظام عالم کو قائم کرتے ہیں اور اسی لئے ہم نے کہا ہے کہ سلطنت و نبوت دونوں متعانق ہیں۔

لیکن یہ کچھ ضرور نہیں کہ دونوں منصب ایک ذات کے اندر جمع کر دیئے جائیں انتظام ظاہری اور اصلاح معاد کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ منصب نبوت سے سرفراز کیا جائے اور زمام سلطنت کسی ایسے شخص کے ہاتھ میں دیدی جائے جو نبی کے احکام کا تابع ہو کر اپنے فرائض ادا کر دے۔

ہم امم ماضیہ کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمکو صاف معلوم ہوتا ہے کہ کہیں تو ایک ذات کو دونوں منصب عطا کر دیئے گئے ہیں اور کبھی اُن کو بالکل جُدا رکھا گیا ہے۔

بنی اسرائیل میں ایک خاندان کے اندر نبوت ہوتی تھی اور ایک میں سلطنت۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد اسباط کے نام سے موسوم تھی اُن میں سے یہود ابن یعقوبؑ کی اولاد میں

ملک و سلطنت منتقل چلے آتے تھے اور لادی بن یعقوبؑ کی نسل میں نبوت کا سلسلہ جاری تھا اور اسی طرح پر بنی اسرائیل میں ایک زمانہ تک مالک حکم کوئی ہوتا تھا اور مہبط وحی و تنزیل کوئی دوسرا۔ طالوت کی سلطنت و مملکت کا حال کلام اللہ میں مذکور ہے۔ باوجودیکہ بنی اسرائیل میں نبی موجود تھے مگر انتخاب سلطان کی ضرورت پیش آئی اور یہ انتخاب طالوت کے نام نکلا۔ دیکھئے ارشاد خداوندی۔

وقال لھم نبیھم ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکاً قالوا انی یکون لہ الملک علینا ونحن احق بالملک منہ ولم یوت سعۃ من المال قال ان اللہ اصطفاہ علیکم وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم واللہ یوتی ملکہ من یشاء

(اُن کے نبی نے کہا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اُس کو ہم پر بادشاہت کا حق کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ ہم اُن سے زیادہ بادشاہت کے مستحق ہیں اور اُن کی تو مال میں بھی وسعت نہیں ہے۔ نبی نے کہا کہ اللہ نے اُن کو تم پر برگزیدہ کیا ہے اور اُن کے علم اور جسم میں وسعت دی ہے اور اللہ اپنا ملک جسکو چاہے دیتا ہے۔

بنی اسرائیل کو اس میں تو کچھ خلجان نہ ہوا کہ مملکت کو سلطنت سے جُدا کر کے ایک مستقل بادشاہ کیوں بنایا گیا۔ کیونکہ وہ اُسکے خوگر تھے۔ اُنکو دونوں منصبوں کے فرائض کی تقسیم معلوم تھی وہ جانتے تھے کہ دونوں کی اطاعت کس طرح جمع کی جا سکتی ہے۔ ایک کی فرمانبرداری دوسرے کے ساتھ ارتباط و انقیاد سے مانع نہیں ہے اُن کو یہ بھی معلوم تھا کہ حقیقی سرداری نبی کی ہوتی ہے۔ بادشاہ بھی اُنکے احکام کا متبع اور اُن کے اشارہ و حکم کا منتظر رہتا ہے۔ وہ خوب سمجھتے تھے کہ بادشاہ کا درجہ باوجود اُن وسیع اختیارات اور حکومتِ عام کے زیادہ سے زیادہ وزیر تفویض[۱] یا والی تفویض کا ہوتا تھا

[۱] امام و خلیفہ کو تمام ولایات پر اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ تمام ممالک و صوبے اس کے زیر نگیں اور ہر ایک صیغہ و شعبہ ملک بلا استثناء اُسکے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ لیکن شخص واحد تنہا کبھی کسی وسیع سلطنت یا ملک کا انتظام نہیں کر سکتا۔ اسکو ضرورت ہوتی ہے کہ اپنے اختیارات کو نائبوں اور قائم مقاموں کے ذریعے سے نافذ کرے اسی لئے امام کیواسطے نائبین کا ہونا لازم ہے۔ نائب دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وزراء۔ دوسرے والی ممالک۔ وزراء کا اصل فرض تو یہ ہے کہ خلیفہ یا سلطان کا مشیر رہے۔ اُسکے بار کو اُٹھائے اور والیان ممالک و لایات خاصہ کا انتظام کرتے ہیں امراء ولایت کو اُنکی ولایت میں کبھی اختیارات عام دیئے جاتے ہیں۔ اور کبھی اختیارات خاص۔ اختیارات عام کی صورت میں اسکو امیر یا والی تفویض کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ امام نے ایک ولایت میں اپنے کل اختیار اس کے سپرد کر دیئے ہیں۔ ہر ایک معاملہ کو اپنی رائے سے تجویز کر سکتا۔ اور نافذ کر سکتا ہے ایسے والیان ممالک کی مثال درکار ہے۔ تو سلاطین سلجوقیہ۔ ویلمیہ۔ صلاحیہ۔ سامانیہ وغیرہ (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

ان وجوہ سے ان کو اس متعارف امر کی تسلیم میں تو تامل نہ ہوا۔ ہاں تامل و خلجان یا انکار و نزاع ہوا تو اس میں کہ طالوت کو اس منصبِ جلیل کیلئے کیوں منتخب کیا گیا۔ یہ بات اُن کو انوکھی معلوم ہوئی کہ برخلاف معمول سابق خاندان یہودا سے منتقل ہو کر ملک کسی اور خاندان میں چلا جائے۔ طالوت اپنی ذات سے مفلس و تنگ دست تھے اپنے پیشہ کے اعتبار سے بھی ذی وجاہت ہونیکے بجائے کم رتبہ سمجھے جاتے تھے کیونکہ وہ دباغ (چمڑہ رنگنے والے) یا سقا (پانی بھرنیوالے) تھے اور یہ دونوں پیشے مخلوق کی نگاہ میں حقیر و متبذل سمجھے جاتے ہیں۔ ادھر خاندان سلطنت میں سے نہ تھے کیونکہ وہ بنیامین بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں تھے اور بنی اسرائیل کی عادۃ مستمرہ یہ تھی کہ اپنے انبیا علیہم السلام کی بات بھی بلا کسی قسم کی نکتہ چینی کے نہ مانتے تھے۔ اسلئے منازعت کیلئے تیار ہو گئے اور کہنے لگے طالوت کو کیوں بادشاہ بنایا گیا۔ اس کو ہم پر کیوں فوقیت دی گئی۔ وہ کونسی بات اُس میں موجود ہے کہ ہم باوجود ہر قسم کی قابلیت۔ وجاہت و لیاقت کے نظر انداز کر دیئے گئے اُنکے ان اعتراضات و خدشات کا جواب خداوند عالم نے آیات مذکورہ میں دیدیا جس کا حاصل یہ ہے کہ تمہاری نظر اس ظاہری

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کو جو نسبت خلافت عباسیہ کے ساتھ تھی اسکو پیش نظر کر لیجئے۔ اور خاص اختیارات کی حالت میں جبکہ اسکو تجویز حکم کا اختیار نہیں دیا گیا بلکہ صرف تنفیذ کا اختیار دیا ہو وہ کسی امر کو اپنی رائے سے تجویز و فیصل نہیں کر سکتا۔ ہاں خلیفہ امام کے احکام کو جاری و نافذ کر سکتا ہے تو ایسے امیر یا والیوں کو امیر یا والی تنفیذ کہہ سکتے ہیں۔ اسیطرح وزرا کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وزیر تفویض دوسرا وزیر تنفیذ۔ وزیر تفویض کے اختیارات بالکل وہی ہوتے ہیں جو امام کے اُسکو کسی امر میں امام سے استفسار یا استمزاج کی حاجت نہیں ہوتی ہر وہ بھی مثل امام کے دوسرا مستقل امام ہوتا ہے اور اسی لئے اُسکے اندر اکثر ایسے شرائط کا وجود ضروری ہے جو امام کیلئے لازمی ہیں۔ فرق ہوتا ہے تو اتنا کہ وزیر تفویض کا عزل و نصب امام کے ہاتھ میں ہوتا ہے وہ جب چاہے اُسکے اختیارات کو سلب کر سکتا ہے۔ گویا امام اصل ہے اور یہ اُس کا ظل۔ اور وزیر تنفیذ خود کوئی حکم نہیں دے سکتا اور نہ تجویز کر سکتا ہے۔ وہ ہر ایک معاملہ میں امام کے حکم و رائے کا محتاج ہے۔ اُس کا منصب صرف اس قدر ہے کہ امام کے یہاں سے صادر شدہ احکام کو نافذ کر دے۔ ملوک بنی اسرائیل جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے اُن کی شان یہ معلوم ہوتی ہے کہ شرائع میں تابع احکام انبیاء علیہم السلام ہوتے تھے اور کوئی معاملہ خلاف منشاء شریعت طے نہ کر سکتے تھے۔ شریعت کا منشا معلوم ہونے کا ذریعہ انبیاء علیہم السلام ہوتے تھے ہر موقع و مقام کے مناسب انبیاء علیہم السلام احکام شریعت ظاہر فرماتے تھے اور ملوک اُنکا اتباع کرتے تھے۔ اس اعتبار سے اگر اُن کو وزیر تنفیذ کہدیا جائے تو کچھ مستبعد نہیں ہوتا۔ لیکن جب یہ دیکھا جائے کہ دو شعبوں ہدایت خلق و نظام عالم میں سے ایک شعبہ کے اختیارات مستقلاً اُن کی سپرد کر دیئے گئے ہیں تو اس اعتبار سے اُن کو وزیر یا والی تفویض کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ امامت و سیاست کے بارے میں بذیل سلسلہ تعلیمات اسلام ہم ارادہ رکھتے ہیں ہم اگر توفیق آلٰہی نے مدد فرمائی تو مستقل لکھیں گے اُس میں انشاء اللہ تعالیٰ اس بحث کو مفصل و مدلل درج کریں گے۔ یہاں بقدر ضرورت اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے ۱۲ منہ

شان ونمود مال ودولت پر ہے تم ان باتوں کو نہیں سمجھتے جنکی وجہ سے حقیقتاً قابلیت سلطنت کی ہوتی ہے۔ طالوت میں وہ قابلیتیں موجود ہیں جو تم میں نہیں ہیں۔ علم اُن کا تم سے زیادہ ہے۔ قوتِ جسمانی وسلامتی حواس میں وہ تم سے زیادہ ہیں اور انہیں پر ادائے فرائض سلطنت کا مدار ہے۔

پھر اس کے علاوہ یہ ہے کہ مملکت وسلطنت موہبت الٰہی ہے اُس کو اختیار ہے اپنا ملک جس کو چاہے عطا فرمائے۔ قابلیت پیدا کرنا بھی اُسی کے اختیار میں ہے اور عطائے ملک بھی واللہ یؤتی ملکہ من یشاء۔

ملک وسلطنت کے یہ دونوں سلسلے اسی طرح جُدا جُدا چلے آئے۔ لیکن حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کی ذات میں ان دونوں کو جمع کر دیا گیا۔ کلام اللہ میں ارشاد ہے۔

کلاً اٰتینا حکماً وعلماً | (ہم نے ہر ایک کو علم وحکم عطا کیا)

اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو حضرت داؤد علیہ السلام سے بھی زیادہ وسیع حکومت دی گئی۔ اُن کی حکومت انسانوں سے متجاوز ہو کر جنات طیور ووحوش پر بھی تھی۔ ہوا کو اُن کیلئے مسخر کر دیا گیا تھا طیور ووحوش سے پہرہ چوکی کا کام لیا جاتا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خود اس کی دعا فرمائی تھی۔ جو درجۂ اجابت کو پہونچی۔

وھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی انک انت الوھاب | (مجھ کو ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی کیلئے نہ ہو تحقیق تو بڑی بخشش والا ہے)

فائدہ۔ اس آیت میں دو امر قابل تنقیح وبحث ہیں۔

اوّل یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کا مطلب کیا تھا۔

سو معلوم کر لینا چاہئے کہ اس دعا کے تین مطلب بیان کئے گئے ہیں اوّل یہ جو ظاہر الفاظ آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ مجھکو ایسا ملک عطا فرما کہ جو میرے بعد کسی کو ایسا ملک نہ ملے۔ کیونکہ مواقع تعریف ومدح یا طلب میں جب ایسے الفاظ کو جمع کیا جاتا ہے جو ظاہراً دوسروں کی نفی پر دلالت کرتے ہیں تو عرف واستعمال میں صرف اپنے لئے کسی بڑی چیز کی طلب یا کسی کے فضل وکمال کی عظمت کا اظہار مقصود ہوتا ہے دوسروں سے نفی مطلوب نہیں ہوتی مثلاً کسی کی مدح میں کہا جاتا ہے۔

لفلان مالیس لاحد من الفضل والمال | (فلاں شخص کی فضیلت ودولت ایسی ہے جو کسیکو حاصل نہیں ہے)

اس عبارت میں مدلولِ الفاظ صاف و صریح طور پر ممدوح کیلئے اثبات اور غیر ممدوح سے نفی و سلب ہے لیکن عرف و استعمال شاہد ہے کہ نہ قائل کی یہ غرض ہے اور نہ سامع اس سے یہ مطلب سمجھتا ہے اُس سے صرف ممدوح کے فضل و کمال کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔ سوم یہ کہ اس عبارت میں ایک کلمہ کو مقدر مانا جائے اور تقدیر عبارت اس طرح کی جائے۔

لا ینبغی لاحد سلبہ یعنی مجھکو ایسا ملک عطا فرما جو مجھ سے سلب نہ کیا جائے اور چھین نہ لیا جائے۔

اور اس وقت دعا کا مطلب یہ نہ ہوگا کہ مجھ کو نہایت عظیم الشان ملک عطا فرما۔ جو فی حد ذاتہ بے مثل ہو۔ اور نہ یہ ہوگا کہ اُس جیسا ملک کسی اور کو نہ ملے۔ بلکہ یہ ہوگا کہ جیسا ایک ابتلا کے بعد جس کا آیۂ سابقہ میں ذکر ہو چکا ہے۔ چند روز کیلئے میرا ملک مجھ سے سلب کر لیا گیا تھا۔ آئندہ مسلوب نہ ہو اور کسی کو اُس کے سلب کرنے کی قدرت و طاقت نہ ہو۔

یہ تین احتمال ہیں اس آیت کے مطلب میں جن میں سے احتمال اول باعتبار مدلولِ الفاظ اور مطابق دلالتِ کلام ہونے کے قوی ہے اور اُس سے عدل و تجاوز کرکے دوسرے معنی کی طرف جو باعتبار دلالت خفی ہوں اور اُن کی مراد لینے میں عرف و استعمال کا سہارا حاصل کرنے کی ضرورت پڑی یا جو مدلول سے بعید ہوں۔ کوئی وجہ نہیں ہے۔

مگر مفسر کبھی ایسے ظاہر الدلالت معنی مراد لینے میں و تامل ہیں۔ اول یہ کہ کسی اور کو ایسا ملک نہ دیئے جانے کی دعا کرنا منافستہ میں داخل ہے جو ایسے جلیل القدر نبی کی شان سے مستبعد ہے۔ اپنے لئے طلب کرنا اگرچہ منشار اُس کا صحیح ہو معیوب و مذموم نہیں لیکن دوسرے کو فضیلت و نعمت سے محروم کرنے کی خواہش کرنا اچھا نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا مقبول ہو چکی اور اب کسی کو ایسا ملک ملنا نہ چاہئے۔ لیکن ایک حدیث سے جو بخاری وغیرہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایسی عام حکومت و اختیارات جن و انس پر حاصل تھے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان عفریتا جعل یتفلت علی البارحۃ لیقطع علی صلوتی وان اللہ تعالی امکننی منہ فلقد ھممت ان اربطہ	ایک بھوت نا کل رات میری طرف اس غرض سے آیا کہ میری نماز کو منقطع کردے۔ اللہ تعالی نے مجھ کو قابو دیدیا۔ میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اس کو مسجد کے کسی ستون سے باندھ دوں تا کہ

الی ساریۃ من سواری المسجد حتی تصبحوا فتنظروا الیہ کلکم فذکرت قول اخی سلیمان رب اغفرلی وھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی فردہ اللہ خاسئا

صبح کو تم سب بھی اُس کو دیکھو لیکن مجھ کو میرے بھائی سلیمان کی دعا رب اغفرلی وھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی یاد آگئی۔ خدا تعالیٰ نے ذلت کے ساتھ اس کو لوٹا دیا۔

اور اسی لئے دوسرے معنوں میں سے معنی ثانی کو مرجح سمجھتے ہیں کہ اُن میں کوئی خلجان نہیں ہے لیکن میرے خیال میں یہ دونوں باتیں ایسی نہیں ہیں جنکی وجہ سے ان ظاہر الدلالت معنی کو ترک کیا جائے، اگر مان لیا جائے کہ اس دعا سے منافسۃ معلوم ہوتی ہے تب بھی ہم کو یہ غور کرنا چاہئے کہ منشاء اسکا کیا ہے۔ آیا ذاتی عزوجاہ ہے یا اظہار شوکت دین الٰہی وجلالت قدر انبیاء علیہم السلام۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک وسیع واختیار وتسلط عام جن وانس طیور ووحوش پر تو پہلے سے دیا ہی گیا تھا۔ اسلئے اُسکی خواہش تو دراصل اُنکو نہ تھی اور نہ ایسی دعا کرنے کا خیال تھا مگر چونکہ اُسی ابتلا وامتحان کی وجہ سے جو اُنکو پیش آیا جس کی وجہ سے چندروز ان کا ملک مسلوب اور اختیارات ساقط ہوگئے تھے ان کو یہ ضرورت پیش آئی کہ انبیاء علیہم السلام کی جلالت شان۔ اپنے قرب منزلت عند اللہ اور قدرت باری کی وسعت کا اظہار کریں اور دکھلادیں کہ گو اس ابتلا کی وجہ سے چندروز یہ ملک مسلوب ہوگیا ہو۔ مگر اب مجھ کو وہی ملک پہلے سے زیادہ استحکام کیساتھ مل گیا کہ نہ اب اُسپر کسی کا خواہ جن ہو یا انس تسلط ہوسکتا ہے اور نہ میرے بعد کسی کو ایسا ملک مل سکتا ہے اور جبکہ منشاء اس دعا کا یہ ہے تو اس میں کچھ ہرج نہیں ہو اور نہ خلاف شان انبیاء علیہم السلام ہے رہا خلجان ثانی وہ بھی کچھ نہیں ہے کیونکہ اس دعا میں اگرچہ لفظ غیری عام ہو مگر ہر عام میں بعض چیزیں مستثنی بھی ہوتی ہیں اور یہ استثناء اُسکے عموم کو باطل نہیں کرتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا اُسی عام مفہوم کیموافق مقبول بھی ہوچکی ہو اور فرض کرلو کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو ایسی عظمت وشان کا وسیع ملک اور کامل وتام اختیارات بھی عطا کئے گئے ہوں اور آپ سلطنت ومملکت کے اعتبار سے بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے مساوی نہیں بلکہ بدرجہا بڑھے ہوئے ہوں تب بھی اس دعا کے عموم اور اجابت دعا میں فرق نہیں پڑتا کیونکہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آپ کی دعا کے مفہوم میں داخل ہی نہیں ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السّلام آپ کے منزلت عند اللہ۔ نبوت حقیقی و ذاتی۔ انبیاء علیہم السّلام کے آپ سے مستفیض اور تابع ہونے کو بخوبی جانتے تھے پھر اپنی دعار کے عموم میں آپ کو کیسے داخل کر سکتے تھے۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ایک عفریت پر تسلط دیا گیا وہ بھی ایک وقت خاص میں جیساکہ لفظ امکنني اللہ منہ سے معلوم ہوتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ کوئی مطلب ہو سکتا ہے تو یہ کہ جنات پر آپ کا تسلط تھا اور اس خاص شعبہ میں آپ کی حکومت حضرت سلیمان علیہ السّلام کے مساوی تھی۔ لیکن اُن کی حکومت تو علاوہ جنات کے اور چیزوں پر بھی تھی اور اس حدیث سے یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت و مملکت حضرت سلیمان علیہ السّلام کی طرح عام تھی پھر اسمیں خلجان کیا رہا اور حضرت سلیمان علیہ السّلام کی دعا کا علی سبیل العموم مقبول ہونا کیونکر باطل ہوگیا۔

ان سب کے علاوہ یہ بات ہو کہ بیشک جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بادشاہوں کے بادشاہ اور نبیوں کے نبی تھے جس کو جو کمال ملا آپ کی وساطت سے ملا۔ تمام کون آپ کے زیر نگین تھا۔ اور اس اعتبار سے آپ کی روحانی وجسمانی برتری۔ حکومت وسطوت کو حضرت سلیمان علیہ السّلام سے بھی عظیم الشان کہا جائے تو بجا و درست ہے مگر آپ کی شان ملوک و سلاطین کی شان نہ تھی۔ باوجود اس عظمت و اقتدار کے آپنے اپنے لئے شان عبدیت کو ہی پسند فرمایا۔ آکل کما یاکل العبد (اس طرح کھاتا ہوں جس طرح ایک بندہ کھاتا ہی) کبھی تخت رواں پر بیٹھکر ہوا میں چلنے کو پسند نہیں فرمایا۔ نہ جنات سے آپنے معماروں مزدوروں کا کام لیا۔ نہ وحوش وطیور کی افواج صف بستہ آپکے سامنے کھڑی ہوتی تھی۔ نہ تخت شاہی پر جلوس فرمایا۔ پھر جب آپنے باوجود اس عموم حکومت واقتدار واختیارات اپنے لئے اس طرز وشان کو پسند نہیں فرمایا اور نہ آپ کا طرز ملوک وسلاطین کا طرز تھا۔ تو اس حالت میں حضرت سلیمان علیہ السّلام کی عموم حکومت وسلطنت سے اس کو کیا منافات ہے۔

جب یہ دونوں خلجان مرتفع ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم حضرت سلیمان علیہ السّلام کی دعار کے ظاہری مطلب کو چھوڑ کر دوسرے معنی کی طرف توجہ کریں۔ بیشک جہاں تک ہمارا خیال ہو اس آیت کا یہی مطلب سمجھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ خود جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے مفہوم ہوتا ہی کہ آپ نے بھی اس دعار کا یہی مطلب سمجھا ورنہ آپ کو اس ارشاد کی کیا ضرورت تھی فلکرت قول

اخی سلیمان رب اغفرلی وھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی۔
اور تواریخ عالم بھی شاہد ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام کے بعد کسی بادشاہ کو نہ اتنا وسیع ملک ملا نہ ایسے عام اختیارات عطا ہوئے۔

رہی یہ بات کہ ایک عفریت کو پکڑ کر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ستون مسجد سے باندھ بھی دیتے تو اس سے مساوات حکومت سلیمان علیہ السّلام کیونکر ہو جاتی پھر کیا وجہ تھی کہ آپنے اس دعا کے خیال سے اُس کو چھوڑ دیا۔ سو جواب اسکا یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کمال رعایت و پاس درجہ دعا و اجابت دعا کا تھا کہ ایک جزو میں بھی تھوڑے سے اشتراک کو پسند نہ فرمایا۔ اور اسی سے ہماری اس غرض کی مزید تائید ہوتی ہے کہ آپ کو بیشک ہر قسم کے اقتدار و اختیارات تمام موجودات پر حاصل تھے آپ اولین و آخرین کے سردار۔ مبدء فیوض و برکات تھے خلقِ عالم کی منشاء تھے۔ مگر آپنے شان ملکیت اختیار کرنے اور ملوک و سلاطین کے ساتھ اشتراک کو خواہ نبی ہوں یا غیر نبی اور وہ اشتراک خواہ اسم میں ہو یا رسم میں کسی حد تک بھی پسند نہیں فرمایا۔

معنی اوّل مراد لینے کی صورت میں ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ دونوں آخری معنی خود بخود اسکے ساتھ آجاتے ہیں کیونکہ ایسا ملک جو کسی کو نہ ملے خود عظیم الشان بھی ہوگا اور کسی کو اُس کے سلب پر قدرت نہ ہوگی۔ اور وہ کبھی مسلوب نہ ہوگا۔

امر ثانی یہ کہ ایسی دعا کرنیکا منشا کیا تھا۔ اس میں اقوال مختلف ہیں اگر سب کو مفصلاً بیان کیا جائے تو نہایت طول ہو جائیگا اور یہ موقع اس کا نہیں ہے لہذا باختصار بیان کیا جاتا ہے۔

بعض کا قول تو یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام جب اس ابتلاء میں مبتلا ہوئے جس کا ذکر آیۂ سابقہ میں ہوا ہے تو اُسکے بعد آپنے قبولیت دعا کی علامت کے طور پر اور اس اثر کے دفعیہ کے لئے جو ابتلا سے پیدا ہوا تھا۔ یہ دعا مانگی تا کہ عوام و خواص کو معلوم ہو جائے کہ اس ابتلاء سے آپ کی عظمتِ شان۔ قرب و منزلت عند اللہ میں کچھ فرق نہیں آیا بلکہ اور زیادہ بڑھ گئی اور یہ کہ ابتلا ایسا ہی تھا جیسا کہ خواص و مقربین کو پیش آجاتا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ دعا اس لئے تھی کہ اسقدر عظیم الشان ملک و دولت طاعات و عبادات خداوندی کی کثرت کا ذریعہ بنجائے۔ کیونکہ اگر مال و دولت دنیا کو امور خیر اور ابتغاء مرضات اللہ میں صرف کیا

جائے اور یہ دنیا حصول دین کا وسیلہ ہو جائے تو ایسی دنیا نہایت محمود ہے جناب رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے

نعم المال الصالح للرجل الصالح	مال صالح مرد صالح کے لئے بہت اچھی چیز ہے۔

ظاہر ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام ایسے ملک عظیم کے مالک و متصرف ہوں جو شاہان دنیا میں کسی کو نصیب نہیں ہوا اور نہ آپ کے بعد کسی کو نصیب ہوا اور اس حال میں ایک ساعت کے لئے بھی اس کی طرف ملتفت نہ ہوں۔ اُس سے کام لیا جائے تو صرف اصلاح دین۔ تکثیر خیرات و مبرات کا تو اُسکے ذریعہ تقرب الٰہی ہونے میں کیا تردد ہے پس ان کا اس ملکِ عظیم کا طلب کرنا درحقیقت سراسر خیر تھا۔ بلاد و عباد سب کی بہتری اُس میں ملحوظ تھی۔

زمخشری کہتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام خاندان ملک و نبوت میں تھے یعنی آپ کے خاندان میں ملک و نبوت کو جمع کر دیا گیا تھا آپ کو نبوت و سلطنت اپنے والد داؤد علیہ السلام سے ملی تھی۔ آپ کو مملکت و سلطنت سے اُنس حاصل تھا۔ آپ نے اپنی نبوت کی دلیل کیلئے معجزہ بھی اُسی نوعیت کا طلب کیا یعنی مجھ کو ایسا ملک عطا فرما جو کسی کو نہیں ملا اور یہ امر معجزہ کی حد میں جبھی داخل ہوتا ہے جب بطور خرق عادت کے ہو۔

زمخشری کے اس قول کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہ زمانہ قوم جبارین کے تسلط و مملکت کا زمانہ تھا ان کو اپنی وسعت ملک اور تسلط و قوت پر فخر تھا۔ اور یہ ایک امر مسلم ہے کہ ہر نبی کو مناسب وقت معجزہ عطا ہوتا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر کا کمال درجہ غایت کو پہنچا ہوا تھا تو آپ کو معجزہ بھی اُسی قسم کا دیا گیا۔ جسکے مقابلہ سے فن سحر کے صاحب کمال باوجود اشتراک ظاہری عاجز آگئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا چرچا تھا۔ بڑے بڑے صاحب کمال طبیب موجود تھے۔ سخت سے سخت امراض کے معالجہ میں اُن کو کامل دستگاہ حاصل تھی ایسے زمانہ میں آپ کو معجزہ احیاء موتے۔ اور ابراء اکمہ و ابرص عطا ہوا جسکے مقابلہ سے بڑے بڑے طبیب عاجز و درماندہ ہو گئے۔

علیٰ ہذا حضرت خاتم النبیین کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا دور دورہ تھا۔ اہل عرب کو اپنی فصاحت و بلاغت پر فخر تھا اپنے مقابلہ میں وہ ساری دنیا کو عجم کا خطاب دیتے تھے گویا سوا اُنکے دنیا میں کوئی قوم اپنے مافی الضمیر کو کما حقہ ادا کرنے پر قادر ہی نہیں ہے۔ ایسے وقت جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو معجزہ کلام اللہ عطا فرمایا گیا اور وہ بڑے بڑے مدعیان فصاحت و بلاغت اس کی

ایک چھوٹی سی سورۃ کے مقابلہ سے عاجز رہ گئے۔

بعینہ اسی قاعدہ کے موافق اس زمانہ میں جبکہ ممالک وسیعہ سطوت وشوکت کے حصول پر جبارین کو فخر تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا ہوا۔

لیکن اس دعا کو بطور طلب معجزہ تسلیم کرنے میں ایک اشکال ہے۔ وہ یہ کہ معجزہ ابتدار نبوت کے وقت عطا ہوتا ہے اور یہ واقعہ جیسا کہ سیاق آیات سے معلوم ہوتا ہے درمیان کا ہے۔ یعنی آپ کو ملک ونبوت عطا ہونے اور ایک زمانہ تک ایسے عظیم الشان ملک پر حکمرانی کرنے اور فتنہ میں مبتلا ہوکر اُس سے نجات حاصل ہونے کے بعد کا ہے۔

جواب اس اشکال کا یہ ہے کہ ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ معجزہ کے لئے شرط ہے کہ ابتدار نبوت کے وقت طلب کیا جائے۔ اور تسلیم بھی کرلیں تو آیۃ اس امر کے لئے نص صریح نہیں ہے کہ یہ دعا درمیان میں ہوئی۔ ممکن ہے کہ ابتدار نبوت ہی کا واقعہ ہو۔

میں کہہ سکتا ہوں کہ زمخشری کا قول اگرچہ صحیح ہوسکتا ہے اور جواب اشکال کو بھی اگرچہ اُس میں بہت سے خلجان ہیں تسلیم کیا جا سکتا ہے لیکن سیاق آیۃ بالکل اس کی تائید نہیں کرتا۔

اس بحث میں بہت سے اُمور قابل تحقیق تھے۔ مگر چونکہ یہ موقعہ اس کا نہیں اسلئے ہم اتنے ہی پر قناعت کرکے اور اس ضمنی فائدہ کو ختم کرکے اصل مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

(بنی اسرائیل میں) نبوت وسلطنت مجتمع ومتفرق ہونیکی وہ صورت تھی جو اوپر عرض کی گئی۔ ختم الانبیار کا زمانہ آیا۔ اور امت محمدیہ کو تمام عالم پر حق ریاست وحکومت عطا ہوا تو مملکت کو نبوت سے جدا نہیں رکھا گیا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان وہی تھی جو سابق میں عرض کرچکے کہ باوجود کونین کے زیر نگین ہونے کے آپ نے اپنے لئے شان عبدیت ہی کو پسند فرمایا۔ آپ نے سلطنت ومملکت کے کسی ایک طرز وانداز کو بھی گوارا نہیں فرمایا۔ مگر جو اختیارات ایک شہنشاہ اعظم کے ہوتے چاہئیں وہ سب آپ ہی کے قبضہ میں تھے۔ اور آپ اُنکا استعمال فرماتے تھے صوبوں کے والیوں کا تقرر آپ کے حکم سے ہوتا تھا۔ قاضی آپ مقرر فرماتے تھے تحصیل محاصل آپ کے حکم سے ہوتا تھا۔ اموال خراج و زکوٰۃ آپ کی خدمت میں لائے جاتے تھے۔ مہمات غزوات وسرایا بنفس نفیس انجام دیتے تھے۔ یا کسی

کو اپنا قائم مقام مقرر فرماتے تھے۔ الغرض سوائے ظاہری شان سلطنت جملہ امور جو سلطان وقت کے متعلق ہوتے ہیں۔ آپ کے دستِ مبارک میں تھے اور نظامِ سلطنت کیلئے کوئی جداگانہ سلطان نہ تھا۔ آپ خاتم الانبیاء تھے۔ نبوت کا سلسلہ آپ کی ذات مبارک پر ختم ہو چکا۔ یہ صورت تو باقی نہ رہی کہ نبوت و سلطنت یکجا جمع ہو جائیں اور اقتضاءِ اصلی حالت امت مرحومہ یہ تھا کہ یہ سلسلہ اسی شان و انداز سے بحیثیت اجتماعی قائم رہے۔ اور اُس میں نبوت کے آثار اور حکومت و سلطنت کے لوازم مجتمع رہیں، یہ درجہ خلافت راشدہ کا تھا خلفائے راشدین نبی نہ تھے۔ مگر منہاجِ نبوت کو عیاناً و کشفاً سمجھے ہوئے اُس پر خود چلنے اور دوسروں کو چلانے کی قابلیت تام رکھتے تھے۔ علومِ نبوت کا انعکاس تام اُن میں موجود تھا۔ اور اس بناء پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے طریقے و سنت کو اپنی سنت کیساتھ ملحق فرمایا۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین۔	میری سنت کو اور خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑو۔

خلفاء راشدین میں بھی شیخین درجہ بدرجہ فائق تھے۔ اسلئے اُن کی اتباع و اقتدار کا خاص حکم دیا گیا۔

اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر	اقتدار کرو اُن دو کی جو میرے بعد ہونگے یعنی ابی بکر و عمر کا

خلیفہ راشد کا کام یہ ہے کہ وہ نظام ظاہری کو قائم رکھنے کیساتھ امت کو منہاجِ نبوت پر چلائے اور یہ ایسا سخت و صعب کام ہے جس کا نبھانا نہایت دشوار ہے۔ سلاطین عادل کا وجود دنیا میں بہت ملیگا۔ مگر سلطنت علیٰ منہاج النبوت کا وجود عنقا کے حکم میں ہے۔ آپ کے مبارک و مسعود زمانہ کے بعد صرف تیس سال تک خلافت علیٰ منہاج النبوت کا سلسلہ رہا اور اُس کے بعد باوجودیکہ خلفاء مروانیہ و عباسیہ میں ایسے خلفاء ہوئے جو عدل و انصاف اور تنظیم امور سلطنت میں ضرب المثل ہیں۔ مگر اُنکی خلافت کو خلافت علیٰ منہاج النبوت نہیں کہتے۔ صرف عمر ابن عبد العزیز ایسے گذرے ہیں جنکی شان خلفاء راشدین کی سی تھی اور اسی وجہ سے اُنکے زمانہ کو مثل زمانہ خلفاء راشدین کہا جاتا ہے۔ یا آخر زمانہ میں امام مہدی ایسے ہونگے جنکے اندر دونوں وصف یعنی آثارِ نبوت و حکومت پوری طرح مجتمع ہونگے اور وہی خیرات و برکات عود کر آئیں گے جو زمانہ نبوت یا خلافت میں تھے انکے علاوہ بہت سے سلاطین رحمدل۔ انصاف پسند متشرع و متدین گذرے ہیں جنہوں نے

توسیع ممالک وحفظ حدود سلطنت واجرار احکامِ شریعت میں سرتوڑ کوشش کی ہو مگر امت نے انکو خلیفہ راشد تسلیم نہیں کیا اس کی وجہ بجز اس کے کچھ نہیں ہے کہ دونوں کو جمع کر کے ہر ایک آثار ولوازم کو اُسکی حد پر رکھنا نہایت سخت مرحلہ ہے اور سلطنت کو منہاج نبوت پر چلانا کٹھن کام ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مرض وفات میں ایک روز بہت بےچین تھے اور فرماتے تھے میری سمجھ میں نہیں آتا خلافت کے معاملہ میں کیا کروں۔ اسی تردد میں رہتا ہوں کہ اپنے بعد کس کو جانشین کروں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ علی رض کیسے ہیں آپ اُنکو ولی عہد کیوں نہیں بناتے۔ فرمایا وہ ہر طرح اہل ولائق ہیں۔ سوائے اسکے کہ اُنکے اندر مزاح وخوش طبعی ہے کوئی اور بات نہیں ہے۔ مجھے نظر آتا ہے کہ وہ متولی خلافت ہو جائیں تو تم کو حق کے اس راستہ پر لیکر چلیں جس کو تم پہچانتے ہو۔

یہ طریقہ جس کو صحابہ رضوان اللہ علیہم پہچانتے اور جانتے تھے وہی منہاج النبوت تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اُس طریقہ پر قائم رہنے دوسروں کو اس راہ پر چلانے کے پورے اہل تھے۔

اس ہمارے بیان سے نبوت سلطنت خلافت راشدہ کا فرق معلوم ہوگیا اور یہ بھی سمجھ میں آگیا کہ نبوت وسلطنت کے مجتمع ومتفرق ہونے میں کل چار احتمال ہیں۔ نبوت محض۔ سلطنت محض۔ نبوت وسلطنت ایک جا جمع ہوں۔ سلطنت علیٰ منہاج النبوت۔ سو محض نبوت تو ایسی ہی جیسے کہ انبیار بنی اسرائیل میں ہوتی تھی۔ جیسا کہ ہم مفصلاً بیان کر چکے ہیں کہ باوجود انبیار کے موجود ہونے کے سلطانِ وقت علیحدہ ہوتا تھا۔ نبوت وسلطنت دونوں کے اجتماع کی وہ صورت ہی جو حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کو بنی اسرائیل پر حاصل تھی۔ یا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں جمع کر دیئے گئے تھے اور سلطنت محضہ کی مثالیں ہزاروں موجود ہیں۔ بنی اسرائیل اور امت محمدیہ کی ہر قرن میں سلاطین کا سلسلہ موجود رہا۔ سلطنت علیٰ منہاج النبوت جس کو ہم نے خلافت راشدہ کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ اسکے اندر ایک جانب تو اختیارات سلطنت کامل وتام موجود ہوتے ہیں۔ دوسری جانب نبوۃ کے آثار بھی پورے نمودار ہوتے ہیں اسی وجہ سے اُنکے احکام نبوت کے احکام کے ساتھ ملحق سمجھے جاتے ہیں۔ ان چاروں کے فرائض بھی متفاوت ہیں۔ نبی وحی الٰہی کے تابع ہوتے ہیں اور اُس کے اشارہ پر معاش ومعاد کے احکام کی تلقین

کرتے ہیں اُن کے حکم کی اطاعت فرض ولازمی ہوتی ہے۔ اُس سے روگردانی کرنے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہوکر مردود ابدی ہوجاتا ہے۔

سلطان احکام شرعیہ میں بالکل نبی کے تابع ہوتا ہے۔ البتہ نظامِ عالم کو قواعد شرعیہ کے مطابق قائم کرتا۔ عدل وانصاف کے قوانین جاری کرتا ہے۔ تمام معاملات کا خواہ زرعی ہوں یا تجارتی۔ تمدنی ہوں یا سیاسی۔ صلح کے ہوں یا جنگ کے اُسی سے تعلق ہوتا ہے اور اسی احاطہ میں خودمختار بنکر اپنے احکام نافذ کرتا ہے۔

خلیفہ راشد میں سلطنت وحکومت کی جہت غالب آتی ہے۔ مگر چونکہ وہ مشکوٰۃ نبوت سے بھی مقتبس ومستنیر ہوتا ہے۔ اسلئے اُسکے احکام واختیارات ایک حیثیت سے اگر بالکل سلاطین کے احکام واختیارات ہوتے ہیں تو دوسری حیثیت سے وہ اپنے اندر احکام نبوت کی جھلک بھی لئے ہوتا ہے اور اسی وجہ سے خلفاء راشدین کا اتباع گو اس درجہ کا فرض ولازمی نہیں ہے جیساکہ احکام انبیاء کا۔ مگر اسمیں شک نہیں اُنکی سنت وطریقہ سنت کو انبیاء کی مماثل ومشابہ بنادیا گیا ہے اور اُن کے اتباع کو ایک درجہ میں ضروری قرار دیا گیا ہے۔

خلیفۂ راشد اور سلطانِ عادل کے طریقے اُن کے احکام کا فرق اگر آپ سمجھنا چاہتے ہیں تو تاریخ وسیر میں خلفاء راشدین کے حالات ملاحظہ فرمایئے آپ کو صدہا مثالیں ایسی ملیں گی کہ خلیفہ کا حکم یا طرزِ عمل سیاسی پہلو سے علٰحدہ ہوکر اصلاحِ معاد وتہذیب اخلاق وملکات تصفیۂ باطن وتزکیہ خواطر پر مبنی ہوتا ہے۔

مثال کی ضرورت ہے تو دیکھیے۔

حضرت معاذ ابن جبل انصاری رضی اللہ عنہ نوجوان خوش رو خوش خو۔ کشادہ دل سخی تھے۔ اپنی قوم کے بہترین نوجوانوں میں سے سخاوت وکشادہ دستی کا یہ حال تھا کہ کسی چیز کا رکھنا اور جمع کرنا جانتے ہی نہ تھے۔ ایسے سخی کریم النفس کی آمدنی اگرچہ وہ فی حد ذاتہ زیادہ بھی ہو۔ کہاں تک خرچ کا ساتھ نباہ سکتی تھی۔ آخر قرض لیکر خرچ کرنا شروع کیا اور اس قدر قرضدار ہوگئے کہ تمام اموال منقولہ وغیر منقولہ قرض کے احاطہ میں آگئے۔

جب آمدنی کی کوئی صورت نہ رہی قرضخواہوں نے مطالبہ شروع کیا تو حضرت معاذ جناب

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں بدیں غرض حاضر ہوئے کہ آپ کے ایما پر قرضخواہ کچھ نہ کچھ مسامحت کریں گے اور کسی حصہ دین سے درگذر کرکے تھوڑے پر قناعت کرلیں گے۔ قرضخواہوں نے باوجود آپ کے ایمار کے کچھ بھی چھوڑنا گوارا نہ کیا تو آخر خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا تمام مال فروخت کرکے قرض ادا فرمادیا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بالکل خالی ہاتھ رہ گئے کوئی چیز اُن کے پاس باقی نہ رہی جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اُن کی اس حالت کا فکر تھا فتح مکہ کے ساتھ آپ نے ملک یمن کے کسی حصہ پر اُن کو والی مقرر فرماکر بھیجا تاکہ اُنکی حالت کسی قدر درست ہوجائے اور جو نقصان مالی اُنکو پہنچا ہے اُس کا جبر اُس آمدنی سے ہوجائے جو بیت المال سے بمعاوضہ خدمت عطا ہوگی۔

حضرت معاذ رض اِدھر تو امیر یمن تھے اُدھر وہاں کچھ تجارت کی سلسلہ جنبانی کردی۔ اور اس طرح اچھی مقدار مال کی اُنکے پاس جمع ہوگئی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا حضرت عمر رض نے آپ سے عرض کیا کہ آپ معاذ کے پاس اتنا چھوڑکر جس سے وہ زندگی تیر کرسکیں باقی سب روپیہ و سامان لیکر بیت المال میں داخل فرمالیں۔ صدیق اکبر نے اس کے جواب میں فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے بھیجا تھا کہ اُن کے نقصان کی تلافی ہوجائے۔ ایسی حالت میں میں اُن سے خود نہ لوں گا ہاں وہ خود داخل کریں تو مضائقہ نہیں۔

حضرت عمر رض نے جب یہ دیکھا کہ ابوبکر صدیق رض نے اس بات کو قبول نہیں کیا تو خود حضرت معاذ کے پاس پہنچے اور یہ درخواست کی کہ تم اُس مال کو داخل بیت المال کردو حضرت معاذ نے وہی جواب دیا کہ میں یمن بھیجا ہی اسلئے گیا تھا کہ وہاں رہ کر تلافی نقصان کرلوں اب میں ہرگز کچھ بھی نہ دونگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سُنکر خاموش ہوگئے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد حضرت معاذ آپ سے ملے اور فرمایا کہ بھائی میں آپ کے ارشاد کی تعمیل کرونگا۔ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں پانی کے گرداب میں غوطے کھارہا ہوں۔ ڈوبنے کے قریب ہوں۔ تم نے مجھکو نجات دلائی ہے۔ اسکے بعد حضرت معاذ نے صدیق اکبر کی خدمت میں سارا ماجرا عرض کیا اور جو کچھ کما کرلائے تھے سامنے رکھکر بحلف عرض کیا کہ میں نے کسی چیز کو مخفی نہیں رکھا۔ صدیق اکبر نے حلف کیساتھ فرمایا کہ میں اسمیں سے کچھ نہ لونگا۔ میں اپنی طرف سے تمکو ہبہ کرتا ہوں حضرت عمر رض موجود تھے۔ فرمایا کہ اب اسکے رکھنے میں کچھ ہرج نہیں ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نہایت جلیل القدر اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں ہیں اُن کی فضیلت و منقبت کا اندازہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد امام العلماء بر ہو تہ (معاذ ابن جبل قیامت کے روز علماء کے آگے آگے رہیں گے اور اونچے مقام پر ہونگے)۔

ایسے جلیل القدر صحابی سے یہ تو ناممکن تھا کہ وہ بیت المال میں کسی قسم کی خیانت و بد احتیاطی کرتے یا رعایا کو ستا کر اپنا خزانہ پر کرتے۔ بطور روزینہ کے کچھ لیا تو وہ جائز تھا۔ بیت المال کے مال میں تجارت کرکے نفع حاصل کیا تو باذن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ آپ نے اُنکو یمن بھیجا ہی اسلئے تھا کہ وہاں اس نقصان کا جبر ہو جائے جو تمام جائداد و اموال کی فروخت سے پہنچ چکا تھا۔ ایسی حالت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اوّل صدیق اکبر سے اور پھر خود حضرت معاذ سے اموال مکسوبہ یمن کو واپس کردینے کیلئے اصرار کرنا اس بنا پر تو ہو نہیں سکتا کہ اُنکی طرف کسی قسم کی سوء ظنی تھی یا اس طریقہ کسب کو ناجائز اور مال مکسوب کو حرام و مشتبہ سمجھتے تھے۔ بلکہ بات تو یہی تھی کہ حضرت معاذ جیسے پاک بے لوث منقطع عن الدنیا کیلئے آپ اُسکو پسند نہ فرماتے تھے کہ دنیا یا متاع دنیا کی طرف کچھ بھی توجہ کریں۔ اُن کے دل میں ثروت و دولت کی کچھ بھی قدر و منزلت ہو۔ ولایت و قضار کے معاوضہ میں جو ایک ضروری اسلامی و دینی خدمت تھی سوا رکفاف یا قدر گذران اوقات کچھ بھی لیں۔ غرض اُنکے دل کو حب دنیا سے پاک رکھنا اور اُس تلوث سے دور رکھنا تھا جو ممکن ہے کہ ولایت صوبہ کی جلیل القدر منصب یا تحصیل مال میں ہو گیا ہو۔ یہی وجہ تھی کہ جبتک حضرت معاذ رض کی طبیعت میں کچھ بھی تعلق یا میلان اُس مال کی طرف رہا۔ آپ کی طرف سے اُس کی واپسی پر اصرار رہا۔ اور جس وقت وہ تعلق منقطع ہو کر خود واپس کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ دل سے اُس خیال کو دور کرکے حضرت صدیق اکبر کی خدمت میں سب کچھ حاضر کر دیا اور آپ نے اُسکے قبول سے انکار فرمایا۔ تب حضرت عمر رض نے بھی یہی فرمایا کہ اب اُسکے رکھنے میں کچھ حرج نہیں۔ کیوں اسلئے کہ جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا۔ اسوجہ سے نہیں کہ پہلے اُنکو رکھنا حرام و ناجائز تھا اب حلال ہو گیا۔

خیال فرمایئے کہ حضرت عمر رض کے اس اصرار کا کیا منشا تھا بجز تزکیہ باطن و تطہیر قلب کچھ نہ تھا۔ اُنکی ہمدردی و نصح دینی کا اقتضاء یہ تھا کہ جو حضرات شرف دیت و مجالست سرور انبیاء علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام سے مشرف ہو چکے۔ آپ کی برکات ظاہری و باطنی کی انعکاس نے اُنکی اخلاق و ملکات کو منور کر دیا

اور وہ انوارِ ایمانی سے مالامال ہو چکے اُن کو متاعِ دنیا سے کسی قسم کا رابطہ و تعلق نہ رہے۔ دنیا کو محض بلاغ یعنی ایامِ حیوٰۃ پورا کرکے دارِ آخرت تک پہنچانے کا ذریعہ سمجھیں۔

دوسری مثال درکار ہے تو دیکھئے کہ حضرت عمرؓ بجز اُن اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو بضرورۃ سرانجامی معرکہ ہائے رزم و بغرض اشاعت اسلام و توسیع ممالک اسلامیہ شام و عراق وغیرہ کے بھیجے گئے تھے۔ باقی جلیل القدر صحابہ کو بلا کسی خاص ضرورت کے حدود مدینہ منورہ سے باہر نکلنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ دنیا کے سرسبز و شاداب ممالک وہاں کے سامان عیش و طرب آسایش و راحت تلذذ و تنعم کو دیکھنے اُن سے حدِ جواز میں استمتاع و انتفاع کو پسند نہ فرماتے تھے اور فرماتے تھے میں چاہتا ہوں

لا یرون الدنیا ولا تراھم۔	نہ یہ دنیا کو دیکھیں اور نہ دنیا ان کو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ تشدد جس کو غالباً ایک سطحی نظر والا جابرانہ حکم سے تعبیر کر سکتا ہے۔ بظاہر قواعد شرعیہ اور اصول ممہدہ اسلامیہ میں داخل نہ تھا۔

نہ سیاحت کے لیے سفر کی ممانعت ہے نہ تجارت اور طلب رزق کیلئے مگر اسکا مبنٰی بھی وہی تزکیہ و تطہیر و قطع تعلقات دنیا و متاع دنیا تھا۔ آپ کو اسکی فکر لگی ہوئی تھی کہ جن کامل و اکمل افراد کا ببرکت صحبت حضرت سرور انبیاء علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام تزکیہ تام ہو چکا دنیا کی اُنکے قلب میں پشہ کی برابر قدر و قیمت نہیں رہی۔ وہ اسی طرح اُس عالم کو تشریف لیجائیں اور کسی نہج و کسی عنوان سے ظاہری طور پر اُنکو دنیا کی سرسبزی و شادابی اپنی طرف مائل نہ کر سکے۔

یہ اور اس قسم کے احکام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا اصل مقصود ہے اور یہ اُنکے خاص فرائض منصبی میں داخل ہے۔ انبیاء علیہم السلام جہاں ایک طرف اوامر و نواہی شرع کی تعلیم فرماتے تھے دوسری جانب دنیا و مافیہا کی نفرت ذہن نشین کرکے قلوب کا تزکیہ و تصفیہ فرماتے تھے۔

ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منہم یتلوا علیہم اٰیاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتٰب والحکمۃ۔	وہ ہے جس نے اُٹھایا بیچ اَن پڑھوں کے پیغمبر انہیں میں سے پڑھتا ہے اوپر اُن کے نشانیاں اُس کی اور پاک کرتا ہے اُن کو اور سکھلاتا ہے اُنکو کتاب و حکمت۔

خلفاء راشدین کو بھی انبیاء علیہم السلام کے دونوں قسم کے احکام و اختیارات سے حصہ ملا ہے اور اسی لیے ہم نے کہا ہے کہ وہ اختیاراتِ سلطنت کیساتھ آثارِ نبوت بھی اپنے اندر لئے ہوتے ہیں۔

جب خلافت راشدہ کی حقیقت اور اُس کے اختیارات و آثار کا حال ہمارے بیان مذکورہ بالا سے بخوبی منکشف ہوگیا۔ تو اب سُنئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

جو خلفاء میں بھی ایک خاص درجہ رکھتے ہیں۔ بلکہ یوں کہدیا جائے کہ خلافت راشدہ اپنی دونوں جانبوں اختیارات ولوازم سلطنت اور آثار و برکات نبوت سے پوری قوت کے ساتھ آپ ہی کے عہد میں ظاہر ہوئی۔ اگرچہ درجہ و مرتبہ صدیق اکبر کا ہر معاملہ میں آپ سے بڑھا ہوا ہو اور خلافت کے اُصول۔ فتوحِ امصار و بلاد کی قواعد ترتیبِ جیوش تنظیم عساکر تولیۃ امراء و قواد سب کی بنا آپ ہی کے ہاتھوں سے پڑی۔ ملک عرب کا فتنہ و فساد کے عام زلزلہ سے پاک و صاف کرنا صرف آپ ہی کی ذات سے ہوا ہے۔ اُسوقت آپ نے انبیاء اُلوالعزم کی سی استقامت وصبر سلاطین قاہرین کی سی قوت و شوکت کا ثبوت دیا اور سب کچھ وہ کیا جسکے کرنی بلکہ سمجھنے سے بھی جلیل القدر صحابہ قاصر ہو رہے تھے۔ مگر بایں ہمہ آپ کی خلافت کو شاہراہِ نبوت کا تتمہ سمجھنا چاہیئے آپ میں آثارِ نبوت کا غلبہ تھا۔ تنظیم بلاد وغیرہ امور سے آپ کو فطرتاً مناسبت زیادہ نہ تھی۔ آپ نے جو کچھ کیا وہ اُس داعیۂ خیر کی وجہ سے کیا جو بعد وفات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منجانب اللہ آپ کے روشن اور پاک دل میں پیدا کردیا گیا تھا جسکی وجہ سے تمام مہم اور عظیم الشان امور آپ نے سرانجام دیئے۔ اور اسی زہد اور عدم رغبت فی الدنیا کی بنا پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی خلافت کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے فرمایا۔ وفی نزعہ[۱] ضعف۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں ایک جانب تو شان محدثیت کا امتیازی درجہ موجود جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشکوٰۃ نبوت سے اقتباس انوار کامل و مکمل حاصل تھا۔ ادھر شان انتظامی ایسی اعلیٰ پیمانہ پر کہ اشد ھم فی امر اللہ کا گراں مایہ خطاب آپ کو ملا۔ ادھر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ میں جس کے اندر خلافت خلفائے راشدین کی طرف اشارہ ہے فلو ار[۲] عبقریا یفری فریہ۔

---

[۱] یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ ابوبکر نے دو ایک ڈول پانی کے کھینچے اور اُنکے کھینچنے میں ضعف ہے۱۲

[۲] نہیں دیکھا میں نے کسی جوان کو کہ عمر کا سا کام قوت سے کرتا ہو یہ بھی جملہ خواب کا ہے۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ ڈول کھینچ رہے ہیں آپ سے ڈول حضرت ابوبکر رضنے لیا دو ایک ڈول کھینچے آپ کے کھینچنے میں ضعف تھا پھر اُنسے ڈول حضرت عمر رضنے لیا تو خوب قوت سے بہت سے ڈول کھینچے اس قوت کو آپنے بایں الفاظ بیان فرمایا کہ میں نے کسی جوان قوی کو عمر کی طرح اپنا کام قوت سے کرتے نہ دیکھا ۱۲

کے حالات و معاملات۔ احکام و قضایا سے جو دربارہ حضرت خالد اُن سے آخر تک ظاہر ہوئی۔ دونوں قسم کے امور ظاہر ہوئے۔ بعض معاملات تو بر بنار قواعد و اصولِ سلطنت تھے اور منشار مواخذہ یا اجرار احکام یہ اُصول تھے۔ اور بعض معاملات کا مقتضا وہی امور تھے جو منصب نبوة سے تعلق رکھتے ہیں۔ اُن میں عام اعتقاد کا تحفظ۔ حضرت خالد کو دنیا اور اُس کے لذائذ و حظوظ سے بے لوث رکھکر تزکیہ خاطر کرنا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن چونکہ ان تمام حالات کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے اور ہم ہر موقعہ پر اشارہ بھی کرتے آئے ہیں۔ اسلئے یہاں اُنکے اعادہ کی ضرورت نہیں سمجھی۔ ہر صاحب فہم سلیم منطبق کرسکتا ہے۔ ہم نے اصل اور لم بیان کردی۔ سلطنت و خلافت کے فرق کو تبلادیا ہے۔ اسکو سمجھ لینا چاہیئے اور پھر اس کو دیکھ کر کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دونوں قسم کے معاملات کس قوت و صلابت کیساتھ صادر ہوئے ہیں۔ ہر ایک بات کی تہ کو پہنچ جانا چاہیئے۔ واللہ الہادی الی صراط المستقیم

فائدہ ثالثہ۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ انما بعثت معلما۔ (میں معلم بناکر بھیجا گیا ہوں) یعنی میرا اصلی اور حقیقی کام یہ ہے کہ جہل کی عام تاریکی کا پردہ عقول و بصائر سے اُٹھا کر علم کے انوار و برکات سے عالم کو منور کردوں۔ اِدھر دوسرا ارشاد ہے۔

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق	میں مکارم اخلاق۔ ملکات فاضلہ و اوصاف حسنہ کی تکمیل و تتمیم کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

یعنی مکارم اخلاق و ملکات فاضلہ کی تعلیم و تلقین کا سلسلہ گو ابتدار آفرینش سے جاری ہے ہر نبی نے اپنی شریعت میں اس کی تعلیم دی ہے۔ ہر ایک امتہ کے افراد صالحہ نے اخلاق و ملکات فاضلہ کے ذریعہ سے مدارج روحانی و جسمانی میں ترقی حاصل کی۔ انبیا علیہم السلام کے بیان فرمودہ اُصول و قواعد کو دیکھ کر اور سمجھ کر عقلار ہر زمانہ خواہ کسی دین و نبی کے پیرو ہوں یا نہ ہوں۔ اخلاقِ حسنہ و ملکاتِ فاضلہ کی تعلیم کو انسانی تمدن و تہذیب کا جزو لاینفک سمجھتے چلے آئے ہیں۔ مگر شریعت محمدیہ چونکہ تمام شرائع سابقہ کی مکمل شرع ہے اُن کے اندر جو افراط و تفریط تھی اسکو زائل کرکے جادۂ اعتدال قائم کرنیوالی ہے اور اسی کی طرف اشارہ ہے آیہ شریفہ۔

یضع عنہم اصرھم والاغلال التی کانت علیہم۔	دفع کرتے ہیں اُن سے اُن کا بوجھ اور شدائد جو ان پر پہلے سے تھے۔

اس لئے جس طرح احکام شریعت کے اندر امم سابقہ میں افراط وتفریط کو دخل تھا۔ اسی طرح مکارم اخلاق کے اندر بھی ایک گونہ افراط وتفریط موجود تھی۔ وجہ اسکی ظاہر ہے۔ ہر حکم شریعت کا منشار کوئی خلق طبعی اور ملکہ اصلی ہوتا ہے اور اس حکم ورکن شریعت سے ان اخلاق وملکات کے آثار وثمرات ظاہر ہوتے ہیں۔ کسی حکم میں اگر کسی ملکۂ فاضلہ کی تقویت واصلاح مدنظر ہوتی ہے تو دوسرے میں کسی ملکہ رذیلہ اور خلق ردی کا ازالہ ومحو مقصود ہوتا ہے۔ پس ضرور ہے کہ جب جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت تمام شرائع سابقہ کی ناسخ یا بالفاظ دیگر مکمل ہے تو آپ کی اخلاقی تعلیم بھی مکارم اخلاق کی مکمل ومتمم ہوگی۔

اکمال وتتمیم کے یہی معنی ہیں کہ اگر کسی ملت یا طبقہ میں کسی خُلق حسن پر عملدر آمد نہیں ہوا اُس کو زیادہ مستحسن یا قابل عمل والتفات نہیں سمجھا تو اسکی ترویج دی جائے۔ اُنکو اسکے آثار وثمرات سے مطلع کیا جائے۔ یا اگر کہیں خلق حسن کو بجائے خود مستحسن وواجب العمل سمجھا جاتا ہے مگر افراد قوم نے اپنے خود تراشیدہ خیالات سے اس کی صورت نوعیہ کو بدل ڈالا ہے اسکے طرق استعمال میں تغیر کر دیا ہے اُسکے اندر افراط وتفریط پیدا کر دی ہے۔ تو اُن امور زوائد کو حذف کر کے اصلی محاسن کی تعلیم دیکر جبر نقصان کر دیا جائے اور اس طرح اس کی تتمیم کر دی جائے۔

ہر ملک ہر ملت ہر طبقہ ہر قرن بلکہ ہر قوم اور اُسکی کل افراد میں اخلاق کی تقسیم حسنہ وقبیحہ کے اندر موجود ہے کسی جاہل سے جاہل قوم کے حالات ومعاملات کا بھی اگر تجسس وتفقد کرینگے تو آپ کو اُن کی روزانہ زندگی کے دیکھنے سے صاف صاف معلوم ہوجائیگا کہ انکی رسوم وعادات میں بعض اخلاق کا استحسان بعض کا استکراہ وقبح داخل ہے۔ اور اُسی پر اُنکی باہم معاشرت کے حسن وقبح کا مدار ہے۔ یہ تو طبقہ جہال غیر متمدن وحشی منش لوگوں کا حال ہے لیکن جو اہل عقل کہلاتے ہیں متمدن ہیں تہذیب وترقی نے اُنکی عقول کو مصفٰی ومجلّی کر دیا ہے۔ وہ انسانی معاشرت کے آداب واُصول سے کماحقہ واقف ہیں۔ اُنکے اندر تو اخلاق حسنہ وسیئہ کی توزیع وتقسیم کو بہت ہی بڑا دخل ہوتا ہے۔ جو اخلاق اُن کے نزدیک حسن وجمیل قرار دیئے گئے ہیں خواہ فطرۃ سلیمہ کے نزدیک وہ جمیل نہ بھی ہوں۔ کسی شریعت نے اُنکو تعلیم نہ دی ہو مگر وہ اپنی زندگی کا لب لباب۔ اپنی برتری وبہتری قوم میں اپنی عزت ورفعت انہیں اخلاق کے ساتھ متصف ہونے میں سمجھتے ہیں۔ بسا اوقات ایسے اخلاق کسی قوم میں رائج ہوجاتے ہیں جیسا کہ

نفس الامر میں قبیح اور قابل نفرت ہیں۔ اس قوم کے بعض افراد کو بھی اسی طرح کھٹکتے ہیں مگر یہ شخص باوجود ایسے افعال اور انکی منشاء یعنی اس خلق و ملکہ کو سخت نفرت وحقارت سے دیکھنے کے اپنی قوم کے خود تراشیدہ تہذیب و تمدن کو سنبھالنے کیلئے ان اخلاق کیساتھ مجبوراً متصف ہوتا اور وہ افعال اس سے سرزد ہوجاتے ہیں۔ مثلاً ملک عرب میں بہت سے ایسے اخلاق ذمیمہ رواج پکڑ گئے تھے جنکو برا سمجھنے والے ان میں موجود تھے۔ مگر جمہور اور قوم کی قوم انہیں اخلاق و ملکات کی تابع تھی۔ علیٰ ہذا دوسری متمدن اقوام کا حال دیکھ لیجئے۔ ہماری اس عرض کا حاصل یہ ہوا کہ تعلیم اخلاق عالم کیلئے ایک لازمی امر ہے جو قومیں شرع الٰہی کی متبع ہیں اُنکے اندر وہی اخلاقی تعلیم ہے جو بواسطہ نبی ان تک پہنچی ہے اور جو قومیں کسی مذہب و ملت حقہ کے تابع و منقاد نہیں رہی اُنکے اندر بھی اخلاق کی اُصولی تعلیم تو بواسطہ شرائع انبیاء علیہم السلام پہنچی ہے۔ کیونکہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو باعتبار اپنی روایات قدیمہ کے کسی نبی یا کسی شریعت کی متبع نہ ہوئی ہو۔ جہل و تمرد۔ سرکشی و نافرمانی نے رفتہ رفتہ اپنا اثر جما کر اُنکو دائرہ اتباع انبیاء و شرائع سے نکال کر مستقل بنادیا۔ اور ان اقوام نے انہی اصول تعلیم اخلاق کو ترمیم کرتے کرتے اس حد تک پہنچا دیا کہ بظاہر سوا چند امور کے تعلیم انبیاء اور اخلاق و رسوم مروجہ اقوام میں کچھ مناسبت معلوم نہیں ہوتی۔

دیکھئے تو سہی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے جانشین حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام نے حرم محترم میں بیٹھکر مکارم کی تعلیم دی۔ وہ کونسا خلق حسن تھا جسکی آپنے تعلیم دی تھی۔ اور پھر زمانہ دراز تک انہی اخلاق انہی اقوال و افعال انہیں اعمال و معاملات پر عملدر آمد بھی ہوتا رہا۔ مگر آخر میں جو عرب کی حالت تھی کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ تعلیم خلیل الٰہی کا کچھ بھی اثر باقی تھا۔ جب اخلاق تمدن عالم کیلئے ایسا جزو لاینفک ہیں اور کسی قوم میں خواہ کسی شریعت کے پابند ہوں یا اپنی عقل و رسوم مقررہ کے۔ اخلاق و ملکات فاضلہ علی وجہ الکمال موجود نہ تھے۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ کسی ملت میں تعلیم اخلاق مکمل طور پر نہیں ہوئی اور جسقدر تھی اس ملۃ کے افراد نے خود انکو بگاڑ ڈالا تھا اور ردوبدل کرکے اصلی تعلیم کا ایسا ملیا میٹ کردیا تھا کہ حقیقت و غیر حقیقت کا پتہ لگنا دشوار تھا۔ اور زیادہ تر اس وجہ سے کہ عالم کے اکثر افراد نے جہاں احکام الٰہی کا اتباع ترک کیا۔ وہیں اپنی اخلاقی حالت کو اپنی عقول و اوہام۔ رسوم و عادات کے تابع کرلیا اور یہ ہم ابھی عرض کرچکے ہیں کہ منشاء جملہ افعال و اقوال کا اخلاق و ملکات ہیں۔ جیسا خلق

اور جیسا ملکہ ہوتا ہے ویسے ہی اقوال و افعال صادر ہوتے ہیں۔ پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی جب رحمۃ اللعالمین ٹھیری اور آپ کی ذات پر تمام عالم کی نجات کا مدار ٹھیرا تو لازمی امر تھا کہ تکمیلِ شریعت کے ساتھ تکمیل و تتمیم مکارمِ اخلاق بھی آپ کے ذریعہ سے ہوتی جو اخلاق و ملکاتِ حسنہ عالم سے مٹ چکے تھے انکو از سرِ نو زندہ فرماتے جن میں جو نقصان آکر اُنکی حالت و صورت بدل چکی تھی یا اُنکے مواقع استعمال میں تغیر آچکا تھا۔ اُنکو اصلی حالت پر نمایاں فرماتے۔ اور یہی مطلب آپ کے ارشاد فیض بنیاد کا تھا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائضِ تعلیمی کو آیۃ شریفہ کے اندران جامع الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم ایاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة۔

وہ وہ ذات پاک ہو کہ جس نے امی لوگوں میں ایک رسول بھیجا اُنکی قوم میں سے جو اُنپر اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور اُن کے نفسوں کا تزکیہ کرتا ہے اور کتاب کی تعلیم کرتا ہے اور حکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔

مفہوم آیہ سے ظاہر ہے کہ آپ کی تعلیم میں تلاوت آیات و بیان احکام شرعیہ تزکیہ باطن و تطہیر اخلاق۔ تعلیم دقائق کتاب اللہ و اصول و لمیات شرع۔ تعلیم اسرار معرفت و توحید سب ہی کچھ داخل تھے۔ آپ کی تعلیم نے شریعت حقہ کو من کل الجوانب ایسا محفوظ و مستحکم کر دیا کہ کسی جانب سے اس میں رخنہ پڑنے اور گزند پہنچنے کا اندیشہ و احتمال باقی نہ رہا۔ آپ نے شریعت کے حدود۔ اخلاق کے حسن و قبح اُن کے استعمال کے طریقے اس طرح بیان فرما دیئے کہ جو شخص اُنپر سقط و فہم کے ساتھ قائم رہے کسی ورطۂ ہلاکت و رسوائی میں نہیں گر سکتا۔ آپ نے ظاہری احکام کی تعلیم کے ساتھ اسرار شرائع اور لمیات احکام کی تلقین بھی اس طرح فرما دی کہ کسی کو شک و شبہ کی اسمیں گنجایش نہ چھوڑی۔ تزکیۂ باطن و تطہیر اخلاق کے ذریعہ سے علم الیقین کو حق الیقین کے درجے تک پہنچا دیا۔ اس طرح شریعت کے حصار کو اتنا محکم و استوار فرما دیا کہ خداوند عالم جل جلالہ نے شریعت محمدیہ کو تمغہ کمال و تکمیل سے سرفراز فرمایا۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔

آج کے دن تمہارے دین کو کامل کر دیا۔ اور اپنی نعمت کو تمہارے اوپر پورا کر دیا۔ دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کر لیا۔

یہ تھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل تعلیم اور اس تعلیم گاہ کے سند یافتہ حضرات صحابہ

رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے اُستاد کامل و بےنظیر تھے ہی مگر شاگرد بھی بےمثل تھے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے شریعت اسلامیہ کی حدود فرائض اخلاق حسنہ کے استعمال خصائل ذمیمہ سے اجتناب۔ علوم اذواق و مواجید اسرار معرفت ذات وصفات توحید و تنزیہ اس درجہ پائی تھی کہ اولین و آخرین میں انکا کوئی مثل نہیں ہوا صحابہ مکمل دین تھے باطن انکا نور معرفت و توحید سے لبریز تھا۔ اُنکے تمام اخلاق و ملکات مرضیات الٰہی کے تابع تھے۔ اُنکے تمام قویٰ وحرکات شریعت کے پابند حدود شریعت کو اس طرح سمجھے ہوئے تھے۔ ایک انچ اُن سے ادھر اُدھر ہٹنا ناممکن تھا۔

واقعہ امارت وعزل خالد رضی اللہ عنہ سے صحابہ کے حالات پر ایک بسیط روشنی پڑتی ہے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس واقعہ کے جزئیات پر غور کرکے صحابہ کے کمال کا اذعان کرے۔ اس واقعہ کے اندر اس قدر امور قابل بیان ہیں جن کے احاطہ سے میں قاصر ہوں۔ مگر تتمیم فائدہ کی غرض سے چند باتیں عرض کردینا ضروری خیال کرتا ہوں۔

(۱) تمام دنیا میں جس طرح لائق و باتدبیر افسران افواج کی ضرورت ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو بھی خصوصاً اس حالت میں جبکہ جزیرہ نماء عرب کی تنگنا سے نکلکر ساری دنیا کا مقابلہ کرنا تھا کوئی بڑی ترتیب یافتہ فوج اُنکے ساتھ نہ تھی صحابہ میں مہاجرین وانصار رضوان اللہ علیہم اجمعین اگرچہ بدیں معنی آزمودہ و پختہ کار تھے کہ صحبت کیمیا اثر نے ادھر شب و روز کی حاضری و خدمتگذاری معرکہائے رزم کے نشیب و فراز نے اُنکے تمام ملکات وقویٰ کو روشن و منور بنادیا تھا۔ ان میں کا ہر ایک فرد اُمتِ واحدہ کا حکم رکھتا تھا مگر ایسے قدیم الایام مہاجرین وانصار کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ صحابہ میں بھی زیادہ تعداد ایسے حضرات کی تھی جنکو سوا شرف زیارت جمال مبارک یا چند ایام یا چند ساعت یا ایک ہی بار حاضری دربار سے زیادہ نوبت خدمتگذاری نہ آئی تھی۔ کیونکہ قبائل کے قبائل فتح مکہ کے بعد از حجۃ الوداع کے درمیان مسلمان ہوئے۔ اگرچہ اکثر قبائل کے وفد حاضر دربار نبوی ہوئے مگر وفود میں چند افراد حاضر ہوتے تھے نہ کہ سارا قبیلہ اور حجۃ الوداع میں گو بکثرت قبائل عرب شریک حج ہوئے اور یہی موقع عام طور پر قبائل عرب کو اقتباس انوار و دیدار جمال مبارک کا نصیب ہوا۔ مگر اوّل تو اس میں بھی سارا عرب شریک نہ تھا۔ حجۃ الوداع میں کل تعداد ایک لاکھ سے زیادہ بیان کی جاتی ہے۔ حالانکہ مسلمان قبائل عرب کی تعداد اسوقت بہت زیادہ تھی۔ مسلمانوں میں ایک

بڑی جماعت اُن طلقار کی بھی جو فتح میں اسیر ہوئی اور انکو چھوڑ دیا گیا۔ یہ لوگ مسلمان بھی ہو گئے تھے
اور صحابہ کے عدد میں بھی داخل سمجھے جاتے تھے۔ مگر درحقیقت ابھی پختہ مسلمان ہی نہ ہوئے تھے
ہاں اُس وقت کا اسلام اُنکے حقیقی اسلام کی مضبوط بنا کا حکم رکھتا تھا۔ بعض تو اُسی وقت پختہ
مسلمان ہو گئے اور اکثر کچھ زمانہ بعد۔ طائف میں مسلمانوں کی ہزیمت انہیں طلقار مکہ کی طفیل تھی
جو کہ عدد میں ہزاروں تھے۔ مگر جہاد کے فضائل اس کے متاعب و مصائب سے واقف نہ تھے۔ پھر
دل میں اسلام کی محبت نہ تھی۔ مسلمانوں کا درد نہ تھا۔ کوئی مضمون تھا جو بوجہ عدم الفت اسلام و الفت
دین آبائی و محبت قومی یہی تھا کہ مسلمانوں کی مغلوبی سے دل میں مسرت پیدا ہوتی تھی۔ چنانچہ
ابوسفیان باوجود مسلمان ہو جانے کے بول ہی اُٹھے تھے۔

لن تنتھی الھزیمۃ الا الی البحر — یہ ہزیمت سمندر سے ورے نہ رُکے گی۔

پھر منافقین کی ایک جماعت بھی اس وقت تک دخیل و شریک تھی۔ ادھر وہ قبائل عرب جو
ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے بلکہ برسر مقابلہ تھے۔ انکا شمار بھی مسلمانوں کے شمار سے زیادہ تھا۔
چنانچہ صدیق اکبر کو جو کام سب سے پہلے کرنا پڑا وہ یہی تھا کہ مسیلمہ کذاب۔ اسود عنسی وغیرہ مرتدین۔ اور
کفار عرب و منافقین کے فتنہ سے عرب کو صاف کیا اور یہ ظاہر ہے کہ گو حضرت صدیق اکبر کی ہمت و
استقامت بروقت تدبیر و تدارک نے اسلام کی جڑ کو مضبوط کر دیا۔ کفر و شرک کی بیخ و بنیاد نکال کر
پھینک دی مگر یہی تو وہ مسلمان تھے جو ابھی ابھی برسر جنگ تھے اور اب انکو عساکر اسلامیہ میں بھرتی
کرکے روم و شام عراق و فارس جیسی قدیم الایام سلطنتوں کے بیشمار عساکر قاہرہ کے مقابلہ پر بھیج رہے
تھے جو تہذیب و تمدن کے علاوہ کامل و مکمل سامان حرب و ضرب سے آراستہ و پیراستہ تھے۔ غرض
عساکر اسلام کا اکثر عنصر ایسے ہی افراد سے مرکب تھا۔

ایسی حالت میں مسلمانوں کو کیسے لائق کیسے جری۔ کیسے آزمودہ سرد و گرم چشیدہ معرکہائے
رزم اور کیسے کوہ وقار باتمکین۔ مدبر و فرزانہ امراء عساکر و قواد کی ضرورت تھی۔

پھر یہ بھی دیکھ لینے کی بات ہے کہ مہاجرین و انصار میں کی ایک بڑی جماعت جو علماء و عقلاء
ہر طرح سے ممتاز و فائق سمجھے جاتے تھے۔ ان کی ضرورت خاص دار الخلافت میں کس قدر تھی چنانچہ
ایسے افراد میں سے سوائے بعض چیدہ بزرگوں کے جیسے امین الامۃ ابوعبیدہ ابن الجراح۔ یا سعد

ابن ابی وقاص وغیرہ رضی اللہ عنہم کے باقی کل وہ حضرات جنکو صحابہ کے اندر علم وزہد تقوی وغیرہ میں امتیاز تھا تعلیم امت اور ضروریات خلافت کے لئے مدینہ منورہ ہی میں مقیم ہوئے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ میں تمام وہ اوصاف موجود تھے جو ایک اول درجہ کے جرنیل میں ہونے چاہئیں مسلمانوں بالخصوص طبقہ اول صحابہ میں ایک سے ایک جری ایک سے ایک بڑھکر مدبر وذی رائے موجود تھے مگر کوئی تو خصوصیت تھی کہ سیف من سیوف اللہ کا خطاب حضرت خالد کو عطا ہوا۔

حضرت خالد کے اندر جس وصف کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک قائد جیش میں اس سے بڑھکر اوصاف نہیں ہوسکتے۔ اُنکی شجاعت وبسالت۔ دانائی وفرزانگی۔ جرأۃ وچستی حزم وتیقظ۔ غرض جس وصف کو دیکھئے یوں کہنے کو دل چاہتا ہے کہ اُس سے بڑھکر ہونا مشکل ہے پھر ان اوصاف کیساتھ اعداء پر اُنکا یہ رعب کہ نام سُنتے ہی ہوش وہواس خطا ہوجائیں۔ تدبیر بھول جائیں۔ دوستوں کو یہ اعتماد کہ جدھر لیجائیں بلا پوچھے ساتھ ہولیں۔ یہ وہ باتیں تھیں کہ کسی اقبال مند قوم کو بھی آجتک نصیب ہوئی تھیں اور یہی وہ اوصاف تھے کہ آج تیرہ سو سال گذرنے پر حضرت خالد کا سکہ مخالف وموافق کے قلوب میں اُسی طرح بیٹھا ہوا ہے جیسا جب تھا

ادھر تو یہ حالات تھے جنکا اقتضاء یہ تھا کہ ایسے بےمثل جرنیل کی خدمات سے عساکر اسلامیہ کو محروم کردینا مہلک غلطی اور خودکشی سے کم نہ تھا لیکن اُدھر شان فاروقی دیکھئے کہ بوجہ بعض ان لغزشوں یا بے احتیاطیوں کے جو حضرت سے بمقابلہ مرتدین عرب صادر ہوچکی تھیں عظیم الشان معرکہ یرموک میں جہاں کہ مسلمانوں کی مٹھی بھر فوج کو بیشمار ترتیب یافتہ افواج سے مقابلہ تھا۔

صف کارزار مرتب تھیں۔ حضرت خالد کے سر پر قیادۃ عامہ کا پھریرا لہلہا رہا تھا۔ ایک دم معزولی کا حکم بھیجا اس اول معزولی میں ان معمولی گرفتوں کیساتھ وہ خیالات حفظ واعتقاد بھی تھے جو دوبارہ کلی عزل اور واپس طلب کرلینے کے سبب بنے مگر جیسا کہ تواریخ کے مطالعہ سے مفہوم ہوتا ہے۔ عزل کو ظاہراً انہیں گرفتوں پر مرتب رکھا گیا۔

اگر ذرا خیال وغور سے دیکھئے تو اس وقت فاروق اعظم کو سخت اشکال تھا۔ حدود شریعت کی محافظت تو اس طرف داعی تھی کہ ایک ایسے ذمہ دار افسر کی ادنیٰ فروگذاشت پر چشم پوشی نہ کی جائے۔ اور

پھر افسر بھی محض افسر ہی نہیں بلکہ اوّل درجہ کا مقبول و خاص صحابی جنکا فعل و قول خود قابلِ اقتدا کیونکہ تھوڑی سی چشم پوشی کرنے سے امت میں مفسدہ عظیم کی بنیاد پڑتی تھی۔ افسران افواج کو ایسے مواقع میں اپنے خیالات اور جرأتوں کے پورا کرنے کے لئے حجۃ تامہ ہاتھ آتی تھی خصوصاً اس وجہ سے اور بھی کہ وہ ایک صحابی کا فعل تھا۔ ادھر خلفائے سلاطین مابعد کو ماتحت افسروں کی ناجائز و مہلک غلطیوں سے چشم پوشی کرنے کیلئے حضرت عمر کا طرز عمل ایک نہایت قوی حجۃ ہوجاتی۔ ادھر حضرت خالد کی فتوحات عظیمہ کفار پر انکا رعب و داب مسلمانوں کو ایسے سخت وقت میں ایسے لائق و قائد و سپہ سالار کی ضرورت یہ امور اس طرف بلاتے تھے کہ اُنکو اس عہدہ سے جنبش نہ دی جائے۔ مگر بالآخر آپ کا فیصلہ یہ ہوا کہ شریعت کی حد میں رخنہ پڑنا ایسا مفسدہ عظیمہ ہے جس کی اصلاح خارج از امکان ہے۔ ادھر صحابہ میں اُن سے بڑے درجے کے موجود ہیں جنکی برکت سے وہ کام ہوجائیں گے۔ جو حضرت خالد کی آزمودہ کاری تیقظ و حزم سے ہوتے تھے اور اسکے ساتھ ہی یہ بھی یقین تھا کہ حضرت خالد کی خدمات محض ایک سبب سے زیادہ نہیں ہیں اُنکا کوئی فعل موثر نہیں ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے خداوند عالم کے حکم و اذن سے ہوتا ہے۔ ایک مسبب کیلئے بہت سے سبب ہوتے ہیں۔ دوسرے اسباب پیدا ہوجائینگے۔ ادھر آپ کو حضرت خالد کی دینداری۔ اسلام اور مسلمانوں پر جاں نثاری سے کامل توقع تھی کہ اس عزل کا اُنکے کسی حال پر اثر نہ پڑیگا۔ بلکہ وہ بمقابلہ کفار اداء خدمات جہاد کیلئے پہلے سے زیادہ چست و چالاک ہوجائینگے اور اُس سے زیادہ کر دکھائینگے جو حالت قیادۃ عامہ میں کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کا یہ حسن ظن پورا ہو کر رہا۔

حضرت خالد نے وہ خدمات کیں جنکی وجہ سے حضرت عمر کو بھی مان لینا پڑا کہ اُنکی خدمات نے خود ان کو امیر بنا دیا۔ یہ تھا حضرت عمر کا نصاب دینی۔ محافظت حدود شریعت انسداد فتنہ متعدیہ اور یہ تھا انکا توکل و ایمان کہ ایک ذراسی فروگذاشت کو جنکی تاویل حضرت خالد کے پاس موجود تھی بوجہ انسداد مفسدہ عظیمہ گوارا نہ کیا۔

یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ یہ زمانہ قرن اوّل تھا۔ بکثرت صحابہ عساکر اسلامیہ میں موجود تھے مسلمانوں پر اُنکی صحبت کا گہرا اثر تھا۔ شرک و جہل کی بنیادیں اُکھڑ چکی تھیں اسلئے کسی ایسے

اعتقاد باطل کے راسخ ہو جائیگا تو اندیشہ بالکل نہ تھا کہ مسلمانوں کا کوئی ایک فرد بھی حضرت خالد کی کسی تدبیر یا فراست کو نتیجہ حرب میں مؤثر سمجھنے لگے اور خدائے بے نیاز کی طرف سے توجہ اور انابت سے ذہول ہو جائے مگر اسمیں شک نہیں کہ جو اعتماد حضرت خالد کے تدابیر جنگ، جرأت و بسالت کے اوپر تھا اسکا فوری نقصان ایک تو یہ تھا کہ بہت سے افراد انپر اور انکی تدابیر پر ایسے مطمئن ہو چلے تھے کہ خود اپنی طرف سے اقدام کرنیکی گویا ضرورت نہ سمجھتے تھے۔ اور یہ امر جیسا کچھ مضر ہے ظاہر ہے خصوصاً ایسی قوم کیلئے جو دنیا کو ہدایت کرنے نکلے ہیں اور اس کو حضرت خالد جیسے ہزارہا افراد کی ضرورت ہے۔

پھر صحابہ جیسے جلیل القدر افراد اور قرن اول کے مسلمانوں میں غیر اللہ پر اعتماد و بھروسہ گو وہ کسی درجہ کا ہو یا سوائے خداوند عالم اور کسی کے فعل کو دخیل و مؤثر سمجھنے کا شائبہ گو ظاہری صورت کے اعتبار سے ہی ہو اُنکے رسوخ علم۔ ذوق معرفت۔ فناء ذات۔ توکل و تقدیر ایمانی ذوقی و وجدانی کے سراسر خلاف تھا سب سے بڑھکر یہ کہ مفاسد اعتقاد۔ اعمال و افعال کی بنیاد ہمیشہ ابتداً یونہی پڑی ہے واقف کار اور راسخین فی العلم میں تو کبھی اعتقاد فاسد کی بنیاد جم ہی نہیں سکتی ہاں اسوقت اگر کسی ادنیٰ درجہ کے جائز یا مباح پر مسامحہ کیا گیا تو قرن مابعد میں اُنہیں مباحات نے شرک و بدعات کی صورت اختیار کرلی ہے۔ بت پرستی کی بنیاد یہیں سے چلی ہے کہ انبیاء و صالحین کی تصاویر کو انکی یاد تازہ کرنے اُنکی صورت سے اُنکی طاعات و عبادات کی طرف راغب و متحرک ہو جانے اپنے مکانوں کو اُنکی پاک صورتوں دل لبھانے والی وضع قطع سے برکات و فیوض حاصل کرنیکے لئے رکھا جانا شروع ہوا اس طبقہ میں ان بزرگوں کی عظمت تھی تو اُنکے بندہ کامل و عابد و ذلیل بدرگاہ رب العلمین ہونیکی حیثیت سے لیکن دو چار طبقہ گذر جانے پر وہ اصلی وجہ تو گم ہو گئی۔ وہی عباد و صالحین اب بصورت رب و معبود پرستش کئے جانے لگے۔

بعینہ اسی طرح حضرت خالد پر یہ اعتماد و بھروسہ جو عساکر اسلامیہ میں پھیل گیا تھا اُسوقت تو گو اُسی درجہ کا تھا جیسے کہ تدابیر پر اعتماد کی شرع نے اجازت دی ہے مگر تدابیر پر افراط کی حد تک اعتماد اول تو اعمال و افعال میں ترک توکل کی طرف داعی ہوتا ہے بڑے بڑے صلحاء صبح سے شام تک تدابیر میں منہمک رہتے ہیں۔ ترک تدبیر کیوقت پریشان خاطر ہو جاتے ہیں۔ اُنکو بہت کم خیال ہوتا ہے کہ تدبیر و عدم تدبیر دونوں حالتوں میں فاعل حقیقی حق تعالیٰ ہے۔ اور پھر شدہ شدہ نوبت یہانتک پہنچ جاتی ہے کہ توکل کو محض ڈھکوسلہ سمجھنے لگتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ جہالت کسل و کاہلی جب غالب آتی ہے تو توکل کو آڑ بنا لیا جاتا ہے۔

اسمیں شک نہیں کہ خام کاروں کا توکل رسمی درجہ کا ہوتا ہے۔ مگر حقیقی توکل ایسا نہیں ہے اور حقیقی توکل سے بیخبر ہوکر رسمی توکل کو سنبھالنا جسکے معنی عجز عن التدبیر کے ہیں یہ بھی اسی کا تتمہ ہے کہ اول تدابیر ہی کو معتمد علیہ اور معول بنایا گیا۔ اور جب تدابیر کی تاثیرات قلوب میں راسخ ہو چکیں تو اب حضرت توکل بھی ایمان ہی ایمان رہ گیا۔ اور پھر اس سے بڑھکر جب عقل اور فلسفہ کی اُلجھنوں میں پڑے عالم کو تدابیر ہی کا مظہر دیکھا حقیقی اسباب موثرات خالق الاسباب التاثیرات تک رسائی نہ ہوئی نہ عقول سلیمہ کی ہدایت باقی رہی نہ قوانین فطرۃ پر عملدرآمد رہا علم ذوقی رہا نہ وجدانی۔ نہ کشف حقائق سے تعلق رہا اور نہ اسرار معرفت سے نہ اہل اللہ کے علوم و معارف پر ایمان و اذعان میسر آیا۔ نہ اُنکے آگے سر تسلیم خم کیا اب توکل کے اعتقاد سے بھی خلاصی ہو گئی۔ یہ وہ مراحل ہیں جو عالم میں پیش آچکے اور آرہے ہیں۔

انہیں وجوہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے فاتح سپہ سالار کو ظاہرا ایک قسم کی بدعنوانی کے ساتھ معزول اور میدان کارزار سے واپس بلاکر بروقت امت کو سنبھالا اور اس عقدہ عظیم سے نجات دی جسکا اثر گو ابھی سوائے ایسے مقدس نفوس کے دوسرے حضرات کو محسوس نہ ہوا ہو مگر آپکو اور آپ جیسوں کو عیاناً مشہود تھا آج صدہا اولیاء امت کی قبروں کی پرستش ہو رہی ہے۔ اُنکی ذوات کی تعظیم مفرط میں گروہ کے گروہ مبتلا ہیں۔ مگر حضرت خالد جنکی عظمت خود اُنکی حیات میں انکے اقران و امثال میں اسقدر تھی آج اُنکی تعظیم مفرط کا وجود نہیں ہے۔ نہ اُنکی قبر کا عرس ہوتا ہے۔ نہ آداب و سجدات تعظیمی بجالائے جاتے ہیں۔ یہ اُس برگزیدہ تعلیم کا اثر بین تھا اور یہ حضرت عمرؓ کا اس قرن پر اور تمام امت پر احسان عظیم تھا۔ جزاہ اللہ عنا و عن جمیع المسلمین خیرا۔

اصل وجہ تو اس عزل کی یہی تھی جو عرض کی گئی۔ چنانچہ حضرت عمر کا ارشاد کہ میں نے خالد کو کسی ناراضی ریبہ اور تہمت کی وجہ سے معزول نہیں کیا اس کی واضح اور بین دلیل ہے۔

لیکن بعض اُن جزوی امور کو بھی اسمیں دخیل مان لیا جائے۔ مثلاً کسی شاعر کو کچھ زیادہ رقم انعام میں عطا فرمادینا۔ یا حمام میں جاکر اُبٹنے کا استعمال جسمیں شراب کا کوئی جزو مخلوط تھا۔ تو ظاہر ہے کہ یہ اس قسم کی بات ہے جو وجوہات عزل میں بیان ہو چکیں۔ حضرت خالد نے اپنے خیال و رائے کے موافق کوئی ناجائز امر نہیں کیا۔ شعراء کو انعام دینے کا منشاء موجود ہے۔ معہذا حفظ ناموس کیلئے بعض اوقات ضروری ہو جاتا ہے۔ مگر حضرت عمر جانتے تھے کہ خالد کوئی معمولی شخص نہیں ہیں اُن کا

فعل قابل اقتدار و تقلید ہے۔ اُنہوں نے آج ایک شاعر کو اپنی ملک سے ہزار دیدیئے تو دوسرے اُمراء وسلاطین بیت المال سے لاکھوں کروڑوں دینگے اور اس فعل کو حجت گردانیں گے۔

علےٰ ہذا اُبٹنے کا قصہ گو حضرت خالد کے نزدیک اس وجہ سے کہ شراب باقی نہ رہی تھی اُسکا استعمال جائز تھا مگر اس سے عوام کے خیالات کی تصحیح نہیں ہوسکتی شہرت یہی ہوتی کہ ایسا اُبٹنا استعمال کیا جسمیں شراب تھی اور ظاہر ہے کہ آپ کا یہ فعل دوسروں کیلئے حجۃ ہوتا اور آگے چلکر بلا تو یہ وبلا تاویل ایسے ابٹنے استعمال ہونے لگتے جنمیں ظاہر اًشراب اپنی اصلی حالت میں مخلوط ہوتی۔

یہ تھی حضرت عمر کی شان کہ مسئلہ توکل و تقدیر کو جو ایک اعتقادی مسئلہ اور دین کا اصل اصول ہونیکے ساتھ کشفی و ذاتی تھا سنبھالنے اور امت کو فساد عظیم سے بچانے کیلئے حضرت خالد کے عزل میں پس و پیش نہ کیا اور کچھ پرواہ نہ کی کہ عساکر اسلامیہ کو اُنکی علیحدگی سے کس قسم کا نقصان یا گزند پہنچے (بیشک پہنچتا اگر منشا اس انتظام کا شائبہ نفسانی ہوتا) ہرگز کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا اور یہ تھا صحابہ کا توکل تام۔ یہ تھی حضرت عمر کی صلابت دینی کہ ایک امر قابل تاویل میں بھی اس مسالمت و رواداری کو جائز نہ رکھا جس کیوجہ سے خیالات میں تغیر اعمال و افعال میں نقصان پہنچے۔ امت کسی گمراہی میں مبتلا ہو

(۲) حضرت خالد کی اول معزولی میدان یرموک کے صف کارزار میں ہوئی جسوقت اُنکی زیر کمان ۳۵ ہزار جرار لشکر کی کمان تھی اور جلیل القدر صحابہ بطور امراء ڈویژن اُنکے حکم و ارشاد کے تابع تھے۔ اس لشکر جرار میں کس درجہ کے لوگ تھے اُسکے اندازہ کیلئے یہی کافی ہے کہ بکثرت صحابہ انمیں موجود تھے یا وہ لوگ جو ذوات صحابہ کے فیوض و برکات سے مستفیض رہتے تھے اُنکے قلوب صاف۔ ذہن سلیم اور علم راسخ تھے۔ ہر حکم کے منشاء و مبنی کو سمجھتے تھے وہ اسکو بھی جانتے تھے کہ اسلام نے اُنکے حقوق کو کسقدر قوی کر دیا ہے اُن میں کا ادنی سے ادنی عہد کر سکتا تھا جسکی ذمہ داری سب پر عائد ہوتی تھی۔ باایں ہمہ علو شان شریعت میں بال بال جکڑا ہوا تھا اُنکو خوب معلوم تھا کہ اللہ اور اُسکے رسول کے بعد اطاعت اولی الامر و خلفاء بھی فرض ہے وہ یہ بھی جانتے تھے کہ فتنہ و اختلاف قومی شیرازہ کو پراگندہ کر دیتے اور دین کی جڑ و نکو کھوکھلا بنا دیتے ہیں

یہی وجہ تھی کہ باوجود حضرت خالد کی عظمت و اقتدار کا قلوب میں سکہ بیٹھ جانے کے اور باوجودیکہ ان میں کا ہر شخص فدا ہونے جان دینے کو تیار تھا۔ مگر جب خلیفہ وقت کا ایک سفیر نامہ بر یا چپراسی حکمنامہ

عزل سپہ سالار اعظم لیکر پہنچا تو تواریخ پتہ نہیں دیتیں اس عظیم الشان لشکر میں سے ایک نے بھی خلیفہ کے حکم سے سرتابی تو درکنار اس میں کسی حد تک نکتہ چینی بھی کی ہو۔

اس عظیم اجتماع میں حضرت خالد کے قریبی رشتہ دار۔ خاص احباب۔ ہمعصر و ہمقرن خواص و مصاحب۔ اڈیکانگ اور باڈیگارڈ سب ہی موجود تھے حضرت خالد کے جن امور کو سبب عزل بنایا گیا تھا۔ وہ ایسے نہ تھے کہ تاویل نہ ہو سکتی ہو۔ ایسے وقت بالکل ممکن تھا کہ اقربا و احباب خواص و مصاحبوں کی طرف سے کسی جانبداری و حمایت کا اظہار ہوتا۔ حضرت عمر کے حکم پر نکتہ چینی ہوتی۔ یا کم از کم اسکو بے محل و بے موقع بتلایا جاتا۔ اس عجلت کو انکی سوء تدبیری پر محمول کیا جاتا۔ اس سے کم درجہ یہ بات تھی کہ ایسے سخت مقابلہ کیوقت یک لخت اتنے بڑے سپہ سالار اور قائد فرزانہ کی معزولی اُنکے عزم و ہمت میں فتور ڈالتی اُنکو دشمنوں کے غلبہ اور اپنی مغلوبیت کے خطرات ستاتے اور اس بنا پر خلیفہ کی خدمت میں نظر ثانی کی درخواست بھیجتے۔

ہمعصر و ہمقرن و ہمرتبہ حضرات کی جانب سے حضرت عمرؓ کے حکم میں عین مصلحت و صواب ظاہر کرنیکی کوشش کیجاتی حضرت خالد کو اس سزا کا مستحق نہ ظاہر کیا جاتا۔ مگر اللہ اکبر یہ حکم عزل کس سکون و اطمینان سے سنا گیا نہ موافق کی جانب سے صدائے حمایت بلند ہوئی۔ نہ اقران و امثال کی طرف سے حکم کی تائید اور تقویت۔ ہمکو تو یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ اس حکم کے بارہ میں باہم بھی سرگوشیاں ہوئی ہوں۔ حکم آیا سپہ سالار معزول ہوا۔ دوسرا ان کی جگہ قائم ہوا۔ اور کسی نظم و ترتیب میں فرق نہ ہوا نہ خیال میں ہیجان و تلاطم پیدا ہوا جس کی روک تھام کی جاتی۔

یہ کیوں ہوا اسلئے کہ تعلیم اسلام نے سب کے قلوب میں ایک ہی رنگ جما دیا تھا جن غامض حکمتوں کو حضرت عمرؓ نے اس عزل میں پیش نظر رکھا تھا گو اول اول عام قلوب میں اسکا احساس نہ ہوا ہو اور جنکے قلوب میں یہ خلش و خلجان ہو بھی تو اول انکو اس قسم کے اختیارات نہ تھے کہ خود معزول کر دیتے اور ایسی ذو جہتین معاملہ میں انقلاب کی تحریک کو بھی پسند نہ کرتے تھے مگر جب حکمنامہ پہنچ گیا تو سب نے برضا و رغبت اسکو منظور کر لیا۔ اور اس بات کی تہ کو پہنچ گئے جسکی خلیفہ وقت کی فراست ایمانی نے ہدایت فرمائی تھی۔ کیا کوئی قوم ایسی پاک تعلیم اور ایسے پاک نفوس کی شان پیش کر سکتی ہے۔

(۳) امین الامۃ ابو عبیدہ ابن الجراح کے نام حکم پہنچا کر خالد سے اپنے ہاتھ میں کمان لے لیں حضرت

امین الامۃ نے اس حکم کی تعمیل تو اتنی ترمیم کیساتھ کی کہ عین معرکہ کیوقت اسکا اظہار نہ کیا اور اتنا اختیار بوجہ رعایت مصلحت مسلمین انکو تھا۔ مگر آخر اعلان عام اس طرح کر دیا کہ حضرت خالد رضہ کی عظمت و وقار میں سر مو فرق نہ آنے دیا۔ وہ پہلے اگر قائد عام تھے تو اب قائد عام کے مشیر بلکہ مدار کل ہوکر رہنے لگے حضرت امین الامۃ بغیر اُنکی صلاح و مشورہ کے کچھ نہ کرتے تھے۔ اکثر موقعوں پر کسی بڑی حصّۂ عسکر کی کمان اُنکے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ اکثر مواقع میں مستقلاً اپنی رائے سے حملہ کرتے یا کسی شہر و قلعہ کو فتح کرلیتے تھے اپنے لئے ماتحتوں کا خود انتخاب کرلیتے تھے۔ غرض جو امور ایک قائد عام کے ہاتھ میں ہونے چاہئیں وہ سب کچھ اُنکے ہاتھ میں تھے۔ اور یہی اُنکی مستعدی و چستی۔ جانبازی و جان نثاری تدبیر و فراست تھی کہ ظاہر میں قائد عام کے تابع فرمان اور کام کرنے میں با اختیار تھے۔ اور اسی حالت کو دیکھ کر حضرت عمر رضہ نے فرما دیا۔ اَمَّرَ خالدٌ نفسہ | خالد نے خود اپنے آپ کو امیر بنا لیا۔

امین الامۃ وہ شخص تھے کہ اس امت مرحومہ کے اندر فرد اکمل شمار ہوتے تھے۔ اُنکے بارہ میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حق امین فرمایا ہے۔ ایسے شخص سے یہ تو ممکن نہ تھا کہ اپنے اندر قابلیت سرانجامی فرائض عامہ قیادۃ جیوش مسلمین نہ پاتے۔ اور پھر اسکو قبول کرلیتے ایسا کرتے تو بجائے امین ہونیکے سخت خائنوں اور مجرموں میں شمار ہونے کے قابل ہوتے یہ بھی ممکن نہ تھا کہ پاسداری قرابت یا رشتہ مودۃ و مصاحبت حضرت خالد کی اتنی مزاجداری کرا دیتی کہ خلیفہ وقت کے حکم میں فرق پڑ جاتا نہیں نہیں۔ آپ میں لیاقت خداداد تجربہ حرب و ضرب فتح بلاد و امصار ہر قسم کے امور موجود تھے اور اسکے ساتھ فراست ایمانی و رسوخ علم بھی کامل موجود تھے۔ آپ نے خلیفہ کے حکم کے منشاء کو خوب سمجھا کہ امت کو ایک عام ورطۂ ضلالت سے بچانا اور شریعت کی حدود کو رخنہ اندازی سے محفوظ رکھنا۔ ادھر آپ حضرت خالد کے ذاتی جوہران کے کمال خداداد کو بھی بخوبی جانتے تھے۔ اسلئے آپ نے بکمال حزم دونوں پہلوؤں کو سنبھالا۔ اُنکی معزولی کا اعلان فرما دیا اور حضرت خالد کے ذاتی کمالات و اُنکی فراست و تدابیر۔ اُنکی جرأۃ و بسالت۔ آراء صحیحہ و مشاورۃ مفیدہ سے ویسے ہی۔ بلکہ پہلے سے زیادہ منتفع ہوتے رہے۔

امین الامۃ کیلئے اسوقت دو حالتوں میں سے ایک حالت سامنے تھی۔ یا تو یہ کہ ایسے مشہور نبرد آزما مقبول خلائق قائد عام کی جگہ قائم ہونیمیں اپنی عدم قابلیت و مسلمانوں میں عدم مقبولیت کا احتمال سے

حضرت خالد پر اعتماد کرنے۔ یا یہ کہ اس جلیل الشان منصب قیادۃ عامہ کو اپنے لئے عزت و وجاہت کا ذریعہ بناکر حضرت خالد کو بالکل نظر انداز کر دیتے اور انکو ایک عام سپاہی کے درجہ میں پہنچا دیتے یا اس سے بھی بڑھکر یہ خطرہ ہوتا کہ ایسا شخص جو اتنے بڑے درجے سے گرایا گیا ہے۔ ممکن ہو بوجہ اپنے رسوخ و مقبولیت عام کوئی ایسی ریشہ دوانی کر بیٹھیں جس سے اُنکے کارناموں میں فرق پڑجائے فتوحات رک جائیں اور بالآخر قومی صدائے احتجاج حضرت خالد کو دوبارہ قائد عام بنائے جانیکے لئے بلند ہو۔

مگر سبحان اللہ کوئی ایک امر بھی اُن کیلئے کوئی ایسی بات کا محرک ہوا جس سے کچھ بھی شائبہ نفسانیت کا پتہ چلتا۔ بشاشت ایمانی رگ و ریشہ میں سمائی ہوئی تھی۔ تعلیم اسلام نے اُنکے تمام قویٰ و اخلاق کو جکڑ رکھا تھا۔ تہذیب نفس نے کسی نا ملائم خلق کا اثر باقی نہ چھوڑا تھا۔ توکل و ایمان بالتقدیر نے کسی شخص کے قول و فعل کو موثر حقیقی باقی نہ رکھا تھا۔ اُنکو علم راسخ تھا کہ جو اللہ چاہیگا ہو کر رہیگا۔ عمر و خالد ابو عبیدہ سب ملکر بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ اسلئے اسوقت اُنھوں نے وہی کیا جو ایک کامل الایمان صاحب فراست و تدبیر کو کرنا چاہئے تھا۔

(۴) یہ وقت سب سے زیادہ حضرت خالد کیلئے پُر خطر تھا۔ کیسا ہی کوئی مخلص ہمدرد کتنا ہی دانشمند و ہوشمند ہو اسکو بھی ایسے وقت اپنے ننگ و ناموس کی پامالی رفعت کے بعد ہبوط۔ عروج کے بعد نزول عزت کے بعد ذلت کے خیالات ستاتے ہیں خصوصاً جبکہ ایک شخص اپنے آپ کو بالکل بے لوث سمجھتا ہو۔ اور وہ اور تمام دنیا جانتی ہے کہ اُس نے تائید اسلام و نصرۃ المسلمین میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اور پھر اسکو مسلمانوں کے خلوص و اعتماد سے یہ بھی خیال ہو کہ میں کچھ بھی زبان سے نکالونگا یا کوئی حرکت کرونگا۔ ہزاروں دل میرے ساتھ ہونگے سینکڑوں زبانیں تائید میں جنبش کرنے لگینگی مگر وہی ایک پاک اسلامی تعلیم تھی جسکی بدولت حضرت خالد بھی حظوظ نفسانیت سے اتنی دور نکل چکے تھے جتنے حضرت ابو عبیدہ و حضرت عمر۔ آپ کو بمقتضاء بشریت اپنی براۃ کی بنا پر یہ خیال گذرا ہو کہ میرے ساتھ یہ معاملہ درست نہیں ہوا۔ تو ممکن ہے مگر قابل گرفت نہیں۔ لیکن آپ نے بھی خلیفہ کے حکم کو اسی طوع و رغبت سے سُنا جیسے عام افراد نے۔

نہ چیں بر جبیں ہوئے۔ نہ کسی کے پاس شکوہ شکایت لیکر گئے۔ نہ امر منصب جلیلہ کی معزولی نے اُنکے اندر کچھ تحریک کی۔ نہ چہرہ پر حزن و ملال کے آثار ظاہر ہوئے۔ نہ بشاشت میں

فرق پڑا۔ نہ کسی امر میں تقاعد ہوا۔ بلکہ ادائے فرائض میں پہلے سے زیادہ چست و چالاک ہو گئے۔ قیادۂ عامہ کی صورت میں اگر ان مساعی جمیلہ میں تحصیل رفعت و نیک نامی کا بھی احتمال لگا رہتا تھا تو اب یہ کھاوٹ بھی نہ رہا اور انکا پاک نفس ان توہمات سے بھی بری ہو گیا اور آپنے وہ کچھ کیا کہ دنیا نے دیکھ لیا۔

ذرا انصاف سے دیکھو کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ مہاجرین اولین میں سے نہیں ہیں عشرۂ مبشرہ اور دوسرے جلیل القدر صحابہ سے قبول اسلام میں۔ خدمت و جان نثاری میں۔ تحمل مصائب و شدائد میں بہت ہی موخر ہیں۔ غزوۂ خندق تک تو مسلمانوں سے برسر پیکار رہے۔ مگر جب اسلامی تعلیم اور جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نظر کیمیا اثر نے اپنا اثر دکھلایا۔ تو انکو بھی ایک دم میں وہی حالات و مقامات طے کرا دیئے گئے جو علی فرق المراتب قدیم الایام صحابہ کو طے ہو چکے تھے اُنکے اخلاق و ملکات میں شائبہ جاہلیت باقی رہا۔ نہ واہمہ نفسانیت۔ انکا بال بال شریعت کے محکم و استوار اصول سے بندھ گیا۔

(۵) عزل ثانی میں امین الامۃ کیلئے ایک قسم کی زیادہ آزمایش و امتحان کا وقت تھا۔ ادھر تو حضرت خالدرضؓ کی عظمت عام قلوب میں سابق سے زیادہ راسخ و مستحکم ہو چکی تھی۔ انکی تدابیر جنگ۔ فراست و دانائی بسالت و شجاعت کے ساتھ ساتھ اُنکی پاک نفسی یمن و برکات کا اعتقاد اور بھی بڑھ چکا تھا اور اب ہر ایک فتح و نصرۃ کو انکی تدبیر یا جرأۃ یا اُنکے وجود کی یمن و برکت کی طرف منسوب سمجھنا ایک کھلی ہوئی بات تھی مسلمان اپنی آنکھ سے دیکھتے تھے کہ قائد عام امین الامۃ باوجود اس رفعت و شان و علو مرتبت ہر قسم کے تجربہ و تدبیر کی ہر بات میں حضرت خالد پر اعتماد کرتے ہیں۔ گویا حقیقت میں قیادۂ عامہ کی تمام ذمہ داری انہیں کے سپرد ہے ادھر اُنکے دلمیں یہ اعتقاد۔ اور ادھر امین الامۃ کا یہ معاملہ۔ پھر کیسے ممکن تھا کہ اُنکا یکلخت معزول کر دینا۔ تمام خدمات سے سبکدوش کر کے میدان کارزار سے واپس بلا لینا۔ انکو نہ کھٹکتا۔ اسوقت امین الامۃ کو یہ خطرہ ہو جانا کہ اُنکی معزولی مسلمانوں میں کسی ہیجان کا سبب بنجائے خلیفہ ارشد کی طرف کسی قسم کی سوء ظنی نہ پیدا ہو جائے کچھ مستبعد امر نہ تھا۔

دوسری جانب اُنکو یہ اشکال کہ خلیفۂ وقت کی اطاعت تو اسکی مقتضی ہے کہ حرف بحرف تعمیل ارشاد کریں۔ ادھر حضرت خالد کی جلالت شان علو مرتبت اور پھر خود امین الامۃ سے قرابت اور اہل قرابت کیساتھ مراعات اور رعایت حقوق کا حکم اس سے مانع۔ ادھر حکم عزل ایسا سخت کہ تحقیقی مجرموں کے ساتھ بھی ایسا برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ بالخصوص جبکہ باوجود جرم کے ناقابل معافی و درگذر

ہونیکے وہ شخص کسی اعلےٰ رتبہ پر ممتاز ہو۔ ایسے وقت تو ایسے احکام میں نہایت احتیاط برتی جاتی ہے اخفا کے ساتھ کسی اور بہانہ سے طلب کر کے نظر بند کر دیتے۔ یا حکم سنا دیتے ہیں۔

مگر آپ نے باوجود ان اشکالات اور پر خطر آزمایش کے وہی کیا جو ایک پاک دل۔ راسخ فی العلم کو کرنا چاہیئے جو اسباب و تاثیرات اسباب ظاہری سے گذر کر موثر حقیقی کی بارگاہ تک سوخ یافتہ ہو۔ جو حدود شریعت کو کما حقہ سمجھے ہوئے اور حفاظت حدود کو اولین فرض سمجھے ہوئے ہو۔

آپ بہ تعمیل حکم خلیفہ ارشد امرا اجناد کو جمع کر کے حکمنامہ خلافت ہاتھ میں لیکر ممبر پر بیٹھے اور بموجب مضمون حکمنامہ حضرت خالد سے سوالات شروع کیے۔ مگر مشکیں باندھنے میں ابھی کچھ تامل تھا جس کیوجہ یہ نہ تھی کہ ایسا کرنے میں سلمانوں کی طرف سے کچھ خطرہ یا پاسداری حضرت خالد و جنبہ داری قرابت مانع تھی۔ نہیں بلکہ رفعت شان وجلالت قدر حضرت خالد کی وجہ سے ایک قسم کی حیا تھی۔ جو اقدام سے اول وہلہ میں مانع آتی تھی۔ حضرت امین الامۃ فطری طور سے نہایت حلیم بردبار واقع ہوئے تھے۔ انکی طبیعت بھی نرم تھی۔ لیکن یہ تامل بھی چند لمحوں کی بات تھی۔ ادھر آپ اس سے قبل سلمانوں کو منشائے حکم کی اطلاع دیچکے تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپنے خود پہلے ہی سے تعمیل حکمنامہ خلافت کیلئے کسی کو مامور فرما دیا ہو حضرت بلال کا خود کھڑے ہو کر سر سے عمامہ اُتارنا اور اسی سے مشکیں باندھنا جبکہ قائد عام امین الامۃ ساکت بیٹھے ہوں اسکا زبردست قرینہ ہے۔

حضرت خالد نے امین الامۃ سے سوالات سُنکر کچھ جواب نہ دیا۔ اس بھاری اور عظیم الشان اسلامی جماعت میں ایک قسم کا سناٹا اور سکوت تھا۔ لوگ ادھر حضرت خالد کی عظمتِ شان کو دیکھتے تھے۔ ادھر خلیفہ کے سخت حکم کو خیال کر کے امین الامۃ کو دیکھ رہے تھے۔ کہ کیا کرینگے۔ اس سکوت کو حضرت بلال حبشی مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرکت قدم اور جنبش دست نے توڑا۔ آپ اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور آگے بڑھ کر سر سے عمامہ اُتارا اور اُسی سے اُنکے ہاتھ کسکر باندھ دیئے۔ اب پھر انہیں سوالات کا اعادہ ہوا۔ اور اب حضرت خالد نے بھی صفائی سے جو جواب صحیح تھے دیئے۔

جواب سُننے کے بعد حضرت امین الامۃ نے خود کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ سے سر پر عمامہ باندھتے ہوئے فرمایا

نطیع ونسمع لولاتنا ونکرم ونخدم موالینا۔	ہم اپنے ولاۃ وحکام کا حکم سُنتے اور اس کی اطاعت کرتے اور قرابت داروں بنی اعمام کا اکرام واحترام کرتے ہیں

ایسے اشکال و خطرہ کے وقت امین الامت نے تمام جوانب کو کس طرح سنبھالا۔ ہر معاملہ میں حدود شریعت کی کتنی محافظت کی ظاہر ہے اور یہ اسلام کی اُسی پاک تعلیم کا اثر تھا جس نے سوا ایک سودائے عشق الٰہی کے سب خیالات کو مٹا دیا تھا۔

خلیفہ راشد کے حکم کی بھی پوری اطاعت کی حضرت خالد کی قرابت کا حق بھی پورا ادا کیا ان کی جلالت شان کو بھی اُس کے درجہ پر قائم رکھا۔

کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ اپنے ہاتھ سے عمامہ سر پر باندھنے اور ان الفاظ کے ادا کرنے میں جن سے حضرت خالد کی تعظیم ثابت ہوتی ہے۔ منشار حکمنامہ خلافت کی خلاف ورزی تھی کیونکہ منشار حکمنامہ تو بر سر مجمع توہین تھا۔ اور اس کا منشار تعظیم و تکریم جس سے خیال ہو سکتا ہے کہ تعمیل حکمنامہ بہ جبر و اکراہ تھی۔

ایسا ہر گز نہ تھا حضرت امین الامتہ کو منشار حکمنامہ معلوم تھا۔ وہ جانتے تھے کہ حضرت عمر کے قلب میں اس بےمثل وجاں باز سپہ سالار کی عظمت مرکوز ہے۔ اُنکی جلالت شان کو جانتے ہیں۔ جو خطاب سیف من سیوف اللہ کا انکو بارگاہ رسالت سے مل چکا ہے وہ بھی انہیں معلوم ہے یہ جو کچھ کیا گیا انتظاماً و سدّ الباب الفتنہ ہضماً لنفس خالد کیا گیا ہے اور یہی امین الامتہ کی غایت فراست ایمانی تھی کہ ہر بات کو اس کی حد پر رکھا۔ افراط و تفریط کی جانب ایک انچہ بھی قدم نہیں بڑھایا۔

ایک لطیف اور باریک نکتہ

اس کی بظاہر کوئی معقول وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ امین الامتہ نے قبل تعمیل حکمنامہ خلافت ممبر پر بیٹھکر حضرت خالد سے سوال کیا۔ تو آپ نے محض سکوت کیا۔ کچھ جواب نہ دیا اور جب حضرت بلال عمامہ اُتار کر اور مشکیں باندھکر تعمیل تمام کر چکے اور اسوقت اُن سے اُن سوالات کا اعادہ کیا گیا۔ تو آپ نے جو اصلی اور حقیقی جوابات تھے عنایت فرما دیئے۔ یہ وجہ تو ہو نہیں سکتی کہ اول مرتبہ سوالات کو محض معمولی بات سمجھا تھا۔ یہ خیال تھا کہ بات یوں ہی ٹل جائیگی اور جب تعمیل حکمنامہ ہو چکی تب آپ سمجھے کہ بلا جواب دیئے چارہ نہیں کیونکہ حضرت خالد بھی اسی مقدس جماعت کے ایک برگزیدہ فرد تھے۔ شان صلابت عمری اور شدۃ فی امر اللہ کو بخوبی جانتے تھے۔ احکام خلافت کی اطاعت مسلمانوں کے دلوں میں جسقدر مرکوز تھی وہ بھی معلوم تھی حضرت ابو عبیدہ کی امانت و دیانت راستبازی و صداقت سے بخوبی واقف تھے۔ اسلیئے یہ گمان ہی نہیں ہو سکتا کہ بات یونہی سکوت سے

ٹل جائیگی بلکہ درحقیقت اس میں ایک نہایت باریک پہلو اور غامض نکتہ تھا جس کے سمجھنے کے
بعد حضرت خالد کی عظمتِ شان و رفعت و قدر قلوب میں اور بھی بڑھ جاتی ہے۔
بات یہ تھی کہ حضرت خالد کو خواہ بوجہ اپنی فراست باطنی و نور ایمانی اور خواہ بر بنار تذکرۂ باہمی معلوم
ہو چکا تھا کہ حضرت عمر نے میرے ساتھ کیا معاملہ فرمانا چاہا ہے اور وہ سوالات کے جوابات مجھ سے کس کس
حالت اور کس انداز میں لینا چاہتے ہیں اور اُنکو یہ بھی معلوم تھا کہ اس معاملہ سے مقصود حقیقتاً
میری توہین نہیں ہے۔ گو صورۃً توہین ہے۔ بلکہ اصلاح خیالات و سدباب فتنہ اور خود میرے
امراض نفسانی کا علاج کرنا مقصود ہے۔ ادھر یہ بھی جانتے تھے کہ اطاعت اولی الامر واجب ہر
کسی ایک فرد کو بھی گنجایش پس و پیش نہیں ہے۔ ادھر امین الامۃ کی نسبت یہ خیال تھا کہ وہ حیا
اس سے رُکینگے۔ اسلئے آپ نے تمام جوانب کو ملحوظ رکھکر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ جبتک ہو بہو تعمیل حکم نا
ہو کر مجھ سے جواب لیا جائیگا کچھ نہ کہونگا۔ یہ وجہ تھی سکوت خالد کی اور یہ وہ بات تھی کہ جسکو ہر شخص نہیں
پہنچ سکتا پہنچے گا تو وہ شخص جس کے دلمیں نور ایمان کی وہی جھلک ہو جس سے اُس قرن کے قلوب
معمور و مستینر تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ صحابہ کے ہر ایک قول و فعل میں جسقدر بھی زیادہ خیال کیا جاتا ہے
اُسکے اندر سے نہایت لطیف و دقیق پہلو نکلتے آتے ہیں۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

(۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت صفائی اور نہایت آزادی سے حضرت خالد جیسے بےمثل
قائد عام کو ایک مرتبہ نہیں دو مرتبہ۔ معمولی طور پر نہیں بلکہ نہایت عنف اور ایک قسم کی بے عنوانی
سے معزول فرمایا۔ اور وجوہات عزل میں ہم اُنکے حکم کی اصل منشار اور صحیح غرض کو بالتفصیل بیان
کر چکے ہیں اسکے اعادہ کی تو ضرورت نہیں۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ انکو ایسا کرنے میں اشکالات کیا
تھے۔ اور ایک عقل کے پابند۔ شریعت کے تابع و منقاد کو کس قسم کے خلجان ہو سکتے تھے۔ حضرت
خالد کے فضائل و کمالات سے واقف اُنکی نمایاں خدمتگذاری اسلام و فتوحات ممالک ہویدا
جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اُنکے اس قسم کے افعال سے باوجود اظہار ناراضی درگذر
فرمانا اور اسی طرح خدمات اسلام پر مامور و برقرار رکھنا۔
صدیق اکبر کا باوجود اصرار معزول نہ کرنا۔ اُنکے افعال کو قابل تاویل سمجھنا یہ سب کچھ معلوم
تھا۔ مسلمانوں میں اُنکے اقتدار و عظمت کا پہلو بھی پیش نظر تھا۔ سب سے بڑھکر اسلامی عساکر کو

ایسے سپہ سالار کی سخت ضرورت و حاجت ایسے وقت محض انکو اپنی رائے و اجتہاد پر عمل کرنیمیں کسقدر پس و پیش ہو سکتا تھا۔ دوسری جانب جن فتنوں کا استیصال اور جن رخنوں کا سدّباب کرنا چاہتے تھے وہ ایسے نہ تھے کہ آپ اُنسے اغماض کرتے اور اُمت کو گمراہی و ضلالت سے نہ بچاتے مگر سبحان اللہ حضرت عمرؓ نے وہی کیا جو ایک پاک تعلیم گاہ کے رشید ارشد شاگرد کو کرنا چاہیے تھا۔ آپنے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر کے منشاء حکم کو صحیح و مناسب وقت سمجھا۔ آپنے یہ بھی سمجھا کہ وقت و اسباب کے تغیر سے احکام بدل جاتے ہیں۔ آپنے یہ بھی سمجھا کہ احکام اجتہادیہ میں مجتہد وقت کو اپنی رائے پر عمل کرنا جائز ہے۔ آپ کو حضرت خالد و جملہ عساکر اسلامیہ و افراد مسلمین پر یہ بھی اطمینان تھا کہ اسلامی تعلیم نے اُنکے اندر خود غرضی احکام اسلام سے انحراف خلیفہ وقت سے تعنت و سرکشی کا مادہ ہی نہیں چھوڑا۔ باوجود حریت و جرأۃ اخلاق جو اسلامی تعلیم کا جزو اہم تھا۔ شریعت کے احکام میں سب جکڑے ہوئے ہیں۔ اسلیئے آپ نے بیدھڑک اصلاح اُمت کے پہلو کو مرجح سمجھ کر احکام جاری کر دیئے جس کی مو بمو تعمیل ہوئی۔

لیکن اس کے ساتھ جو بات سب سے زیادہ ہمارے دعوے پر روشنی ڈالتی ہے یہ ہے کہ خلیفۂ وقت نے اپنے حکم کی تائید اور ترویج میں کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالی جس سے حضرت خالد کی تنقیص شان یا توہین و عدم کمال کی طرف ادنیٰ اشارہ بھی ہوتا۔ بلکہ اس عزل کیوجہ سے مسلمانوں میں جو واہمۂ نقص و توہین پیدا ہوجانیکا خیال تھا۔ اور ایسے مواقع میں اکثر ایسا ہوا کرتا ہے۔ اس کو آپنے نہایت کشادہ دلی۔ فراخ حوصلگی سے بکرات و مرات ظاہر فرما کر بذریعہ گشتی عام امراء اجناد و ولاۃ امصار کو مطلع فرمادیا کہ خالد کی معزولی کسی سوءظنی یا تہمت کی وجہ سے نہیں ہوئی۔

حضرت خالد کو خود خطاب کر کے فرمایا۔

واللہ انک الی لحبیب و اللہ انک علی کریم۔	خدا کی قسم تم مجھ کو محبوب و پیارے ہو۔ تمہاری عظمت و اکرام میرے دل میں ہے۔

آپ کے اس طرز عمل سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے جملہ جوانب کی پوری رعایت کی۔ حدود شریعت کو سنبھالا حضرت خالد کے درجہ کو قائم رکھا مسلمانوں کے عقائد و خیالات کی اصلاح کی امۃ کو فتنہ و فساد سے بچایا۔ اور اس جملہ کاروائی میں از ابتداء تا انتہا کہیں بوئے نفسانیت

یا شائبہ غرض کا وہم بھی ظاہر نہ ہوا۔
یہ تھی اسلام کی اصلی تعلیم جس نے مسلمانوں کو اوج رفعت پر پہنچایا اور جب مسلمانوں نے جسقدر
اس اصل تعلیم سے بے توجہی کی اُتنا ہی اُن پر ادبار آیا۔ ترقی سے تنزل کی طرف جھکے۔ واللہ
الھادی واللہ المرجع والمآب۔
فائدہ رابعہ۔ عزل ثانی کیوقت خلیفہ کا یہ حکم پہنچا کہ حضرت خالد کے سر سے عمامہ اُتار کر اُسی
سے اُنکی مشکیں باندھی جائیں اور جواب طلب کئے جائیں جو نہایت سخت اور ہتک آمیز تھا۔ مگر تاہم
اگر حضرت خالد کے اقران و امثال عرب کے رؤسا و سادات عساکر کے امراو قواد میں سے کوئی اسکی
تعمیل کراتا تب بھی ایک بات تھی۔ اپنی اقران و امثال سے کوئی بات ہتک آمیز یا خلاف شان
بھی پہنچ جاتی ہے تو اسکو گوارا کر لیا جاتا ہے۔ لیکن یہاں معاملہ برعکس ہوا۔ اس حکم کی تعمیل کیلئے
عظیم الشان عساکر اسلامیہ میں سے جہاں ہر درجہ اور ہر طبقہ کے لوگ موجود تھے۔ کھڑے ہوئے تو
حضرت بلال حبشی مؤذن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔
بلال اپنے فضائل و مناقب کی وجہ سے کیسے ہی اعلیٰ درجہ کے مقرب و برگزیدہ ہوں مگر
تھے ایک حبشی غلام۔ اُن کا ایک ایسے عظیم الشان پرخطر کام کے لیے خواہ تو اس وجہ سے کہ امین الامتہ
نے خود اشارہ کیا ہو۔ اور خواہ اس وجہ سے کہ تعمیل حکمنامہ خلافت نے انکو آمادہ کیا ہو۔ کھڑا ہونا حیرت
انگیز ضرور تھا۔ مگر سبحان اللہ کیا صفائی اور پاکبازی تھی۔ قلوب کیسے منور و مجلی ہو چکے تھے۔
رذائل نفسانی کس حدتک ناپدید ہو چکی تھیں۔ کہ کسی شخص نے اس حرکت کو ناگواری سے نہیں دیکھا
اس واقعہ سے معلوم ہو گیا کہ اسلام نے حریت و مساوات کی تعلیم کس حدتک دی ہے۔ اُسنے
توازن و تماثل کی میزان کو کیسا صحیح قائم کیا۔ جو قومیں آج حریت و مساوات کی مدعی ہیں اور فخر کرتی
ہیں کہ اسلام نے غلامی کو قائم کیا۔ اور ہم نے اسکو مٹا کر حریت و مساوات کو جاری کیا اپنے دلمیں ذرا
انصاف کریں کہ انکا فخر کہانتک بجا ہے۔ اور وہ کیونکر اسلام کی حریت و مساوات کا مقابلہ
کر سکتی ہیں۔ ہرگز نہیں۔ اس حریت و مساوات کو اسلام کی حریت و مساوات توازن مراتب
سے کیا نسبت ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔
جو لوگ اس غلطی میں مبتلا ہو کر اسلام پر اعتراض کر بیٹھتے ہیں۔ اُنہوں نے درحقیقت حریت

ومساوات کی حدود اور ان کے احکام کو سمجھا ہی نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ حریت ومساوات اسکی حدود احکام۔ طرق استعمال کے متعلق بھی کچھ وضاحت کردوں۔

تفصیل وتحقیق مسئلہ حریت ومساوات

مساوات۔ عالم کے تمام اجزا پر نظر ڈالنے سے خواہ وہ افراد ہوں۔ یا اصناف۔ انواع ہوں یا اجناس۔ صاف واضح ہے کہ انکے نظام کا محور اشتراک و انفراد۔ اجتماع وافتراق۔ تماثل و تمائز ہی عالم بجمیع اجزائیہ وجود میں مشترک ہے۔ موجودات میں وصف حیوۃ سے تفریق شروع ہوتی ہے اور یہیں سے احکام ومعاملات میں بھی تفوق کی بنیاد پڑتی ہے۔

موجودات غیر ذی حیات میں جمادات۔ نباتات۔ اشجار واحجار۔ در و دیوار کوہ وکوہسار سب شامل ہیں۔ موجودات ذی حیات میں پھر ایک کلی تقسیم ہو گئی۔ ایک جزو وہ ہے جو احکام خداوندی کا مکلف بنایا گیا جن سے احکام شرع کا تعلق ہے۔ جنکے اقوال و افعال۔ حالات ومعاملات قانون مذہب وشرع میں جکڑ دیئے گئے ہیں اور یہ حصہ ذوی العقول کا ہے۔ دوسرا جزو وہ ہے جو غیر ذوی العقول کہلاتے ہیں اور مکلف ومخاطب احکام الٰہی نہیں ہیں۔ اس جزو کے اندر گو ہزارہا انواع واقسام داخل ہیں جنکا احاطہ دشوار ہے۔ بری۔ بحری۔ طیور۔ سباع وبہائم۔ حشرات الارض وغیرہ۔ مگر کلی طور پر ہم اسکو بھی دو حصوں پر منقسم کرتے ہیں۔ ایک موذی مثل سباع طیور وبہائم۔ اس میں شیر چیتا۔ سانپ بچھو وغیرہ داخل ہو گئے۔ دوسرا غیر موذی۔

غیر موذی کی بھی ہم کلی تقسیم کر کے اس کو دو حصوں میں منقسم کرتے ہیں۔ ایک وہ جس کا کام میں لانا انسان کیلئے جائز حلال مفید قرار دیا گیا۔ دوسرے وہ جن کا کسی طرح سے بھی ہو استعمال ناجائز وحرام ہے۔ جزو مکلف بالاحکام بھی دو حصوں میں منقسم ہے ایک انسان جو جسم کثیف ارضی ہے۔ دوسرا جن جو جسم لطیف۔ ناری قادر علی التشکل بالاشکال المختلفہ ہے۔

وصف وجود میں سارا عالم شریک تھا اور یہاں تک حقوق واستحقاق کا تعلق نہ تھا۔ وصف حیاۃ نے اُن میں تفریق پیدا کر دی۔ مساوات وجودی کے احکام بدل دیئے حقوق کے تعلق قائم کر دیئے تمام موجودات پر جزو مکلف کا حق تفوق قائم کر دیا۔ عالم کو بجمیع اجزائیہ اس جزو کیلئے کار آمد بنایا گیا۔ خداوند

عالم نے ایک عام فرمان کے ذریعہ سے ہم کو اس عظیم الشان احسان سے ان الفاظ میں مطلع فرمایا۔

خلق لکم ما فی الارض جمیعاً۔ | زمین کی ساری چیزوں کو تمہارے نفع کیلئے پیدا کیا۔

اشتراک وجودی کا نفع تو صرف اتنا ہے کہ موجودات میں سے ایک موجود دوسری موجود کے کارآمد ہو لیکن چونکہ احکام کا تعلق حیوۃ سے ہے۔ اس لئے کسی کا دوسرے پر حق نہیں ہے۔

حیوۃ کی تفریق نے اول تو یہ امتیاز قائم کیا کہ غیر ذی حیات اس جزو کا خادم و تابع ہوا جو ذی حیات ہے چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ غیر ذی حیات تمام افراد ذی حیات کے لئے کارآمد ہے۔ حیوانات طیور دواب سب انہیں اجزاء سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ پانی پیتے ہیں۔ گھاس درختوں کے پتے میوے پھل غلہ کھاتے ہیں درختوں کے سایہ میں پہاڑوں کے غاروں میں۔ زمین کی کھوؤں میں آرام کرتے اور پناہ لیتے سردی گرمی سے محفوظ رہتے ہیں۔

لیکن وصف حیوۃ کے اشتراک نے افراد ذی حیات میں ایک اور علاقہ بھی قائم کر دیا باوجود اسکے کہ حصہ مکلف کو اس حصہ پر فوقیت دی گئی جس میں فقط حیات ہو۔ مکلف نہیں ہے کہ یہ اس کا خادم و تابع بنایا گیا۔ اور اسی کے منافع کے لئے پیدا کیا گیا۔ مگر تاہم وصف حیات کی رعایت اس جزو کے ذمے بھی کی گئی۔ ذی حیات میں جو حصہ غیر موذی ہے اور انسان کو اسکی پرورش و استعمال کی اجازت دی گئی ہے جیسے اونٹ۔ بیل۔ بکری۔ مرغی وغیرہ اسکی رعایت تو اس درجہ تک ہو کہ اسکے چارہ دانہ میں کمی کرے یا برداشت سے زیادہ خدمت لینے۔ بوجھ لادنے۔ سوار ہونے میں قابل مواخذہ ہو جاتا ہے رہا وہ حصہ جو خود انسان کا دشمن اور اسکی بنیاد کو گرانیوالا ہے۔ باوجود اس کو قتل کر ڈالنے کی اجازت کے اس کی ممانعت ہے کہ ترسا کر یا تکلیف پہنچا کر مار ڈالا جائے۔ یہ کیوں صرف اس لئے کہ اشتراک حیاتی کا اقتضا یہ ہے اور تفریق دیگر اوصاف کا اقتضا دوسرا۔

یہ اشتراک و انفراد اسی طرح ترقی کرتا ہوا انس و جن پر منتہی ہوا۔ جن و انس موجود بھی ہیں ذی حیات بھی ہیں ذوی العقول بھی ہیں۔ مکلف بتکالیف شرعیہ و مخاطب بالخطابات الالٰہیہ بھی ہیں۔ اور باوجود اس اشتراک کے ان میں انفرادی امتیاز بھی ہے۔ جن مرکب ہے۔ اجزا ناری سے اور اس وجہ سے وہ لطیف ہے۔ اسکو قدرت دیگئی ہے کہ اشکال مختلفہ میں متشکل ہو سکے۔ انسان کثیف ہے اجزاء ارضیہ سے اسکی ترکیب ہے لیکن انسان کو اس وجہ سے کہ وہ اجزاء ارضی سے بنایا گیا۔ تواضع فروتنی تذلل و

انقیاد اس کے خمیر میں داخل اور عبدیت وافتقار اس کی اصل فطرۃ میں مستقر ہے جن پر جس کے اندر بوجہ اجزاء ناری علو واستکبار خلقی ہے تفوق امتیاز دیا گیا۔

بوجہ ان اشتراکات کثیرہ متنوعہ کے جن وانس میں حقوق کا مؤثق ومحکم تعلق قائم کر دیا گیا جن کے حقوق انس پر ہیں اور انسان کے جنات پر اور بوجہ ان اوصاف مخصوصہ کے جو انسان میں ہیں اسکو جنات پر صورتاً۔ سیرتاً۔ حکماً تفوق وامتیاز دیا گیا۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم	ہم نے انسان کو اچھے پیمانے (صورت) پر پیدا کیا۔

اس سے تو جسم انسانی کا تمام اجسام سے خواہ لطیفہ ہوں یا کثیفہ احسن ہونیکا ثبوت ملتا ہے اور اسی سے اسکے اخلاق باطنی کی فوقیت وامتیاز کا نشان بھی ملتا ہے۔ ارشاد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

خلق اللّٰہ آدم علی صورتہٖ	اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت وشال پر یا اُنکی صورت پر جو نوع انسان کے لئے مناسب تھی پیدا کیا۔

سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مظہر تمام صفات کمالیہ خداوند عالم کا ہے مخلوقات کا کوئی دوسرا فرقہ خواہ لطیف ہو یا کثیف۔ نوری ہو یا ناری۔ اس درجہ کا مظہر تام نہیں ہے۔ اور اسی حدیث سے بنیۂ انسان کی باعتبار تقویم واعتدال اجزاء صوری احسن واجمل واعلیٰ وبرتر ہونیکی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔

آدم علیہ السلام کو خلعت خلافت خداوندی عطا ہونے اور ارشاد خداوندی

انی جاعلٌ فی الارض خلیفہ	میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ بنانیوالا ہوں۔

کے فرمان واجب الاذعان نے اسکی تفوق وبرتری پر مہر لگا دی اور اب کسی کو دعوے ہمسری وادعائے استحقاق تقدم وتفوق اسپر نہ رہا۔ اور اس طرح اشتراک وانفراد مساوات وامتیاز کا سلسلہ موجودات سے چلکر ایک صنف کو دوسری پر فوقیت دیتا ہوا انسان پر منتہی ہوا اور انسان کے افراد میں پھر یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ ہماری اصلی غرض مساوات وحریت کے مسئلہ کا تعلق چونکہ افراد انسانی سے ہی ہے۔ اس لئے ہم اس کی تفصیل شروع کرتے ہیں۔

تمام افراد انسانی خواہ کسی ملک اور کسی رنگت کے ہوں۔ رومی۔ حبشی۔ ترکی۔ تاتاری۔ یورپی ایشیائی۔ افریقی۔ امریکی سب ایک نسل سے ہیں۔ ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ اس انشعاب وتفرق پر اس مباینت رسوم وعادات پر سب کے سب ایک مبداء پر جاکر ملجاتے ہیں لیکن اس

اشتراک پر جس سے بڑھ کر اور کیا اشتراک ہو سکتا ہے اُن میں افتراق و تقسیم کا سلسلہ جاری ہے اور اسی سے احکام میں بھی تفریق ہو جاتی ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے۔

کہ خداوند عالم نے آدم کے اشتراک و افتراق تجانس و تمائز کو آیۃ ذیل میں ارشاد فرمادیا ہے۔

یا ایہا النّاس انا خلقنٰکم من ذکر و انثیٰ و جعلنٰکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم۔

اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور پھر تم کو قبیلوں اور کنبوں میں تقسیم کر دیا۔ تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ امتیاز قائم رکھ سکو۔ خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک تم میں کا وہی شخص مکرم ہے جو زیادہ متقی ہے

جملہ اولیٰ میں بنی آدم کا اشتراک بیان فرمایا گیا ہے اور جملہ جعلناکم سے آخر آیۃ تک اُن کا افتراق و تمائز ظاہر ہے کہ نظام تمدن اس کا مقتضی تھا کہ بنی آدم باوجود ایک نسل اور ایک جنس ہونے کے باہم متمائز اور متباین بھی ہوں۔ اُنکے انساب محفوظ ہوں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان میں اور بہائم میں کوئی فرق نہ ہوتا۔

امتیاز دو قسم کے ہیں ایک تمدنی و معاشرتی جس کے منافع حیات دنیا تک محدود ہیں دوسرا مذہبی و دیانتی جن کا احاطہ فوائد دار دنیا سے آخرت تک وسیع ہے۔ آیۃ مذکور میں اول امتیاز و افتراق کو جملہ و جعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا میں بیان فرمایا ہے اور مذہبی و دیانتی کو ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم میں۔

ہر ایک امتیاز کا مبنیٰ جداگانہ امور ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

امتیاز تمدن و معاشرت میں بہت سے شعبے امتیاز و افتراق کے ہیں۔ پہلا شعبہ نسب کا ہے مثلاً حضرت آدم علیہ السّلام کے چند بیٹے ہوئے اور ہر بیٹے کی اولاد جداگانہ ہوئی اور اسی طرح سلسلہ بسلسلہ شاخ در شاخ ہوتا چلا گیا۔ اگر بنی آدم کا توالد و تناسل مثل حیوانات و بہائم ہوتا تو اس قسم کا امتیاز قائم نہ ہوتا اور نہ اس کی ضرورت پڑتی۔ اس امتیاز نسبی سے کنبے۔ خاندان۔ کنبوں سے چھوٹے بڑے قبیلے اور پھر قومیں پیدا ہوتی چلی گئیں۔ یہ امتیاز و افتراق شروع میں تو بہت کم محسوس ہوتا ہے کیونکہ مثلاً اپنی اولاد اور اپنے بھائی کی اولاد میں بہت کم سمجھا جاتا ہے۔ لیکن جوں جوں بُعد بڑھتا جاتا ہے مباینت بڑھتی جاتی ہے یہانتک کہ قبائل کا امتیاز بہ نسبت کنبہ اور خاندان کے بہت زیادہ

ہوتا ہے۔ اقوام کا افتراق و امتیاز تو اس درجہ ہوتا ہے کہ گویا انمیں کہیں جاکر بھی مشارکت نسبی نہیں ہے
دوسرا امتیاز ملک اور وطن کیوجہ سے ہوتا ہے۔ ہر ایک ملک کی آب و ہوا جداگانہ ہے۔ رنگ
و روپ، رسم و رواج، قوئ جسمانی کے ارتقا، کا انحطاط میں اسکو بڑا دخل ہے اور جس طرح حفاظت
انساب نسل انسانی کیلئے ضروری تھی۔ اُسی طرح امتیاز ملک و وطن بھی تمدن کا لازمی جزو
ہے۔ بغیر اس کے نظام تمدن قائم نہیں رہ سکتا۔

تیسرا امتیاز حرفت و صنعت اور پیشہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ دنیا میں بعض پیشہ اعلیٰ
وارفع موجب عزت سمجھے جاتے ہیں اور بعض ادنیٰ موجب حقارت و توہین ہوتے ہیں۔ مثلاً
تجارت کو عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ گداگری و سوال کو نہایت حقارت سے۔ اسی طرح
صناع میں زیور بنانیوالا معزز سمجھا جاتا ہے بہ نسبت جوتے سینے والے کے۔ علیٰ ہذا درزی کا
درجہ خاکروب سے بلند ہوتا ہے۔

ہر سہ امتیازات مذکورہ بالا تمدن عالم کے لئے ضروری ہیں۔ اگر یہ تینوں نہ ہوں تو
نظام عالم استوار نہیں رہ سکتا۔ امتیاز مدارج و مراتب۔ انصرام حوائج و ضروریات زندگی
جلب منافع و دفع مضار کا مدار انہیں پر ہے۔ اور اس قسم کے امتیاز اور بھی ہیں جنکے بیان
کرنے میں طول ہے۔

یہ وہ امتیاز ہیں جن سے قومیں نکلتی ہیں۔ قبیلے بنتے ہیں۔ خاندان پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہی
امتیاز حدود بنتے ہیں جن کیوجہ سے ایک قوم دوسری قوم سے ایک ملک دوسرے ملک سے
ایک خاندان دوسرے خاندان سے ہر ایک صناع و پیشہ ور دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے۔

ان امتیازات سے تو بنی آدم کے اصناف و انواع اجناس پیدا ہوتے ہیں۔ اور ایک دوسری
قسم کا امتیاز اور ہے جسکا اثر افراد تک تو بیشتر اور بسا اوقات اقوام و قبائل تک بھی پہنچ جاتا ہے
مثلاً امتیاز علم و جہل۔ علم جوہر نفیس ہے۔ جسکے اندر یہ جوہر ہو اسکے محترم واجب التعظیم قابل
اطاعت ہونے میں کسکو شک و شبہ ہو سکتا ہے۔ علم کسی فن کا ہو انسان کے مرتبہ کو بالا و بلند کر دیتا
ہے۔ اُسکے مقابلہ میں جہل عزت سے ذلت۔ اوج سے حضیض۔ احترام و اکرام سے اہانت و
تذلیل کی طرف دھکیلتا ہے۔ علم و جہل سے حقیقی بھائیوں کے مدارج و مراتب میں امتیاز و

افتراق پیدا ہوجاتا ہے۔ ایک بھائی دولتِ علم سے مالامال ہوکر دنیا کا سرتاج۔ شاہانِ دنیا کا مقرب
مخلوق کا اُستاد و مؤدب بنا ہوا ہے۔ دوسرا جاہل کندہ ناتراشیدہ اس قابل بھی نہیں کہ کوئی اس سے
تخاطب کرے۔ پاس بٹھلانے کا بھی روادار ہو۔ اور یہ امتیاز علم بسا اوقات افراد سے متجاوز ہوکر اقوام
تک پہنچ جاتا ہے۔ کسی خاندان سے دولت علم زائل ہوئی جہل کا غلبہ ہوا تو چند پشتوں کے بعد وہ وحشی
بنجاتے ہیں۔ بجائے اخلاق انسانی وحشت حیوانی ان پر غالب آجاتی ہے۔ اسی طرح بعض ملک
کے ملک جہل کیوجہ سے انسانیت سے خارج ہوجاتے اور وحشی کہلانے لگتے ہیں۔

ایسی اقوام یا ممالک یا اقالیم کی مثالیں بھی بہت ہیں۔ جو کسی وقت جہل کی وجہ سے وحشی
کہلاتے تھے۔ علم نے انکو مہذب بناکر متمدن اقوام میں داخل کردیا۔ پہلے تو عرب ہی کی حالت دیکھ
لیجیے۔ اکثر حصۂ ملک بیشتر اقوام وقبائل جہل کے تیرہ و تار میدانوں میں بھٹکتے پھرتے تھے۔ ان میں اور
وحشیوں میں تھوڑا سا ہی فرق تھا۔ اور جب علم آیا اُس نے فطری اخلاق و ملکات کو جلا دیدی تو کہاں سے
کہاں تک پہنچ گئے دنیا پر اپنے علم و ہنر کا سکہ جما دیا۔ اصلی و حقیقی تہذیب کا سبق سارے عالم کو دیدیا۔

پھر امریکہ پر نظر ڈال لیجیے۔ کہاں وہ وحشت۔ اور کہاں یہ ترقی ایجادات و صنائع۔ و علیٰ ہذا
جاپان وغیرہ ممالک کا حال ہے۔

یا مثلاً۔ امتیازِ اخلاق و اعمال۔ ایک درجہ کے افراد میں محاسن اخلاق و مکارم اطوار سے امتیاز
پیدا ہوجاتا ہے۔ مہذب و متمدن علم کی دولت سے مالا مال نسب و حسب و قومیت میں مساوی باہم
اشتراک اخلاق شریفہ وضیعہ سے امتیاز پیدا ہوجاتا ہے حسن خلق عالم کے علم کو مہذب کی تہذیب شریف
النسب کے نسب کو ممتاز بنادیتا ہے جہل کے نقصانات آنکھوں سے اوجھل کرکے جاہل کی عزت بڑھا دیتا ہے۔

علیٰ ہذا اس قسم کے امتیازات اور بھی ہیں ان امتیازات سے قبائل و اقوام تو نہیں بنتے مگر
افراد یا اقوام میں فضائل و کمالات شرافت و دنائت کے درجات قائم ہوجاتے ہیں۔

ان امتیازات کے بعد ایک اور بھی امتیاز ہے جو ساری دنیا یا کسی اقلیم یا کسی حصہ ملک کو دو حصوں
پر منقسم کردیتا ہے۔ ایک سلطان یا حاکم ہوتا ہے۔ باقی کل افراد اس کی محکوم و رعیت۔ یہ امتیاز قومیت و
وطنیت نسب و خاندان سے بالکل علیحدہ ہے۔ یہ تمام امتیازوں سے اوپر کا امتیاز ہے۔ اور عام کے
تمدن۔ بقائے نسل تحفظ حقوق کے لیے اس کا وجود نہایت ضروری و لازم۔

امتیازِ دیانت ومذہب جو جناب باری کے ارشاد ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کے شعبے ودرجات اگرچہ بہت سے ہیں مگر ان سب کا منشا اور اصل ایک ہے۔ انسان کو خدا نے اس لیے پیدا کیا ہے کہ عالم کے ہر جزو سے فائدہ اٹھائے تمام لذائذ ونعم سے متمتع ہو سب پر حکومت کرے اور ہماری بندگی کرے۔ ہمارے سامنے گردن جھکائے۔ ہم کو خالق مالک سمجھے۔ اپنے آپ کو مخلوق ومملوک سارے عالم کو اس کا ملک بناکر اس کو ہر قسم کے تصرفات مالکانہ کی اجازت دی گئی اور اس سے صرف اتنا طلب کیا گیا کہ ہم کو اپنا مالک ورب رزاق ومعطی معبود جانے۔ تمام اجزائے عالم کا انسان کے لیے مسخر وخادم ہونا تو ظاہر ہے کہ کوئی ذی عقل انکار ہی نہیں کر سکتا۔ رہا یہ امر کہ وہ عبادت و اطاعت کیلئے پیدا کیا گیا ہے اس کا انکار بھی کسی عاقل فہیم سے ممکن نہیں ہے۔ خداوند عالم نے امر اول کو تو ان الفاظ میں ارشاد فرمایا۔

الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض واسبغ علیکم نعمہ ظاہرۃ و باطنۃ۔

کیا نہیں دیکھا تم نے کہ اللہ تعالی نے تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں و زمینوں میں ہے مسخر کر دیا اور اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کو تم پر پورا کیا۔

اور دوسری جگہ یوں ارشاد ہے۔

اللہ الذی خلق السموات والارض و انزل من السماء ماءً فاخرج بہ من الثمرات رزقا لکم وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہ وسخر لکم الانہار وسخر لکم الشمس و القمر دائبین وسخر لکم اللیل والنہار واتاکم من کل ما سألتموہ وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا ان الانسان لظلوم کفار۔

اللہ وہ ذات پاک ہے جس نے آسمانوں کو اور زمینوں کو پیدا کیا۔ اور آسمانوں سے پانی اتارا اور اس سے تمہارے لیے زمینوں سے رزق پیدا کیا اور مسخر کیا تمہارے لئے کشتیوں کو کہ اسکے حکم سے دریا میں چلیں اور مسخر کیا تمہارے لئے نہروں کو اور مسخر کیا تمہارے لئے سورج اور چاند کو ہمیشہ اور مسخر کیا تمہارے لئے دن اور رات کو اور دیا تم کو کچھ ہر چیز سے جو تم نے سوال کیا اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہ کر سکو گے بیشک انسان بڑا ظلم کرنیوالا اور ناشکر گذار ہے۔

اور امر ثانی کو آیۃ ذیل میں۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ما ارید منہم من رزق وما ارید ان یطعمون۔	نہیں پیدا کیا میں نے جن اور انس کو مگر اسی لئے کہ وہ میری عبادت کریں میں اُن سے رزق نہیں چاہتا اور نہ یہ کہ وہ مجھ کو کھلائیں۔

انسان کی خلقت اس غرض کے لیئے ہے تو اس کے افراد میں ایک عام تقسیم ہو کر کل اقوام عالم کے دو حصے ہو گئے خواہ وہ ایک نسب ایک خاندان ایک قبیلہ کے ہوں یا جُدا گانہ۔ ایک ملک ایک اقلیم ایک شہر۔ ایک قبیلہ۔ ایک گاؤں ایک محلہ کے ہوں یا علیحدہ علیحدہ۔ کسی پیشہ و حرفت کے ہوں۔ عالم کریم النفس ہوں یا جاہل وحشی اخلاق و عادات کے۔

ایک حصہ مومن ایک کافر۔ جس نے خداوند عالم کی اصلی غرض خلق عالم اور خلق انسان کو ملحوظ رکھا عالم کے اجزاء سے متمتع ہوا اور خود کو خدا کا بندہ مانا۔ ساری دنیا کو اپنی ملک سمجھا۔ اپنے آپ کو اپنے خالق کا مخلوق و مملوک خداوند عالم کے بھیجے ہوئے انبیاء اور اس کے نازل کیے ہوئے احکام کا اتباع کیا مومن کہلایا اور جس نے سرتابی کی مخلوقات دنیا پر تو ایسے تصرفات کیے گویا اس کی پیدا کی ہوئی اسکے مملوک و غلام ہیں اور خود اپنے مالک و خالق سے روگردانی کی اُس کے وجود کا قائل نہ ہوا یا ہوا تو اپنی عقل نارسا کا تابع ہوا۔ انبیاء کو نہ مانا۔ احکام منزلہ کا اتباع نہ کیا۔ شریعت کو نہ مانا۔ وہ کافر ناشکر گذار۔ جاحد نعمت ٹھیرا۔

اس امتیاز کے درجات بیشمار ہیں۔ مومن کی تقسیم بوجوہ متعددہ ہوتی ہے جس سے اسکے افراد و انواع بنتے جاتے ہیں۔ ایمان درجۂ اعتقاد و اعمال دونوں میں ہے۔ تو مومن صالح ہے۔ فقط درجۂ اعتقاد میں ہے۔ اعمال میں تقصیر ہے۔ مومن فاسق ہے۔ خداوند عالم کے وجود اسکی توحید و صفات کا علم یقینی اسکو حاصل ہے تو کامل ہے محض تقلید ہے تو ناقص۔ علیٰ ہذا اسرار معرفت و توحید۔ علوم اذواق و مواجید سے بہرہ ور ہو تو مومن عارف ہے۔ ورنہ غیر عارف۔ وحی و تنزیل سے ان کو سرفراز فرمایا گیا ہے۔ تو نبی و رسول ہیں۔ ورنہ صدیق و شہید و صالح۔

اس امتیاز کے اصلی آثار تو آخرت میں ظاہر ہوں گے۔ مگر اس کے احکام کا تعلق حیوٰۃ دنیا سے ہے اس لئے ان احکام کے آثار دنیا میں بھی ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

اشتراک و امتیاز کی اس بحث کا جسکو یہاں بیان کیا حاصل یہ ہے کہ اشتراک کی وجہ میں مساوات

ہوتی ہے اور امتیاز کے مرتبہ میں تفریق احکام و معاملات ہوجاتی ہے جبتک اشتراک وجودی تھا حقوق اور معاملات کا تعلق نہ تھا۔ موجودات عالم میں ایک کو دوسرے پر حق تقدم و تفوق باعتبار تقدم خلقت یا محتاج الیہ ہونے یا صغر و کبر اجسام یا قلت و کثرت نفع کے ہو۔ مثلاً اربع عناصر کو موجودات عالم کی خلقت میں ایسا دخل ہے جسکی وجہ سے انکو اصل موجودات کہا جاتا ہے۔ پہاڑ پیدا ہوتے ہیں تو انہیں عناصر کی ترکیب و امداد سے۔ اشجار و اثمار بھی انہیں سے۔ حیوانات و بہائم بھی انہیں سے یا مثلاً شمس و قمر۔ کواکب۔ سیارہ و ثوابت۔ علیٰ ہذا افلاک و سموات بھی موجودات میں ہیں۔ مگر ان کا نفع موجودات عالم کو زیادہ پہنچتا ہے۔ موسموں کا تغیر و تبدل جنکو اعتدال مزاج عالم میں بڑا دخل ہے۔ انہیں کے متعلق ہے شمس و قمر کی نورانیت اور تنویر نے انکے درجہ کو بڑھا دیا ہے۔ مگر جبتک نقط وجود کا اشتراک ہے نہ حقوق و معاملات کا تعلق نہیں ہے اور جب وصف حیوۃ نے امتیاز کردیا موجودات میں حد فاصل لگادی حقوق و استحقاقات و معاملات کا علاقہ قائم ہوگیا۔ اور پھر درجہ بدرجہ جو جو امتیاز و تفریق ہوتی گئی حقوق کا تعلق بڑھتا گیا جیسا کہ ہم ابھی بیان کرچکے ہیں۔ جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سنئے کہ اشتراک و امتیاز کے احکام جداگانہ ہیں جس حدتک اشتراک ہے اسمیں حکم مساوات ہے۔ اور جس وصف سے امتیاز شروع ہوتا ہے حکم مساوات بدلجاتا ہے۔ احکام میں تفریق ہوجاتی ہے۔ ہر ایک وصف کے امتیاز نے اس کے لیے جداگانہ حکم ثابت کیا ہے

مساوات کے تین درجے ہیں۔ ایک مساوات ذات میں۔ ایک مساوات صفات و حالات میں ایک مساوات حقوق و معاملات میں۔ ہماری غرض اسوقت مساوات حقوق و معاملات کو بیان کرنے سے ہے۔ مساوات ذات و صفات سے نہیں ہے۔ ذات و صفات میں مساوات کا ہونا مشکل ہے۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ ہر موجود کی صورت شکل۔ قد و قامت حیز و مکان وغیرہ اوصاف مختلف نے ناممکن کردیا ہے تو بیجا نہیں اور ہو بھی تو ہم کو اس سے بحث نہیں ہے۔

اس سب تمہید کے بعد عرض ہے کہ انسان مخلوقات میں کامل و اکمل ہے حقوق و معاملات کا علاقہ جسقدر اسکی ذات سے ہے عالم کے تمام انواع و اقسام میں کسی سے نہیں ہے۔ اسکے افراد میں خود باہمی حقوق و استحقاقات کا سلسلہ اس طرح قائم ہے کہ یہ نہو تو نظام تمدن باطل ہوجائے۔ بلکہ نسل انسانی منقطع ہوجائے اور باوجود ان تمام اشتراکات کے جو افراد انسان میں پائے جاتے ہیں انکے اندر امتیاز و افتراق بھی ہے۔ اشتراکات اگر مساوات کو تقاضا کرتے ہیں۔ تو امتیازات تفریق و تفاضل کو ہم کو دیکھنا

یہ ہو کہ افراد انسانی کے اندر مساوات کتنے امور میں ہونی چاہئے۔ اور تفوق و مفاضلت کتنے معاملات میں۔
ہم چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں اول عقل و عرف عقلاء زمانہ کے طرزِ عمل اُنکے قوانین کے اعتبار سے
بحث کریں اور اس کے بعد دکھلائیں کہ شریعت نے اس مسئلہ میں کیا تعلیم دی ہے۔

بادی النظر میں لفظ مساوات بہت پیارا معلوم ہوتا ہے۔ جب یہ سُنا جاتا ہے کہ فلاں شخص کی
نظروں میں یا فلاں ملک میں امیر و غریب شاہ و گدا سب برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر فوقیت و امتیاز نہیں
ہے یا کہتے ہیں کہ شیر بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں تو سُننے والے کے قلب میں مسرت و اطمینان۔
پسندیدگی و طمانیت کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ مسرت و ابتہاج سے دل لبریز ہو جاتا ہے اور وہ اس سے بڑھکر دنیا
کے امن و امان کا ضامن کسی بات کو نہیں سمجھتا۔ لیکن تحقیق طلب یہ امر ہے کہ آیا ہر امر میں ہر معاملہ میں
مساوات محمود ہے۔ یا ایسے مواقع بھی ہیں۔ جہاں مساوات مذموم سمجھی جاتی ہے اور اسکی مضرتیں و نقصانات
اس امتیاز و مفاضلت سے بدرجہا زائد ہوتی ہے۔ جس کو بظاہر غیر محمود سمجھا جاتا ہے۔

ہم ابھی لکھ چکے ہیں کہ انسان کے اندر باوجود اشتراک صفت انسانیت مختلف وجوہ و طرق
سے متفاوت پیدا ہوتے ہیں اور ہر امتیاز اپنا جدا حکم رکھتا ہے۔ پس یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ تمام افراد
انسانی ہر امر میں مساوی قرار دیئے جائیں۔ لازم اور واجب ہے کہ کسی حد تک انمیں مساوات ہو اور
کسی جگہ جاکر بوجہ تفاضل و تفاوت درجات و مراتب اُنکے معاملات میں تفاضل ملحوظ رکھا جائے۔

اسی لئے تمام عقلاء دنیا کا اجماع ہے۔ اور دنیا بھر کے قوانین باعتبار اصول اسپر متفق ہیں کہ
انسانی افراد کے حقوق باعتبار انسانیت مساوی ہیں۔ ایک نہایت غریب ضعیف بے یار و مددگار
جاہل وحشی، کندۂ ناتراشیدہ غیر مہذب غیر متمدن۔ کج خلق کمینہ۔ رذیل اخلاق۔ بدافعال۔ قبیح منظر
سیاہ فام کے حقوق انسانیت کا محفوظ رکھنا ایسا ہی ضروری ہے۔ جتنا سلطان وقت یا ایک
رئیس و زمیندار تاجر و صناع کا یا ایک مہذب و متمدن کریم النفس جامع اوصاف حمیدہ و ملکات پسندیدہ
کا کسی منصفانہ قانون میں ضعیف کم رتبہ شخص کی جان کو بڑے پایہ والے سے کمتر نہیں سمجھا جاتا اور
اسی وجہ سے افراد انسانی کے حقوق و معاملات کی پامالی دنیا کے کسی قانون میں پسند نہیں کیگئی
اسکو جور و تعدی ظلم و ستم کہا جاتا ہے۔ انسانیت کے خلاف وحشت و بہیمیت کے مرادف سمجھا جاتا ہے۔
لیکن باوجود اس مساوات حقوق انسانی کے باجماع عقلاء دنیا دوسرے مدارج میں ایک کو

دوسرے پر فوقیت دیجاتی ہے اور اس فوقیت میں اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ کسی کے انسانی حقوق پامال نہ ہو جائیں۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ اس درجہ کی مساوات کہ عالم کے تمام افراد خواہ کسی طبقہ کے ہوں ایک ہی درجہ پر رکھدئے جائیں کبھی محمود و پسندیدہ نہیں ہوسکتی۔ کیا یہ امر پسندیدہ ہوسکتا ہے کہ سلطان وقت اور ایک ادنیٰ خاکروب معاملات نشست و برخاست۔ کھانے پہننے احترام و اکرام میں برابر کردیئے جائیں اور ایسا ہو تو کیا کوئی عاقل اسکو پسند کریگا۔ اور کیا ایسا ہونیکے بعد عالم کا نظام باقی رہ سکتا ہے۔ اسمیں سکون و امن قائم اور اسکے افراد میں تعاون و تناصر کا سلسلہ جاری رہ سکتا ہے۔

اور کیا دنیا کا کوئی عقلمند شخص اسکو اپنی آنکھ سے دیکھ سکتا ہے کہ کسی فن کے عالم اُستاد کا رتبہ باعتبار حرمت و عظمت ایک بددین جاہل کی برابر کردیا جائے۔ شاگرد اُستاد میں فرق مراتب اُٹھا دیا جائے اسی طرح ہر درجہ و مرتبہ کے امتیاز کا حکم جداگانہ ہے جسکا لحاظ عقل و عرف و قوانین فطرۃ و قوانین عقلاء کے اعتبار سے ضروری ہو۔ ہاں مگر اسی طرح پر کہ حقوق انسانیت کی مساوات میں اس سے فرق نہ آوے اگر کسی زمانہ میں یا کسی ملک و قوم میں حقوق انسانیت کے اندر ایک نوع کو دوسرے نوع پر یا ایک طبقہ کو دوسرے طبقہ پر فوقیت دی گئی۔ تو اس کو ہمیشہ ظلم سمجھا گیا ہے اور وہ قومیں آجتک وحشی جاہل غیر مہذب کہلاتی ہیں۔

اسی طرح اگر کسی ملک یا قوم میں مساوات کو اسدرجہ بڑھا دیا جائے کہ حقوق انسانی کے علاوہ باقی معاملات و مدارج میں بھی سب کو مساوی قرار دیدیا جائے۔ اچھے بُرے عالم جاہل شریف و وضیع ایک ہی ترازو میں وزن کردیئے جائیں تو اس مساوات کی مضرت اس امتیاز و تفوق نا جائز سے بدرجہا زیادہ ہو۔ امتیاز و تفوق کی صورت میں ایک طبقہ کی قوت اسکا اقتدار اس درجہ کا ضرور رہیگا کہ وہ امن و سکون قائم رکھ سکے۔ لیکن اس درجہ کے مساوات میں جبکہ تمام افراد یکساں سمجھے جاتے ہیں۔ بالکل امن و امان اُٹھ جائیگا۔ ہر ایک متنفس کو زندگی دوبھر ہو جائیگی۔ ایسی مساوات نہایت حماقت آمیز اور مضحکہ خیز ہے۔ ہم کو اس مساوات پر ایک حکایت یاد آئی۔

ایک گرو اور اُس کا چیلہ ملک در ملک شہر بشہر سیاحت کرتے پھرتے تھے۔ کسی ایک جگہ ٹھیرنا یا اقامت گزین ہونے کو پسند نہیں کرتے تھے جو حال ایسے آزاد اور مجرد لوگوں کی معیشت و طرز زندگی کا ہوتا ہو۔ وہی اُنکا بھی تھا۔ جہاں پہنچے وہاں جو کچھ ملا کھالیا۔ سیر و سیاحت کرتے کرتے اتفاق ہوا ایک

بستی میں پہنچے۔ تو دیکھا کہ وہاں ہر چیز ایک نرخ پر فروخت ہوتی ہے۔ گھی۔ مٹھائی۔ غلہ۔ میوہ جات۔ دودھ
دہی۔ ترکاری۔ سبزی۔ کپڑا۔ لوہا۔ تانبا۔ سونا۔ چاندی وغیرہ ان تمام اشیا کا یہی حال ہے۔ چیلہ جو سفر کی
صعوبت اور کھانے پینے کی تکالیف برداشت کرتے کرتے تنگ آگیا تھا۔ اُس نے یہ حال دیکھکر گرو
سے عرض کیا کہ حضور کچھ دنوں یہاں قیام فرمائیں۔ تو سفر کی ماندگی دور ہو جائے۔ ہر قسم کی اچھی خوش
ذائقہ موافق طبع اشیا کے کھانے سے ناتوانی بھی زائل ہو جائے۔ اور کچھ دن راحت و آرام سے گذر جائیں
گرو نے فرمایا جس جگہ اچھی بُری چیز کی تمیز اُٹھ گئی ہو سب کا ایک ہی حال ہو۔ وہاں ٹھیرنا کسی طرح مناسب
نہیں ہے۔ مگر چیلہ کے بیحد اصرار پر گرو نے بھی منظور کر لیا۔ پھر کیا تھا۔ دونوں نے خوب کھانا پینا شروع کر دیا۔
تھوڑی ہی مدت میں لاغری کافور ہو کر فربہی اور توانائی آگئی۔ خوب موٹے تازے ہو گئے۔ انہیں ایام میں
وہاں ایک قتل کا واقعہ پیش آگیا۔ مجرم پکڑا ہوا آیا۔ راجہ صاحب نے اسکو پھانسی پر لٹکانیکا حکم دیا۔ پھانسی
پر لٹکانے لگے تو دیکھا کہ اسکا حلقہ بڑا ہے مجرم کی گردن پتلی ہے حلقہ میں نہیں پھنس سکتی۔ راجہ صاحب سے
عرض کیا گیا۔ ارشاد ہوا کہ جس شخص کی گردن اس حلقہ میں پھنس سکے اس کو بجائے اسکے لٹکادو۔ مجرم تو دعا
دیتا ہوا چلدیا اور ایسے موٹے تازے شخص کی تلاش شروع ہوئی۔

یہ دونوں گرو چیلے ابھی تازہ دم کھا پی کر موٹے ہوئے تھے۔ انکو پکڑ لائے۔ گرو صاحب نے چیلے سے
فرمایا میں کہتا نہ تھا کہ ایسی جگہ جہاں اچھے بُرے کی تمیز نہ ہو ٹھیرنا مناسب نہیں ہے۔ اب دیکھ لیا کہ کیا
نتیجہ ہوا۔ چیلہ نے عرض کیا کہ غلطی تو ہو گئی۔ لیکن کچھ تدبیر بتلایئے۔ فرمایا کہ تدبیر یہ ہے کہ جب پھانسی پر
لٹکانیکے لئے لیجائیں تو میں کہونگا کہ مجھ کو پھانسی پر لٹکایا جائے۔ اور تم اصرار کرنا کہ مجھکو۔ راجہ صاحب نے حکم دیا
کہ ان دونوں میں سے ایک کو پھانسی دیدو۔ گرو چیلہ میں جھگڑا شروع ہوا۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ میں پھانسی
دیا جاؤں۔ یہ عجیب قسم کی تکرار تھی۔ موت کیلئے جھگڑنا نئی بات تھی۔ بالآخر راجہ صاحب کی خدمت میں یہ معاملہ
پیش ہوا تو آپنے دونوں کو بلا کر اسکا سبب دریافت کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمکو معلوم ہے کہ یہ وقت نہایت مبارک
ہے۔ مکتی کی گھڑی ہے۔ جو بھی اسوقت مریگا سیدھا سُرگ میں جائیگا۔ راجہ صاحب نے یہ سُنا تو دل میں
کہ مرنا تو سب ہی کو ہے۔ راجا یا پرجا۔ کسی کو معلوم نہیں کہ کب مریگا۔ ممکن ہے کہ میرے مرنیکا زمانہ قریب آیا
ہو۔ اور قریب نہ بھی تب بھی آخر مرنا ہے۔ اگر مرنیکے بعد نجات ہو جائے آرام ملجائے۔ اس سے بڑھکر اور کیا
دولت و نعمت ہے۔ اس مبارک وقت کو کیوں ہاتھ سے دیں۔ دنیا میں تو بہت کچھ عیش و آرام۔ اختیار ہے

حکومت کا مزہ دیکھ لیا۔ اب آخرت کی فکر چاہیئے۔ یہ سوچ بچار کر کہا کہ انکو چھوڑ دو اور مجھے اس پھانسی پر لٹکا دو۔ اس حکم کی فوراً تعمیل کی گئی اور راجہ صاحب نرک یا سرگ میں جہاں جانا مقدر تھا تشریف لیگئے۔

ظاہر بین نظروں میں تو یہ مساوات بھی خوش کن تھی۔ اور بالکل ممکن ہے کہ اُس بستی کے سادہ لوح اسپر فخر بھی کرتے ہوں۔ مگر حقیقت میں حماقت تھی۔ اچھے بُرے کا امتیاز نہ ہونا۔ اعلیٰ و ادنیٰ کا ایک درجہ میں رکھدینا بالکل تباہی و بربادی کا سامان ہے۔ اس احمقانہ مساوات کے خیال نے جو استعمالی اشیاء میں جاری تھی زیادہ وسعت پکڑلی تو جرم وغیر مجرم کی تمیز بھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ کیا پھانسی کا حلقہ تنگ نہ کیا جاسکتا تھا۔ یا پاداشِ جرم کی سزا بجز پھانسی کے اور کسی صورت سے نہ ہوسکتی تھی۔

دولت و نعمت کے نشہ نے اس زمانہ کی متمدن اقوام میں بھی اس قسم کا سودا مساوات پیدا کردیا ہے۔ بعض بستیاں بنائی گئی ہیں جنمیں مساوات کو قائم کیا گیا ہے۔ ہر بات میں تساوی درجہ تجویز کیا گیا ہے جسکو دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حکایت مذکورہ بالا بھی بے اصل نہ ہوگی ہاں یہ فرق ضرور ہوگا کہ وہ جہالت و وحشی پن کا کرشمہ تھا اور یہ دولت و ثروت۔ سائنس و حکومت کا چوچلا۔ اگر یہ آخر الذکر صورت بڑی جدوجہد سے کسی چھوٹے پیمانہ میں کامیاب بھی ہوجائے تب بھی اسکا نفاذ عام نہیں ہوسکتا۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے۔ اس بارہ میں کچھ زیادہ کہنے کی حاجت نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ عقلی و عرفی طور پر ایسی مساوات جن میں تمام طبقات کے کل حالات یکساں ہوجائیں ہرگز محمود و پسندیدہ نہیں۔

ہاں مساواتِ حقوق لازمی امر ہے ہر ایک حکمران قوم اسکی مدعی ہے۔ اسکے قوانین مرتب ہیں گو وہ اس کی صحیح میزان قائم نہ کرسکیں۔

عقلی و عرفی طور پر مسئلہ مساوات و تفاضل کی حقیقت اور اسکے احکام معلوم کرنیکے بعد اب دیکھئے کہ شریعت اسلام نے اس بارہ میں کیا تعلیم دی ہے۔ اور پھر اس فرق کو محسوس کیجیے جو قوانین دنیا اور قانون شریعت میں ہے۔

ہمارے سابق بیان سے معلوم ہوگیا ہے کہ بنی نوع انسان کا اشتراک مساوات کو مقتضی ہے اور اس کا امتیاز خواہ معاشرت و تمدن کے لحاظ سے ہو اور خواہ دیانت و مذہب کے اعتبار سے تفاضل و تمایز کو۔ اہل عقل کے قوانین صرف معاشرت و تمدن کے تفاضل و تمایز کو محیط ہوتے ہیں لیکن

شریعت دونوں کو جامع ہے۔

انسانیت کے اشتراک سے جن امور میں مساوات ضروری ہے وہ حفظِ جان و مال حفظِ ننگ و ناموس۔ حفظ حقوق و معاملات وغیرہ ہیں۔

شریعت اسلام نے گو ہر ایک ذی روح کی جان کا حق انسان پر کسی نہ کسی حد تک قائم کیا ہے مگر انسان کی جان و مال کی حفاظت اس درجہ کی کہ اس سے بڑھکر کیا ہو سکتی ہے۔ تمام افرادِ انسانی کو بلا امتیاز ملک و ملت رنگ و روپ شریعت اسلام نے اپنے حفظ میں لیا ہے اور ہر ایک موقع و وقت کے مناسب احکام اس بارہ میں نافذ فرماکر متبعین شریعت کو انکا پابند بنادیا۔

انسان کی دو ہی حالتیں ہیں مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ مسلم کی دو حالتیں ہیں۔ اسلامی ممالک میں رہتے ہوں اُنکے عہد و امن میں داخل ہوں۔ یا ممالک غیر اسلامی میں۔ غیر اسلامی ملک میں رہنے والے دو حال سے خالی نہیں یا مسلمانوں سے برسر مقابلہ ہیں۔ اُنسے کسی قسم کا عہد و پیمان نہیں ہے۔ یا اُن سے عہد و پیمان کئے ہوئے ہیں۔

مسلمان بھائی کے جان و مال کی حفاظت تو اس درجہ فرض ہے کہ قتل مسلم سے بڑھکر کوئی کبیرہ گناہ نہیں ہے۔ اللہ تعالے فرماتے ہیں۔

ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاءہ جہنم خالدًا فیہا۔	جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کریگا اسکی جزا جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہیگا۔

اسی طرح ان غیر مسلموں کا حال بھی ہے جو مسلمانوں کے ملک میں انکی ذمہ داری و عہد و پیمان کے ساتھ رہتے ہیں۔ انکا قتل بھی گناہ کبیرہ ہے۔ قتل تو قتل انکی غیبت بھی حرام ہے اور کسی قسم کا ظلم کرنا جائز نہیں بلکہ کتب فقہ میں ذمی پر ظلم کرنا اشد ہے۔ ردمحتار۔ اسلام و کفر کے فرق سے معصیت میں شدت و ضعف ہو تو ہو مگر کبیرہ ہونے میں تردد نہیں ہے۔ بلکہ حدیث شریف میں ہے۔

من اخفر مسلما فی ذمتہ فعلیہ لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا۔	جس نے کسی مسلم کے ذمہ کو جو اسنے کسی ذمی سے کیا تھا توڑ دیا اور برقرار نہ رکھا اسپر اللہ تعالیٰ کی فرشتوں کی سب لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اسکا نفل و فرض کچھ قبول نہیں کرتا

معاہد کو تکلیف پہنچانے میں۔ خلاف عہد کرنیوالا خواہ کوئی ہو۔ یہ وعید شدید اور یہ عتاب ہے

جس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتا ہے۔ ایسے شخص پر خدا کی فرشتوں کی لوگوں کی لعنت ہے۔ اسکی کوئی عبادت فرض و نفل قبول نہیں ہوتی۔

رہے ممالک غیر اسلامی کے رہنے والے جن سے معاہدہ ہو چکا ہے انکو خلاف عہد تکلیف پہنچانا قتل و غارت کرنا بھی حرام و معصیت اور گناہ کبیرہ میں داخل ہے۔

اوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا | عہد کو پورا کرو کیونکہ عہد کے بارہ میں سوال کیا جائیگا

کا عام فرمان اس صورت کو بھی شامل ہے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں کفار کیساتھ ایسے سخت شرائط پر معاہدہ کرلیا کہ جو مسلمان دین اسلام سے پھر کر تمہارے پاس آجائے ہم اسکو واپس کرنیکا مطالبہ تم سے نہیں کرینگے۔ اور تم میں کا کوئی مسلمان ہوکر ہمارے پاس آئیگا تو ہم اسکو واپس کردینگے اور اسی بنا پر جب کفار مکہ نے ابو بصیر کی واپسی کا مطالبہ کیا تو آپ نے ایک شخص کو جو کفر سے بھاگ کر اسلام میں داخل ہوا تھا۔ جسکے بگڑ جانے۔ مارے جانیکا اندیشہ تھا اسکی ہزار منت و سماجت۔ دل شکنی اور حسرت و یاس پر خیال نہ فرما کر بے تامل کفار کے حوالہ کردیا۔

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے اس حکم کی پابندی اس حد تک کی اس سے بڑھکر ناممکن ہے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جبکہ ملک شام میں برسرپیکار تھے۔ ایک مرتبہ دشمن کے ساتھ چند مدت تک التوار جنگ کا معاہدہ کرلیا تھا۔ مگر بقاعدہ الحرب۔ خدعۃ (لڑائی حیلہ وتدبیر ہی) اس زمانہ میں چپکے چپکے سرحد پر تیاریاں مکمل کرتے رہے کہ مدت التوار ختم ہوتے ہی اچانک حملہ کردیں اُنکی رائے میں یہ امر ناجائز یا خلاف عہد نہ تھا تدابیر جنگ اور احتیاط کا اقتضاء بھی یہی تھا۔ انکو کیا اطمینان تھا کہ دشمن بھی اسی فکر میں ہو اور وہ بھی مدۃ ختم ہوتے ہی فوراً حملہ کر بیٹھے ادہر مدت التوا ختم ہوئی اور اُدھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو بالکل سرحد پر پڑے ہوئے تھے حملہ کا حکم دیدیا حملہ شروع ہوا ہی تھا کہ ایک شہسوار گھوڑا دوڑاتے ہوئے اور چلاتے ہوئے چلے آرہے تھے اللہ اکبر اللہ اکبر وفاء لاغدر۔ یہ ایک صحابی تھے رضی اللہ عنہ) حملہ رد کردیا گیا۔

رہے وہ ممالک غیر اسلامی جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہیں ہے۔ خواہ وہ سردست برسر جنگ ہوں۔ یا اُنکے ساتھ ہر وقت جنگ کا اندیشہ لگا ہوا ہو۔ اُنکی دو حالتیں ہیں اُنمیں کا کوئی ایک یا چند امن لیکر دارالاسلام میں آئیں یا مسلمان امن لیکر اُنکے ممالک میں جائیں۔ دونوں صورتوں میں اسلام نے

جان و مال کو تکلیف پہنچانا حرام قرار دیا ہے۔ جو غیر مسلم امن لیکر دار الاسلام میں داخل ہو اُسکے ساتھ ہمارا وہی معاملہ ہو جو معاہد کیساتھ۔ جب وہ حدود اسلام سے نکلجائے۔ معاہدہ ختم ہوجاتا اور اسوقت اس کا حکم حربی کا ہوجاتا ہے۔ اور جو مسلمان امن لیکر اُنکے ممالک میں جائے اُسکو حرام ہے کہ کسی کی جان کو تکلیف پہنچائے یا اُن کے مال میں ناجائز تصرف کرے۔

یہ حال تو حکم معصیت کا ہے۔ احکام ظاہری کو دیکھئے تو دار الاسلام میں جیسا ایک مسلمان کے قاتل سے قصاص نفس (خون کا بدلہ خون) یا قصاص اطراف یعنی اعضاء بدن کے عوض اعضاء بدن سے لیا جاتا ہے۔ ویسا ہی ذمی کے قاتل سے اور یہی حال اس مستامن کے قاتل کا ہے جو غیر اسلامی ملک میں رہتا ہے۔ مگر امن لیکر اسلامی ممالک میں آکر آباد ہوا اور ذمی بنگیا فقہ حنفی کی معتبر کتب فتاوے میں لکھا ہے۔

ویجری القصاص بینہ وبین المسلم۔ | مسلمانوں اور اُس مستامن کے درمیان جو ذمی بنگیا ہو قصاص جاری ہوگا۔

یعنی دونوں میں سے کوئی قاتل ہو اُس سے قصاص لیا جائیگا۔

مستامن کی حالتوں میں فرق ہے۔ بعض حالتوں میں اُسپر معاہد کے احکام عاید ہوتے ہیں اور بالکل اُسی جیسا بنجاتا ہے اور بعض میں نہیں اسلئے ہمنے معاہد ہوجانیکی قید لگائی ہے۔ جن حالتوں میں وہ ذمی جیسا نہیں بنا اُنمیں بھی اُسکی جان کی حفاظت ضروری ہے فرق اتنا ہو کہ قاتل سے خواہ مسلمان ہو یا ذمی قصاص نہ لیا جائیگا، اور اس قسم کے فرق باعتبار حالات و مقامات مسلمانوں میں باہم اور مسلمانوں و ذمیوں میں بھی نکلتے ہیں اور خاص اس موقع میں تو مسلمان و ذمی کو درصورت قاتل ہونے کے مساوی رکھا گیا ہے۔

مال کی حفاظت کا بھی یہی حال ہے جسطرح مسلمانوں کے مال کی حفاظت دوسرے مسلمان کے ذمہ فرض ہے کسی ناجائز طور سے ظلم، تعدی سے حیلہ دھوکہ سے اسکا نہ لینا جائز ہو نہ ہلاک اور تلف کرنا اگر کسی کے مال کو ناجائز طور سے لیا معصیت و گناہ کبیرہ ہونیکے علاوہ شریعت نے اس کے احکام مدون کردیے ہیں۔ تلف کردیا تو حسب اقتضاء حالات اس پر ضمان آتا ہے۔

یہی حال اس غیر مسلم کے مال کا ہے جو مسلمانوں کے ملک میں عہد و پیمان کیساتھ رہتا ہو یا عہد و پیمان کے ساتھ چند روز کیلئے داخل ہوا۔ اسمیں یہانتک خیال کیا ہو کہ جن اموال یا اشیاء کا

مسلمانوں کو رکھنا یا استعمال کرنا حرام ہے۔ بلکہ تلف کرنا ضروری ہے اگر کوئی تلف کر دے تو اسپر ضمان نہیں آتا اگر وہ ذمی کی ملک ہوں تو تلف کر دینے سے مسلمان کے ذمہ ضمان واجب ہوتا ہے۔ کوئی مسلمان اگر غیر مسلم کی خمر و خنزیر کو تلف کر دے تو حسب قواعد فقہیہ اسپر ضمان واجب ہوتا ہے۔ درمختار میں ہے۔

ویضمن المسلم قیمۃ خمرہ و خنزیرہ۔ | مسلمانوں پر ذمی کے خمر و خنزیر کی ضمان واجب ہو گی۔

حفظِ ننگ و ناموس کا حال یہ ہے کہ مسلمان کی کسی قسم کی آبروریزی و اہانت و تذلیل خواہ قول سے ہو یا ضرب یا قتل سے اشارہ سے ہو یا کنایہ سے سامنے ہو یا پیٹھ پیچھے یعنی غیبت۔ قطعاً حرام ہے جسکی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ اور جس طرح مسلمانوں کے ننگ و ناموس کی حفاظت شرعاً واجب ہے۔ اسی طرح ذمیوں کی بھی۔ انکو زبان سے ہاتھ پیر سے معاملہ سے تکلیف پہنچانا۔ اذیت دینا خلاف انسانیت معاملہ کرنا سب حرام ہیں۔ یہاں تک کہ جس طرح مسلمانوں کو پیٹھ پیچھے برا کہنا حرام ہے اسی طرح ذمی کی غیبت کرنا بھی منع ہے۔ درمختار میں ہے۔

ویجب کف الاذی عنہ و تحرم غیبتہ کما المسلم۔ | واجب ہے ذمی سے اذیت کو روکنا اور اُسکی غیبت حرام ہے جیسے کہ مسلمان کی۔

حفظ حقوق و معاملات کی یہ کیفیت ہے کہ شریعت اسلام نے اس بارہ میں میزان عدل کو ایسا صحیح قائم کیا ہے جسمیں کسی جانب افراط تفریط نہیں ہے حقوق انسانی باعتبار معاشرت و تمدن ہزار ہا قسم کے ہیں۔ ان حقوق کی مساوات میں عربی۔ عجمی۔ رومی۔ شامی۔ افریقی امریکی۔ علی ہذا شاہ و گدا امیر فقیر سلطان و رعیت ضعیف و قوی میں کچھ امتیاز نہیں رکھا۔ معاملہ بیع یا شرا ہو تو بادشاہ وقت یا گدا کا حکم ایک ہی ہے۔ یہ نہیں کہ احکام میں کچھ تفاوت ہو۔ حدود و قصاص ہوں مثلاً زنا کی حد۔ چوری کی حد شرب خمر کی حد۔ یا قتل عمد کی یا داش قتل خطا کی سزا۔ یا قطع اعضاء جسمانی کا قصاص یا دیت اسمیں بھی سب افراد کو یکساں و مساوی رکھا گیا ہے۔ شریعت اسلام نے معاملات میں جو رکو ذرہ برابر کسی کے حق میں جائز نہیں رکھا۔

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک واقعہ پیش آیا قبیلہ قریش کی ایک عورت نے چوری کی اور حد سرقہ یعنی قطع ید کا حکم اسپر قائم ہوا۔ قریش کو یہ امر نہایت شاق تھا۔ ایسی شریف خاندان کی بی بی سے ایسے قبیح فعل کا سرزد ہونا ہی اُنکے لئے کچھ کم موجب عار و ننگ نہ تھا۔ اب قطع ید سے ایسا دھبہ لگتا تھا جو کبھی نہ مٹتا۔ ادھر ان حضرات کو اپنے فضائل و شرف اسلامی کی رو سے بھی ایسے بدنما

داغ کا اپنے پاک و صاف دامن پر لگنا ناگوار تھا۔ اپنی قدامتِ اسلام اخلاص و جاں نثاری کی وجہ سے یہ رائے ہوئی کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا جائے۔ لیکن کون کرے کس کی تاب و مجال تھی۔ آخر قرار پایا کہ حضرت اسامہ بن زید جنکے ساتھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص اُنس تھا عرض کریں۔ حضرت اسامہ نے عرض کیا تو آپنے ناگواری سے ارشاد فرمایا۔

اتشفع فی حد من حدود اللہ۔ — کیا تم خدا کی مقرر کردہ حدود میں سفارش کرتے ہو۔

اور اسی پر بس نہ فرمایا بلکہ کھڑے ہو کر خطبہ فرمایا اور اُس میں ارشاد فرمایا۔

انما ھلك الذین قبلکم انھم کانوا اذا سرق فیھم الشریف ترکوہ واذا سرق فیھم الضعیف قطعوہ وایم اللہ لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا۔

تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انمیں جب کوئی شریف بڑے رتبہ کا چوری کرتا تو اسکو چھوڑ دیتے اور کوئی ضعیف کم رتبہ کا کرتا تو اسپر حد قطع ید جاری کرتے میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر فاطمہ جو محمدؐ کی بیٹی ہے (حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا) بھی چوری کرتی (معاذ اللہ) تو میں اسکا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے پر حد جاری کر ہی دی۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت راشدہ پر متمکن ہونیکے بعد ایک خطبہ میں بعد حمد و صلوٰۃ فرمایا۔

انی لیت علیکم ولست بخیرکم ان رائیتمونی علی حق فاعینونی وان رائیتمونی علی باطل فسددونی اطیعونی ما اطعت اللہ فیکم فاذا عصیت فلا طاعۃ لی علیکم الا ان اقواکم عندی الضعیف حتی اخذ الحق لہ و اضعفکم عندی القوی حتی اخذ الحق منہ۔

میں تمپر والی و حاکم ہوا ہوں حالانکہ تم میں کا افضل و بہتر نہیں ہوں اگر تم مجھکو حق کی تائید کرتے دیکھو تو میری اعانت کرو باطل پر دیکھو تو میری اصلاح کرو جبتک میں تمہارے معاملات میں خدا تعالیٰ کی اطاعت کرتا رہوں تم بھی میری تابعداری کرتے رہو اور جب میں نافرمانی کروں تو میری اطاعت تمپر ضروری نہیں ہے خوب سمجھ لو کہ جو تم میں سب سے زیادہ ضعیف ہے میرے نزدیک سب سے زیادہ قوی ہے۔ جبتک میں اسکا حق نہ دلوادونگا دلگنڈ شرکرونگا اور جو سب سے زیادہ قوی ہے وہ میرے نزدیک سب سے زیادہ ضعیف ہے اسکے ذمہ جو دوسرے کے حقوق ہیں اُنکے وصول کیے بغیر نہ چھوڑونگا۔

صدیق اکبر باوصف نرمی و رحمت کے جو انکی طبیعت میں مرکوز تھی۔ تساوی معاملات میں اتنے سخت ہیں۔ خلافت سنبھالتے ہی سب کو متنبہ کردیا اور فرمایا کہ میں تم میں افضل نہیں ہوں اور میری اطاعت بھی تم پر جبھی تک ہو جب تک میں خدا تعالیٰ کی اطاعت کروں۔ لیکن حقوق و معاملات میں کسی بڑے چھوٹے۔ قوی ضعیف کی رعایت کرنے والا نہیں ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جبلہ ابن الایہم کا واقعہ گذرا ہے۔ جبلہ غسان کا بادشاہ مسلمان ہوکر آیا تھا۔ اسکی مدارات بھی زیادہ کی جاتی تھی۔ مدینہ منورہ میں داخلہ کیوقت اسکا استقبال بھی دھوم دھام تزک و شان سے ہوا تھا۔ مگر طواف بیت اللہ کرتے ہوئے قبیلہ فزارہ کے ایک کم حیثیت شخص کے اُسنے تھپڑ مار دیا اور وہ بھی اسوجہ سے کہ اُسنے جبلہ کے ازار پر پیر رکھدیا تھا۔ تو حضرت عمرؓ نے اُسکے بادشاہ ہونے اور اپنے معاملات احترام و اکرام کا جو اُسکے ساتھ کئے تھے کچھ خیال نہ کرکے قصاص کا حکم دیدیا کہ فزاری بھی جبلہ کے تھپڑ مارے۔

پھر مساوات محض اسی حد تک نہیں کہ ضعیف کو قوی کے ساتھ حقوق میں برابر کردیا۔ نہیں بلکہ یہانتک رعایت کی کہ مجلس حکومت و قضا میں بھی کوئی امتیاز سلطان و رعیت امیر و غریب۔ رئیس و مرؤس میں نہیں رکھا۔ شرع شرعۃ الاسلام میں ہے۔

ویسوی بین اصناف الرعیۃ فی العدل ولا یقدم احد انتقل بما لا فی الجلوس ولا فی الکلام ولا فی غیرھما الشرف ومال۔ ویعدل القاضی بین الخصمین فی لحظۃ واشارۃ ومقعد ؏	رعیت کے تمام انواع و اصناف میں مساوات کو ملحوظ رکھا جائے۔ کسی کو کسی پر اسکے مرتبہ یا مال کی وجہ سے تقدیم و ترجیح نہ دے۔ قاضی کو چاہئے کہ مدعی مدعاعلیہ میں کسی بات کا فرق نہ کرے نہ اُنکی مجلس میں۔ نہ اُن کی طرف دیکھنے میں نہ گفتگو میں۔

تساوی حقوق و معاملات کا دائرہ اہل اسلام ہی تک محدود نہیں بلکہ غیر مسلم۔ ذمی۔ وستامن کو بھی اسی طرح شامل ہے اور ہر نوع و محل کے مناسب احکام بتلادیئے گئے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک معاملہ پیش ہوا جسمیں ایک فریق مسلمان تھا اور ایک یہودی۔ آپ کو ثابت ہوگیا کہ حق یہودی کا ہے اُسکی ڈگری فرمادی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے جنکے تمام ممالک اسلامیہ پر حکومت و اختیارات عام

تھے۔ ایک یہودی پر آپ نے اپنے قاضی شریح کے یہاں دعویٰ دائر کیا۔ مدعا علیہ کے برابر کھڑے ہوئے دعوے کے ثبوت کیلئے دو گواہ پیش کئے جنمیں ایک گواہ بڑے صاحبزادے حضرت حسن تھے۔ قاضی صاحب نے یہ کہکر کہ ثبوت ناکافی ہے بیٹے کی شہادت باپ کے حق میں معتبر نہیں ہے۔ دعویٰ خارج کردیا

اس عدل و انصاف تسویہ مساوات کو بیان کرنیکے بعد اب ہم شرعی طور پر امتیاز اور اسکے احکام بیان کردینا چاہتے ہیں۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ امتیاز دو قسم کے ہیں۔ ایک امتیاز تمدن و معاشرت دوسرا امتیاز مذہب و دیانت۔ شریعت اسلام نے ہر ایک امتیاز کو اسکے درجہ پر رکھکر جدا جدا احکام بیان فرمائے ہیں۔ مثلاً شعبہ نسب کے اندر اُسی تفاضل شرافت کی وجہ سے کفاءۃ کی قید لگادی ہے کہ زوجین ہم کفو ہوں۔ ایک کا نسب عالی ہے دوسرے کا کمتر۔ ایک کا پیشہ اچھا سمجھا جاتا ہے دوسرے کا بُرا۔ تو ہم کفو برابر کی جوڑ نہیں ہے، اور اس شرط کے لگانے میں اشتراک و انفراد دونوں کا خیال رکھا ہے۔ لڑکی کے اولیا کو چاہئے کہ کفو میں نکاح کریں اگر غیر کفو میں نکاح ہوجائے تو فسخ ہوسکتا ہے۔ لیکن یہ شرط اس درجہ کی نہیں کہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔ ولی راضی ہوجائے تو قائم رہ سکتا ہے۔

علیٰ ہذا دو شخص بالکل ایک درجے کے ہوں کسی کو کسی پر نسباً حسباً فوقیت نہ ہو مگر حق جوار سے ایک کو دوسرے پر فوقیت ہوجاتی ہے۔ جار کا وہ حق ہے جو غیر جار کا نہیں ہے۔ اخلاقی طور پر اسکی اتنی رعایت کی گئی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن ہی نہیں۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

مازال جبرئیل یوصینی بالجار حتی ظننت انہ سیورثہ۔	جبرئیل علیہ السلام نے پڑوسی کے بارے میں اسقدر وصیت کی جس سے مجھکو گمان ہوگیا کہ اسکو وارث ہی بنا دیا جائے۔

اور معاملات میں بھی اسکو تفوق دیا گیا ہے۔ جائداد غیر منقولہ میں جار کا حق مقدم ہے اور شریک کا اسے بھی زیادہ۔ لیکن اس حق کے اندر بھی اشتراک کی حیثیت کا لحاظ رکھا گیا ہے حق شفعہ کیلئے ایسے قیود لگادیے گئے کہ اگر شفیع ان شرائط و قیود کو کماحقہ ادا کردے تب تو حق شفعہ ثابت ورنہ ساقط۔

والدین کی امتیاز کی اور بھی رعایت کیگئی۔ باپ اگر بیٹے کو قتل کردے تو اس سے قصاص نہیں لیا جاتا۔ علیٰ ہذا کوئی شخص اگر کسی کے غلام کو قتل کردے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اُس سے قصاص لیا جاتا ہے مگر اپنے غلام کو اگرچہ وہ مسلمان ہی ہو قتل کردے تو قصاص نہیں لیجاتا گو ابراہیم نخعی و سفیان ثوری اس صورت میں بھی قصاص دلواتے ہیں۔

سلطان و رعیت کے حقوق کو باوجود عدل و انصاف کی میزان کے صحیح پیمانہ پر قائم کردیئے اور باوجود رعیت پر ظلم و اہانت کسی قسم کی تعدی وجور کی سخت ممانعت و حرمت کے سلطان کے امتیاز کو خصوصیت دی گئی ہے۔ اسکو ظل اللہ کہا گیا۔ اُس کے احکام کی اطاعت ضروری کیگئی۔ اُسکے خلاف فتنہ پردازی کو اُس حد تک روکا گیا جس سے دین میں خلل نہ پڑے۔

زیاد بن کسیب عدوی سے روایت ہے کہ میں ابو بکرہ صحابی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ ابن عامر منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے۔ لباس اُنکا باریک کپڑے کا تھا۔ ابو بلال نے کہا دیکھو ہمارے امیر کو کہ فاسق کا سا لباس پہنا ہے۔ حضرت ابو بکرہ نے سنا تو فرمایا چپ ہو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔

من اھان سلطان اللہ فی الارض اھان اللہ	جو شخص سلطان کی اہانت کرتا ہے خدا اسکو ذلیل کرتا ہے۔

اہانت تو ہر مسلمان کی کیا ہر ایک شخص کی منع ہے۔ مگر السلطان ظل اللہ کے الفاظ سے سلطان کا خاص امتیاز و احترام ثابت ہوتا ہے۔

یہ خیال نہ کیا جائے کہ ابو بلال کا کہنا امر بالمعروف یا نہی عن المنکر میں داخل تھا۔ اور سلطان کو امر بالمعروف نہی عن المنکر کرنا افضل جہاد میں داخل ہے۔ پھر ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کا روکنا کیونکر جائز تھا۔ اسلئے کہ لباس امیر گو باریک تھا۔ مگر ناجائز نہ تھا اور پھر یہ صورت امر بالمعروف کی نہ تھی۔ اگر کہنا تھا تو خود امیر سے کہنا تھا۔ بلکہ ایک صورت غیبت یا توہین کی تھی جسکو حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روکا۔

مرد عورت میں اشتراکِ انسانیت۔ کفاءۃ نسب و شرافت۔ جمال و کمال کے باوصف اس صنفی امتیاز کی وجہ سے احکام میں بھی امتیاز قائم کیا گیا۔ اول تو ایک اجمالی طریقہ پر مرد و عورت کی امتیاز پر اسطرح مطلع کیا گیا

الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض وبما انفقوا من اموالھم الخ	مرد مدبر اور مؤدب ہیں عورتوں کی اُس فضیلت کیوجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے انکو بعض کو بعض پر دی ہے اور اسلئے کہ وہ اپنے اموال خرچ کرتے ہیں۔

اور پھر اشتراک و انفراد کی تفصیلی احکام کی تعلیم دی گئی۔ طرفین کے حقوق کی تعلیم دیگئی عورت کے حقوق مرد پر قائم کئے گئے اور مرد کے عورت پر مگر وہ نسبت قوامیت ملحوظ رہی۔

عقدِ نکاح تک تراضی طرفین کا لحاظ تو ضروری قرار دیا گیا۔ کیونکہ یہ ایک عقد ہے۔ مگر جب مرد کی قوامیت محقق ہوگئی۔ تو طلاق کا اختیار صرف مرد ہی کو دیا گیا۔ عورت مرد سے طلاق طلب

کرسکتی ہے۔ مگر خود جدا نہیں ہوسکتی۔ مرد کے ذمہ عورت کا نفقہ واجب کیا گیا۔ اور عورت کے ذمے تربیت اولاد۔ اطاعت خاوند وغیرہ اور باوجود ان انفرادی احکام کے مرد کو تاکید کے ساتھ عورت کی دلجوئی۔ راحت رسانی حسن معاشرت کی تاکید کیگئی۔ اسکو زبان سے ہاتھ سے معاملہ سے تکلیف پہنچانے کی سخت ممانعت کردی گئی۔

اختلاط نسب سے محفوظ رہنے کی وجہ سے عورت تو ایک وقت دو مرد سے نکاح نہیں کرسکتی مگر مرد کو تعدد نکاح میں یہ اندیشہ نہ ہونیکی وجہ سے بلکہ بسا اوقات ضرورۃ بقار نسل یا تکثیر اولاد یا دوسرے اسباب کے لحاظ سے اسکی اجازت تو دیگئی۔ مگر عدل و مساوات کو اسپر فرض کردیا گیا۔ مرد کی خدمات اور اُسکے ذمہ دار ہونے کو لحاظ کرکے میراث میں بھی فرق کردیا گیا۔ علیٰ ہذا عورتوں کو بلحاظ نزاکت اعضاء و مصروفیت خدمات خاصہ انجام دہی فرائض شاقہ سے مستثنیٰ کردیا گیا۔

جب دو شخص آپس میں ملتے ہیں تو سلام کرنا مسنون ہے۔ اور یہ حکم عام ہے۔ مگر اسمیں بھی فرق مراتب و درجات امتیاز مقام و حالات کو ملحوظ رکھا گیا۔ صغیر و کبیر کی ملاقات ہو تو صغیر کو ابتدا بالسلام کرنی چاہئے۔ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے۔ دوسرے کا گذر اس طرف ہوا تو آنیوالے کو ابتدار کا حکم ہے علیٰ ہذا ایک سوار ہے۔ ایک پیادہ تو سوار کو چاہئے کہ سلام کرے۔ غرض ہر جگہ اور ہر نوع پر جہاں جس قسم کا امتیاز موجود ہے اسی قسم کا احکام میں بھی انفراد ہے۔

اسی طرح مذہب و دیانت کی تفریق نے باوجود ہر قسم کے اشتراکات کے اور باوجود ان مساوات حقوق انسان کے جسکو ہم سابق میں بیان کرچکے ہیں احکام میں تفریق کردی اور ایسا کرنا عقل و فطرۃ کی رو سے ضروری و لازمی تھا۔

تفصیل اسکی یہ ہے کہ نوع انسانی بوجہ تفرقہ مذہب و دیانت دو حصوں پر منقسم ہوسکتی ہے ایک مومن و مسلم دوسر غیر مومن و غیر مسلم۔ اوّل قسم کے اندر باعتبار دیانت بہت سے درجات و مراتب ہیں علیٰ ہذا دوسری قسم میں بھی درجات و مراتب ہیں۔ شریعت اسلام نے اوّل تو مسلم و غیر مسلم کے احکام میں امتیاز قائم کیا۔ پھر ان تفاوت مراتب و درجات کی وجہ سے ہر ایک نوع کے اصناف میں امتیاز و تفاوت بھی دو طرح کا ہے احکام آخرت میں یا احکام دنیا میں۔

جو شخص خدا پر ایمان نہیں رکھتا۔ اُسکے انبیاء و رسل کو نہیں مانتا۔ احکام منزلہ کو قابل تسلیم

نہیں سمجھتا۔ درحقیقت اُس نے انسانی خلقت کی غرض و غایت ہی کو مٹانا چاہا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام عالم کو انسان کے لئے کار آمد بنایا اور انسان کو اُسکے لئے پیدا کیا کہ اُسکی اطاعت و شکر گذاری کرے۔ جب نوع انسانی میں دو گروہ ہو گئے تو لامحالہ ہر ایک گروہ کے انفرادی احکام جداگانہ ہونگے۔ دونوں گروہ کا تمام احکام میں مساوی کر دینا ظلم عظیم سمجھا جائیگا۔ سرکش و نافرمان متمرد و متعنت کو مطیع و منقاد تابع فرمان کے برابر کر دینا عقل و فطرت۔ قوانینِ سلطنت۔ نظام عالم کے بالکل خلاف ہے۔ خداوند عالم فرماتے ہیں۔

افنجعل المسلمین کالمجرمین | کیا ہم مسلم کو مجرم کی برابر کردیں۔

مسلم کا غیر مسلم سے امتیاز کن معاملات اور کن امور میں ہے ہم اسکی چند مثالیں بیان کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ کسی مسلم عورت کا غیر مسلم مرد سے نکاح درست نہیں ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ عورت مرد کے تابع ہوتی ہے اور مسلمہ جب غیر مسلم کے تابع ہو گئی تو اسکے اسلام و ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ مسلم کو غیر مسلمہ سے اس صورت میں نکاح جائز ہے کہ غیر مسلمہ اہل کتاب میں سے ہو مشرک نہ ہو۔

یا مثلاً غیر مسلم جو مسلمانوں کے زیر حکومت رہتا ہے اُس سے اور مسلم دونوں سے محصول لیا جاتا ہے مگر چونکہ مسلم کے ہر قول و فعل میں عبادت کے پہلو کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اسلئے جو محصول اُس سے لیا جاتا ہے اُس کا نام زکوٰۃ یا عشر رکھا گیا۔ اگر اموال تجارت سے لیا گیا تو زکوٰۃ ہے۔ محاصلِ زمین سے ہے تو عشر ہے اور ان کا مصرف بھی جُداگانہ مقرر کر دیا گیا۔

غیر مسلم سے جو محصول لیا جاتا ہے اسکا نام جزیہ و خراج رکھا گیا۔ اُسکے حفظِ جان و مال کا معاوضہ ہے کہ سال بھر میں فی کس بہت تھوڑا محصول دیکر اپنی جان و مال عزت و آبرو کو نہ صرف محفوظ کر لیں بلکہ معاملات معاشرت میں مسلم کی برابر ہو کر رہیں۔

محاصل اراضی سے جو کچھ لیا جاتا ہے اُسکا نام خراج ہے اور ان دونوں جزیہ و خراج کا مصرف جُداگانہ رکھا گیا۔

زکوٰۃ و عشر میں تو چونکہ ایک قسم کی عبادت کو دخل ہے۔ اسلئے اسکے مستحق اور ہیں اور جزیہ و خراج میں عبادت کا پہلو نہیں لیا گیا۔ وہ غیر مسلموں سے اسوجہ سے لیا جاتا ہے کہ اُنکو مذہب میں آزادی دیکر اُنکے طریقِ عبادات میں کسی قسم کی دست اندازی نہیں کیگئی اسلئے اُسکے مستحق دوسرے ہیں۔ معہذا بعض

صورتوں میں مسلم سے بھی خراج لیا جاتا ہے یعنی جو زمین ایک مرتبہ خراجی ہو چکی وہ مسلم کے قبضہ میں جانیکے بعد بھی خراجی ہی رہتی ہے

اسی طرح کے اور بھی جزوی فرق ہیں جن سے مسلم و غیر مسلم اسلام و غیر اسلام کا امتیاز قائم رہے اور اس امتیاز کو خود غیر مسلم کے انواع میں بھی ملحوظ رکھا گیا غیر مسلم اہل کتاب ہیں یا مشرک۔ پھر انمیں منافق ہیں یا غیر منافق یعنی جو ظاہراً مسلمان ہوں اور دل میں اسلام نہ ہو۔ بلکہ بغض اسلام ہو منافق کہلاتے ہیں پھر غیر مسلم اصلی ہوں یا اسلام سے پھرے ہوئے ہوں ان سب کے انفرادی احکام بوجہ ان امتیازات خاصہ کے جُداگانہ ہیں۔ ہم تفصیل وار ہر ایک کو اس جگہ بیان کرنے سے بالکل معذور ہیں۔

یہ حال تو طبقہ غیر مسلم کا ہے جن میں اور مسلم میں حقیقتاً مذہب و دیانت کا تفرقہ ہے۔ رہا طبقہ مسلم جسمیں تمام اشتراکات کیساتھ اشتراک مذہب و دیانت بھی موجود ہے۔ اسمیں بھی دیانت کے درجات متفاوت ہونیکی وجہ سے امتیازات خاصہ ہیں اور ان امتیازات کے احکام جُداگانہ۔ اس اشتراک نے جو طبقہ مسلم کے تمام افراد میں پایا جاتا ہے۔ مساوات کو بھی اس درجہ پر پہنچا دیا جو دوسرے طبقات میں نہیں تھا۔ لیکن ان امتیازات کی وجہ سے احکام میں انفراد بھی ہے۔

مساوات کا حال تو یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کو باہم بھائی قرار دیا گیا۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

المسلم اخو المسلم لا یظلمہ و لا یسلمہ۔

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرسکتا ہے اور نہ کسی ظالم کے سپرد کرسکتا ہے۔

المسلمون تتکافی دماءھم یسعی بذمتھم ادناھم۔

مسلمان کے خون باہم مساوی ہیں اُنکے عہد و پیمان کیلئے ان میں کا ادنیٰ بھی سعی کرسکتا ہے۔

عام حقوق اسلامی میں مرد عورت آقا غلام کو یکساں رکھا گیا۔ ایک مسلمان مرد یا عورت آزاد یا غلام تمام مسلمانوں کی طرف سے عہد و پیمان کرسکتا ہے کسی کو امن دے سکتا ہے اور تمام مسلمانوں پر اسکی پابندی لازم و واجب ہے۔ امام و سلطان کو یہ بیشک اختیار ہے کہ اگر ایسا عہد کرنا یا امن دینا مصلحت مسلمین کے خلاف ہے تو اسکو رد کردے اُن لوگوں کو اطلاع کردے کہ ہم اس عہد و پیمان پر قائم نہیں ہیں مگر یہ اختیار نہیں کہ باوجود اس عہد و پیمان کے بلا اطلاع خلاف عہد کچھ کر بیٹھے۔ جبتک عہد باقی ہے اُسکی پابندی واجب ہے۔ عہد و پیمان کو توڑے یا اسکی مدۃ شرائط میں کچھ ترمیم کرے تو بعد اطلاع کرے۔

ایک جگہ تو حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فاتموا الیهم عهدهم الی مدتهم	اُنکے عہد کو اُسی مدۃ تک جو اُنسے ٹھیری ہے پورا کرد

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیهم علی سواء۔	اور اگر تمکو کسی قوم سے خیانۃ و بدعہدی کا اندیشہ ہو تو عہد کو اُن کی طرف پھینکدو برابر۔

ان دونوں ارشادات سے نتیجہ نکال لیا جائے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عورتوں نے بعض سخت دشمنان اسلام کو جنہوں نے حضور انور کی ذات اقدس کو گزند پہنچانے اسلام کو بیخ و بن سے اُکھاڑنے میں کسر نہ رکھی تھی۔ امن دیدیا۔ اور آپ نے اسکو معتبر رکھا۔

اور باوجود اس مساوات کے تفاوت درجات و دیانت کی وجہ سے امتیاز و انفراد کا سلسلہ بھی اسی طرح جاری رہا جیسا کہ اوپر سے چلا آتا ہو۔ تفاوت درجات و دیانت کے بہت سے وجوہ میں ایک مسلمان عالم ہو دوسرا غیر عالم دونوں کا درجہ مساوی نہیں عالم کا جو احترام و اکرام ہو سکتا ہو وہ غیر عالم کا نہیں ہو

قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون۔	کہدو تم کہ کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ لوگ جو ذی علم ہیں اور وہ جو ذی علم نہیں۔

ایک مسلمان صالح ہے ایک فاسق صالح مسلمان کی شہادت اسلامی عدالتوں میں معتبر قابل قبول۔ فاسق کی شہادت مردود۔

یاایها الذین امنوا ان جاءکم فاسق بنباء فتبینوا ان تصیبوا قوما بجهالة فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین۔	مسلمانو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لیکر آئے تو خوب دیکھ بھال کرو مبادا اسکی خبر پر اعتماد کرکے ناواقفی سے کسی قوم کو صدمہ پہنچا دو اور پھر اپنے فعل پر نادم ہو۔

ایک مسلمان مظنہ تہمت ہو دوسرا نہیں۔ دونوں کا حکم جداگانہ ہے۔ باوجود دونوں کے صالح ہونے کے موقع تہمت میں صالح کی شہادت معتبر نہیں رکھی جاتی۔ باپ کی شہادت بیٹے کے حق میں بیٹے کی شہادت باپ کے حق میں ایک مسلمان متبع سنت دوسرا مبتدع دونوں کا حکم جداگانہ متبع سنت کی توقیر و احترام ضروری۔ مبتدع کی تکریم و احترام حرام۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی ھدم الاسلام۔	جس نے کسی بدعتی کی توقیر کی اُسنے اسلام کے گرادینے میں اعانت کی۔

ایک صاحبِ ورع وتقویٰ ہے۔ جو ذرا ذرا سے شبہات اور مشتبہات سے پرہیز کرتا ہی دوسرا ایسا نہیں ان دونوں کا حکم جدا ہے۔ ہر ایک کے ساتھ معاملہ علیحدہ ہے۔

پھر علم وصلاحیت کے بھی درجات ہیں اور ہر ایک درجہ اپنا امتیاز لئے ہوئے ہی صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شرفِ صحبت میں برابر سب کے سب قابلِ اقتدا۔

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔	میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں انمیں سے جسکا اقتدا کروگے ہدایت پاؤگے۔

مگر باہمہ فرقِ مراتب کی وجہ سے انکے اندر امتیازات کا لحاظ رہا ہو جناب باری عز اسمہ ارشاد فرماتے ہیں،

لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئٰک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنیٰ۔	جن لوگوں نے تم میں سے پہلے راہ خدا میں مال خرچ کیا ہی اور قتال کیا ہی برابر نہیں ہیں یہ لوگ بڑے درجہ والے ہیں اُنسے جنہوں نے بعد فتح کے مال خرچ کیا اور قتال کیا اور اللہ نے ثواب کا وعدہ سب سے کیا ہے۔

یہی وہ فرق تھا جس کی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد کو جبکہ ان میں اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف میں کچھ تیز کلامی ہونے لگی یہ فرماکر

مہلا یا خالد دع عنک اصحابی	خالد ٹھیرو۔ میرے اصحاب کو چھوڑدو۔

روکدیا۔ خالد بھی آپ کے اصحاب میں تھے مگر اس درجہ میں تھے جسمیں عبدالرحمٰن بن عوف تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب دفتر عطا فرمایا۔ تو اسی فرق مراتب ودرجات کو ملحوظ رکھکر ہر ایک کیلئے اسکے درجے کے اندازہ سے سالانہ عطا مقرر فرمائی۔

علماء میں ایک وہ ہیں۔ جو راویِ حدیث یا حافظ وجامعِ علم ہیں مگر فقیہ نہیں اور پھر فقاہت کے درجات میں بھی تفاوت ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے۔

رب حامل فقہ غیر فقیہ ورب حامل فقہ الیٰ من ھو افقہ منہ۔	بہت سے وہ لوگ ہیں جو عالم وراوی فقہ ہیں مگر خود فقیہ نہیں اور بہت ایسے ہیں جو گو خود بھی فقیہ ہیں مگر اپنے سے زیادہ فقیہ کیطرف فقہ کو پہنچاتے ہیں

فقیہہ کو غیر فقیہہ پر ترجیح دی گئی۔

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین | جس کیلئے اللہ تعالے بھلائی چاہتا ہے اُسکو دین کی فقاہت عطا فرماتا ہے

ایک عالم درجہ اجتہاد کو پہنچا ہوا ہے دوسرا نہیں۔

ایک ایسا شخص جو گو مسائل ضروریہ سے واقف ہے مگر درجۂ فقاہت و اجتہاد نہیں رکھتا کسی واقعہ میں رائے دینے اور کسی کو مسئلہ تبلادینے سے قابل مواخذہ ہوجاتا ہی۔ بلکہ ایسا شخص صحیح مسئلہ بھی تبلادے جب بھی قابل مدح نہیں اور فقیہ و مجتہد اگر غلطی بھی کرجائے تو نہ صرف قابلِ درگذر ہی بلکہ اسکو اجر و ثواب ملتا ہی۔ ابوداؤد میں حضرت جابر رض سے مروی ہی کہ ہم چند آدمی ایک مرتبہ سفر میں تھے ایک شخص کے سر میں پتھر لگ جانیکی وجہ سے زخم ہوگیا۔ شب میں احتلام ہوگیا اُس نے دریافت کیا کہ مجھے تیمم کر لینے کی اجازت ہی یا نہیں۔ اُن لوگوں نے جواب دیا کہ ہمارے نزدیک تو جائز نہیں کیونکہ تم غسل کر سکتے ہو۔ اُسنے غسل کرلیا اور یہی سبب اُس کی وفات کا ہوگیا۔ جب ہم سفر سے واپس ہوئے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

قتلوہ قاتلہم اللہ الا سالوا اذ لم یعلموا انما شفاء العی السوال[1] | ان مفتیوں نے اسکو قتل کیا جب انکو معلوم نہ تھا تو کیوں دریافت کرلیا۔ ناواقفی اور عدم علم کا علاج یہ ہی کہ دریافت کرلیا جائے۔

اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب قاضی یمن بنا کر بھیجا گیا۔ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم فیصلے کیونکر اور کس اصول پر کروگے۔ عرض کیا کتاب اللہ کے موافق کرونگا۔ اور جس معاملہ میں نص کتاب اللہ نہ ہوگی تو سنت کے موافق کرونگا۔ اور جس کے متعلق سنت میں تصریح نہ ہوگی تو اپنی رائے و اجتہاد سے فیصلہ کرونگا۔ آپ نے سنکر ارشاد فرمایا۔

الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ | خدا کا شکر ہی جس نے رسول اللہ کے رسول و نائب کو یہ توفیق دی

اس واقعہ میں تو یہ فرمایا کہ ان لوگوں نے اسکو قتل کیا خدا انکو قتل کرے حالانکہ وہ بھی صحابی تھے اور اس واقعہ میں حکم صریح سنت و کتاب کا معلوم نہ ہونیکی وجہ سے اپنی رائے سے فتویٰ دینے کو کہا تھا تو اسپر شکر ادا فرمایا۔ یہ محض اس فرق کیوجہ سے تھا کہ ان مفتیوں میں ابھی مادہ فقاہت و شرائط اجتہاد پورے موجود نہ تھے۔ اور حضرت معاذ میں امور جمع تھے۔ فقاہت فی الدین و شرائط اجتہاد

[1] مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۵

اسی بنا پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا حکم الحاکم فاجتہد فاصاب فلہ اجران و اذا حکم فاخطاء فلہ اجر واحد	جب حاکم حکم کرے اور اپنی پوری کوشش صرف کرلے اور صحیح حکم دے تو اُس کیلئے دوہرا اجر ہے اور خطا کرے تب بھی ایک اجر ہے۔

درصورت صواب حاکم کو دو اجر ملتے ہیں۔ ایک اجتہاد کا دوسرا اصابت حق کا۔ اور درصورت خطا فقط اجتہاد کا لیکن کب جبکہ اسمیں شرائط اجتہاد موجود ہوں۔ اور اگر شرائط موجود نہ ہوں کسی اجر کا مستحق نہیں۔ طیبی نے شرح مشکوٰۃ میں بذیل شرح حدیث ہذا لکھا ہے۔

وھذا فیمن کان جامعا لآلۃ الاجتہاد عارفا بالاصول۔ عالما بوجوہ القیاس فاما من لم یکن محلا للاجتہاد فھو متکلف ولا یعذر بالخطاء بل یخاف علیہ الوزر آہ۔	یہ ارشاد اُن لوگوں کے بارہ میں ہے جو شرائط اجتہاد کے جامع اور اُصول سے واقف قیاس کے عارف ہوں جو محل اجتہاد نہیں تو وہ بتکلف حکم دینے والا ہے۔ وہ خطا کی حالت میں معذور نہ سمجھا جائیگا۔ بلکہ اسپر مواخذہ اور گناہ کا اندیشہ ہے۔

اس حدیث کے اشارہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حاکم و والی خواہ اسکی ولایت عامہ ہو یا خاص ہو ایسا ہونا چاہیئے جسمیں فقاہت و شرائط اجتہاد موجود ہوں۔ گو یہ شرط لازمی نہیں۔

امتیاز دیانت اور اس کے انفرادی احکام کی صدہا ہزارہا مثالیں ہیں جنکو ہم بیان کرسکتے ہیں مگر اصلی مقصد کی توضیح کے لئے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔

جب اشتراک و انفراد کی توضیح و تفصیل معلوم ہوچکی تو اب بطور نتیجہ معروضات سابق ہم عرض کرتے ہیں کہ جو لوگ بنی آدم یا اُنکے کسی ایک نوع کے معاملہ میں مساوات کلی کے مدعی ہیں وہ سخت غلطی میں مبتلا ہیں۔ اوّل تو عقلاً ایسا نہیں ہوسکتا۔ نظام عالم اس صورت میں بالکل درہم برہم ہوجائے۔ دوسرے خود ان مدعیوں کا عمل اُنکے قول و دعوے کی تردید کرتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اس زمانہ میں جبکہ تسویہ حقوق بنی آدم کے لمبے چوڑے دعوے کئے جاتے ہیں امتیازی احکام کسقدر نمایاں ہیں اُنکے طرز عمل میں قوانین نظم و نسق میں۔ اصول مذہب میں اس امتیاز کو برابر ملحوظ رکھا گیا ہے۔ بلکہ اسمیں ایک حد تک افراط کی نوبت آگئی ہے۔ قومیت و وطنیت کے وہ امتیازات بھی ملحوظ رکھے گئے ہیں جو کسی قانون عقلی۔ اور اقتضاء مذہب میں داخل نہیں۔ مگر اپنی شخصیت کو قائم رکھنے کیلئے انکا التزام ضروری سمجھا

گیا۔ یہانتک کہ ایک مدت ایک قوم کے افراد ملکی لباس ملکی رسم ورواج کی پابندی کو لازم سمجھتے ہیں اس سے بڑھکر سوسائٹی کے امتیازات ہیں اور جنہوں نے امتیازات کو اس حدتک پہنچا دیا کہ اشتراک و مساوات کو جڑ بنیاد سے اُکھاڑ دینا چاہا اور اپنی تشخصات کے مقابلہ میں دوسروں کی ہستی کو ناپید کرنا چاہا وہ تو تفریط کی اس حد میں پہنچ گیے جسکو سخت مہلک اور نظام عالم کو برباد کرنیوالا لازمی امر ہے۔ ایسی قوموں کے حالات سے تاریخیں بھری ہوئی ہیں جنہوں نے اپنے ابنائے جنس کو تفریحی مشاغل کیلئے طعمہ سباع و بہائم بنانیکا معمول رکھا ہے اس گروہ نے صنف نساء کو اسدرجہ گرایا کہ گویا وہ نسلِ آدم نہیں ہیں حقوقِ میراث وغیرہ سے انکو محروم رکھا گیا۔ اُنکے تصرفات جائز نہ رکھی گئی۔ شریعت اسلام نے دونوں پہلوؤں کو اعتدال سے سنبھالا۔ ہر ایک کی حد مقرر کردی۔ ہر ایک کے احکام بتادیئے۔ اشتراک کے پہلو کا اس حدتک لحاظ کیا کہ کسی موقع پر اسکو نظر انداز نہیں کیا۔ اور امتیاز کو بقاء نظام عالم و ترتیب احکام آخرۃ کیلئے لازم وواجب قرار دیا۔ اور اسی بناء پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

لن یزال الناس بخیر ما تباینوا فاذا تساووا ھلکوا۔ — آدمی ہمیشہ خیر کیساتھ رہینگے جبتک انمیں فرق مراتب قائم رہیگا اور جب سب برابر ہوجائینگے تو ہلاک ہوجائیں گے۔

یہ ارشاد بالکل اُصول فطرۃ کے موافق ہے۔ اور گو لفظ تباین میں دونوں قسم کے امتیاز تمدنی و دیانتی داخل ہوسکتے ہیں مگر ظاہراً اس سے امتیاز تمدن مراد معلوم ہوتا ہے امتیاز دیانت کو ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے

لافضل لاحد علی احد الا بالتقوی — کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر جو فضیلت ہے وہ بربناء تقویٰ ہے

ظاہر ہے کہ نفی فضیلت ان حقوق و معاملات کی نہیں۔ جنکی تفصیل ہم بیان کرچکے ہیں بلکہ دیانت کے اعتبار سے ہے۔ اور اس اعتبار میں تمام نوع بنی آدم مساوی ہیں جو فرق ہوتا ہے تقویٰ کیوجہ سے ہوتا ہے اور تقویٰ کی اصل بنیاد ایمان ہے اور اسکے بعد شعبہائے ایمان سے تفوقِ مراتب ہوتا چلاجاتا ہے،

دلائل عقلیہ و شرعیہ۔ عرف عام و رسوم و عادات۔ تجربہ و مشاہدات سے یہ تو ثابت ہوچکا کہ بقائے نظام عالم و ارتباط معاملات کے لئے اشتراک و انفراد دونوں کا وجود ضروری ہے۔ لیکن ابھی ایک مرحلہ اور طے کرنا باقی ہے کہ معاملات معاشرت میں کسی ایک شعبہ کے اندر یا کسی خاص موقع و مقام پر مساوات کلّی ممکن ہے یا نہیں۔

اور جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر آئے ہیں۔ بعض ممالک امریکہ وغیرہ میں جو ایک خاص مقام کے اندر

اسکی رعایت کیگئی ہے کہ وہاں مساوی طبقہ کے افراد آباد ہوں یہ صورت قایم رہ سکتی ہے یا نہیں سو ہم اسکو بھی طے کردینا چاہتے ہیں۔ کسی ایک معاملہ میں مساوات بلحاظ حقوق و حالات و معاملات ممکن ہے۔ ہوسکتا ہے کہ چند افراد میں ایسا اشتراک قرار پائے کہ کسی کو کسی پر فوقیت یا امتیاز باقی نہ رہے۔ ایسی مساوات عقلاً بھی ممکن ہے اور اسکا وقوع ہوسکتا ہے۔ انسانی طبائع میں جہاں ہر قسم کی ترقی ذہنی و عقلی کا مادہ موجود ہے وہاں فراغت و ثروت کی وجہ سے تفنن کا شوق بھی ہوتا ہے کبھی تو ضرورت اسکی داعی ہوتی ہے کہ دو یا زیادہ افراد کسی معاملہ میں مساوی شریک ہوں اور کبھی تفریحی مشاغل اسکے محرک بنجاتے ہیں۔ اسکی ایسی مثال ہے جیسے ابھی چند سال کا عرصہ ہوتا ہے دو نہایت قوی انجنوں کو لڑانے کا تماشا دیکھا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ لاکھوں روپئے کا خون محض ایک تفریحی مشغلہ میں کیا گیا۔

آخر کیا ہے جس مقام پر ایسی مساوات جاری کی گئی ہے ہمکو اسکی پوری تفصیل معلوم نہیں کہ کن امور میں اسکا التزام کیا گیا ہے اس لئے خاص اس کی نسبت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے اگر معلوم ہو جائے تو اپنا خیال عرض کرسکتے ہیں کہ وہ کہانتک اصول فطرت۔ تمدن اور معاشرت کے مطابق ہے اور آیا ایسی مساوات قیام پذیر ہوسکتی ہے یا نہیں۔

مگر شریعت نے بھی ایک خاص شعبہ میں اس مساوات کی صورت ہمکو بتلائی ہے۔ شریعت کے احکام ضرورت پر مبنی ہوتے ہیں۔ تفریح و لہو و لعب کو اسکے اندر دخل نہیں ہوتا۔ تاہم حد جواز کے اندر تفریح طبع کی بھی اجازت ہوتی ہے۔ اور کبھی تفریح خود ضرورۃ کی حد میں آجاتی ہے اسلئے تفنن پسند طبائع بھی اس صورت سے فائدہ اُٹھا سکتی ہیں۔

تمدن و معاشرت کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ چند کس میں شرکت ہو۔ شرکت کی دو قسمیں ہیں شرکت املاک۔ شرکت عقود۔ شرکت املاک یہ ہے کہ کسی مملوکہ جائداد میں شرکت ہو۔ خواہ وہ وراثتاً ملی ہو۔ یا کسی دوسرے ذریعہ سے ملک میں آئی ہو۔ شرکت عقود اسکو کہتے ہیں کہ کسی معاملہ میں خواہ عقد بیع ہو یا اجارہ صنعت ہو یا زراعت شرکت کریں۔

شرکت عقود کی چار قسمیں قرار دی گئی ہیں۔ اوّل شرکت عنان۔ دوم شرکت صنائع۔ سوم شرکت وجوہ۔ چہارم مفاوضہ۔ ہماری غرض اسوقت شرکت مفاوضہ سے متعلق ہے۔ اسلئے اسی کو بیان کرتے ہیں۔

مفاوضہ فوض سے مشتق ہے۔ اور اُسکے معنی مساوات کے ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

لا یصلح الناس فوضی لا سراۃ لهم ۔ ولا سراۃ اذا جهالهم سادوا

مخلوق جبکہ مساوی درجہ خود سر ہوں کوئی انکا افسر و سردار نہ ہو کبھی انکی حالت درست نہیں رہ سکتی اور اگر کسی جاہل کو سردار بنا دیں تو وہ حقیقتاً نہ ہونے کے حکم میں ہے

اسکی صورت یہ ہو کہ دو شخص باہم اسطرح شریک ہو جائیں کہ جو کچھ مال ہم میں سے کسی کے پاس ہو اسمیں مساوی طرح شریک ہیں جو کوئی تصرف یا معاملہ ہم میں سے کوئی کرے تو اسمیں برابر کے حصہ دار رہینگے جو دین قرض کسی کے ذمہ عائد ہو اسکے ذمہ دار دونوں مساوی درجے کے ہوں گے۔

یہ شرکت چونکہ بہت سے معاملات کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے جنمیں سے بہت ابھی مجہول ہیں اسوجہ سے امام شافعی رح صاحب اور دوسرے آئمہ مجتہدین نے اسکو جائز نہیں رکھا مگر امام ابوحنیفہ رح نے (جنکی نظر دقیق اور اُصول شریعت کو زیادہ محیط و وسیع ہو۔ ضروریات و مقتضیات حوادث و واقعات کا بھی علم زیادہ ہو۔ یہی وجہ ہو کہ قبل نزول حوادث آپنے محض احتمال وقوع پر سوالات قائم کرکے اُنکے احکام مدون کر دیئے۔ اور یہ وہی منقبت ہو جسکو آئمہ مجتہدین نے تسلیم کر لیا ہے چنانچہ امام احمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رح کے لئے تین چوتھائی علم کو سب تسلیم کر چکے ہیں۔ ایک ربع میں انکا اور دوسرے آئمہ کا اختلاف ہو جسمیں کسی جانب فیصلہ یقینی نہیں ہے۔ علم کے دو حصے ہیں۔ سوال و جواب نصف علم تو یوں اُن کیلئے تسلیم ہو چکا کہ سوالات انہوں نے قائم کئے۔ رہا دوسرا نصف یعنی جوابات اسمیں سے ایک نصف کو ساری دنیا مانتی ہو کہ صحیح ہیں۔ ایک نصف میں اختلاف ہو) اس شرکت کو شرعاً جائز بتلایا اور قواعد شرع پر منطبق کرکے بتلا دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو معاملات اس میں اسوقت مجہول الحال ہیں اُنسے یہ شرکت فاسد نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس قسم کی مجہولیت کا تبعاً تحمل کر لیا جاتا ہے جیساکہ مضاربت وغیرہ میں۔

اس شرکت کے اندر چونکہ مال اور تصرف اور دین میں مساوات ہونا شرط ہو۔ اسلئے یہ بھی ضرور ہے کہ ہر دو شریک تصرفات میں ایک درجے کے ہوں یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک تصرفات کر سکتا ہے دوسرا نہیں کر سکتا۔ یا ایک کے تصرفات کا دائرہ وسیع ہے دوسرے کا ناقص۔ اسی وجہ سے آزاد غلام۔ نابالغ و بالغ میں اس قسم کی شرکت نہیں ہو سکتی اور اسی طرح اُسکے بہت سے شرائط و قوانین ہیں۔ مگر ہم

انکی بسط و تفصیل سے اس وقت معذور ہیں۔ صرف اسقدر بتلا دینا منظور تھا کہ شریعت نے بھی بعض ایسی مساوات کی صورتیں قایم کردی ہیں۔

نتیجہ اس شرکت کا ظاہر ہے کہ جب کوئی ہر دو شرکا میں سے کوئی معاملہ کریگا۔ دوسرا اسمیں شریک سمجھا جائیگا۔ جو مال ایک کے پاس ہے دوسرا اسمیں آدھے کا شریک ہوگا۔ جو نقصان تجارت یا کسی معاملہ میں ایک کو پہنچیگا۔ دوسرا بھی اس میں شریک ہوگا۔ علیٰ ہذا جس کسی کے ذمہ جتنا قرض ہے یا عائد ہو اس میں بھی دوسرا حصہ دار ہے۔

ایسی مساوات گو عقلاً ممکن ہے۔ شرعاً جائز ہے۔ مگر باعتبار وقوع کے سخت دشوار ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ کتنے لوگ ہیں جنہوں نے اسپر عمل کیا ہے۔ اور کیا ہے تو کہانتک اسکو نبھا سکے ہیں ہمکو آجتک علم نہیں کہ کبھی ایسی شرکت ہوئی ہو۔ کتابوں میں لکھا ہوا دیکھا ہے۔ اسکے قواعد و شرائط پڑھے ہیں۔ مگر نہ خود عمل کیا نہ کسی کو کرتے دیکھا۔ جب ایک عقد شرکت میں یہ حال ہو تو اپر اس مساوات کو خیال کریں جو بہت معاملات میں مساوات کو اپنے اندر لئے ہوئے ہو۔ مساوات کے بارہ میں ہمنے جو کچھ عرض کیا۔ اہل فہم کیلئے اسکی حقیقت اُسکے حدود اور اُسکے احکام سمجھنے کیلئے کافی ہے۔ اب ہم مسئلہ حریت کو شروع کرتے ہیں واللہ الموفق۔

مسئلہ حرّیت

مسئلہ حُریۃ بھی مساوات ہی کا ایک شعبہ ہے اور اسپر متفرع ہے اسلئے ہم نے مساوات کی تحقیق کے بعد اسکا لکھنا مناسب سمجھا۔ حریت کے معنی آزادی اخلاق و ملکات معائب و رذائل سے پاکیزگی و صفائی کے ہیں اور انہیں اعتبار سے اسکا اطلاق کبھی بمقابلہ عبدیت و غلامی کے ہوتا ہے اور کبھی بمقابلہ دنائت و رذالت کے حُر بولتے ہیں اور وہ شخص مراد ہوتا ہے جسکی ذات آزاد ہو۔ غلامی کی قید میں مقید نہ ہو اور کبھی حُر بولتے ہیں اور وہ شخص مراد لیتے ہیں جو شریف النفس ہو۔ کریم الاخلاق ہو۔ اور اسی معنی کو لحاظ رکھتے ہوئے انسان کے چہرہ کو بھی حُر کہتے ہیں

حریت کی تین قسمیں ہیں حریۃ ذات۔ حریۃ صفات۔ حریۃ معاملات۔

حریت ذات تو یہ ہو کہ انسان اصل خلقت سے آزاد پیدا کیا گیا ہے۔ ابتدا پیدائش سے وہ

خلافتِ خداوندی کی حیثیت سے خود تمام ما فی الارض کی ملکیت و تصرفات کا استحقاق و قابلیت رکھتا ہے کسی کو اس پر مالکیت کا حق نہیں ہے۔ وہ اپنی ذات و منافع ذات کا مالک و متصرف ہے یہ حالت اگر اس کی آخر تک یونہی موجود ہے تو حریتِ ذات قائم و باقی ہے۔ اگر اس کی یہ حالت باقی نہ رہی تو حریتِ ذات مفقود ہو کر بجائے اس کے غلامی آگئی۔

حریتِ صفات یہ ہے کہ اس کا نفس مکارمِ اخلاق سے مزین ہو۔ اس میں وہ اخلاق نہ ہوں جو انسان کو داغدار بنا کر بہیمیت تک پہنچا دیتے ہیں مکارم اخلاق میں حیا و مروت شجاعت و سخاوت عدل و انصاف رحم و حلم سب ہی داخل ہیں۔ رذائلِ انسانی میں ان اخلاق کے اضداد ظلم و ستم۔ بے حیائی و بے مروتی۔ بزدلی و بخل وغیرہ داخل ہیں۔

حریتِ معاملات یہ ہے کہ جو استحقاق تصرفات مالکانہ کا منجانب اللہ اس کو عطا ہوا تھا وہ اسی حال اور اسی طرز پر باقی ہے زائل نہیں ہوا۔

حریت کی ہر سہ اقسام کے متعلق چند امور قابل بحث و تحقیق ہیں۔

(۱) یہ حریت اس کو کہاں سے عطا ہوئی (۲) اس حریت کی حفاظت کا حق اس کو کس حد تک ہے (۳) اس کے استعمال کے کیا طریقے اور کیا حدود ہیں (۴) اس حریت کے زوال یا نقص کی کس قدر صورتیں ہیں (۵) عقل و عرف یا دیانت و مذہب کے اعتبار سے ان حریتوں کا سلب و زوال ممکن ہے یا نہیں ہے تو کہاں تک اور وہ محمود ہے یا مذموم۔

امر اول: انسان کو ہر سہ قسم کی حریتیں اس کے خالق و مالک کی طرف سے عطا ہوئی ہیں۔ خداوند عالم نے انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ۔ جانشین و قائم مقام بنا کر بھیجا ہے۔ زمین کی حکومت اس کی ہر چیز میں حق ملکیت و تصرف اس کو عطا فرمایا ہے جو حق ملکیت و تصرفات خداوند عالم کو تمام ما فی الارض پر تھا وہ ہی حق بحیثیت خلافت انسان کو حاصل ہے۔

انی جاعل فی الارض خلیفہ	میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔

اس کی دلیل شرعی موجود ہے اور انسان کے تصرفات کل مخلوقات پر اس کی عقلی و عرفی دلیل ہیں۔

انسان خود اپنے خالق کا مملوک بےشبک ہے جیسے کہ اور مخلوقات ہیں۔ مگر باعتبار باقی اجزاء عالم کے وہ آزاد حر ہے کسی کو اس پر باعتبار اصل فطرۃ حق ملکیت نہیں ہے۔ ذات بھی اس کی آزاد ہے

اور معاملات میں بھی وہ آزاد ہے۔

انسان باعتبار اصل فطرۃ وخمیر کے مظہر صفات کمالیہ الٰہیہ پیدا کیا گیا ہے۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم | انسان کو ہم نے اچھے پیمانہ صورت پر پیدا کیا

ارشاد خداوندی ہے اور

خلق اللہ آدم علی صورتہ | اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی مثال وصورت پر پیدا

ان کی صورت پر جو نوع انسان کے لئے مناسب تھی پیدا کیا۔

ارشاد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اس اعتبار سے اس کے فطری اور روحانی اخلاق بھی تمام رذائلِ نفسانی سے آزاد پیدا کئے گئے لیکن چونکہ وہ دار بلا میں ابتلا ء و آزمائش کیلئے پیدا کیا گیا۔

لیبلوکم ایکم احسن عملا | (تاکہ اللہ تعالیٰ آزمائش کرے کہ تم میں سے کون اچھے عمل والا ہے)

اس لئے اس میں اس شائبہ ناری کے آثار بھی ظاہر ہوئے جس کی طرف ارشاد ذیل میں اشارہ ہے

ثم رددناہ اسفل سافلین الا الذین آمنوا وعملوا الصالحت | پھر کیا ہم نے اس کو اہل نار سے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے۔

خداوند عالم نے اپنے صانع ومحکم حکمت کی بنا پر انسان کے اصلی اخلاق کے ساتھ دوسرے اوصاف بھی رکھدیئے۔ جو اُن کی مزاحمت کرتے ہیں۔ اور اس کو موقع دیتے ہیں کہ وہ اپنی عقل سے روحانی ونفسانی اخلاق وملکات میں مقابلہ کے وقت روحانی اخلاق کو غالب رکھے۔ رذائلِ نفسانی کو زائل کرنے کی فکر کرے اور الا الذین آمنوا وعملوا الصلحت کے استثناء میں داخل ہو۔

امر دویم جو حریۃ وآزادی انسان کو درگاہ رب العزۃ سے عطا ہوئی ہے اس کی حفاظت انسان کے ذمہ لازم وواجب قرار دی گئی ہے۔

انسان اگر اس کی حفاظت میں کمی کرے دنیا میں ذلیل وخوار سمجھا جاتا ہے اور آخرۃ میں قابل دارو گیر یہی وجہ ہے کہ انسان اپنی حفاظت میں مارا جائے تو اس کو دیانۃً ومذہباً شہید کا اجر ملتا ہے اپنی آبرو کے تحفظ میں قتل ہو جائے تب بھی شہید ہے۔ اپنے مال کے بچاؤ کیلئے جان دیدی تب بھی۔ اگر خود اپنے جان و مال عزت وآبرو کی حفاظت نہ کرے تو تمام دنیا اس کو بزدل بے حیا۔

بیمروت وغیرہ القاب سے یاد کرتی ہے۔ ابنائے جنس ہم وطن ہم قوم سب ہی میں ذلت و خواری کے ساتھ رہتا ہے۔ برخلاف اس کے اگر دوسری صورت ہوئی تو اُس کی عزت و عظمت کا ڈنکہ بج جاتا ہے۔ یہ کیوں صرف اس لئے کہ اُس نے اپنا فرض ادا کیا۔ یہ حال تو عقل و عرف کے اعتبار سے ہے دیانت و مذہب نے اس کا فیصلہ اس طرح کر دیا ہے۔

من قتل دون نفسه فهو شهيد۔ من قتل دون عرضه فهو شهيد۔ من قتل دون ماله فهو شهيد (بخاری)	جو شخص اپنی جان کی حفاظت میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے اور جو اپنی آبرو کی حفاظت میں مارا جائے وہ بھی شہید ہے اسیطرح جو اپنے مال کو بچانے کے لئے قتل کیا جائے وہ بھی شہید ہے۔

انسان کو اپنی ذات و معاملات۔ حرمت و عزت کی حفاظت جیسے کہ دوسرے کی باتوں سے ضروری ہے خود اپنے اعتبار سے بھی ایسی ہی ہے۔ اپنی جان کو ہلاک کر ڈالے۔ تو گناہ کبیرہ ہے قاتل نفس مستحق عذاب جہنم ہے۔ خود ایسے افعال و اخلاق کا مرتکب ہو اور اپنی ہی ملکیت کے اندر اپنی ذات کے لئے ان اخلاق کا استعمال کرے تب بھی عرفاً عقلاً۔ شرعاً۔ اس کو اس کا اختیار نہیں دیا گیا وہ اب بھی قابل نفریں ہوتا ہے۔ جیساکہ صورت اول ہیں۔

علیٰ ہذا اپنے اموال و معاملات کو اپنے ہاتھ سے اپنے اختیار سے تباہ کر دے تب بھی مجرم۔ فاسق۔ مسرف۔ مبذر۔ اخوان شیاطین وغیرہ خطابات سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ بلکہ صورت اول میں جب کہ کسی دوسرے کی طرف سے جان و مال وغیرہ آبرو کو گزند پہنچ جائے۔ یہ شخص عدم حفاظت یا کوتاہیِ حفاظت میں معذور بھی سمجھا جاتا ہے۔ مگر صورتِ ثانیہ میں معذور نہیں سمجھا جاتا۔

امر سوم۔ انسان اپنی ذات کا اور اپنی ذات کے منافع کا مالک ہے۔ اخلاق و صفات۔ تابع ذات ہیں وہ بھی اس کے اختیاری ہیں۔ اس اعتبار سے تو اختیاری نہیں ہیں کہ وہ اپنے اندر حسن خلق یا جس ملکہ کو چاہے پیدا کر سکے۔ یہ تو صرف خداوند عالم کے اختیار میں ہے جس طرح ذاتِ انسانی کی خلقت اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ اسی طرح صفات و اخلاق کی خلقت بھی اختیار میں نہیں ہے ہاں جس طرح ذات کے اندر اس کو یہ تصرفات دیئے گئے کہ وہ حسن جمیل بنا کر خلقی قبح اور کراہت منظر کی ایک حد تک تلافی کر سکتا ہے۔ اسی طرح نفسانی رذائل کو مستور و مغلوب کرنے روحانی اخلاق کو تفوق و امتیاز دینے کا اختیار بیشک اس کو دیا گیا ہے۔ یہی مراد ہماری صفات و اخلاق کے

اختیاری ہونے سے ہے۔

معاملات میں اس کو اختیار کلی ہے۔

لیکن باوجود اس اختیار و حریتِ تامہ کے جو اس کو اپنی ذات و صفات اور معاملات میں حاصل ہے اس اختیار کے لئے حدود مقرر ہیں استعمال کے طریقے بتلا دیئے گئے ہیں عقل و عرف نے بھی اس کو مطلقاً آزاد نہیں رکھا اور دیانت و مذہب نے بھی۔

دیکھئے وہ اپنی ذات کا مالک ہے مگر اپنی جان ہلاک کرنے کا اس کو اختیار نہیں۔ اپنی جان کو کسی کے ہاتھ فروخت کرنے کا مجاز نہیں۔ علیٰ ہذا منافع ذات کا مالک ہے۔ کسی کا اجیر، ملازم بنکر رہ سکتا ہے۔ اور اپنی ذات کے منافع کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے۔ لیکن یہ اختیار بھی اس کا کلی اور مطلق نہیں کسی کی ملازمت یا اجرت ایسے مذموم افعال کے لئے کرنا جو تمام اہل دنیا کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں، عقلاً و عرفاً سخت شرمناک مذموم و معیوب ہے عقل و عرف نے اُسکے حدود و طریقے معین کر دیئے ہیں۔ زنا و لواطت کی اُجرت و ملازمت کو شاید دنیا کا کوئی ذلیل ترین فرد بھی پسند نہ کرتا ہو۔ حالانکہ عورت و مرد کے تعلقات وہ ہیں کہ نسلِ انسانی کا مدار انہیں پر ہے اور دنیا کی تمام راحتوں سے بڑھ کر اس تعلق میں راحت ہے۔ مگر کوئی عاقل تجویز نہیں کر سکتا کہ انسان اس میں آزاد مطلق الاختیار ہے۔

دیانت و مذہب نے ذات و منافع ذات کے اختیارات کو اور بھی محدود و مقید کر دیا ہے۔ بہت سے اجارات و ملازمتیں ایسی ہیں جن کو گو عقل و عرف نے جائز قرار دیا ہے مگر شرع نے اس کی اجازت نہیں دی۔

اخلاق و صفات کی حدود و اختیار بھی محدود ہیں۔ آدمی میں جس قدر اخلاقِ محمودہ و ملکاتِ مہذبہ ہیں۔ ان میں بھی اس کو اختیار نہیں ہے کہ ہر موقع پر ان کا استعمال کر سکے۔ رحم، شفقت، علم سخاوت، شجاعت وغیرہ سب اخلاقِ محمودہ ہیں۔ اور اختیاری ہیں۔ مگر ہر موقع میں نہ محمود ہیں اور نہ ان کے استعمال کی اجازت ہے عقل و عرف و دیانت سب کے اعتبار سے یہ امر واضح و بیّن ہے۔ حاجت توضیح و تفصیل نہیں ہے۔ ہاں عقلی و عرفی قواعد اور شرعی احکام و قیود میں جو فرق ہوتا ہے وہ یہاں بھی ہوگا۔

امر چہارم ہر سہ حریت ذات و صفات و معاملات کے زوال و سلب یا نقص کی چند صورتیں ہیں۔

(۱) ذات کی حریت بالکل جاتی رہی۔ اور وہ مثل دوسرے اموالِ منقولہ وغیر منقولہ کے قابل بیع و شرار ہو جائے۔

(۲) حریت ذات کلیۃً تو زائل نہ ہو۔ اور نہ بالکل مثل اموال کے ہو جائے۔ مگر اُس کے ساتھ معاملہ وہی کیا جائے جو ایک مملوک شے کے ساتھ ہوتا ہے۔ جیسے اسیران جنگ کہ گو عرف میں انکو مثل اموال نہیں سمجھا جاتا مگر اُن کے عوض مال لیا جاتا ہے۔ تبادلہ کیا جاتا ہے اور اس تبادلہ کو گو اصطلاح میں بیع و شرار نہ کہیں اور نہ اُس اسیر کو غلام مگر معاملہ وہی ہوتا ہے جو مملوک اشیاء کے بیع و شرا ہیں۔

(۳) باوجود ذات کی کامل آزادی کے اگر انسان میں عقل نہیں ہے حد جنون تک پہنچگیا ہے۔ اس صورت میں حریتِ صفات زائل ہو جاتی ہے اس کا کوئی خلق و ملکہ قابل اعتبار نہیں رہتا اور نہ اس پر کوئی حکم مرتب ہوتا ہے۔ یہانتک کہ مدح و ذم کا ثمرہ ہی مرتب نہیں ہوتا۔

(۴) باوجود عقل و فہم ہونے کے اخلاقِ ذمیمہ نے اس کے پسندیدہ اخلاق کو مغلوب کر دیا۔ اُسوقت یہ شخص اخلاقِ ذمیمہ کے استعمال اور اخلاقِ حسنہ کے ترک سے قابل ملامت و طعن ہوتا ہے اور احکام بھی اس پر مرتب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ دانشمندوں اور ارباب عقول سے نا ملائم اخلاق ظلم و ستم بخل و بے حیائی وغیرہ کا ظہور ہوتا ہے۔ اس کے لئے زیادہ امثلہ کی ضرورت نہیں ہے۔

(۵) کبھی دوسری قوۃ قاسرۃ اس حریتہ کے استعمال میں مانع آجاتی ہے اور انسان کو یہ آزادی باقی نہیں رہتی کہ وہ اپنے اخلاق حسنہ سے جس طرح چاہے کام لے سکے۔ حق گوئی کر سکے جراۃ اخلاق کو استعمال میں لا سکے۔

(۶) حالتِ جنون میں حریتِ معاملات بالکل سلب ہو جاتی ہے اس کا کوئی عقد و معاملہ نافذ و جاری نہیں ہوتا

(۷) سفاہت و کم عقلی وغیرہ حالتوں میں ناقص ہو جاتی ہے اور اسی وجہ سے ایسے لوگوں کو جو بچپن سے سفیہ ہوں اور حالتِ بلوغ میں بھی اُن کے انداز آثارِ رشد ظاہر نہ ہوں اُن کے اموال اُن کے سپرد نہیں کئے جاتے بلکہ اُن کے اولیاء کے قبضہ میں رکھے جاتے ہیں۔ اگر بعد بلوغ سفاہت ظاہر ہو تب بھی اُنکے

معاملات میں مداخلت کی جاتی ہے۔ مسرف ہو۔ اپنے مال کو بیجا طور پر ضائع کرتا ہو یا شر فساد میں خرچ کرتا ہو تب بھی حکام وقت کو اس میں مداخلت کا حق ہوتا ہے۔ قوانین دنیا میں کورٹ آف وارڈس کا محکمہ اسی ضرورت سے قائم ہوا۔ اس میں تو عاقل بالغ ہوشیار مدبروں کی جائدادیں بھی بوجہ دیون وغیرہ کے گورنمنٹ اپنی حفاظت میں لے لیتی ہے اور شریعت میں مسئلہ حجر اس کیلئے جاری ہوا ہے۔

(۸) صغر و کم سنی بھی معاملات کی آزادی میں مانع آتے ہیں۔ علی ہذا نابالغ کے معاملات میں اسی وجہ سے قاضی کو دخل کا اختیار ہے۔

مجرموں کو جیل خانہ میں ہر قسم کی اخلاقی حریت و آزادی معاملات سے روک دیا جاتا ہے۔ نہ منافع ذات میں تصرف کر سکتے ہیں۔ نہ اپنے اخلاق و ملکات سے کام لے سکتے ہیں۔ نہ کوئی معاملہ کسی سے کر سکتے ہیں اس حالت میں بجز اس کے کہ اُن کی ذات کی مثل اموال کے بیع و شرا نہیں ہوتی اور سب امور منافع ذات اخلاق و صفات۔ معاملات و تصرفات میں مثل جمادات و اموال کی ہو جاتے ہیں۔ کبھی گاڑیوں میں گھوڑے بیل کی طرح لگے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کبھی زراعت میں بہائم کا کام دیتے ہیں۔ یہ اور اسی قسم کی بہت سی صورتیں ہیں جن میں انسان کی ہر سہ قسم کی حریتیں زوال پذیر یا ناقص ہو جاتی یا کر دی جاتی ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ عقل و عرف میں ان صورتوں میں سے کونسی صورت کو ناپسند کیا جاتا ہے۔ اور کونسی کو عقلاء زمانہ نے بلا انکار تسلیم کر لیا ہے اور پھر اس کے بعد انہیں امور کے متعلق شریعت کا فیصلہ دکھلانا۔ اور عرف و شرع میں موازنہ کر کے نتیجہ نکالنا ہے۔

جس قدر صورتیں بیان کی گئی ہیں اُن میں بعض تو قدرتی ہیں۔ مثلاً انسان میں جنون ہو۔ ایسی صورت میں تو ظاہر ہے کہ کوئی ایک عاقل بھی اس کو معاملات کا اہل نہیں بتلا سکتا اور نہ اس کے اخلاق و ملکات قابل گرفت ہوتے ہیں۔ مگر مجنوں کی ذات پھر بھی آزاد رہتی ہے۔ اس میں فرق نہیں کیا جاتا بلکہ غیر مجنون سے زیادہ آزاد رہتی ہے۔ اُس کے قتل کو جائز نہیں رکھا جاتا نہ وہ اسیر جنگ بنا کر مثل اموال قابل تبادلہ و معاوضہ ہوتا ہے۔ نہ اُس کے منافع سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے ایسا کیا تو کسی قانون میں اور کسی عرف میں پسندیدہ نہ ہوگا۔

اسکے علاوہ اکثر صورتیں اختیاری ہیں اور ان میں سے اکثر صورتیں قوانین عالم میں رائج و شائع

اور مستحسن ہیں فرق ہوگا تو فروعات میں ہوگا یا طرقِ اجراء قوانین ہیں۔ البتہ اس صورت کو اس زمانہ کے عرف میں بالکل مذموم سمجھا جاتا ہے کہ انسان کی ذات مثل اموال کے ہو جائے جمادات وبہائم کی طرح اُس کی بیع وشراء جائز کردی جائے اور جہاں تک عقل کام کرتی ہے یہ بات ظاہراً نازیبا بھی معلوم ہوتی ہے کہ انسان جس کو قدرت نے آزاد پیدا کیا ہے اُس کی ذات کو مثل جمادات ونباتات بہائم وطیور کردیا جائے۔ گویا قدرت کا صریح مقابلہ ہے اور اسی طرح شریعت اسلام کے مسئلہ غلامی پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔

دوسرے اس صورت کو بھی مذموم سمجھا جاتا ہے کہ انسان جرأتِ اخلاق سے کام نہ لے سکے وہ اپنے فطریٔ اخلاق کو کام میں لانے سے محروم کردیا جائے۔ صحیح رائے یا مفید مشورہ نہ دے سکے کسی امیر یا وزیر بادشاہ وشہنشاہ کے خلاف منشاء کوئی لفظ نہ کہہ سکے۔ اخلاقی حریت بہت ہی زیادہ قابل ستائش ومدح ہے۔ اس کے مقابلہ میں جس قدر آزادی مسلوب ہے۔ اگر وہ خود اُس شخص کی طرف سے ہے تب وہ دنیا میں قابل نفرین وملامت ہے۔ اگر کوئی دوسرا مانع ہے تو وہ شخص یا وہ قانون جو سدِ راہ ہے ظالم وظالمانہ سمجھا جاتا ہے۔

اِن دو صورتوں کے سوا سب صورتوں کو جن میں حریتِ ذات سلب ہوتی ہے یا ناقص حریۃ صفات میں زوال آتا ہے۔ یا نقصان پسند کیا جاتا ہے اور وہ عقلاء دنیا کے معمول بہا ہیں یہاں تک کہ وہ صورتیں بھی جو حقیقتاً باعتبار عقل مذموم ہیں اور عرف عام میں بھی اچھی نہیں سمجھی جاتیں بعض اقوام یا بعض ممالک میں اچھی سمجھی جاتی رہی ہیں اور زمانہ طویل تک اُن پر عملدرآمد رہا اور اب بھی ہے۔

یہ فیصلہ تو عقل وعرف کا ہے اور اس فیصلہ کی رو سے شریعت اسلام کے بعض احکام پر نکتہ چینی کی نوبت آتی ہے۔ اس لئے ہم کو ضرورت ہے کہ ہم اس معاملہ میں شریعت کے احکام کو ذرا وضاحت سے لکھ کر بتلادیں کہ اسلام نے حریتِ ذات وصفات ومعاملات کی کس حد تک رعایت کی ہے اور مسئلہ غلامی کی حقیقت کیا ہے۔

انسان میں دو حیثیتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں۔ ایک اُس کی ذات کی باعتبار موجود ذی حیات صاحب عقل وشعور ہونیکے۔ ایک باعتبار منافع ذات کے جس کی وجہ سے وہ اموال میں شمار ہونیکے قابل ہوجاتا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ موجودات غیر ذی حیات میں تو صرف اُن کے منافع کا لحاظ ہے اور اس لئے

اُن کی ذات کا تحفظ یا اتلاف جو کچھ بھی ہے مالیت کے اعتبار سے ہے۔ بقارِ ذات فی حد ذاتہ ملحوظِ نظر نہیں ہے۔ موجودِ ذیحیات میں جو حصہ غیر ذوی العقول کا ہے اُس میں تحفظِ ذات بھی باعتبار اُن کی ذی حیات و ذی دم ہونے کے مقصود ہے۔ اور اسی وجہ سے انسان کے ذمہ جو باعتبار نیابت و خلافت ان پر مالکانہ حق رکھتا ہے۔ حفاظت و رعایت ذات ایک حد تک لازم کی گئی ہے اور باعتبار اُن کے منافع کے جہتہ مالیت بھی مقصود ہے مگر مالیت کی جہت غالب ہے اور اسی وجہ سے باجماع عقل و عرف تمام غیر ذوی العقول کی بیع و شرار جائز ہے کسی ایک کو بھی انکار نہیں ہے۔

انسان باعتبار موجود ذی حیات ہونے کے گو اوروں کے ساتھ شریک اور مساوی تھا مگر اُس کے ذوی العقول ہونے نے اُس کی ذات کو دوسری ذوات پر ترجیح دیدی اور حفاظت دم انسان سب سے زیادہ بڑھ کر ضروری و لازمی ہوگئی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ لشکر کا ہر سپاہی دشمن کے مقابلہ میں کارآمد ہوتا ہے۔ ایک ایک سپاہی کی جان کی قدر و قیمت بہت زیادہ سمجھی جاتی ہے۔ جنرل افواج گو ان امور میں مثل ایک سپاہی کے ہوتا ہے مگر فرائضِ خاصہ کی ذمہ داری نے اُس کی جان کو زیادہ قابل حفاظت بنا دیا ہے۔ اُسی کی حیوۃ پر کل افواج کی حیات کا مدار سمجھا جاتا ہے۔ اور چونکہ انسان کے منافع بھی تمام موجودات سے زیادہ ہیں اس لئے اُس میں جہتہِ مالیت مغلوب ہے۔

انسان باعتبار ذات و منافع دونوں کے پورا پورا آزاد ہے۔ نہ اُس کی ذات پر کسی کو حقِ تصرف حاصل ہے نہ منافع پر البتہ اس کے اندر نقصان آجاتا ہے۔ یا اس کا مابہ الامتیاز عقل و تمیز زائل ہو جاتی ہے۔ تو اس کی حریت میں کلاً وجزاً نقصان و زوال آتا ہے۔ شریعت نے دونوں پہلوؤں کی اس قدر رعایت کی ہے جس سے زیادہ ممکن نہیں ہے۔

حریتِ ذات تو شریعت میں کسی حال زائل ہی نہیں ہوتی۔ بجز ایک صورت غلامی کے جس کی حقیقت ہم بیان کریں گے۔ کسی حال اس کی بیع و شرار کو جائز نہیں رکھا گیا۔ اور نہ اُس کی جان تلف کرنے کی کسی وقت اجازت دی گئی۔ جو رسم و رواج امم سابقہ میں اس قسم کی پڑ گئی ہیں کہ لڑکیوں کو بخیال حفاظت ننگ و ناموس زندہ درگور کر دیا جاتا تھا یا لڑکیوں کے نکاح میں بھاری رقمیں لی جاتی تھیں۔ یا اب بھی لی جاتی ہیں۔ یا اس طرح نکاح کر دیا جاتا تھا کہ ایک نے اپنی لڑکی کی شادی دوسرے کے فرزند سے اس طرح کر دی کہ وہ اپنی دختر کو اس کے فرزند سے بیاہ دے

اور یہی ان کا باہم مہر تھا۔ اس صورت کو اصطلاحِ شرع میں نکاحِ شغار کہتے ہیں ان سب کو یک لخت شریعت نے حرام قرار دیدیا اور مٹا دیا۔ یا لڑکیوں کو حق وراثت سے محروم رکھا جاتا ہے۔ اس کے تصرفات مالکانہ کو کالعدم سمجھا جاتا ہے۔ شریعت نے اس کو بھی مٹا دیا۔ نسوان کو کامل حریت مثل رجال عطا فرمادی۔

کسی انسان کے ہلاک کرنے کی سوا مخصوص صورتوں کے اجازت ہی نہیں دی۔ مثلاً کسی صورت قصاص یا حدود شرعی وغیرہ مگر ان میں بھی وہ احتیاط ہوتی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں اور ذرا ذرا سے شبہ سے حدود قصاص کو ساقط کر دیا۔

البتہ غلامی کی صورت میں حریۃ ذات سلب ہو جاتی ہے۔ لیکن اُس کے سلب ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اس کے ذی حیات و ذی دم ہونے سے قطع نظر کر لی گئی ہے۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ جہتہ مالیۃ کو غلبہ دے کر مثل اموال اس کی بیع و شراء کو جائز کر دیا گیا ہے۔ بایں ہمہ اس کی جان کی حفاظت باعتبار ذی حیات و ذی دم ہونے کے اسی طرح باقی ہے سر مو فرق نہیں آیا۔

غلامی کی بیع و شراء کو شرع نے مثل اموال جائز رکھا۔ مگر اس کے قتل یا اذیت و اہانت کی کسی حال اجازت نہیں دی۔ اور اس فرق کو اس حد تک ملحوظ رکھا کہ اگر کسی کا غلام اپنے ذمہ دین کا اقرار کرے تو معتبر نہیں۔ کیونکہ یہ اقرار غیر کے حق میں ہے یعنی اس کا اثر اس کی مالیت پر پڑتا ہے اور مالیت کا تعلق مولیٰ اور آقا سے ہے غلام کا اس میں کچھ نقصان نہیں ہے وہ اس کی ملک نہ رہے گا کسی دوسرے کی ملک ہو کر رہے گا۔

اور اپنے ذمہ کسی حد یا قصاص کا اقرار کرے تو معتبر ہے۔ کیونکہ اس کا اثر اصالتاً و بلا واسطہ اس کی جان کو پہونچتا ہے۔ اور بالواسطہ مالیت کو اور جب غلام نے ہلاکت جان اور اذیت کو گوارا کر لیا جس کو انسان کبھی برضا و رغبت گوارا نہیں کرتا۔ تو مالک کے نقصانِ مالی سے قطع نظر کر لی گئی۔

منافع کی آزادی کا لحاظ اس حد تک کیا گیا۔ کہ کسی کو اس پر جبر کا اختیار نہیں دیا گیا۔ وہ اپنی خوشی سے اپنے منافع کو فروخت کر سکتا ہے۔ مگر کسی دوسرے کو اس پر حق نہیں ہے۔ یہانتک کہ جو لوگ تعذیراً یا حقوقِ عباد کی وجہ سے حبس میں رکھے جاتے ہیں۔ ان کو منافع سے انتفاع کی بھی شریعت نے

اجازت نہیں دی۔ اس کو جائز نہیں رکھا کہ وہ بہائم وچوپایوں کی طرح رکھے جائیں۔ شریعت نے حبس کی صورت اس طرح کی ہے جیسے دیوانی کے قیدیوں کی۔

اور باوجود اجازت فروخت منافع شریعت نے اُس کے حدود مقرر کر دیئے ہیں۔ آزادِ مطلق نہیں چھوڑا۔ اور اسی وجہ سے اجارہ کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔ اجارہ صحیحہ۔ اجارہ فاسدہ۔ اجارہ باطلہ۔ اگر اجارہ ایسی چیز کا ہے جس کی شرعاً اجازت ہے اور کوئی ایسی شرط نہیں ہے جس سے اسکی حلّت میں فرق آئے تو صحیحہ ہے۔ اور اگر اجارہ کسی امرِ حرام کا ہے۔ مثلاً زنا کا یا شراب نکالنے کا یا اس کے پہنچانے کا تو باطل ہے اور اگر اصل سے اجارہ باعتبار معقود علیہ کے صحیح تھا۔ مگر شروط وقیود نے اس میں نقصان پیدا کر دیا ہے تو باطل نہیں بلکہ فاسد ہے۔

یہ حال، تو ذات ومنافع ذات انسان کا تھا۔ رہی حریّۃ اخلاق ومعاملات ان کی کیفیت یہ ہے۔ معاملات میں ہر ایک آزاد عاقل بالغ انسان آزاد ہے۔ اس کے عقود وفسوخ بیع وشرار نکاح وطلاق وغیرہ سب صحیح ونافذ ہوتے ہیں۔ عورت ومرد اس میں یکساں ہیں۔ ہر شخص اپنے مال کو جس طرح چاہے خرچ کر سکتا ہے عورت کو بھی اپنے مال میں وہی اختیار ہے جو مرد کو۔ معاملات کی آزادی اسی وقت سلب ہوتی ہے جب کہ عقل نہ ہو جنونِ مطلق ہو جائے یعنی کسی وقت بھی افاقہ نہ ہوتا ہو اور اس کی اس حریت میں بچند وجوہ نقصان آجاتا ہے۔ سنِ بلوغ کو نہ پہنچا ہو۔ سنِ بلوغ کو سفاہت وکم عقلی کی حالت میں پہونچا ہو۔ یا اپنے مال میں اسراف وتبذیر کرتا اور اس کو شر فساد میں صرف کرتا ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔

ان امور کی وجہ سے اس کی حریتِ معاملات ناقص ہو جاتی ہے۔ صبیِ عاقل کے معاملات بغیر اجازت ولی کے نافذ نہیں ہوتے۔ موقوف رہتے ہیں۔

علیٰ ہذا سفیہ پر قاضی حجر کر سکتا ہے اُس کو تصرفات ومعاملات سے روک سکتا ہے۔ مگر امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اس میں بھی اس کی حریت کے دقیق پہلو کو ملحوظ رکھ کر دو حالتوں میں فرق کر دیا ہے۔ اگر وہ حالت سفہ میں بالغ ہوا۔ تو حسب ارشاد خداوند عالم۔

ولا تؤتوا السفهاء اموالکم	سفیہ اور کم عقلوں کو اپنے اموال سپرد مت کرو۔

ولی کو اجازت نہیں ہے کہ اُس کا مال اُس کے سپرد کر دے اور وہ اس میں جو چاہے تصرف

کرے۔ بلکہ پچیس سال کی عمر تک انتظارِ رشد و کمالِ عقل کا کیا جائے گا۔ بعد پچیس سال کے امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ اب انتظار کی کوئی حد باقی نہیں رہی اب اس کے اموال کو روکنا اور اس کی تصرفات کو ناجائز رکھنا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کو انسانیت سے نکال کر بہائم میں داخل کر دیا جائے۔ وہ مجنوں کی طرح مسلوب العقل تو ہے نہیں۔ اس میں سفاہت و کم عقلی سے نفع و نقصان میں امتیاز و ترجیح کا مادہ کم ہے۔ لیکن اُن کے نزدیک یہ نقصان ایسا نہیں جس کی وجہ سے اس کو انسانیت سے خارج کر دیا جائے اور اگر بعد بلوغ سفہ ظاہر ہو تو باوجودیکہ دوسرے ائمہ مثل امام شافعیؒ و صاحبین کے اس کے قائل ہیں کہ قاضی اس شخص کو حجر کر دے یعنی تصرفات و معاملات سے روک دے مگر امام اعظمؒ یہاں بھی یہی فرماتے ہیں کہ ایک آزاد عاقل بالغ کو قاضی حجر نہیں کر سکتا۔ ایسا کرنے میں اس کو انسانیت سے خارج کر دینا ہے۔

جو ائمہ ایسی صورت میں حجر کے قائل ہوئے اس کا منشا بالکل صحیح ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب وہ اپنے مال کو خلاف مقتضائے عقل صرف کرتا ہے تو کیوں نہ اس کو روک دیا جائے۔ سلطان و والی قاضی و حاکم اس لئے ہیں کہ اپنی رعایا کی نگرانی کریں اور ان کو مضرت کے پہلو سے بچائیں۔ ایک عاقل نابالغ پر حجر ہو سکتا ہے تو بالغ سفیہ پر بدرجہ اولیٰ ہونا چاہیے۔ ان حضرات نے درحقیقت اس کی حریت کو زائل کرنا نہیں چاہا۔ بلکہ جیسے بحالت جنون مجبوراً زائل ہو جاتی ہے ایسے ہی خود اس کی حفاظت کے لئے حجر کو جائز رکھا ہے۔

امام اعظمؒ کی نظر اس جانب ہے کہ انسان میں جب تک کسی حد تک اہلیۃ باقی ہے اس کو ایسے حق سے محروم نہ کرنا چاہیے۔ جنون سے اہلیۃ جاتی رہتی ہے۔ صبیِ نابالغ کی حالت قابل انتظار ہے۔ چند روز انتظار میں انسانیت سے خارج نہیں ہوتا اور جو بالغ ہو چکا عقل اُس میں موجود ہے۔ مگر سفاہت ہے۔ یعنی یہ نہیں سمجھتا کہ مجھ کو کہاں خرچ کرنے میں فائدہ ہے کہاں نہیں۔ اور اسی وجہ سے بے ہودہ مصارف میں مال کو اُڑا دیتا۔ اسراف و تبذیر کرتا ہے۔ معاملاتِ بیع و شرا میں بھی کم عقلی کی وجہ سے نقصان اُٹھاتا ہے۔ اس کو اگر حجر کر دیا جائے تو انسانیت سے بہائم میں داخل کرنا۔ اور حقوقِ آدمیت سے محروم کر دینا ہے مال ادنیٰ شے ہے ان کے خیال میں ایک ایسے اعلیٰ شرف سے محروم کر دینا ہرگز صحیح نہیں ہے۔ ہاں اگر سفیہ کے افعال و معاملات سے نوعِ اعلیٰ میں ضرر

متصور ہو تو بے شک حجر کر دیا جائے۔ مثلاً کوئی فن طب سے جاہل پیشۂ طبابت اختیار کرے اور اس طرح مخلوق کی جان خطرہ میں پڑ جائے۔

یا وہ شخص جو لوگوں سے گھوڑا اونٹ گاڑی وغیرہ کو کرایہ پر دینے کا معاملہ کرتا ہے۔ اور ہے مفلس و نادار لوگ معاملہ کر کے حسب دستور کل یا بعض حصہ کرایہ کا پیشگی دیدیتے ہیں اور وقت پر بوجہ ناداری سواریاں نہیں دے سکتا۔ نہ خود اس کے پاس ہیں۔ نہ خرید کر لا سکتا ہے۔

اس قسم کے لوگوں کو حجر کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ان صورتوں میں چھوٹے ضرر کو بمقابلہ بھاری نقصان کے گوارا کرنا ہے۔ اور ایسا کرنا ضروری ہے۔ ورنہ دنیا عام تباہی و بربادی میں مبتلا ہو جائے۔

علیٰ ہذا اگر کوئی شخص مدیون ہو جائے۔ اُس کے محبوس کرنے۔ حجر کرنے میں بھی آئمہ دین کا اختلاف ہے۔ اور منشاء اختلاف کا یہاں بھی یہی ہے جو اُوپر بیان کیا گیا۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص کے ذمہ دین ہو گیا۔ اُس کی دو حالتیں ہیں۔ یا صاحب مال نہیں مفلس ہے طاقت ادا دین نہیں رکھتا۔ یا صاحبِ مال ہے مگر ادا نہیں کرتا۔ صورت اول میں صاحبین تو یہ کہتے ہیں کہ اگر غرماء یعنی دائن درخواست کریں تو قاضی اس کو حبس میں رکھ سکتا ہے اور اُس پر حجر کر کے تصرفات سے منع کر سکتا ہے۔ مگر امام اعظم فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک نہ حبس کی اجازت ہے نہ منعِ تصرفات کی کیونکہ اس میں اس کی اہلیت کو زائل کرنا۔ اور اس کو انسانیت سے خارج کر کے بہائم میں داخل کر دینا ہے۔

صورتِ ثانی میں صاحبین فرماتے ہیں کہ غرما کی درخواست پر وہ محبوس بھی رکھا جا سکتا ہے۔ اور قاضی اس پر حجر بھی کر سکتا ہے اس کے ساتھ ہی مدیون سے کہا جائے کہ اپنے مال کو فروخت کر کے قرض ادا کر دے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو قاضی کو اختیار ہے کہ خود فروخت کر کے کل قرض ادا کر دے۔ یا حصہ رسد ہر قرض خواہ کو دیدے۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ میں ان میں سے کسی ایک امر کی اجازت نہیں دیتا۔ کیونکہ اس اجازت میں ان کو انسانیت کے شرف اور حریت کی دولت سے محروم کر کے بہائم میں داخل کر دینا ہے۔ ہاں حاکم کو ایسا کرنے کا اختیار ہے کہ اُس کے تمام مال کو اس وقت تک قرق رکھے جب تک وہ خود بیع کر کے

دین کو ادا نہ کر دے۔

میری غرض مجتہدین کے اختلافِ مذہب بیان کرنے سے اس وقت یہ نہیں کہ میں کسی ایک مذہب کی قوۃ وضعف کو باعتبار دلائل کے بیان کروں یا یہ کہوں کہ ان میں مرجح کون ہے اور فتویٰ کس پر ہے۔ بلکہ صرف اسقدر دکھلانا ہے کہ انسانیت و حریتِ معاملات کو کہانتک ملحوظ رکھا گیا ہے۔

اور جن آئمہ نے جس جس مواقع میں حجر و حبس جبراً بیع اموال کی اجازت دی ہے ان کو بھی انسانیت کالحاظ ایسا ہی ہے۔ مگر ایک عقلی و شرعی قاعدہ نے ایسی اجازت دینے پر مجبور کیا جو یہ ہے کہ ضررِ خاص کو ضررعام کے مقابلہ میں گوارا کر لیا جاتا ہے۔ اس قاعدہ میں سب آئمہ متفق ہیں اور عقل و عرف میں بھی یہ قاعدہ نہ صرف مسلم ہے بلکہ معمول بہ ہے ہر قوم کے قانونِ عزل میں اس کی دفعات موجود ہیں۔ یہ نہ ہو تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے۔ باوجود اس قاعدہ کے تسلیم کے پھر جو اختلاف ہے وہ اس ضررِ خاص و عام کی تشخیص و تعیین میں ہے۔ اور اس میں کہ آیا یہ ضرر اس درجہ کا ہے کہ بمقابلہ اُس کے انسان کی انسانیت و اہلیت سے قطع نظر کر لی جائے یا نہیں۔

حریتِ اخلاق وصفات کو شرع نے اس حد تک قائم رکھا ہے جس سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ ہر ایک انسان اپنے اخلاقِ حسنہ وصفاتِ محمودہ کے استعمال میں آزاد ہے۔ کوئی چیز اس کے حق کو زائل نہیں کر سکتی۔ ہاں جنون یا سفہ غالب آجائے تو اُس کے اقوال و افعال حرکات و سکنات سبھی ناقابل اعتبار ہو جاتے ہیں اور اس درجہ میں ملامت و نفرین سب بچ جاتا ہے مواخذات بھی اُٹھ جاتے ہیں مگر بایں ہمہ شرع نے ہر ایک صفت و ملکہ کے استعمال کے طریقے اور حدود مقرر کر دیئے ہیں۔ عقلی طور پر بھی حدود مقرر ہیں جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ مگر شریعت میں چونکہ مرضیاتِ الٰہی کا اتباع پیش نظر ہوتا ہے اور اس کی اطلاع محض عقلِ انسانی سے بلا توسطِ وحی حقیقی یا حکمی نہیں ہو سکتی اس لئے شرع کے حدود و طرق میں بھی تفصیل زیادہ ہے اور اس کے ادراک سے بسا اوقات ناقص عقلیں مقصر رہجاتی ہیں لیکن کامل عقول کو عقل و شرع کے تطابق میں کبھی بھی وقت پیش نہیں آتی۔

یہ ممکن تھا کہ ہم اس کی تفصیل اس جگہ بیان کر دیتے۔ مگر ایسا کرنے میں تطویل بہت زیادہ ہو جاتی اس لئے اس کو چھوڑ کر حریتِ صفات میں سے محض اس حریۃ مصطلحہ کے متعلق کچھ بحث کرنا چاہتے ہیں جس کو عرفِ عام میں حریتِ اخلاق بمعنی جرأت و آزادی کہتے ہیں۔ اور اسی حریۃ پر آج کل زیادہ بحث

ہوتی اور اس میں افراط و تفریط کی نوبت آتی ہے۔

حریت بمعنی جراءتہ اخلاق کے معنی شرع میں یہ ہیں کہ آدمی حق طلب کرنے مسائل کے دریافت کرنے امر حق کے اظہار میں حیا نہ کرے۔ کسی کا رعب و خوف مانع نہ آئے۔ اگر صاحبِ حق کو طلب حق سے روک دیا جائے کسی کو اظہار حق سے منع کر دیا جائے۔ یا ایسا معاملہ کیا جائے جس سے لوگ رُک جائیں تو مطلقاً حرام ہے اور ظلم صریح ہے۔

اگر خود تقصیر کرے تو اُس کا ذمہ دار و جوابدہ وہ خود ہے۔ جس درجہ کا وجوب و لزوم یا استحباب تھا اسی درجہ کی ذمہ داری ہے۔ دوسرے کی طرف سے بندش یا ممانعت ہے تو ذمہ داری اس کے جانب اُس درجہ کی ہے جس درجہ کا نقصان اس بندش سے پیدا ہوا ہے۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

واللہ لا یستحی من الحق	خداوند عالم حق سے حیا نہیں کرتا۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ افہام و تفہیم میں جس امر کی ضرورت ہو اس کا استعمال کرنا چاہیے لومِ لائم یا طعنِ طاعن کی پرواہ نہ کرنی چاہیے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصار عورت کی اسی بنا پر تعریف فرمائی کہ اُنہوں نے مسائل متعلقہ نسوان کو خود آکر دریافت کر لیا۔ نمائشی حجاب و حیا کو اپنے اور اپنے ابنائے جنس کے جہل کا پردہ نہ بنایا۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ	بھلی باتوں کا امر کر۔ بُرائیوں سے منع کر۔ اور جو تجھ کو مصیبت پہونچے اُس پر صبر کر۔ یہی بات پختہ امور میں سے ہے۔

کسی عالم کو بھی یہ جائز نہیں کہ بلا علم صحیح کسی مسئلہ میں فتویٰ دیدے۔ اس کو لا اعلم کہدینا بہتر ہے۔ بلا علم مسئلہ بتلانے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کی نسبت جنھوں نے ایک محتلم کو غسل کا فتویٰ دیا تھا۔ اسی بناء پر فرمایا۔

قتلوہ قتلھم اللہ انما شفاء العی السوال۔	ان لوگوں نے اُس شخص کو قتل کیا خدا ان کو قتل کرے جہل کا علاج تو دریافت کر لینا ہے۔

امر بالمعروف نہی عن المنکر ضروریاتِ دین میں سے ہے اُمتِ محمدیہ کا نشان ہی یہ ہے۔ یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر۔ ان کی تاکید و فضائل اور در صورت ترک وعید شدید سے

کتب حدیث مالامال ہیں جن میں سے چند بطور نمونہ ذکر کئے جاتے ہیں۔ ارشاد فرمایا۔

وما اعمال البر والجهاد فی سبیل الله عند الامر بالمعروف والنهی عن المنکر الا کنفثة فی بحر لجی۔

تمام نیک عمل اور جہاد فی سبیل اللہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے مقابلہ میں ایسی ہیں جیسے دریائے متوج میں لعاب دہن کی تری۔

عن ابی بکر ن الصدیق قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول الناس اذا رأوا منکرا فلم یغیروه یوشك ان یعمهم الله بعقابه۔

ابوبکر صدیق فرماتے ہیں میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا۔ کہ لوگ جب بُرائی کو دیکھیں اور اُس کے دفعیہ کی کوشش نکریں تو قریب ہے کہ حق تعالیٰ ان سب پر عذاب نازل کردے۔

وقال النبی صلی الله علیه وسلم ان الله لا یعذب العامة بعمل الخاصة حتی یروا المنکر بین ظهرانیهم وهم قادرون علی ان ینکروه فان فعلوا ذلك عذب الله العامة والخاصة۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ حق تعالےٰ خاص لوگوں کی وجہ سے عام مخلوق کو عذاب میں مبتلا نہیں فرماتا مگر جبکہ یہ لوگ کسی بُرائی کو اپنے درمیان ہوتے دیکھیں اور باوجود قدرت کے نہ اسکو روکیں نہ بُرا جھیں ایسیں بیشک حق تعالےٰ خاص خاص لوگوں کے عمل سے عام لوگوں پر عذاب نازل کرتا ہے۔

امر بالمعروف نہی عن المنکر اس درجہ کے ضروری۔ اُن کے فضائل ومناقب اور درصورت ترک وعید اور اس میں کسی کی تخصیص نہیں ہر شخص کو یہ منصب حاصل ہے۔ ایک معمولی درجہ کا آدمی اپنے سے بڑے منصب والے کو امر بالمعروف کر سکتا ہے اور منکرات کو روک سکتا ہے۔ اس سے بڑھکر جرأت اخلاق اور حریت کیا ہو گی۔

مگر شریعت نے جس طرح تمام احکام کے حدود وطرقِ استعمال مقرر فرمادیئے ہیں۔ امر بالمعروف کیلئے بھی کچھ شرائط وحدود وطرق ہیں۔ مثلاً یہ شرط ہے کہ نیت اس کی درست وخالص ہو مقصود اعلاء کلمۃ اللہ ہو۔ ریا وسمعہ۔ اپنی شہرت وعزت طلبی کا دخل نہ ہو۔ یا یہ کہ جس معروف کا امر کرتا ہے اور جس منکر سے نہی کرنا چاہتا ہے اُس کے معروف ومنکر ہونے کی دلیل وحجۃ بھی جانتا ہو۔ اور کم سے کم باوثوق علم اُن کے معروف ومنکر ہونے کا ہو ورنہ نفع سے زیادہ مضرت کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ جب آمر وناہی خود اپنے مدعا کی دلیل یا اس کو باوثوق ذریعہ سے بیان نہ کر سکے گا تو اس کی سعی

رائیگاں جائے گی دوسروں کی دلیری وجراۃ بڑھے گی۔

یا یہ کہ مامور بہ ونہی عنہ کے درجات کو جاننا لازمی اور ضروری ہے۔ اگر مامور بہ واجب ہے امر بالمعروف بھی واجب ہے۔ سنت یا مستحب ہے تو وہ بھی سنت یا مستحب ہے۔ منکر میں یہ دیکھنا ہے کہ جس فعلِ منکر سے اس شخص کو روکنا چاہتا ہے۔ آیا وہ فعل اُس سے واقع ہو چکا ہے۔ یا واقع ہونے والا ہے، اگر واقع ہو چکا ہے تو اس کا روکنا نہی عن المنکر میں داخل نہ ہوگا۔ بلکہ اب اُس کا کچھ کہنا مذمت علی المنکر میں داخل ہوگا۔ جو گو خود فی حد ذاتہ حسن ہے مگر نہی عن المنکر نہیں ہے۔

یا یہ کہ امر بالمعروف ونہی المنکر کرنے میں اس کو اندیشہ نہ ہو کہ میرا یہ فعل اُس شخص کے لئے اور جرارت واصرار کا سبب بن جائے گا اگر ایسا اندیشہ ہے تو سکوت بہتر ہے۔ خواہ مخواہ اپنی حق گوئی کا اظہار ضروری نہیں ہے۔

یا مثلاً ہر جگہ امر بالمعروف کا ایک ہی طریقہ نہیں ہے۔ باپ کو اگر کسی منکر میں مبتلا دیکھے تو بیٹے کو چاہیئے کہ ایک دفعہ بزمی کہدے نہ مانے تو سکوت کرے بار بار نہ کہے۔ البتہ اُس کے لئے دعا کرے۔

اسی طرح رعیتہ امام۔ زوج زوجہ۔ غلام آقا میں اگر ضرورت امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ہو تو رعیتہ کو ذمہ امام کی زوجہ کے ذمے زوج کے غلام کے ذمے آقا کے درجات ومراتب کی رعایت ایسی ہے جیسے ولد کے ذمہ والدین کی۔ اُس کے ذمہ اظہار ضروری ہے مگر رعایتِ مراتب بھی لازم ہے۔

علیٰ ہذا یہ بھی ضرور ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔ رفق۔ ملائمت۔ نرمی وملاطفت کے ساتھ ہو عنف وشدۃ نہ کرے۔ نرمی وملاطفت سے کہنے کا اثر اچھا ہوتا ہے۔ شدۃ وعنف بسا اوقات مضر ہو جاتے ہیں۔ سننے والے میں بجائے انقیاد اصرار بڑھ جاتا ہے ہاں نرمی کام نہ دے۔ اُلٹی جراۃ بڑھائے تو شدۃ وعنف کی ضرورت ہے۔ زبان سے سختی کرے نا ملائم الفاظ استعمال کرے۔ ہاتھ سے کام لے ان سب کی اجازت ہے۔ مگر پھر بھی ایسے لفظ کہنے کی اجازت نہیں ہے۔ جس سے اس پر کوئی فحش الزام لگتا ہو۔ جاہل۔ احمق۔ کودن۔ بیوقوف۔ نادان۔ فاسق وغیرہ الفاظ کہنے کی اجازت ہے۔ زانی۔ حرامی وغیرہ الفاظ کی اجازت نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام

نے نصح وموعظۃ کو کارگر نہ دیکھا اُن کی قوم کا انہماک شرک وبت پرستی میں بڑھتا گیا۔ تو شدت و عنف کو استعمال فرمایا۔

اُفٍ لکم ولما تعبدون من دون اللہ افلا تعقلون۔

اُف ہے تم پر اور اللہ کے سوا جس کی تم عبادت کرتے ہو اس پر کیا تم نہیں سمجھتے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفق وملاطفت۔ شدۃ وعنف کے مواقع استعمال کا فیصلہ فرما دیا ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لما وقعت بنو اسرائیل فی معاصی نھتھم علماءھم فلم ینتھو فجالسوھم فی مجالسھم وواکلوھم وشاربوھم فضرب اللہ بعضھم ببعض فلعنھم علی لسان داؤد وعیسی بن مریم ذلک بما عصوا وکانوا یعتدون فجلس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وکان متکئا فقال لا والذی نفس محمد بیدہ حتی تاطروھم اطراً۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بنی اسرائیل معاصی میں منہمک ہوگئے تو علما نے ان کو منع کیا وہ باز نہ رہے تو علما نے سکوت کیا انکی ہمنشینی کرتے رہے کھانے پینے میں شریک رہے۔ اللہ تعالی نے اُنکو باہم ٹکرا دیا باہم اختلاف اور قلوب میں منافرت وعداوت پیدا ہوگئی ان لوگوں پر اللہ تعالی نے داؤد وعیسی علیہما السلام کی ذریعہ سے لعنت بھیجی۔ یہ کیوں ہوا صرف اسلئے کہ وہ نافرمانی کرتے اور حدود سے تجاوز کرتے تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے یہ فرماکر سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کا نفس ہے تم کبھی معذور نہ سمجھے جاؤگے جبتک ان پر زبردستی کرکے نہ روکوگے۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

کلا واللہ لتامرون بالمعروف ولتنھون عن المنکر ولتاخذن علی یدی الظالم ولتاطرنہ علی الحق اطراً ولتقصرنہ علی الحق قصراً ولیضربن اللہ بقلوب بعضکم

قسم ہے اللہ کی۔ ہرگز تم معذور نہیں ہوسکتے۔ تمکو امر بالمعروف نہی عن المنکر کرنا ہوگا تمکو ظالم کا ہاتھ پکڑ لینا ہوگا۔ تم اُس کو حق پر قائم رکھنے کے لئے جبر وزبردستی کروگے ایسا نہ کروگے تو اللہ تعالی تمہارے قلوب میں اختلاف پیدا کردے گا۔ تم آپس میں لڑ مروگے

علیٰ بعض ثم لیلعنهم کما لعنهم	اور پھر تم پر بھی اسی طرح لعنت ہو گی جس طرح بنی اسرائیل پر۔

اسی طرح امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے تمام نصوص کے جمع کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اول ملاطفت و نرمی ہے اور پھر شدۃ و عنف ہر ایک کا موقع ہے۔ ہاں ایک وقت ایسا بھی مایوسی کا آتا ہے۔ جب نرمی ورفق۔ شدۃ وعنف دونوں سے کام نہیں چلتا۔ کوئی سُنتا ہی نہیں۔ کوئی ذریعہ وقوت مجبور کرنے کی نہیں ہے تب حکم ہے۔

فعلیك بخاصة نفسك	تجھکو خاص اپنے نفس کی فکر چاہیئے۔

حریتِ ذات وصفات ومعاملات کے متعلق ہم نے بہت اجمال کے ساتھ بعض احکامِ شرع کی تفصیل بطور نمونہ بیان کی ہے۔ اسے دیکھ کر عاقل منصف کو فیصلہ شرع و فیصلہ قوانین و رسوم اہلِ دنیا میں موازنہ کر لینا چاہیئے انشاء اللہ تعالیٰ صاف صاف واضح ہو جائے گا کہ شرع نے جس حد تک ہر سہ قسم کی حریتوں کو قائم رکھا ہے کسی قانون نے نہیں رکھا۔ اور نہ کسی ملک کے رسم ورواج میں ایسا ہے۔ بہت سے اُن اُمور کو جو قوانین سلطنت میں داخل ہیں اور درحقیقت اُن سے حریت میں فرق پڑتا ہے اور کوئی مجبوری عقلی یا عرفی اُن کے اختیار وپسند کرنے کی نہیں ہے۔ شریعت نے اُن کو مٹا دیا ہے اور جہاں کہیں سخت ضرورت سے ان حریتوں کے زوال یا نقصان کے احکام صادر کئے ہیں وہ بہت ہی احتیاط کے ساتھ دوسرے ایسے قواعد پر مبنی کئے ہیں جو عقل وعرف میں مسلم ہیں۔ ہر جگہ افراط وتفریط کے پہلو سے احتراز کیا ہے۔

اس تمام عرض ومعروض کے بعد اب ہم اصل مسئلہ حریۃ کو بطور نتیجہ لکھتے ہیں۔ عرف عام میں حریۃ کا استعمال آج کل حریۃِ اخلاق پر آتا ہے اور حریۃِ اخلاق کے مفہوم میں بھی تمام اخلاقِ حسنہ داخل نہیں ہیں۔ کوئی شخص اپنے تمام اخلاق وملکاتِ حمیدہ سے کام نہ لے۔ بلکہ بجائے اُن کے ملکاتِ ذمیمہ کو کام میں لائے تو اس کی طرف دھیان نہیں ہوتا۔ ہاں اظہار مافی الضمیر اور اظہار رائے میں حر و آزاد ہو۔ کسی کے لعن وطعن کی پرواہ نہ کرے کسی کا خوف واندیشہ اُس سے مانع نہ آئے۔ جو کام کرنا چاہے سلطنت کے حقوق کی رعایت نہ کرکے بلا دھوک کر گذرے۔ ایسے شخص کو سراہا جاتا۔ اُس کی حریت وآزادی کی تعریف کی جاتی ہے۔ حالانکہ جیسا

کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ ایسی مطلق آزادی ہرگز مفید نہیں ہے۔ بسا اوقات مضر اور سخت مضر پڑ جاتی ہے۔ ایک طرف خود اس آزادی و حریت کے مدعی اور اُس کے ثناخواں ہوا خواہوں کو دوسری جانب سلطنت و حکام کو جو رعایا کی جان و مال ننگ و ناموس کے محافظ ہیں تیسری جانب ملک و اہل ملک کو یہ لوگ اس وجہ سے کہ اُنہوں نے حریت کے مفہوم و حدود و طرق استعمال کو نہیں سمجھا افراط و تفریط میں مبتلا ہو گئے۔

اخلاقی حریت میں جیسے کہ تفریط نہایت معیوب و مذموم ہے۔ اگر سلطنت نے زبان بند کر دی قلم روک دیئے۔ تو اس سلطنت کی بنیاد نہایت سست و ضعیف ستونوں پر قائم ہے۔ اگر خوشامدیوں نے سلطنت و حکام کو اس کا خوگر بنا دیا تو وہ دنیا و آخرت میں روسیاہ قابل ہزار نفرین و ملامت ہیں ملک کے تباہ کرنے والے حقوق کو پامال کرنے والے سلطنت و حکام کو گمراہ کرنے والے ہیں۔

ایسے ہی افراط بھی مہلک ترین مرض ہے اس کا پہلا نتیجہ یہ ہے کہ سلطان و قوانین سلطنت کے حقوق کی حرمت قلب میں باقی نہیں رہتی۔ مواقع حریۃ اور اُس کی حدود کو نہیں سمجھتے۔ یہ نہیں جانتے کہ کونسا موقعہ زبان کھولنے رائے دینے نکتہ چینی کرنے کا ہے اس کی تمیز بھی اُن کو نہیں رہتی کہ اس کا اہل کون ہے۔ کس میں مادہ اظہار رائے کا ہے۔ کون وہ ہے جس کو مقلد محض بنکر ارباب رائے کا اتباع کرنا چاہیئے۔ اس زمانہ کی سمی ہوا نے حریت کا ایسا عام سودا دماغوں میں بھر دیا ہے۔ کہ بیٹے کے دل میں باپ کا احترام باقی ہے نہ شاگرد کے دل میں اُستاد کا ادب، نہ رعایا کے دل میں حکام کی عظمت نہ قانون کی قدر و منزلت۔ نہ حقوق کی نگہداشت۔ نہ اہلِ حقوق کی حق شناسی ایک عام طوفان حریت کا ہے جس نے انسان کو بہیمیت کے درجہ تک پہنچا دیا ہے۔ حریۃ حقیقی وہی ہے جو افراط و تفریط سے خالی ہو ورنہ یہ حریۃ جو زبان زدِ عام و خاص و ممدوحِ خلائق ہے تباہی کے کنارہ پر پہنچانے والی ہے۔ بہتوں کو پہنچا چکی ہے۔ اور پہنچا رہی ہے۔ جگہ جگہ انقلابات کی دھوم اس مفروضہ حریت کی بدولت ہے۔

ہمیں زمانہ حال کی حریت پر ایک مزیدار حکایت یاد آ گئی۔ جو ہمارے مکرم و معظم مولانا محمد حسن صاحب مراد آبادی مقیم بھوپال نے چشم دید بیان کی ہے۔ مولانا موصوف چند سال ہوئے

عازم حج بیت اللہ ہوئے شام سے بذریعہ جہاز ریلوے سفر کیا۔ راستہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک مسافر نے گاڑی کا تختہ اکھاڑ کر پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ چاہتا تو اتر کر پیشاب کر سکتا تھا۔ یا گاڑی میں جو جگہ اس کے لئے بنی ہوئی تھی اس میں جا سکتا تھا۔ مگر سودا رحریۃ و مطلق العنانی نے اتنا موقع نہ دیا۔ اس صورت میں گاڑی کا نقصان۔ اور مسافروں کے لئے خطرہ تھا۔ مگر کسی امر کی پروا نہ کی۔ آخر مسافروں نے اُس سے کہا تو جوش اور مسرت کے لہجہ میں بولے۔ الحریت (میاں حریۃ کا زمانہ ہے)۔

سبحان اللہ کیا حریۃ ہے۔ اور کیا خوب حریت کے معنے کو سمجھے۔ اور اچھے موقعہ میں اُس کا استعمال کیا۔ ایسی ہی حریۃ پر آج کل فخر کیا جاتا ہے اور اسی حریۃ پر بڑے بڑے خطابات دیئے جاتے ہیں۔ رئیس الاحرار فدائے ملک بننے کیلئے شہرت وعظمت حاصل کرنے کیلئے کوئی ایسا فعل کر لینا کافی ہے جس سے ایک مرتبہ ملک بھر آوازِ حریۃ و فداکاری سے گونج جائے۔ اصل معاملہ کی تحقیق کرنے والا۔ موقع و محل کو دیکھنے والا ایسے کرنے والوں کی حالت و معاملات اصلیت وقابلیت کو جانچنے والا کون ہے۔ اور پرکھنے والا کون۔ شریعت کے اصل اصول شرط۔ خلوص وہمدردی کی جانچ و پرکھ کی نوبت تو کہاں سے آتی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

کہاں آج کل کا طرز عمل۔ کہاں شریعت کے اُصول۔ کہاں سلف صالح کا طریقۂ استعمال۔ ہمارے اصلی مضمون اشاعت اسلام میں بذیل واقعات گذشتہ اوراق میں بیان ہو چکا ہے کہ معرکہ قادسیہ میں عذر علالت کی وجہ سے سپہ سالار اعظم حضرت سعد ابن ابی وقاص گھوڑے پر سوار ہو کر شریکِ معرکہ نہ ہو سکے تو ایک شخص نے اُن پر تعریض و اعتراض کرتے ہوئے یہ کہا۔

فانا وقد امت نساء کثیرۃ	ہم تو معرکہ سے اس حال میں واپس ہوئے کہ بہت سی عورتیں
ونسوۃ سعد لیس منھن ایّم	بیوہ ہو گئی تھیں۔ مگر سعد کی عورتوں میں کوئی بیوہ نہ تھی۔

حضرت سعد نے سُن کر فرمایا کہ الٰہی اگر اُس نے بطور ریا و سمعہ کے ایسا کہا ہے تو اُس کی زبان بند کر دے۔ دعا مقبول ہوئی اور تھوڑی دیر بعد ایک تیر اُس شخص کے منہ پر لگا جس سے زبان بند ہو گئی۔

اب ہم اس مسئلہ حریۃ و مساوات کو اس جگہ ختم کرتے ہیں اگرچہ اس میں بہت سے پہلو ابھی قابل

بحث وتفصیل باقی ہیں۔ مگر جس قدر لکھا گیا ہے اُس کی وجہ سے بھی طول ہوگیا۔ زیادہ لکھنے میں حد سے زیادہ طول ہوجاتا۔ اگر خدا تعالیٰ کو منظور ہوا تو ہم کبھی بہ سلسلہ تعلیمات اس کو مستقل رسالہ میں ذرا زیادہ تفصیل وتوضیح کے ساتھ درج کریں گے۔ واللہ الموفق۔

ہم نے مسئلہ غلامی کی حقیقت کو بیان کردینے کا وعدہ کیا تھا۔ ناظرین ایفاء وعدہ کے منتظر ہوں گے۔ اس لئے بخیال ایفاء وعدہ چند سطروں میں مجملاً اس کو بیان کردینا کافی سمجھتے ہیں تحقیق وتفصیل کا نہ یہ موقع ہے نہ اس کی گنجایش اُس کے لئے دوسرے وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔

مسئلہ غلامی کی وجہ سے اسلام پر بڑے بڑے اعتراض کئے جاتے ہیں۔ لیکن ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ منشاء اعتراض کیا ہے اور کیوں ایسا کیا جاتا ہے۔ ہمارے خیال میں تو معترضین نے کبھی غور وفکر سے کام نہیں لیا۔ اگر ذرا بھی غور وفکر کرتے۔ تو بجائے اعتراض کرنے کے اسلام کی برگزیدہ خصوصیات کے اور زیادہ قائل ہوجاتے۔ ان لوگوں کو چند امور ذیل ذہن نشین کرلینے چاہئیں۔

(۱) انسان اصل فطرت سے باوجودیکہ آزاد و مالک ومختار پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم ابھی بیان کرچکے ہیں اُس کی یہ حریت کبھی قدرتی اسباب سے اور کبھی اختیاری افعال وحرکات سے زائل یا ناقص بھی ہوجاتی ہے۔

(۲) جس قدر حریت اُس کو عطا ہوئی ہے عقلاً عرفاً شرعاً اُس کے حدود وطرق استعمال مقرر ہیں۔ گو عقل وعرف اور شرع کے حدود وطرقِ استعمال میں فرق وتفاوت ہو۔ مگر اتنی بات میں اتفاق ہے کہ انسان آزاد مطلق ہوکر اپنی حریت کو ہر وقت استعمال میں نہیں لاسکتا۔

(۳) کسی کی حق تلفی کے وقت اس فطری حر و آزاد کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا ہے۔ جو ایک نہایت حقیر وذلیل چوپایہ کے ساتھ اُس سے وہی کام لئے جاتے ہیں جو بہائم سے۔ اُس کے منافع کو اسی طرح کام میں لیا جاتا ہے۔ جیسے اموال کے منافع کو۔ اُس کی ذات کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا ہے جو بہائم یا اموالِ منقولہ وغیر منقولہ کے ساتھ۔

(۴) مجرم کو سزا دینے میں جرم کی نوعیت اور مماثلت کا خیال کیا جانا عقل وعرف میں ضروری

ہے اور شریعت نے تو اس کی بہت ہی رعایت کی ہے۔

(۵) پولٹیکل مجرموں کی اور باغیوں کی سزائیں اور معمولی مجرموں کی سزائیں بہت بڑا فرق ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ جس شخص پر جرم بغاوت یا پولٹیکل سازش کا الزام لگتا ہے اُس کی سزا بجز سزائے موت یا عمر بھر جلاوطنی کے اور کچھ نہیں ہوتی۔ اگر ایسے لوگوں کا جرم معاف بھی کیا جاتا ہے تو اُسی حالت میں جب کہ اُن کی طرف سے اطمینان ہو جائے۔ اور ایسا کرنا مصالح ملکی کے خلاف نہ ہو۔ اس کی وجہ بجز اس کے کیا ہے کہ اگرچہ دونوں قسم کے مجرموں میں قانون وقت سے انحراف ضرور ہے اور اُس کی وجہ مادۂ عصیان وخلاف۔ یا تمرد وسرکشی ہے۔ مگر اتنا فرق ہے کہ معمولی مجرم گو قاتل یا سارق یا دھوکہ باز یا جعل سازہی ہوں مگر اُن کا یہ فعل رعیت کے کسی ایک فرد یا چند افراد کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ سلطان وقت سے انحراف نہیں ہوتا۔ بخلاف پولٹیکل مجرموں اور باغیوں کے کہ اُن کا تمرد وعصیان بمقابلہ سلطان اور قانون سلطان ہوتا ہے۔

یہ شخص سلطان کے حق وتفوق وبرتری۔ اُس کی قوت وشوکت کو مٹا دینا چاہتا ہے۔

(۶) خداوند عالم تمام عالم کا خالق ومالک ہے۔ عالم میں جو کچھ ہے اُس کی ملک ہے جس کو جس قسم کا اختیار ہے اُس کا عطیہ ہے۔ جو حق ملکیت ہے۔ اُس کی طرف سے نیابتًا ہے۔ حقیقۃً وہی مالک ہے اُس کے سوا سب کی ملکیت تصرفات واختیارات مجازی ہیں۔

جب امورِ مذکورہ بالا ذہن نشین ہو چکے تو اب سُنئے کہ خداوند عالم نے تمام دنیا کو انسان اور جن کے فائدہ کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور انسان کو عقل وعلم کے ساتھ حقِ نیابۃ وسلطنت وحکمرانی سب کچھ دے کر اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کی خدائی کا اعتراف کرے۔ اُس کے سامنے جبین نیاز رگڑے اپنے آپ کو عابد اور اُس کو معبود سمجھے اُس کو خالق ورازق جانے اُس کے سوا سب کو محتاج سمجھے۔ اُس کے احکام کی اطاعت کو واجب سمجھے۔ اُس کی رحمت کا متجسس اور اُس کے عقاب سے خائف ولرزاں رہے۔

اب اگر کوئی شخص خداوند عالم کو خالق وواجب الاطاعت تو جانتا ہے۔ مگر اُس کے احکام کی اطاعت میں کوتاہی کر بیٹھتا ہے۔ تب اُس کا حکم وہی ہے جو معمولی مجرموں کا ہوتا ہے

ایسے لوگوں کے لئے موافق نوعیتِ جرم سزا مقرر ہے اور اگر مادۂ بغاوت وتمرد ہے خدا کی خدائی کا منکر ہے اُس کے قانون کو قابلِ اتباع واجب الاطاعت نہیں سمجھتا تو یہ شخص باغی ہے۔ اُس کی سزا وہی ہونی چاہئے جو ایک پولیٹکل مجرم اور باغی کی ہوتی ہے۔ مادۂ بغاوت وتعنت سرکشی وتمرد وطغیان حد سے گذر کر خدا اور اُس کے انبیاء سے جہادٗ مقابلہ کی ٹھہرا دیتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ کے یہاں سے بمناسبت نوعیتِ جرم یہ سزا ملتی ہے کہ اُس کی ذاتی آزادی وحریت یک لخت مسلوب ہو جاتی ہے اُس کو خدا کا بندہ بننے سے انکار ہوتا ہے۔ جس کی سزا میں بطور نیابتِ خداوندی بندوں کا مملوک بنا دیا جاتا اور اُس کی انسانیت کو مغلوب کر کے مثل بہائم اموال میں داخل کر کے بیع وشرا کی اجازت دیدی جاتی ہے۔ اُس کے تصرفات غیر معتبر قرار دیدیئے جاتے ہیں اور یہ محض اُس حق خداوندی کی انکار اُس کی خالقیت ومالکیت سے تمرد وعصیان کی سزا ہے۔ اور یہ سزا بالکل اُسی طرح کی ہے جیسے راس المتمردین شیطان لعین کو دی گئی۔ اُس نے خداوند کے حکم تسلیم کرنے سے انکار وتمرد کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے سے کمتر سمجھ کر سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ جس کی سزا یہ ہے کہ بنی آدم کے ورغلانے۔ اُن کو معاصی وکفر میں مبتلا کرنے کا ذلیل کام اُس کے سپرد ہوا۔ وہ کٹنیوں کی طرح لوگوں کو فواحش پر جمع کرتا پھرتا اور اسی کو اپنی کامیابی سمجھتا ہے۔ ایک شاعر نے اس مضمون کو خوب ادا کیا ہے۔ ؎

تاہ علیٰ آدم فی سجدتہ	فصار قواداً لذریتہ
آدم کو سجدہ کرنے میں تو نخوت کی	لیکن اُن کی اولاد کا دلال وکٹنا بن گیا

لیکن یہ سزا ابھی مجبوری کے درجہ کو دی جاتی ہے۔ اگر کسی حد تک بھی احکامِ خداوندی کے آگے سر تسلیم خم کر کے نائبان خدا سے عہد وپیمان کر کے رہنا گوارا کرے تب بھی اُس کی آزادی برقرار رکھی جاتی ہے۔

چونکہ اُس کی مملوکیت بمقابلہ حق خداوندی ہے۔ مخلوق کو بجز اس کے کہ نائبانہ حیثیت سے اُس پر قبضہ کریں اور مثل دکیل اُس کی بیع وشرا کریں اور کسی قسم کی دسترس اُن پر نہیں دی گئی بلکہ اُن کے ساتھ ہر قسم کی رعایت ومراعات کرنے کا حکم دیا گیا۔ شریعت نے ممالیک کی رعایت ومحافظتِ حقوق کے جو احکام ہم کو تبلائے ہیں اُن سے صاف ظاہر ہے کہ اُس غلامی پر آجکل

کی ہزار آزادی قربان ہے۔ سزائے مملوکیت برائے نام ہے۔ اوّل تو غلاموں کے آزاد کرنے کے اجروثواب اس قدر بتلائے گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سزا محض تنبیہ و تادیب ایقاظ و تندیم کے لئے ہے۔ اُن کو دوامًا ربقۂ غلامی میں رکھنا مطلوب نہیں ہے۔ ورنہ اعتاق کے اتنے فضائل بیان نہ کئے جاتے۔ ظاہر ہے کہ ہر مسلمان سے جس قدر بھی ممکن ہوگا۔ ان فضائل کو دیکھتے ہوئے اس عملِ صالح کی طرف رغبت کرے گا۔ کفارۂ صوم کفارۂ ظہار وغیرہ میں سب سے اوّل تحریرِ رقبہ کو رکھا گیا اسی بناء پر صلحاءِ امت نے بیش از بیش اس عملِ صالح کی طرف رغبت کی۔ ہزاروں غلام محض آزاد کرنے کے لئے خریدے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اگر سب مسلمان اسی طرح راغب ہوں تو دنیا میں ایک شخص بھی کسی کا مملوک بن کر نہ رہے۔

اس کے علاوہ جب تک وہ ربقۂ غلامی میں ہیں۔ اُن کے ساتھ معاشرت میں مساوات کے احکام جاری فرمائے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے آخری خطبہ میں جو وصیتیں فرمائیں اُن میں نماز کی محافظت کے ساتھ حقِ ممالیک کی رعایت کو بھی ارشاد فرمایا۔

الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم	حفاظت کرو نماز کی اور اپنے ممالیک کی۔

شریعت کا حکم ہے کہ جو ہم کھائیں وہی اُن کو کھلائیں۔ جو خود پہنیں وہی اُن کو پہنائیں اُن سے ایسی خدمت نہ لیں جس سے اُن کو کلفت و مشقت پہنچے۔ اُن کی خطاؤں و لغزشوں میں درگذر کریں۔ ضرب و شتم سے احتراز کریں۔ اگر مارنے کی ضرورت پیش آئے تو جیسے اولاد کو تادیبًا سزا دی جاتی ہے۔ اس سے زیادہ نہ ہو۔ اگر غلام کو تعدی سے ضرب و شتم کرے گا قیامت کے دن اُس سے قصاص لیا جائے گا۔

سلف صالح اسی وجہ سے نہایت احتیاط کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے غلام کا کان اینٹھ دیا۔ فورًا ندامت ہوئی اور غلام سے فرمایا تو بھی میرا کان اینٹھ دے غلام نے انکار کیا تو آپ نے اُس کو ایسا کرنے پر مجبور کیا۔

اس قسم کے احکامات ہیں جن سے کتب اہل اسلام مالا مال ہیں۔ یہاں تفصیل کا موقع نہیں ہے اس غرض کو سمجھنے کے بعد سمجھ لیجئے کہ اسلام کی غلامی کیا ہے اور اس پر کونسی وجہ اعتراض کرنے کی ہے ہم کو اپنے حقوق کے مقابلہ میں آزادی کو سلب کرنا مثل بہائم اُن کا تبادلہ و تقید

کرنا تو جائز ہو اور بمقابلہ حق خداوندی اجازت نہ ہو۔

اور پھر یہ بھی خیال کر لیجئے کہ شریعتِ اسلام نے اُن کے حقوق کی نگہداشت کہاں تک کی ہے۔ باوجود مملوکیت اُن کی جان کی حفاظت احرار کی برابر رکھی ہے۔ اس معاملہ کی اجازت نہیں دی جو بعض متمدن ممالک میں کالے رنگ کی رعایا کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

ہم مسئلہ غلامی میں اس قدر لکھنا کافی سمجھتے ہیں۔ زیادہ لکھنے کے لئے مستقل تحریر کی ضرورت ہے اہل انصاف کیلئے اتنا بھی کافی ہے۔ واللہ الموفق والهادی۔

مسئلہ حریت و مساوات کا تذکرہ بذیل حالات سیف اللہ آگیا اور جس قدر اس موقع پر تفصیل و توضیح کر دی گئی اس سے زیادہ کبھی اُس وقت لکھا جائے گا جب کہ اس مسئلہ کو مستقلاً کسی رسالہ کی صورت میں شائع کیا جائے گا۔ یہاں پر تو اس کو ختم کر کے اصل مقصود کی طرف عود کرتے ہیں۔

حضرت سیف اللہ کے حالات میں سے چار فوائد ہم بیان کر چکے ہیں۔ اُن کے طویل الذیل حالات میں سے اور بھی بہت سے فوائد مستنبط ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہم اُس کے درپئے ہوں تو یہ مضمون جواب بھی بہت زیادہ طویل ہو گیا ہے۔ بہت زیادہ مبسوط ہو کر اصلی غرض سے دور ہو جائے گا۔ اس لئے صرف ایک فائدہ خامسہ کے بیان پر قناعت کر کے تذکرہ حالات سیف اللہ کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔

فائدہ خامسہ ۔ فتوحات شام و عراق میں حصہ لینے والے عساکرِ اسلامیہ کی تعداد ساٹھ ستر ہزار سے کم نہ تھی اس اسلامی فاتح و جرار عسکر میں ہر طبقہ کے مسلمان موجود تھے۔ مہاجرین اولین انصار قدیم الاسلام و متاخر الاسلام صحابہ۔ قبائل عرب کے جدید الاسلام۔ ابناء مہاجرین و انصار جن کو درجہ صحابیت حاصل ہوا اور بہت سے وہ بھی جو فتنہ ارتداد میں شریک ہو کر مسلمانوں سے نبرد آزما ہوئے اسلام کی صریح مخالفت و بیخ کنی کر چکنے کے بعد پختہ کار مسلمان ہوئے اور ان معرکوں میں حصہ دار بنے ایک بڑی جماعت تابعین کی تھی جن کو صحابہ کا فیضِ صحبت نصیب ہوا تھا۔ غرض مختلف اقسام مختلف قبائل۔ مختلف سن و سال۔ مختلف طبائع و امزجہ سے مرکب یہ اسلامی لشکر تھا۔ ایک ایسے مجمع میں ناممکن ہے کہ طبائع کا اصلی رنگ ظاہر نہ ہو کیسا ہی کچھ مزاج کو بنا لیا جائے۔ تہذیب و اخلاق پابند کر لیا جائے مگر طبعی اخلاق و ملکات کا ظہور نہ ہو ممکن نہیں۔

ہم اس اسلامی لشکر پر جو مختلف عناصر سے مرکب تھا اوّل سے آخر تک نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جتنے مہذب اخلاق تھے اُن کی طبیعت بن گئے تھے اسلامی تعلیم نے اُن کے ملکات کی اس قدر اصلاح کر دی تھی کہ بال بال اُن کا شریعت میں بندھا ہوا تھا حدودِ شریعت سے ایک قدم اِدھر اُدھر نکالنا ناممکن تھا۔ اخلاق و معاملات کا یہ حال کہ عرب کے خشک ریگستان کے رہنے والے ایسے جنت نظیر ممالک کو فتح کر کے اپنا قدم جماتے چلے جاتے ہیں۔ ہر قسم کے سامانِ راحت و عزت اُن کو میسر آتے ہیں اُن ممالک کے سکان بطور رعیت اُن کے سامنے آتے ہیں یا بحیثیت مفتوح و مقہور قوم کے۔ لیکن تاریخ میں کہیں اس کا ثبوت نہیں کہ مسلمانوں نے شریعت سے قدم باہر نکالا ہو کسی پر کسی معاملہ میں ذرا بھی جبر و تشدد کیا ہو۔ کسی پر دباؤ ڈال کر کوئی چیز حاصل کی ہو کسی کے مال و متاع پر نظر کی ہو وہ سب کے سب ایک تعلیم گاہ کے شاگرد۔ ایک خانقاہ کے مستفید تھے اُسی ایک طریقہ غرا شریعت پر قائم و مستقیم تھے قواعد عشرہ سے جس قدر اُن کو اجازت تھی اُتنے ہی پر عمل درآمد تھا اور پھر اس جرار عساکر اسلامی کے قواد و امراء، کون تھے امین الامتہ ابو عبیدہ۔ سیف اللہ خالد بن الولید۔ مثنی ابن حارثہ جن کے حالات ابھی ابھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ ان سے اوپر مسند خلافت پر کون متمکن تھے۔ صدیق اکبر فاروق اعظم جن کی شان کا اندازہ ابھی ابھی آپ کو ہمارے بیانات سے ہو چکا جو احکام ظاہری شریعت سے سر مو تجاوز کو کیا گوارا کرتے باطنی حالات و معاملات میں بھی کسی قسم کی تغیر یا انقلاب کو جو فی الحال پیش آئے یا مآلاً اس کو بھی روا نہ رکھتے تھے جن کی شانِ صلابت نے اس کی اجازت نہ دی کہ سپہ سالار اعظم سیف اللہ کے معاملہ میں ذرا بھی نرمی برتی جائے۔ اب ذرا انصاف سے دیکھئے۔ ایسی قوم ویسی فاتح لشکر ایسے نفوسِ مقدس ایسے مہذب و مؤدب ایسے پابند احکام شرع و مطیع امراء و قواد ایسے باہمہ اور بے ہمہ افراد جن کی شان۔

ملوك في النهار ورهبان بالليل هو | (دن میں بادشاہ رات میں راہب و عابد)

اُن کی تسخیر اخلاق کس درجہ پر ہوگی کیا دنیا میں کوئی سنگ دل ناحق پژوہ ایسا بھی ہے جو اس برگزیدہ قوم اور فاتح عسکر کے شبانہ روز حالات دیکھے اور اس کا دل متاثر نہ ہو۔ اس جماعت کی محبت اُس کے دل میں نہ آئے۔ ناممکن ہے۔

محسن کی محبت صاحبِ کمال کے کمال کا اعتراف اُن اُمور میں سے ہے جو بے اختیار دل میں جاگزیں ہوتے ہیں آدمی خود بھی اُن کو دفع کرنا چاہتا ہے۔ اُس کی تدبیر کرتا ہے کہ دل تک یہ اثر نہ پہنچے مگر پہنچ کر رہتا ہے اور وہی دل جو کسی وقت عداوت سے لبریز بغض و نفرت کا مرکز تھا اُنس و محبت عشق وولولہ کا مظہر بن جاتا ہے۔ اُس کے جوارح و اعضاء سے محبانہ افعال و حرکات بے اختیارانہ صادر ہونے لگتے ہیں۔

تلوار کا زور حکومت کا رعب آدمی کو مطیع بنا سکتا ہے لیکن محب و جانباز والہ و شیدا نہیں بنا سکتا۔ جوارح کو منقاد کر سکتے ہے لیکن قلوب کو مسخر نہیں کر سکتا۔ یہ کرامت صرف اخلاق و معاملات کی ہے کہ دل مسخر ہوتا ہے۔ اعضاء و جوارح کو جو سرکش بنے ہوئے تھے رفتہ رفتہ رام ہو کر بیدرم خریدہ غلام بن جاتے ہیں۔

دیکھئے فتح مکہ کے وقت جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ میں داخل ہونے کے لئے عثمان بن طلحہ ابن عبدالدار سے مفتاح بیت اللہ کو لینا چاہا تو اُس نے بوجہ سخت بغض و عداوت کے جو ذاتِ مقدس سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے رکھتا تھا انکار کر دیا اور نہایت مستعدی و تمرد سے کہدیا کہ ہرگز کسی کو میں کنجی نہ دوں گا۔ البتہ اگر میں جانتا کہ رسول اللہ ہیں تو بے تامل کنجیاں دے دیتا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اُس کا یہ انکار کیا اثر رکھتا تھا۔ اشرافِ قریش کی مجتمع قوت تو آپ کے مقابلہ میں کچھ کام دے ہی نہ سکی یہ بیچارہ تنہا کیا کرتا۔ مگر بغض قلبی سے مجبور تھا۔ اُس کی عداوت کا سبب فقط اختلافِ ملت ہی نہ تھا بلکہ اعزہ و اقارب کا جنگ بدر میں مقتول ہونا ایسے اسباب تھے جن کو کبھی دل سے مٹا ہی نہ سکتا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دیکھا کہ نرمی و ملاطفت سے کنجیاں نہیں دیتا تو آپ نے اُس کے ہاتھ کو مروڑ کر چھین لیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیں۔ اُسی وقت آیہ شریفہ۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا۔	خدا تعالیٰ تم کو حکم کرتا ہے کہ تم امانتوں کو اُن کے مستحقوں کے حوالے کر دو۔

نازل ہو گئی آپ نے اُسی وقت یہ ارشاد فرمایا کہ "یہ کنجیاں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تم کو دی جاتی ہیں۔" کنجیاں اُس کے حوالے کر دیں۔ اسی ارشاد کا یہ اثر ہے کہ مکہ مکرمہ میں اُس وقت سے اس وقت

تک ہزاروں انقلاب ہوئے سینکڑوں حکومتیں بدلیں۔ کل مردانیوں کی حکومت تھی اور اُن کے نائب حرمین میں رہتے تھے تو آج عباسیوں کی حکومت ہے کبھی عبیدی حکمران تھے تو کبھی ایوبی۔ کبھی سلجوقی۔ دو مان کا خطبہ پڑھا جاتا تھا تو کبھی خاندانِ زنگی کا۔ اسی طرح کبھی بنی حسن کی اولاد میں سے کسی ایک خاندان میں نقابت و شرافت تھی تو کبھی دوسرے میں۔ غرض اسی طرح کے گوناگوں انقلاب ہوتے رہے مگر بنی شیبہ کی کلید برداری و حجابت بیت اللہ میں کچھ انقلاب و تغیر نہ ہوا۔ ہر زمانہ میں یہی کلید بردار و حاجب بیت اللہ رہے اور اب بھی وہی ہیں۔ چنانچہ اسی اختصاص و امتیاز کی وجہ سے کلید بردار بیت اللہ کا مختص لقب شیبی ہو گیا ہے۔ اسی طرح تمرد و عصیان سرکشی و طغیان کے بعد اس ملاطفت سے کنجیاں عطا فرمانا اور وہ بھی بحکم خداوندی ایسا نہ تھا کہ دل پر اثر نہ کرتا۔ فوراً اُس کے قلب پر ایمان کا اثر پہنچگیا۔ دل میں محبت آئی تو زبان نے فوراً اس کا ساتھ دیا اور بے اختیار بول اٹھا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمد الرسول اللہ اور اُسی وقت ایک سچا اور پکا جانباز و جان نثار مسلمان بن گیا۔ اللہ اکبر کہاں وہ بغض و عداوت جس کے اس قدر اسباب تھے کہ جن سے کبھی بھی قطع نظر نہیں کرسکتا تھا کہاں یہ محبت و فریفتگی فرمائیے تو سہی یہ تلوار کا اثر تھا۔ حکومت کا زور تھا۔ یا اخلاق کی تسخیر اور معاملات و حالات کی تاثیر۔ زور تو اتنا ہی تھا کہ بجبر اُس کے ہاتھ سے کنجیاں لے لیں۔ لیکن انصاف سے کہئے کہ اس کا اثر اُس پر کیا ہوا تھا۔ محبت پیدا ہوئی تھی یا دیرینہ عداوت میں ترقی ہوئی تھی۔ پھر دفعتہً یہ کایا کیسے پلٹ گئی۔ اسی وجہ سے کہ وہی فاتح جو ابھی ابھی بزور کنجیاں لے چکے تھے بامرِ خداوندی اُس کو کنجیاں واپس ہی نہیں دیتے۔ بلکہ خالدً اً تالدً اً کی بشارت بھی دیتے ہیں یعنی اب تمہارے خاندان سے یہ خدمت کبھی منتقل نہ ہوگی۔ کسی قوم کو حلقہ بگوش اسلام بنانے کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں ترغیب و ترہیب کا حال تو ابھی معلوم ہو چکا کہ اُس کا نام و نشان نہ تھا کسی قسم کا دباؤ یا زور نہیں دکھلایا گیا اور نہ اُس مفتوح و مقہور کے لئے قانون کی صورت میں جبر و تشدد کو نافذ کیا گیا۔ جو حقوق ایک مسلمان کے تھے وہی اُس مفتوح رعایا کے تھے ترغیب کا حال یہ تھا کہ اُن کو اسلام لانے کے لئے کسی طرح کا لالچ یا طمع دنیاوی کا کوئی معمول نہ تھا۔ نہ اُن کے لئے وظائف مقرر کئے گئے۔ نہ اسلامی مشن اور مدارس کھولے گئے کہ نو عمروں عورتوں۔ بیکس اور مفلسوں کو داخل کر کے اسلام کا خوگر بنایا جائے۔ ہاں ترغیب تھی تو اس قدر کہ اُن کو جنت اور

اور نعیم آخرت کی طرف عام توجہ دلائی جاتی تھی اسلام کی برکات سے اُن کو مطلع کیا جاتا تھا۔
لیکن وہ بھی کسی خاص انداز و پیرایہ میں نہیں۔ بلکہ عام انذار کے ذریعہ سے جس سے کلام الٰہی بھرا ہوا
ہے۔ ترہیب تھی تو یہ کہ دوزخ اور اس کی تکالیف سے اُن کو ڈرایا جاتا تھا۔ عذاب آخرت دائمی
مصائب سے متنبہ کیا جاتا جس کو سُن کر کوئی فہیم و عاقبت اندیش اسلام کی طرف مائل ہو جائے
اُس کی خوش قسمتی مسلمانوں کی طرف سے منوانے اور بجبر سمجھانے کا کوئی پہلو اختیار نہ کیا جاتا تھا۔
ان حالات کے ساتھ اسلام کا اثر بسرعت پھیلتا چلا گیا۔ وہی اقوام جو برسرِ پیکار تھیں ان
معاملات کو دیکھ کر نہ صرف مسلمان ہو گئیں بلکہ دین کو ثریا سے اُتار لانے کی قابل بن گئیں۔ تو اس
کو اسلام کی کھلی کرامت اور اخلاق کی واضح و بین تسخیر کیوں نہ سمجھا جائے۔ ہاں اگر ایک دو مثال
سے معلوم ہوتا کہ اس اسلامی کثیر التعداد فاتح مظفر و منصور و مقبول لشکر کے طرزِ عمل سے کسی
ایک دو پر جبر و تشدد نے اسلام کی بنیاد جمائی تو پھر یہ قیاس آگے بھی چلتا۔ یہاں تو حال یہ تھا جو
ہم نے بیان کیا کہ حدِ شریعت سے قدم نکالنا ممکن نہ تھا۔ نرمی و ملاطفت تھی تو احاطۂ شرع
کے اندر سختی و شدت تھی تو اُس کی حدود میں اور پھر اُس سختی و نرمی میں مسلم و غیر مسلم شریک بلکہ مسلم
کی ذرا سی لغزش پر زیادہ گرفت ہوتی تھی۔ اس کے بعد بھی کوئی سنگ دل ناانصاف اسلام کے
اعجاز و کرامت کا قائل نہ ہو تو اُس کا علاج کچھ نہیں ہے۔
اس کے ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ فتوحاتِ اسلام اور تبلیغ دین کی یہ ابتدا تھی جو
اس مہذب اور با اخلاق قوم کے ہاتھوں پڑی۔ اور تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو صاف
معلوم ہوتا ہے کہ اکثر مشہور اور باوقعت ممالک و اقالیم کی تسخیر صحابہ رضوان اللہ علیہم
اجمعین کے وقت میں اُن کے ہاتھوں سے پڑ چکی۔ اُس کے بعد جس قدر فتوحات ہوئیں وہ تکمیل
کا درجہ رکھتی ہیں اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ نظر اُصول و بدایت پر ہوتی ہے۔
مابعد کے قرون میں بھی یہی طریقہ صحابہ میں اصل مقصد قرار دیا گیا۔ پھر کسی کا کیا حوصلہ ہے۔ اور
اُس کے پاس کیا حجت ہے کہ ان حالات کو دیکھنے اور سمجھنے کے بعد یہ کہہ سکے کہ اسلام بزورِ تلوار
پھیلایا گیا ایسی بات وہی کہہ سکتا ہے جو عقل و دانش دین و ایمان انصاف و حق پسندی سے
ہاتھ اٹھائے اور بلا دلیل و حجت اپنی ہی بات پر اصرار کئے جائے۔ لیکن اس کا نتیجہ اُس کے

حق میں سوائے ندامت وپشیمانی کے کچھ نہیں۔ حجۃ وبرہان کے موقع پر نہ اُس کی بات قابل شنوائی رہتی ہے اور نہ وہ اس قابل رہ سکتا ہے کہ عقلاء بافراست اُس کی بات پر کان دھریں۔ واللہ العاصم من الضلال وھو الملھم للصدق والسداد والیہ المرجع والمعاد واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالیٰ علےٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین۔

خاتمہ حصّہ دوم

ہم نے اِس مضمون اشاعت اسلام کی تمہید میں لکھا تھا اس مضمون کو تین حصّوں پر منقسم کیا جائے گا حصّہ اول حالات زمانہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حصّہ دوم حالات زمانہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ حصّہ سوم حالات زمانہ مابعد صحابہ۔ حصّہ اوّل کو دو حصّوں پر منقسم کیا تھا۔ ایک حالات قبل ہجرت اور دوسرا مابعد ہجرت۔ حصّہ اوّل کے بیان میں اختصار ہو گیا اور بہت سے ضروری حالات لکھنے سے رہ گئے جس کی وجہ یہ تھی کہ جس وقت ہم نے اس مضمون پر قلم اُٹھایا۔ تو خیال اتنی بسط و تفصیل کا نہ تھا۔ لیکن جب یہ مضمون لکھا گیا اور مسلمانوں کے ہر طبقہ بالخصوص تعلیم یافتہ طبقہ میں زیادہ مقبولیت و پسندیدگی سے دیکھا گیا اور ہم کو معلوم ہو گیا کہ اس کی ضرورت تھی بہت سے ناواقف مسلمان بھی اس اعتراض (اسلام بزور شمشیر پھیلا) سے متاثر ہیں یا کم از کم اُن کی حاجت ہے کہ واقعات و دلائل سے اس کی حقیقت اُن پر واشگاف کر دی جائے تو حصّہ دوم میں ہم نے اختصار سے کام نہ لیا۔ اور الحمد للہ واقعات سے اشاعت اسلام کی حقیقت دکھلا دی۔

اگرچہ حصّہ دوم میں بھی ابھی اور بہت سے واقعات لکھنے اور اُن کے نتائج بتلانے کی گنجائش تھی مگر اوّل تو اس قدر بیان کو دفعہ شبہات کے لئے ہم نے کافی سمجھا۔ اس کے علاوہ یہ بھی خیال کہ شاید کوئی یہ خیال کرے کہ یہ زمانہ تو صحابہ کا تھا قربِ فیض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ تو کوئی امر خلاف حقیقی تعلیم اسلام کے نہ کر سکتے تھے۔ مگر زمانہ مابعد میں جب کہ مسلمانوں میں تغیر ہونے لگا اور وہ حقیقی تعلیم سے باعتبار امتدادِ زمانہ و نیز باعتبار اختلاطِ تاثرات ملک گیری یہ حالات باقی نہ رہے اور مسلمانوں نے بجائے اشاعت اسلام قومیت و عصبیت کے دائرہ کو وسیع کرنا چاہا اور اس طرح یہ طریقہ بھی بدل گیا ہو اس لئے ہم کو ضرورت محسوس ہوئی کہ حصّہ دوم کو

ختم کرکے حصہ سویم شروع کردیں اور دکھلادیں کہ جس طریقہ کی بنیاد زمانہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میں پڑی تھی جس کی تکمیل صحابہ نے کی تھی قرون مابعد میں بھی وہی رفتار رہی ایک طرف فتوحاتِ ملکی کا سلسلہ قائم رہا تو دوسری جانب اسلام اپنی اُسی خاموش رفتار سے سکہ جماتا رہا جو عجیب وغریب حالات ہم حصہ سویم میں بیان کریں گے ناظرین اُس سے حیران ومتعجب ہوں گے اور ہمارے اس دعوے کی پوری پوری تصدیق ہوجائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

رہا حصہ اوّل جس میں بہت اختصار ہوگیا ہے اور اُن اظہار کا بالتفصیل معہ اظہار نتائج ضبط ہونا نہایت ضروری ہے اُس کی نسبت ہمارا خیال ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد رسالہ سے علیحدہ مرتب کرکے مسلمانوں کے سامنے پیش کریں گے یہ وہ حالات ہیں کہ جن کو دیکھنے اور سمجھنے کے بعد ایمان تازہ ہوتا ہے اور کسی معترض یا متعصب کے اعتراض وتعصب کے قلب تک رسائی یا تاثیر کی گنجائش نہیں رہتی۔ ناظرین کچھ عرصہ اُس کا انتظار کریں اور دعا کریں کہ حق تعالیٰ مجھ کو اُن کی تسوید وتکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان +